تدبرِ حدیث

شرح صحیح بخاری

(منتخب ابواب)

جلد دوم

مولانا امین احسن اصلاحیؒ

ترتیب و تدوین

خالد مسعودؒ۔ عبداللہ غلام احمد۔ سید اسحاق علی

ادارہ تدبرِ قرآن وحدیث لاہور

جملہ حقوق بحق ادارہ تدبر قرآن وحدیث محفوظ ہیں

نام کتاب: تدبر حدیث

شرح صحیح بخاری۔ منتخب ابواب (جلد دوم)

دروس: مولانا امین احسن اصلاحیؒ

ترتیب وتدوین: خالد مسعودؒ۔ عبداللہ غلام احمد۔ سید اسحاق علی

اشاعت: باراول ۲۰۰۵ء

تعداد: ۱۱۰۰

ناشر: ادارہ تدبر قرآن وحدیث، لاہور

کمپیوٹر کمپوزنگ: محمد اکرام الحق

پریس: شرکت پرنٹنگ پریس، 43۔نسبت روڈ، لاہور

ہدیہ: [redacted]-/ روپے

400

ملنے کا پتہ

۱۔ ادارہ تدبر قرآن وحدیث، رحمان سٹریٹ، مسلم روڈ سمن آباد۔ لاہور

۲۔ دارالتذکیر، رحمان مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اردو بازار۔ لاہور

۳۔ فاران فاؤنڈیشن، 122 فیروز پور روڈ، لاہور۔

فہرست مضامین

پیش لفظ 15

اصول فہم حدیث 16

حدیث اور سنت میں فرق 16

قرآن اور حدیث وسنت کا باہمی تعلق 19

تدبر حدیث کے چند بنیادی اصول 21

روایات کے صحیح وسقیم میں امتیاز 22

صحابہؓ اور صحابیت 24

سند کی اہمیت 25

متن حدیث 27

اخبار آحاد کی حجیت 28

فتنۂ وضع حدیث 29

امہات فن حدیث 31

كتاب الحوالات

باب ۱: حوالہ یعنی قرض کو دوسرے پر اتارنے کے بارے میں۔ 35

باب ۲: اگر مالدار پر حوالہ دیا جائے تو اس کا رد کرنا جائز نہیں ہے۔ 36

باب ۳: میت پر جو قرض ہے اس کا حوالہ جائز ہے۔ 36

باب ۴: قرضوں وغیرہ کی شخصی اور مالی ضمانت کے بیان میں۔ 39

باب ۵: اللہ تعالیٰ کے اس حکم کے بارے میں کہ جن سے تم نے قسم کھا کر قول کیا ان کا حصہ ان کو دو۔ 40

باب ۶: جو شخص میت کے قرض کی ضمانت دے اس سے پھرنے کا حق اسے نہیں۔ 42

باب ۷: حضرت ابوبکرؓ کی پناہ گیری اور اس کا عہد۔ 44

باب۸: قرض کے بارے میں۔ 50

کتاب الوکالہ

باب۱: تقسیم میں اور دوسرے کاموں میں ایک شریک کے معاملہ کو دوسرے شریک کے ذمہ لگا دینا۔ 53
باب۲: کوئی مسلمان کسی حربی کو دار الحرب میں یا دار الاسلام میں اپنا وکیل بنالے تو جائز ہے۔ 55
باب۳: مبادلہ کی شرح میں وکالت چاہے وہ موزوں ہو یا غیر موزوں۔ 58
باب۴: کوئی چرواہا یا آدمی کا وکیل اگر دیکھے کہ بکری مر رہی ہے یا کوئی شے خراب ہو رہی ہے تب وہ بکری کو ذبح کر دے۔ 59
باب۵: موجود یا غیر حاضر آدمی کو وکیل بنانا جائز ہے۔ 60
باب۶: قرضوں کی ادائیگی کے بارے میں وکالت۔ 61
باب۷: آدمی جب کسی وکیل کو یا قوم کے کسی شفیع کو کچھ دے تو ایسا کرنا جائز ہے۔ 62
باب۸: جب آدمی کسی شخص کو وکیل بنائے کہ وہ کوئی چیز دے دے اور اس نے یہ نہیں بتایا کہ کتنی دے تو وہ لوگوں کے دستور کے مطابق دے۔ 65
باب۹: کسی عورت کا خلیفہ کو نکاح میں وکیل کرنا۔ 67
باب۱۰: جب کسی شخص نے کسی کو وکیل بنایا اور وکیل نے کسی بات کو چھوڑ دیا اور موکل نے اس کی اجازت دے دی تو یہ جائز ہے۔ اور اگر خاص مدت تک قرض بھی دے دے تو وہ بھی جائز ہے۔ 69
باب۱۱: اگر وکیل فاسد چیز کی بیع کرے تو اس کی بیع واپس ہوگی۔ 72
باب۱۲: وقف اور وقف کے مال کے خرچ کے بارے میں وکیل کا دائرہ کار۔ 73
باب۱۳: حدود کے بارے میں وکالت۔ 74
باب۱۴: قربانی کے جانوروں کے بارے میں وکالت اور ان کی نگرانی۔ 75
باب۱۵: جب کوئی شخص اپنے وکیل سے کہے کہ اس کو آپ اس مصرف میں لائیں جو اللہ سمجھا دے۔ 76
باب۱۶: خزانہ وغیرہ کا امین بنائے گئے شخص کی وکالت۔ 77

کتاب المزارعۃ

باب ۱: زراعت اور درخت لگانے کی فضیلت جب کہ اس میں سے لوگ کھائیں۔ 81

باب ۲: کھیتی باڑی کے آلات کے ساتھ زیادہ مشغولیت۔ 82

باب ۳: کھیت کی حفاظت کے لیے کتا رکھنا۔ 84

باب ۴: کھیتی کے لیے گائے بیل سے کام لینا۔ 85

باب ۵: جب ایک شخص یہ کہے کہ آپ میرے نخلستان کی دیکھ بھال کی ذمے داری لے کر پھل میں میرے شریک ہو جائیں۔ 87

باب ۶: درختوں اور کھجوروں کا کاٹنا۔ 88

باب ۷: مزارعت نصف پر بھی ہو سکتی ہے۔ 90

باب ۸: جب کوئی شخص اپنی زمین سالوں کی قید لگائے بغیر مزارعت پر دے دے۔ 92

باب ۹: 93

باب ۱۰: یہود کے ساتھ مزارعت۔ 94

باب ۱۱: وہ شرطیں جو مزارعت میں مکروہ ہیں۔ 94

باب ۱۲: کوئی آدمی کسی کے مال کو بغیر اس کی اجازت کے کھیتی میں لگا دے اور اس میں اس کی فلاح ہو تو جائز ہے۔ 95

باب ۱۳: صحابہؓ کے اوقاف اور خراجی زمین اور اس کی بٹائی کے معاملات۔ 97

باب ۱۴: کسی مردہ زمین کو زندہ کرنے والے کے لیے حکم۔ 99

باب ۱۵: 100

باب ۱۶: جب زمین کا مالک کاشتکار سے کہے کہ میں تمہیں اس پر مقرر کرتا ہوں جب تک کہ اللہ تعالیٰ تم کو رکھے اور کوئی مدت متعین نہ کرے تو فیصلہ اپنی باہمی رضامندی سے کر سکتے ہیں۔ 101

باب ۱۷: صحابہؓ کی کھیتی باڑی اور پھلوں میں ایک دوسرے سے موافقت کے بارے میں۔ 103

باب ۱۸: سونے چاندی کے بدلے زمین دینے کے بارے میں۔ 107

باب۱۹: 108

باب۲۰: درخت بونے کے بارے میں روایات۔ 109

کتاب المساقاۃ

باب۱: پینے پلانے کے بارے میں۔ 115

باب۲: پینے پلانے کے بارے میں۔ 115

باب۳: فاضل پانی روکا نہیں جاسکتا، پانی کا مالک جب تک کھیتی کو سیراب نہ کرے، پانی کا زیادہ حق دار ہے 118

باب۴: جس نے اپنی زمین میں کنواں کھودا تو وہ اس کی وجہ سے ہونے والے کسی نقصان کا ضامن نہیں ٹھہرے گا۔ 119

باب۵: کنویں کے بارے میں جھگڑا اور اس کا فیصلہ۔ 120

باب۶: اس شخص کا گناہ جو مسافر کو پانی نہ دے۔ 121

باب۷: نہروں کی بندش کے بارے میں۔ 122

باب۸: جس کا کھیت بلندی پر ہو وہ نیچے والے سے پہلے سیراب کرے۔ 124

باب۹: بلند کھیت والا پانی ٹخنوں تک بھرے۔ 125

باب۱۰: پانی پینے پلانے کی فضیلت کے بارے میں۔ 126

باب۱۱: حوض اور مشکیزہ کا مالک اپنے پانی کا زیادہ حق دار ہے۔ 128

باب۱۲: حمی قائم کرنے کا حق صرف اللہ اور اس کے رسولؐ کو ہے۔ 131

باب۱۳: نہروں سے لوگوں اور جانوروں کا پانی پینا۔ 132

باب۱۴: لکڑی اور گھاس کی فروخت۔ 135

باب۱۵: جاگیر کے بارے میں۔ 138

باب۱۶: جاگیر، مقطعوں کی سند لکھ دینے کے بارے میں۔ 139

باب۱۷: اونٹنیوں کو چشموں پر ہی دوہا جائے۔ 139

باب۱۸: جس کو باغ میں سے گزرنے یا پانی دینے یا کھجور کا پھل لینے کا حق حاصل ہو۔ 140

کتاب الاستقراض

باب ۱: کسی شخص نے کوئی چیز قرض خریدی درآنحالیکہ اس کی قیمت نہ اس کے پاس نقد موجود ہے اور نہ غائب میں موجود ہے۔ 145

باب ۲: جو شخص لوگوں کا مال ادا کرنے کی نیت سے لے یا جو ہضم کرنے کی نیت سے لے۔ 147

باب ۳: قرضوں کی ادائیگی۔ 148

باب ۴: اونٹ قرض پر لینے کے بارے میں۔ 150

باب ۵: نرمی سے تقاضا کرنے کے بارے میں۔ 151

باب ۶: جس عمر کا جانور لیا گیا کیا اس سے بڑی عمر کا واپس دیا جا سکتا ہے؟ 153

باب ۷: اچھی طرح سے قرض ادا کرنا۔ 154

باب ۸: اگر کسی کے حق سے کم کا فیصلہ کیا جائے یا حق سے سبکدوش کیا جائے تو یہ جائز ہے۔ 155

باب ۹: قرض ادا کرنے میں اندازے سے یا ایک مشت کھجور کے بدلے کھجور یا اس کے سوا کوئی اور چیز اسی چیز کے بدلے دینا جائز ہے۔ 156

باب ۱۰: جنہوں نے قرض سے پناہ مانگی۔ 158

باب ۱۱: اس شخص کی نماز جنازہ جو قرض چھوڑ کر مرا۔ 158

باب ۱۲: مال دار کا اپنے قرض خواہ سے ٹال مٹول کرنا ظلم ہے۔ 160

باب ۱۳: جس کا کچھ نکلتا ہو اس کو کچھ کہنے کا بھی حق ہے۔ 160

باب ۱۴: اگر کوئی شخص اپنا مال کسی مفلس یعنی دیوالیے کے پاس پاتا ہے تو خواہ وہ بیع کی نوعیت کا ہو یا قرض کی نوعیت کا یا امانت کا، وہ اس کا زیادہ حق دار ہے۔ 162

باب ۱۵: کسی نے قرض خواہ کو ایک آدھ دن کے لیے ٹالا تو یہ ٹال مٹول میں شمار نہیں ہوگا۔ 164

باب ۱۶: جو شخص دیوالیہ یا محتاج کا مال بیچ کر قرض خواہوں کے درمیان تقسیم کر دے یا اسی کو دے دے تا کہ وہ اپنے اوپر خرچ کرے۔ 165

باب ۱۷: آدمی کوئی قرض دے دے ایک معین مدت کے لیے یا اس کو بیع کے بارے میں موجل کر دے 166

باب۱۸: قرض میں کمی کرنے کے لیے سفارش 167
باب۱۹: مال کو ضائع کرنے سے روکا گیا ہے۔ 169
باب۲۰: غلام اپنے آقا کے مال کا نگران ہے اور اس میں کوئی تصرف وہ اس کے اذن کے بغیر نہیں کرسکتا۔ 171

کتاب فی الخصومات

باب۱: اشخاص کے بارے میں اور مسلمان اور یہودی کے درمیان جھگڑا ہونے کے بارے میں۔ 175
باب۲: جس نے سفیہ کو یا ضعیف العقل کے کسی اقدام کو خود ہی رد کر دیا اگرچہ حاکم نے اس کے اوپر کوئی پابندی عائد نہیں کی تو یہ جائز ہے۔ 181
باب۳: معاملہ کے دو فریق ایک دوسرے کے بارے میں کس حد تک کچھ کہہ سکتے ہیں۔ 184
باب۴: مجرموں اور شریروں کو پہچان لینے کے بعد گھروں سے نکالا جائے۔ 188
باب۵: جس کو وصیت کی گئی ہو وہ میت کے حق کے لیے دعویٰ کرسکتا ہے۔ 190
باب۶: ایک آدمی کی طرف سے خطرے کا ڈر ہو تو اس کو پابند کیا جاسکتا ہے۔ 191
باب۷: حرم میں روکنے اور قید کرنے کے بارے میں۔ 193
باب۸: ملازمت کے بارے میں۔ 194
باب۹: تقاضا کرنے کے بارے میں۔ 195

کتاب فی اللقطۃ

باب۱: کسی چیز کا مالک ٹھیک ٹھیک نشانی بتادے تو چیز اس کو دے دی جائے گی۔ 199
باب۲: بھٹکے اونٹ کے بارے میں۔ 200
باب۳: کھوئی ہوئی بکری کے بارے میں۔ 201
باب۴: جس کا گمشدہ مال ہے وہ ایک سال بعد بھی نہ آئے تو وہ اس کے لیے ہے جس نے اس کو پایا ہے۔ 203
باب۵: دریا میں کوئی لکڑی یا میدان میں کوئی کوڑا یا اس طرح کی کوئی چیز گری پڑی مل جائے تو کیا حکم ہے۔ 204
باب۶: آدمی راہ میں گری پڑی کھجور پائے تو کیا حکم ہے۔ 204
باب۷: اہل مکہ کے لقطہ کی شناخت کیسے کرائی جائے گی۔ 206

باب۸:	کسی کے جانور کا دودھ بغیر اجازت کے نہ دوہا جائے۔ 209

باب۹:	گری پڑی چیز کا مالک سال گزرنے کے بعد آئے تب بھی چیز پانے والے کو لوٹانا پڑے گا کیونکہ وہ اس کے پاس امانت تھی۔ 210

باب۱۰:	کیا گری پڑی چیز کا اٹھالینا بہتر ہے تاکہ ایسا نہ ہو کہ وہ ضائع ہو جائے یا کوئی غیر مستحق اس کو پائے۔ 211

باب۱۱:	جس نے لقطہ کا تعارف تو کرادیا لیکن حکومت کے حوالے نہیں کیا۔ 213

باب۱۲:	ایک باب 213

کتاب فی المظالم والغصب

باب۱:	ظلم کا قصاص۔ 218

باب۲:	اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ سن لو ظالموں پر اللہ کی پھٹکار ہے۔ 220

باب۳:	مسلمان مسلمان پر ظلم نہ کرے اور نہ کسی کو ظلم کرنے دے۔ 221

باب۴:	اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ ظالم ہو یا مظلوم۔ 222

باب۵:	مظلوم کی مدد کے بارے میں۔ 223

باب۶:	ظالم سے انتقام کے بارے میں۔ 225

باب۷:	جس پر ظلم کیا گیا ہے وہ ظلم کو معاف کرے۔ 226

باب۸:	ظلم قیامت کے دن تاریکیوں میں سے ہوگا۔ 227

باب۹:	مظلوم کی پکار سے بچنے کے بارے میں۔ 227

باب۱۰:	جس کی کوئی زیادتی کسی شخص کے پاس ہو اور وہ اس معاملہ کو صاف کرالے تو کیا اس صورت میں یہ ضروری ہے کہ وہ اپنی اس تعدی کو بھی بیان کرے۔ 228

باب۱۱:	جب مظلوم نے ظالم کو اس کے ظلم سے بری الذمہ قرار دے دیا تو پھر اس معاملہ میں رجوع جائز نہیں ہے۔ 230

باب۱۲:	جب اجازت دے دی یا برأت دے دی اور نہیں واضح کیا کہ وہ کتنی ہے۔ 231

باب۱۳:	اس شخص کا گناہ جو کسی کی زمین ہڑپ کرلے۔ 233

باب۱۴:	جب ایک انسان نے کسی دوسرے انسان کو کسی بات کی اجازت دے دی تو وہ جائز ہے۔ 235

باب ۱۵: اللہ تعالیٰ کے قول الد الخصام کے بارے میں۔	237
باب ۱۶: اس شخص کے گناہ کے بارے میں جو جانتے بوجھتے ناحق جھگڑتا ہے۔	237
باب ۱۷: اس بارے میں کہ جب جھگڑے تو بدزبانی کرتا ہے۔	238
باب ۱۸: کوئی مظلوم اگر کسی حق تلفی کرنے والے کا مال پا جائے تو بقدر اپنے مال کے قصاص لے سکتا ہے۔	239
باب ۱۹: چوہدریوں کے چوپالوں کے بارے میں۔	241
باب ۲۰: کوئی پڑوسی اپنے پڑوسی کو اس بات سے نہ روکے کہ وہ اپنی کھونٹی اس کی دیوار میں گاڑے۔	242
باب ۲۱: شراب گلیوں میں بہا دینے کے بارے میں۔	243
باب ۲۲: گھروں کے صحنوں، جلوخانوں اور رستوں پر بیٹھنے کے بارے میں۔	245
باب ۲۳: راستے میں کنواں کھودنے کے بارے میں بشرطیکہ اس سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے۔	247
باب ۲۴: راستے سے تکلیف دہ چیز ہٹانے کے بارے میں۔	248
باب ۲۵: چھتوں پر بالاخانے اور بلند وبالا بالاخانے وغیرہ بنانے کے بارے میں۔	248
باب ۲۶: جس نے اپنا اونٹ بلاط پر یا مسجد کے دروازہ پر باندھ دیا۔	260
باب ۲۷: کسی قوم کے گھورے پر ٹھہرنا اور وہاں پیشاب کرنا۔	260
باب ۲۸: راستہ میں سے کانٹوں کی ڈالی اور کوئی تکلیف دہ چیز اٹھا کر پھینک دینے والے کے بارے میں۔	261
باب ۲۹: چلتے ہوئے راستہ کے بارے میں لوگوں میں اختلاف۔	261
باب ۳۰: لوٹ کھسوٹ بغیر اس کے مالک کے اذن کے۔	262
باب ۳۱: صلیب کو توڑنے اور خنزیر کے قتل کے بارے میں۔	264
باب ۳۲: شراب کے مٹکے توڑنے یا مشکیں پھاڑ ڈالنے کے بارے میں۔	265
باب ۳۳: اس شخص کے بارے میں جو اپنا مال بچانے کے لیے لڑے۔	267
باب ۳۴: اگر آدمی کسی دوسرے کا پیالہ یا کچھ سامان توڑ ڈالے تو کیا ہوگا۔	268
باب ۳۵: اگر کوئی کسی کی دیوار گرائے تو ویسی ہی دوسری بنا دے۔	269

کتاب الشرکۃ

باب ۱:	کھانے میں، نہد میں اور اسباب میں شرکت کے بارے میں۔	273
باب ۲:	صدقہ دو شریکوں کی طرف سے ہو تو وہ آپس میں اپنا اپنا مقدر حصہ اپنے ذمہ لیں گے۔	278
باب ۳:	بکریوں کے بانٹنے کے بارے میں۔	278
باب ۴:	دو دو کھجوریں اکٹھی کھانا کسی شریک کو درست نہیں جب تک دوسرے ساتھیوں سے اجازت نہ لے لے۔	281
باب ۵:	شریکوں کے درمیان منصفانہ قیمت کے مطابق اشیاء کی قیمت ٹھہرانا۔	282
باب ۶:	حصہ تقسیم کرنے کے لیے قرعہ کا طریقہ۔	284
باب ۷:	یتیم کا دوسرے وارثوں کے شریک ہونے کے بارے میں۔	285
باب ۸:	زمین وغیرہ کے معاملات میں شرکت۔	289
باب ۹:	جب شریکوں نے گھر کو یا کسی اور چیز کو تقسیم کر لیا تو ان کے لیے رجوع کا یا شفعہ کا حق نہیں ہے۔	290
باب ۱۰:	سونے اور چاندی اور ان چیزوں کی شرکت کے بارے میں جن کا تبادلہ ہوتا ہے۔	290
باب ۱۱:	ذمی اور مشرکین کی مزارعت میں شرکت۔	291
باب ۱۲:	بکریوں کی تقسیم اور اس کے بارے میں عدل کا طریقہ۔	292
باب ۱۳:	اناج وغیرہ میں شرکت۔	293
باب ۱۴:	غلام میں شرکت۔	294
باب ۱۵:	ھدی کے جانوروں اور ھدی کے اونٹوں میں شرکت۔	296
باب ۱۶:	تقسیم میں دس بکریوں کو ایک اونٹ کے برابر قرار دینے والے کے بارے میں۔	299

کتاب الرھن

باب ۱:	حضر میں رہن کے بارے میں۔	303
باب ۲:	جس نے اپنی زرہ رہن رکھی۔	305
باب ۳:	اسلحہ رہن رکھنے کے بارے میں۔	305
باب ۴:	جو جانور رہن ہے اس پر سواری کرنا اور اس کا دودھ پینا درست ہے۔	307

باب۵: یہود اور دوسرے (غیر مسلموں) کے ہاں رہن رکھنے کے بارے میں۔ 309
باب۶: راہن اور مرتہن کسی بات میں اختلاف کریں، یا ان کی طرح دوسرے لوگ اختلاف کریں تو مدعی کو گواہ لانا اور مدعی علیہ کو قسم کھانا چاہیے۔ 309

کتاب العتق اور کتاب المکاتب

کتاب الھبہ

باب۱: 313
باب۲: تھوڑی چیز ھبہ کرنے کے بارے میں۔ 316
باب۳: اس شخص کے بارے میں جس نے اپنے اصحاب سے کسی چیز کا ہدیہ مانگا اور ابو سعید نے کہا کہ نبیؐ نے فرمایا اس میں اپنے ساتھ میرا حصہ بھی رکھنا۔ 317
باب۴: پانی مانگنے کے بارے میں۔ 320
باب۵: شکار کا تحفہ قبول کرنے کے بارے میں۔ 321
باب۶: ھدیہ قبول کرنے کے بارے میں۔ 322
باب۷: اپنے کسی دوست کو خاص اس دن تحفہ بھیجنے کے بارے میں جب وہ اپنی خاص بیوی کے پاس ہو۔ 327
باب۸: جس ہدیہ کو لوٹانا جائز نہیں ہے۔ 333
باب۹: جس نے ہبہ غائب کو جائز قرار دیا۔ 334
باب۱۰: ھبہ کے معاوضہ کے بارے میں۔ 336
باب۱۱: کوئی شخص اپنی ایک یا بعض اولاد کو ھبہ کرے تو وہ جائز نہیں۔ 337
باب۱۲: ھبہ کے معاملہ میں گواہ بنانے کے بارے میں۔ 339
باب۱۳: اگر کوئی مرد اپنی بیوی کو ھبہ کرے یا ایک عورت اپنے شوہر کو ھبہ کرے تو اس کا کیا حکم ہے۔ 340
باب۱۴: عورت کا اپنے شوہر کے علاوہ کسی کو ھبہ کرنا۔ 343
باب۱۵: ہدیہ کا آغاز کس سے کیا جائے۔ 346
باب۱۶: اس شخص کے بارے میں جس نے کسی سبب سے ہدیہ قبول نہ کیا۔ 347

باب۱۷: اگر ہبہ کرکے یا ہبہ کا وعدہ کرکے کوئی مرجائے اور وہ چیز موہوب لہ کو نہ پہنچی ہو تو اس کا کیا حکم ہے۔ 349
باب۱۸: غلام پر اور سامان پر کس طرح قبضہ ہوتا ہے۔ 350
باب۱۹: اگر کوئی شخص ھبہ کرے اور دوسرا اس پر قبضہ کرے لیکن یہ نہ کہے کہ میں نے قبول کیا۔ 351
باب۲۰: اگر ایک شخص کا کسی شخص کے اوپر قرض ہو تو وہ ھبہ کردے۔ 354
باب۲۱: ایک شخص واحد کا ھبہ ایک جماعت کے لیے۔ 357
باب۲۲: اس چیز کے ھبہ کے بارے میں جو قبضہ میں ہو یا نہ ہو اور ھبہ تقسیم کیا ہوا بھی ہو سکتا ہے اور غیر تقسیم شدہ بھی 359
باب۲۳: کسی جماعت کا کسی دوسری جماعت کو ھبہ کرنا۔ 362
باب۲۴: اگر کسی کو ہدیہ پیش کیا جائے اور اس کے پاس دوسرے ہم نشین بھی بیٹھے ہوں تو جس کو پیش کیا گیا وہ اس ہدیہ کا حق دار ہے۔ 365
باب۲۵: اگر کسی نے اونٹ دیا اس حال میں کہ جس کو دیا وہی اس پر سوار ہے تو یہ جائز ہے۔ 368
باب۲۶: ایسی چیز کا ھدیہ کہ جس کا پہننا مکروہ ہو۔ 369
باب۲۷: مشرکین کا تحفہ قبول کرنے کے بارے میں۔ 371
باب۲۸: مشرکین کو ہدیہ پیش کیا جا سکتا ہے یا نہیں۔ 377
باب۲۹: کسی کے لیے جائز نہیں کہ ایک چیز ہبہ کرے یا صدقہ دے پھر اس کو واپس لے۔ 380
باب۳۰: یہ باب ہے 382

کتاب......

باب۱: عمریٰ اور رقبیٰ کے بارے میں۔ 385
باب۲: ان کے بارے میں جو لوگوں سے گھوڑا عاریۃً لیں۔ 387
باب۳: دلہنوں کی رخصتی کے وقت کوئی چیز عاریتاً لینا۔ 388
باب۴: دودھیل جانور دینے کی فضیلت۔ 388
باب۵: اگر کسی نے کہا کہ میں نے یہ لونڈی تمہاری خدمت میں دی تو اس کا مطلب عام معروف مفہوم میں لینا جائز ہوگا۔ 396

باب۶: جب کوئی شخص کسی کو گھوڑے پر سوار کرا دے تو یہ عمریٰ یا صدقہ ہو جائے گا۔ 399

کتاب الشہادت

باب ا: دلیل پیش کرنے کی ذمے داری مدعی کی ہے۔ 403
باب۲: اگر کوئی شخص کسی شخص کو تعدیل کرتے ہوئے یہ کہے کہ میں نے تو اس میں خیر ہی دیکھا ہے یا یہ کہے کہ میں نے ان کے بارے میں بھلائی کے سوا اور کچھ نہیں جانا تو اس کا کیا حکم ہے۔ 405
باب۳: چھپ کر بات سننے والے کی گواہی۔ 408
باب۴: جب ایک گواہی دینے والا ہو یا متعدد لوگ ایک چیز کی گواہی دیں اور دوسرے لوگ یہ کہیں کہ ہمیں پتہ نہیں تو اس بات پر فیصلہ ہوگا ان لوگوں کے قول کے مطابق جنہوں نے گواہی دی۔ 413
باب۵: گواہ عادل ہونا چاہیے۔ 415
باب۶: تعدیل کے لیے کتنے آدمی ہونے چاہئیں۔ 416
باب۷: نسب، مشہور رضاعت اور عرصہ دراز پہلے کی موت پر گواہی۔ 418
باب۸: تہمت لگانے والے، چور اور زانی کی گواہی۔ 422
باب۹: کسی شخص کو ظلم کی گواہی دینے کو کہا جائے تو وہ گواہی نہ دے۔ 425
باب۱۰: جھوٹی شہادت کے بارے میں جو کچھ فرمایا گیا۔ 428
باب۱۱: نابینا کی گواہی، اس کا نکاح کرنے کا معاملہ، اس کا نکاح کروانے، اس کی خرید و فروخت، اذان دینے اور اس طرح کے دوسرے کاموں میں اس کو قبول کرنے اور آواز سے جو پہچانا جا سکتا ہے اس کے بارے میں۔ 432
باب۱۲: عورتوں کی گواہی اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے بارے میں کہ اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ بنالو۔ 436
باب۱۳: لونڈیوں اور غلاموں کی گواہی۔ 438
باب۱۴: دودھ پلانے والی کی گواہی۔ 439
باب۱۵: عورتوں کا ایک دوسری کو قابل اعتماد ٹھہرانا۔ 439
باب۱۶: جب ایک آدمی دوسرے کو پاک قرار دے تو وہی اس کے لیے کافی ہے۔ 453

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

تدبر حدیث کی یہ جلد شرح صحیح بخاری کی دوسری جلد ہے اور بخاری شریف کی کتاب الحوالہ سے کتاب الشہادات تک مسلسل ابواب پر مشتمل ہے۔ کتاب کی یہ جلد بھی مولانا امین احسن اصلاحی کے ان دروس پر مشتمل ہے جو انہوں نے ادارہ تدبر قرآن وحدیث میں ۱۹۸۰ء کی دہائی کے آخری سالوں میں دیے۔

مولانا امین احسن اصلاحی نے ۱۹۸۰ء میں ادارہ تدبر قرآن وحدیث قائم کیا اور اس میں سب سے پہلے قرآن اور حدیث کے مطالعہ پر متعدد لیکچرز دیے۔ اس کے بعد ان کی روشنی میں قرآن مجید، موطا امام مالکؒ اور صحیح بخاریؒ شریف کی تعلیم شروع کی۔ حدیث شریف پر مولانا کے اصولی لیکچروں کا مجموعہ ''مبادی تدبر حدیث'' کے نام سے کتابی شکل میں شائع ہو چکا ہے۔ اس کتاب میں مولانا نے وہ اصول ومبادی بیان کر دیے ہیں جن کو وہ احادیث کے سمجھنے اور ان کی صحت وسقم کا فیصلہ کے لیے ضروری خیال کرتے تھے۔ انہوں نے یہ اصول آئمہ حدیث کی مستند کتابوں سے اخذ کیے ہیں اور یہ ایسے معقول اور فطری ہیں کہ کوئی عاقل ان کا انکار نہیں کر سکتا۔

اپنے دروس کے دوران احادیث کی وضاحت کرتے ہوئے مولانا اصلاحیؒ اصول فہم حدیث کو بھی واضح کرتے چلے جاتے ہیں تاہم وہ کتاب میں موقع ومحل کے مطابق اجزاء کی صورت میں بکھرے ہوئے ہیں۔ ہم نے قارئین کرام کے افادہ اور سہولت کے لیے کتاب کے شروع میں تدبر حدیث کے اصول ومبادی کو اختصار کے ساتھ ''اصول فہم حدیث'' کے عنوان کے تحت شامل کر دیا ہے۔ امید ہے کہ یہ باب حدیث کے طالب علموں کے لیے احادیث کے سمجھنے میں ممد ومعاون ثابت ہوگا البتہ ان اصول ومبادی کے دلائل اور تفصیل کے طالب حضرات سے درخواست ہے کہ وہ مولانا اصلاحیؒ کی کتاب ''مبادی تدبر حدیث'' کی طرف رجوع فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ کے حضور یہ دعا ہے کہ وہ ہمیں قرآن مجید اور حدیث شریف کا مطالعہ کرنے، ان کے سمجھنے اور ان پر عمل کرنے کی توفیق عنایت فرمائے۔ وآخر دعونا ان الحمد للہ رب العلمین۔

والسلام

عبداللہ غلام احمد

اصول فہم حدیث

حدیث اور سنت میں فرق

حدیث اور سنت کو لوگ عام طور پر بالکل ہم معنی سمجھتے ہیں۔ یہ خیال صحیح نہیں ہے۔ فہم حدیث کے نقطۂ نظر سے دونوں کے فرق کو واضح طور پر سمجھنا ضروری ہے۔

حدیث:

نبی ﷺ کے کسی قول یا فعل یا آپ کی کسی تصویب کی روایت کو حدیث کہتے ہیں، عام اس سے کہ وہ ثابت شدہ ہو یا اس کا ثابت ہونا متنازع ہو۔ محدثین حدیث کو 'خبر' کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں اور 'خبر' کی تعریف یہ کی جاتی ہے کہ 'الخبر یحتمل الصدق والکذب' (خبر صدق وکذب دونوں کا احتمال رکھتی ہے)۔ یعنی علمائے فن کے نزدیک خبر میں صدق وکذب دونوں کا احتمال پایا جاتا ہے۔ ایک حدیث میں صحیح، حسن، ضعیف، موضوع اور مقلوب سب کچھ ہو سکنے کا امکان پایا جاتا ہے۔ محدثین کے نزدیک حدیث یا خبر کی بڑی دو قسمیں ہیں:

۱۔ خبر تواتر

۲۔ خبر واحد

<u>خبر تواتر:</u> خطیب بغدادیؒ خبر تواتر کی تعریف یوں کرتے ہیں: ''وہ خبر جس کی روایت اتنے کثیر افراد کریں کہ عادۃً یہ محال معلوم ہو کہ اتنے افراد، بیک وقت، ایک واضح امر میں، جب کہ کسی مجبوری اور دباؤ کا مظنہ بھی نہیں ہے، ایک جھوٹی بات پر اتفاق کر لیں گے''۔

'خبر تواتر' کا اسم تو موجود ہے لیکن ہمارے علم کی حد تک اس کا کوئی صحیح مسمیٰ موجود نہیں ہے۔ بسا اوقات ایک حدیث کو 'خبر مشہور' کا درجہ دے دیا جاتا ہے، لیکن تحقیق پر معلوم ہوتا ہے کہ تین ادوار تک اس کے راوی ایک ایک، دو دو ہیں جب کہ تیسرے اور چوتھے دور میں اس کے راوی زیادہ ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح وہ احادیث جنھیں خبر متواتر کہا گیا ہے تحقیق طلب ہیں۔ اگر تحقیق کے بعد وہ مذکورہ تعریف پر پوری اتریں تو انھیں متواتر ماننے لیکن مصنوعی طور پر کسی خبر کو متواتر ماننا صحیح نہیں ہے۔

خبر واحد: خبر واحد اس کو کہتے ہیں جو خبر تواتر کی اس صفت سے عاری ہو، اگر چہ اس کی روایت بھی ایک سے زیادہ افراد کرنے والے ہوں، لیکن ان کی تعداد اتنی نہ ہو کہ یہ کہا جا سکے کہ اس میں کسی شک کی گنجائش یا جھوٹ کا امکان نہیں۔ احادیث کا اصل ذخیرہ انہی اخبار آحاد پر مشتمل ہے۔

رد و قبول کے پہلو سے اخبار آحاد کے درجے:

خطیب بغدادیؒ نے اخبار آحاد کو رد و قبول کے پہلو سے تین درجوں میں تقسیم کیا ہے۔

۱۔ پہلے درجے میں وہ روایات ہیں جن کا حق اور لائق قبول ہونا واضح ہے۔ عقل جن کی صحت کی گواہی دیتی ہو، جن کو عام عقل قبول کرتی ہو، جن کا تقاضا نصوص قرآن یا نصوص سنت کرتے ہوں اور جن کو امت نے قبول کیا ہو۔ امت سے مراد وہ گروہ ہے جو بدعات اور تقلید جامد کے مرض سے پاک رہا ہے۔

۲۔ دوسرے درجے میں وہ روایات ہیں جن کا باطل ہونا واضح ہو، جن کو عقل رد کرتی ہو، جو نصوص قرآن اور نصوص سنت متواتر کے منافی یا اس سے متناقض ہوں یا ایسے امور سے متعلق ہوں جن میں لوگ بدیہی اور قطعی علم کے محتاج ہوں لیکن اس طرح کا علم ان سے حاصل نہ ہو رہا ہو یا ان کا تعلق ایسے اہم واقعہ سے ہو جس کے باب میں متعدد طریقوں سے روایات ہونا ضروری ہے لیکن اس کی روایت نہایت محدود طریقہ پر ہوئی ہو۔

۳۔ تیسرے درجے کی روایات وہ ہیں جن میں نبی کریم ﷺ سے ایسے احکام روایت ہوئے ہیں جو ایک دوسرے سے مختلف ہوں اور یہ طے کرنا مشکل ہو رہا ہو کہ کس پر عمل کیا جائے، کس پر نہ کیا جائے۔ ایسی روایات کے بارے میں ہماری رائے یہ ہے کہ قرآن و سنت کے نصوص اور دوسرے پہلوؤں سے غور کر کے ترجیح کی راہ اختیار کی جائے گی اور مرجح روایات قبول کی جائیں گی۔

سنت:

سنت کے لغوی معنی واضح راستہ، معروف راستہ، چلتا ہوا راستہ، پٹا ہوا راستہ اور ہموار راستہ ہیں۔ قوموں کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے جو معاملہ کیا ہے اور جو سب کے لیے یکساں ہے اس کو قرآن مجید میں سنت اللہ کہا گیا ہے۔ سنت نبی ﷺ کا وہ طریقہ ہے جو آپؐ نے بحیثیت معلم شریعت اور بحیثیت کامل نمونہ کے، احکام و مناسک ادا کرنے اور زندگی کو اللہ تعالیٰ کی پسند کے سانچہ میں ڈھالنے کے لیے عملاً اور قولاً لوگوں کو بتایا اور سکھایا۔ یہ فریضہ آپؐ کی منصبی حیثیت کا تقاضا تھا۔ منکرین سنت کا یہ کہنا کہ نبی ﷺ کی حیثیت ایک خط پہنچا دینے والے قاصد کی ہے بالکل لغو اور بے بنیاد ہے۔ آپ صرف کتاب اللہ

پہنچا دینے والے ہی نہیں، بلکہ معلم شریعت اور مزکی نفوس بھی ہیں۔ آپ کی زندگی ہمارے لیے کامل نمونہ ہے، جس کی ہر شعبہ میں پیروی کر کے ہی ہم اپنے آپ کو ایمان واسلام کے ڈھانچہ میں ڈھال سکتے ہیں۔

قرآن مجید میں دین کی صرف اصولی باتیں بیان ہوئی ہیں۔ جزئیات اور تفصیلات کی تعلیم تمام تر معلم قرآن یعنی پیغمبر ﷺ پر چھوڑ دی ہیں۔ دین کا پورا ڈھانچہ سنت رسول سے کھڑا ہوتا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا ہے 'الا انی اوتیت القرآن و مثله معه' (آگاہ رہو، میں قرآن دیا گیا ہوں اور اسی کے مانند اس کے ساتھ اور بھی) پس جس طریقہ سے قرآن واجب ہے اسی طریقہ سے سنت بھی واجب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پیغمبر ﷺ کو اسی لیے بھیجا کہ قرآن مبہم نہ رہے، بلکہ مجسم اور کامل شکل میں لوگوں کے سامنے آجائے اور آپ ؐ نے عملاً ایسا کر دیا۔

قرآن اور سنت میں تعلق روح اور قالب کا ہے۔ ان دونوں کی باہمی ترکیب سے دین کا پورا نظام کھڑا ہوتا ہے۔ ان میں کسی ایک کو بھی الگ کر لیجیے تو سارا شیرازہ بکھر جائے گا۔ سنت کا تمام تر تعلق عملی زندگی سے ہے یعنی ان چیزوں سے جو کرنے کی ہیں۔ وہ چیزیں جو محض عقائدی اور علمی نوعیت کی ہیں مثلاً ایمانیات، تاریخ اور شان نزول وغیرہ کی قسم کی چیزیں سنت کے دائرہ سے الگ ہیں۔

لوگ اس حقیقت سے ناواقف ہیں کہ ایک ہی معاملے میں سنت مختلف بھی ہو سکتی ہے۔ اس ناواقفیت کے سبب سے خود اہل سنت کے درمیان مختلف فرقے بن گئے ہیں اور وہ آپس میں ایک دوسرے کو مخالفت سنت کا ملزم ٹھہراتے ہیں۔ حالانکہ یہ سمجھنا کچھ مشکل نہیں کہ ایک ہی معاملہ میں سنت مختلف بھی ہو سکتی ہے۔ حجۃ الوداع کے موقع پر روایات میں آتا ہے کہ حج کے بعد آنحضرت ﷺ ایک جگہ بیٹھ گئے اور لوگوں کے وفود آپ کی خدمت میں آنے شروع ہوئے۔ کوئی کہتا کہ حضورؐ میں نے فلاں کام اس طرح کیا۔ آپؐ جواب دیتے کہ کچھ ہرج نہیں۔ دوسرا عرض کرتا کہ حضورؐ میں نے فلاں کام اس طرح کیا۔ آپؐ اس کی بھی تصویب فرما دیتے کہ ٹھیک ہے۔ یکے بعد دیگرے لوگ آتے اور سوال کرتے رہے اور جہاں تک علم ہے، آپ نے سب کی تصویب فرمائی۔ کسی پر نکیر نہیں کی۔ ظاہر ہے کہ اس کی وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ سب کا فعل سنت کے دائرہ میں رہا ہوگا۔ مغز و روح کے اہتمام کے ساتھ اگر فعل کی ظاہری شکل و صورت میں کچھ اختلاف ہو جائے تو اس سے فعل سنت کے دائرہ سے خارج نہیں ہوتا۔ ہمارے نزدیک یہی صورت آمین بالجہر اور آمین بالسر اور ہاتھ باندھ کر یا ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھنے کی بھی ہے۔ ان میں سے ہر ایک کے سنت ہونے کے امکانات و قرائن بلکہ دلائل موجود ہیں۔ ان میں سے بعض کو بعض مقامات میں زیادہ فروغ ہوا، بعض کو کم ہوا لیکن ان میں کسی کو بھی سنت سے خارج نہیں کیا جا سکتا۔

سنت کی بنیاد:

سنت کی بنیاد احادیث پر نہیں، جن میں صدق و کذب، دونوں کا احتمال ہوتا ہے بلکہ امت کے عملی تواتر پر ہے۔ جس طرح قرآن مجید قولی تواتر سے ثابت ہے اسی طرح سنت امت کے عملی تواتر سے ثابت ہے۔ مثلاً نماز اور حج وغیرہ کی تمام تفصیلات اس وجہ سے نہیں اختیار کیں کہ ان کو چند راویوں نے بیان کیا بلکہ یہ چیزیں نبی ﷺ نے اختیار فرمائیں، آپؐ سے صحابہ کرامؓ نے، ان سے تابعینؒ پھر تبع تابعینؒ نے سیکھا۔ اسی طرح بعد والے اپنے اگلوں سے سیکھتے آئے۔ اگر روایات میں ان کی تائید موجود ہے تو یہ اس کی مزید شہادت ہے۔ اگر کسی معاملے میں اخبار آحاد ایسی ہیں کہ عملی تواتر کے ساتھ مطابقت نہیں ہو رہی تو ان کی توجیہ تلاش کی جائے گی۔ اگر توجیہ نہ ہو سکے تو عملی تواتر ہی کو ترجیح دی جائے گی۔ یہ امر ذہن نشین رہنا چاہیے کہ امت کے عمل تواتر سے مراد نبی ﷺ اور آپ کے خلفائے راشدینؓ اور صحابہ کرام کا عمل ہے جیسا کہ ارشاد ہے "فعليكم بسنتي و سنة الخلفاء الراشدين المهديين" (تم پر میری اور میرے خلفائے راشدین کی سنت کی پیروی واجب ہے) دین کا مرکز یہی گروہ ہے۔

قرآن اور حدیث وسنت کا باہمی تعلق

قرآن مجید نے زندگی کا جو نقشہ پیش کیا ہے اس کے صرف چاروں گوشے متعین کر دیے ہیں، اس کے اندر رنگ بھرنے کا کام پیغمبر ﷺ پر چھوڑ دیا ہے۔ اس کا مشکل اور متشکل کرنا سنت کا کام ہے۔ قرآن نے دین کے کلیات اور اصول و مبادی پر بحث کی ہے لیکن کسی باب میں بھی تفصیلات اس میں نہیں ملتیں۔ ان کے لیے سنت اور حدیث کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔ مثلاً عبادات میں نماز کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ دین میں اس کی اہمیت تو قرآن سے پوری معلوم ہو جاتی ہے لیکن اس کی تفصیلات کو جاننے کے لیے ہمیں سنت اور حدیث کے علم کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ یہی حال دیگر عبادات، معاشی معاملات، معاشرتی مسائل اور سیاسی امور اور حدود و تعزیرات وغیرہ کا بھی ہے۔ مفرد احکام کی نوعیت قدرے مختلف ہے۔ یہ کہنا تو مشکل ہے کہ ہر حکم کے فہم کے لیے سنت کی ضرورت ہے لیکن یہ بات واضح ہے کہ اگر کسی پہلو سے ایک حکم کی توضیح کی ضرورت پڑے گی تو حدیث و سنت بھی ممد و معاون ثابت ہو گی۔

قرآن مجید کی رو سے زندگی کے نقشے میں رنگ بھرنے کا کام نبی ﷺ نے بطور احسان نہیں کیا بلکہ بطور فریضہ نبوت کے کیا ہے۔ یہ کام آپ کی نبوت کا جزو لاینفک ہے۔ آپؐ قرآن مجید کے صرف سنا دینے والے نہیں تھے جیسا کہ منکرین سنت کا گمان ہے بلکہ اس کے معلم اور مبین بھی تھے جیسا کہ قرآن کا بیان ہے:

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝

وہی خدا ہے جس نے اٹھایا امیوں میں ایک رسول انہی میں سے جو ان کو اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے اور ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے اور بے شک یہ لوگ اس سے پہلے کھلی ہوئی گمراہی میں تھے۔

صدر اول میں روایت کی روز افزوں مقبولیت کی وجہ سے جب لوگوں نے بلا تحقیق حدیثیں بیان کرنا شروع کر دیں تو ضعیف احادیث کے در آنے سے بعض محتاط لوگوں کے اندر حدیث بیزاری کا رجحان پیدا ہو گیا۔ حدیث بیزاری کا ردعمل، دوسری طرف ایک گروہ پر قرآن بیزاری کی شکل میں ہوا اور اس کے اندر حدیث کے غلو نے یہ شکل اختیار کر لی کہ بعض لوگوں نے اعلانیہ اس کو قرآن پر ترجیح دینی شروع کر دی اور مبالغہ آمیزی کی لے بڑھتے بڑھتے یہاں تک بڑھ گئی کہ ایک بزرگ یحییٰ بن کثیر کا قول نقل ہوا ہے کہ:

السنة قاضية على الكتب ليس الكتب قاضيا على السنة

(کتاب الکفایہ فی علم الروایہ باب تخصیص السنن ......)

سنت حاکم ہے کتاب اللہ پر، کتاب اللہ سنت پر حاکم نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ امت مسلمہ میں ہمیشہ ایسے لوگ پیدا ہوتے رہے ہیں جنہوں نے غالی فتنہ پردازوں کے مقابل میں امت کی ہمیشہ صحیح راستے کی طرف رہنمائی کی ہے۔ چنانچہ اس مرحلے میں بھی جب یہ فتنہ اٹھا اور اس قسم کے مبالغہ آمیز اقوال حدیث کے سب سے بڑے رازدان اور سب سے بڑے خادم، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے آئے تو انہوں نے صحیح نقطۂ نظر واضح فرمایا، جس کی روایت فضل بن زیاد کے حوالے سے یوں ہوئی ہے:

قال سمعت احمد بن حنبل وسئل عن الحديث الذي روى، ان السنة قاضية على الكتاب قال ما اجسر على هذا ان اقوله و لكن السنة تفسر الكتاب و تعرف الكتب و تبينه. (کتاب الکفایہ فی علم الروایہ باب تخصیص السنن ......)

وہ کہتے ہیں کہ میں نے احمد بن حنبل سے سنا اور ان سے سوال کیا گیا تھا اس قول (حدیث) کے بارے میں جس کی روایت ہوئی کہ السنة قاضية على الكتاب (سنت کتاب اللہ پر حاکم ہے) تو انہوں نے فرمایا کہ بھئی، یہ کہنے کی میں جسارت نہیں کر سکتا۔ سنت تو قرآن کی تفسیر کرتی، اس کی

تعریف کرتی اوراس کی مجمل باتوں کی وضاحت کرتی ہے۔

یعنی سنت قرآن مجید کی تفسیر، تعریف اور تبیین کا کام کرتی ہے۔ یہ سوال بالکل خارج از بحث ہے کہ کوئی حدیث یا سنت قرآن کی ناسخ ہو سکے۔ سنت اور حدیث کی اہمیت مسلم ہے لیکن ان کے قرآن پر حاکم ہونے کا دعویٰ باطل ہے۔

تدبر حدیث کے چند بنیادی اصول

علم رسول کا جو عظیم سرمایہ احادیث کی شکل میں امت کو منتقل ہوا۔ اس سے کماحقہ فیض یاب ہونے کے لیے اس پر تدبر ضروری ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے حدیث کے طالب علم کو چند بنیادی رہنما اصول پیش نظر رکھنے چاہئیں۔ یہ راہنما اصول پانچ ہیں:۔

۱۔ پہلا اصول یہ ہے کہ قرآن مجید جس طرح ہماری زندگی کے ہر گوشہ میں حق و باطل میں امتیاز کی کسوٹی ہے اسی طرح حدیث کے معاملہ میں اصلاً وہی امتیاز کی کسوٹی ہے۔ قرآن مجید میں دین وشریعت کے اصول بیان ہوئے ہیں جن کی حیثیت اساسات کی ہے اور حدیث ان کی شرح کرتی ہے۔ قرآن کی کسوٹی پر پوری نہ اترنے والی ہر روایت یا تو موضوع ہے یا ہم تک صحیح حالت میں منتقل نہیں ہوئی۔ اس وجہ سے اس سے دین کو محفوظ رکھنا ضروری ہے۔ یہ بات عقلاً اور شرعاً محال ہے کہ رسول کی کوئی بات اللہ تعالیٰ کی بات کے خلاف ہو۔ چنانچہ اس اصول پر اہل فن کا اتفاق رہا ہے کہ جو حدیث قرآن کے خلاف ہوگی وہ منکر ہے۔

۲۔ دوسرا اصول یہ ہے کہ ہر حدیث احادیث کے مجموعی نظام کا ایک جزو سمجھی جائے گی۔ جزو کے لیے اپنے مجموعی نظام سے پوری طرح ہم آہنگ ہونا ضروری ہے۔ اگر کوئی حدیث اپنے مجموعی نظام سے بے جوڑ ہوگی تو وہ رد کر دی جائے گی۔ مختلف احادیث میں تناقض کی صورت میں احادیث کا یہ مجموعی نظام ہی ہماری راہنمائی کرے گا۔ اس قسم کی بے جوڑ باتوں کی مثالیں صوفیوں کے اقوال میں بہت ملتی ہیں۔ بعض اقوال کو وہ حدیث کے نام سے پیش کرتے ہیں حالانکہ نہ وہ قرآن کے اصولوں کے مطابق ہوتے ہیں نہ حدیث کے معروفات کے۔ اس طرح کی بعض چیزیں، اگرچہ ان کی تعداد بہت قلیل ہے، حدیث کی کتابوں میں بھی گھس آئی ہیں۔ ان کو ممیز کرنا اور ان پر نگاہ رکھنا ضروری ہے۔

۳۔ تیسرا اصول یہ ہے کہ حدیث کی زبان ٹکسالی ہے۔ اگرچہ احادیث کی روایت، قرآن کے برعکس بیشتر بالمعنی ہوئی ہے تاہم صحیح احادیث کا ایک خاص معیار ہے جو بہت اعلیٰ ہے۔ احادیث پر غور کرتے ہوئے اس معیار کو ملحوظ رکھنا

ضروری ہے۔ ہر باب میں ان احادیث کو مقدم رکھنا چاہیے جو زبان کے اعتبار سے عہد نبوت وصحابہ کی زبان سے ہم آہنگ ہوں۔ حدیث کے طالب علموں کے لیے ضروری ہے کہ وہ نہ صرف عہد نبوت وصحابہؓ کی زبان میں مہارت حاصل کرے بلکہ اس میں اس زبان کا ذوق بھی پیدا ہو۔

۴۔ چوتھا اصول یہ ہے کہ قرآن کی طرح حدیث کے فہم میں بھی کلام کے عموم وخصوص اس کے موقع ومحل اور اس کے خطاب کو سمجھنا ضروری ہے۔ اگر ان چیزوں کا ادراک نہ ہو تو بڑے پیچیدہ سوالات اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور لاحاصل بحثیں چھڑ جاتی ہیں۔ ذخیرہ حدیث میں اس نوع کی روایات بہت ہیں اور ان کے موضوعات بھی بڑے اہم ہیں۔ کلام کے عموم وخصوص، موقع ومحل اور خطاب کو نہ سمجھنے کی بدولت ہمارے بیشتر علماء الجھنوں میں پڑے ہوئے ہیں۔

۵۔ پانچواں اصول یہ ہے کہ دین اور عقل وفطرت میں منافات ہرگز نہیں ہے۔ جس طرح قرآن کی تمام دعوت عقل و فطرت پر مبنی ہے اور اپنے دعاوی کے اثبات کے لیے عقل وفطرت کو شہادت میں پیش کرتا ہے اسی طرح حدیث کے دل میں اترنے کا راستہ بھی عقل وفطرت ہی ہے۔ اس وجہ سے حدیث میں کوئی بات عقل کے صریح خلاف نہیں ہو سکتی۔ اگر کوئی بات صریحاً عقل کے منافی نظر آئے تو اس پر اچھی طرح سے غور کیجئے، یہاں تک کہ یا تو اپنی غلطی واضح ہو جائے یا حدیث کا ضعف سمجھ لیا جائے۔ یہ بات ملحوظ رہے کہ کسی حقیقت کا عقل کے منافی ہونا اور چیز ہے اور اس کے تمام اطراف کا گرفت میں نہ آنا اور چیز ہے۔ جو لوگ عقل سے صحیح طور پر کام نہیں لیتے، یا اپنی عقل کو اپنی خواہشات کی لونڈی بنانا چاہتے ہیں، وہ لوگ یہاں زیر بحث نہیں ہیں۔

روایات کے صحیح وسقیم میں امتیاز

احادیث رسول کو دین کا درجہ حاصل ہے اس لیے رسول اللہ ﷺ سے منسوب روایات کے صحیح وسقیم میں امتیاز نہایت ضروری ہوتا ہے۔ ہمارے نزدیک روایات پر اس پہلو سے غور کرنے کے لیے چھ بنیادی اصول ہیں جن کی حیثیت فن حدیث میں اساسی کلیات کی ہے۔ علم حدیث کے طالب علم کو ان کا ہمیشہ پیش نظر رکھنا ازبس ضروری ہے۔ یہ ایک نہایت حساس موضوع ہے اس لیے ہم اس امر کا اہتمام ضروری خیال کرتے ہیں کہ اپنے مباحث کی بنیاد احادیث رسول اور سلف صالحین کے ارشادات ہی پر رکھیں۔ ہمارے سلف صالحین میں خطیب بغدادی کو اصول حدیث پر سند کی حیثیت حاصل ہے۔ ہماری یہ بحث بیشتر ان کی شاندار کتاب "الکفایۃ فی علم الروایۃ" سے مستنبط ہے۔

روایات کی پرکھ کے لیے اساسی کلیات یہ ہیں:۔

پہلی کسوٹی یہ ہے کہ کوئی روایت جس کو اہل ایمان اور اصحاب معرفت کا ذوق قبول کرنے سے اباء کرتا ہے وہ قبول نہیں کی جائے گی۔ اس اصول کی طرف نبی کریم ﷺ نے خود رہنمائی فرمائی ہے۔ حضورؐ کا ارشاد ہے:

عن ابی حمید ان رسول الله ﷺ قال: اذا سمعتم الحدیث عنی تعرفه قلوبکم و تلین له اشعارکم و ابشارکم و ترون انه منکم قریب فانا اولاکم به و اذا سمعتم الحدیث عنی تنکره قلوبکم و تنفر منه اشعارکم و ابشارکم و ترون انه منکم بعید فانا ابعدکم منه. (کتاب الکفایہ فی علم الروایہ باب فی وجوب اطراح المنکر......)

ابوحمید سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم مجھ سے منسوب کوئی ایسی روایت سنو جس سے تمہارے دل آشنائی محسوس کریں، تمہارے رونگٹے اور تن بدن اس سے اثر پذیر ہوں اور تم دیکھو کہ وہ تمہارے دلوں سے قریب ہیں تو میں تمہاری نسبت اس سے زیادہ قریب ہوں اور جب تم مجھ سے منسوب کوئی ایسی بات سنو جس سے تمہارے دل اجنبیت محسوس کریں، تمہارے رونگٹے اور جسم اس سے ناگواری محسوس کریں اور تم دیکھو کہ وہ تمہارے مزاج سے دور ہے تو میں تمہاری نسبت اس سے زیادہ دور ہوں۔

دوسری کسوٹی عمل معروف ہے۔ جو شاذ روایت عمل معروف کے خلاف ہوگی وہ قبول نہیں کی جائے گی۔ اس کی ہدایت نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد سے ملتی ہے:۔

عن محمد بن جبیر بن مطعم عن ابیه قال قال رسول الله ﷺ: ما حدثتم عنی مما تعرفونه فخذوه و ما حدثتم عنی مما تنکرونه فلا تاخذوا به قال فانی لا اقول المنکر ولست من اهله. (کتاب الکفایہ فی علم الروایہ باب فی وجوب اطراح المنکر......)

محمد بن جبیر بن مطعم اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر مجھ سے منسوب کر کے کوئی روایت اس معروف کے مطابق کی جائے جس سے تم آشنا ہو تو اس کو قبول کر لو اور مجھ سے منسوب کر کے کوئی ایسی روایت کی جائے جس کو تم منکر محسوس کرو تو اس کو نہ قبول کرو۔ حضورؐ نے فرمایا کہ نہ میں منکر کہتا ہوں اور نہ میں منکر باتیں کرنے والوں میں سے ہوں۔

معروف سے حضورؐ کی مراد کتاب اللہ اور سنت رسول ہے اور منکر سے مراد وہ تمام چیزیں ہیں جو ان اصول، کلیات، ارشادات اور احکامات کے منافی ہوں جو حضور نے دیے ہیں۔

تیسری کسوٹی یہ ہے کہ کوئی روایت جو کسی پہلو سے قرآن مجید کے خلاف ہوگی قبول نہیں کی جائے گی۔

منافی قرآن روایات قبول نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ قرآن ہر چیز کے جانچنے کے لیے معیار اور کسوٹی ہے۔ اس کی صحت میں کسی شک کی گنجائش نہیں ہے۔ وہ امت کے قولی تواتر سے ثابت ہے اس وجہ سے کوئی خبر واحد اس کے خلاف قبول نہیں کی جائے گی۔ خبر واحد نہ قرآن کو منسوخ کرسکتی ہے نہ اس میں کوئی ترمیم کرسکتی ہے اور نہ کسی پہلو سے اس پر اثرانداز ہوسکتی ہے۔

چوتھی کسوٹی سنت معلومہ ہے۔ سنت کا جو ذخیرہ امت کی تحویل میں ہے وہ بجائے خود بھی کسوٹی ہے۔ کوئی چیز جو اس سنت معلومہ سے بے گانہ یا متصادم ہوگی وہ قبول نہیں کی جائے گی۔ سنن عملی تواتر سے ثابت ہیں، ان پر اخبار آحاد اثر انداز نہیں ہوسکتیں۔ سنن روایات کے بالمقابل قدیم تر ہیں۔ یہ بات پیش نظر رہنی چاہیے کہ ایک ہی معاملہ میں سنت مختلف بھی ہوسکتی ہے۔ کسی چیز میں شکل وصورت کا کچھ اختلاف اور چیز ہے اور کسی چیز کا اس کے مخالف ہونا اور چیز ہے۔

پانچویں کسوٹی یہ ہے کہ جو روایت عقل کلی کے فیصلوں کے خلاف ہوگی وہ قبول نہیں کی جائے گی۔ عقل کے منافی روایات قبول نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ دین کی بنیاد تمام تر عقل وفطرت پر ہے۔ عقل وفطرت ہی کے مقتضیات ومطالبات ہیں جو قرآن اور سنت میں اجاگر کیے گئے ہیں اور اللہ ورسول نے عقل وفطرت ہی کے حوالہ سے لوگوں پر حجت قائم کی ہے۔ یہاں زیر بحث افراد وافکار کی عقل نہیں بلکہ عقل کلی ہے جو انسانوں پر اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا شرف ہے۔

چھٹی کسوٹی دلیل قطعی ہے۔ جو روایت دلیل قطعی کے خلاف ہوگی وہ قبول نہیں کی جائے گی۔ دلیل خواہ عقلی ہو یا نقلی، بہرحال ایک ایسی خبر کے مقابل میں اپنے اندر زیادہ اطمینان کا پہلو رکھتی ہے جس کی رسول کی طرف نسبت مشکوک ہے۔ اتباع رسول کے پہلو سے بھی مشکوک خبر کے مقابل میں دلیل کی راہ زیادہ مامون ہے۔ اجتہادی غلطی کی اصلاح ہوسکتی ہے لیکن اللہ کے رسول کی طرف کوئی غلط طور پر منسوب بات مذہب بن گئی تو اس کے فتنے دور تک پہنچیں گے اور اس کی اصلاح کا کوئی امکان باقی نہیں رہے گا۔

صحابہؓ اور صحابیت

نبی کریم ﷺ کے علم وعمل کے امت کی طرف منتقل ہونے کا اولین ذریعہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں۔ امت میں ان کو اولیت وعظمت کا جو مقام حاصل ہے وہ کسی اور کو حاصل نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو امت کے ہراول دستہ اور شہداء اللہ فی الارض کا درجہ دیا ہے۔ نبی ﷺ نے ان کو آسمان کے ستاروں کی منزلت دی ہے اور فرمایا ہے کہ ان میں سے جس کو بھی اختیار کرو گے رہنمائی پاؤ گے۔ محدثین نے ان کو جرح سے بالاتر قرار دیا ہے۔ ان کے باب میں محدثین کا اصول یہ ہے کہ 'الصحابة کلهم عدول' روایت حدیث کے ضمن میں صحابہ کرام کی عدالت کے اس اصول سے یہ سوال پیدا ہوتا

ہے کہ صحابی کی تعریف کیا ہے؟ محدثین میں اس سوال کے جواب میں اختلاف ہوا ہے اور یہ اختلاف قدرتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی زیارت کا شرف اپنی جگہ بہت بڑا شرف ہے اور ایک مسلمان کے لیے سب سے بڑی سعادت ہے لیکن قرآن مجید نے محض اس زیارت کو اہمیت نہیں دی۔ قرآن مجید کی رو سے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو جو عظمت و مرتبہ حاصل ہے اس کا تعلق تمام تر ان کی خدمات، سرفروشیوں اور جاں نثاریوں سے ہے جو انہوں نے اللہ کے رسول کی نصرت اور اس کے دین کی ترویج کے لیے دکھائیں۔ انہی خدمات کی کمی بیشی کے اعتبار سے ان کے طبقات و مدارج متعین ہوئے۔ اگر مجرد رسول اللہؐ کو دیکھنا کوئی شرف ہوتا تو اس اعتبار سے مخلفین احزاب و تبوک، منافقین مدینہ، اہل بدو اور بانیان مسجد ضرار کچھ کم اس شرف کے حق دار نہ تھے۔ ان لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہی نہیں بلکہ آپ کے ہمراہ بعض غزوات میں شریک بھی رہے اور الٹے سیدھے انفاق بھی کرتے رہے لیکن قرآن مجید نے جس طریقہ سے ان کو لتاڑا ہے اسے سورہ انفال، سورہ توبہ اور سورہ منافقون میں پڑھ لیجیے۔ اس قسم کے لوگ 'صحابی' کی تعریف میں نہیں آتے۔

جہاں تک روایت حدیث کا تعلق ہے اس میں صحابہؓ کا ہر طبقہ اور گروہ یکساں طور پر شامل سمجھا جائے گا البتہ فہم حدیث میں انہی صحابہؓ کا علم، انہی کے الفاظ اور انہی کی تنقیدات قابل ترجیح ہوں گی جو تدبر حدیث کے نقطہ نظر سے سب سے ممتاز ہیں، جیسے خلفائے راشدین، حضرت عائشہ، حضرت ابوالدرداء، حضرت معاذ بن جبل، حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عبداللہ بن عباس وغیرہ رضی اللہ عنہم۔

سند

رسول اللہ ﷺ کی کوئی حدیث صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ہو کر چند راویوں کے واسطہ سے بتدریج کسی شیخ پر ختم ہوتی ہے۔ اس سلسلہ روایت کو اس حدیث کی سند کہتے ہیں۔ کسی شیخ سے یہاں مراد وہ شیوخ حدیث ہیں جو سلسلۂ سند میں سنگ میل کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں اور جن کے ہاتھوں امت مسلمہ میں احادیثِ رسولؐ کے مجموعوں کی جمع و تدوین کا عظیم کارنامہ صدر اول میں انجام پا چکا ہے جیسے امام مالکؒ، امام احمد بن حنبلؒ، امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ وغیرہ۔

سلسلۂ روایت میں صحابہ کرامؓ کے متعلق طے ہے کہ وہ جرح و تنقید سے قطعی بالاتر ہیں۔ جہاں تک سلسلۂ روایت کے باقی راویوں کا تعلق ہے وہ سب کے سب تنقید کی زد میں آتے ہیں۔ ان سب کی امانت و دیانت، علمی مرتبہ، حافظہ، دین پر عمل ہر چیز کو پرکھا جاتا ہے اور آئمہ فن کی ان کے بارے میں آراء کو جمع کیا جاتا ہے۔ اس اہتمام کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ روایت حدیث میں کوئی خرابی راہ نہ پائے۔

فنِ اسماء الرجال:

علم حدیث کی حفاظت کے لیے سند کا باقاعدہ اہتمام اور فن اسماء الرجال کی ایجاد مسلمانوں کا ایک کارنامہ ہے۔جس میں کوئی قوم اس کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔ جرح وتعدیل کا یہ فن مسلمانوں کا خاص فن ہے۔جن لوگوں نے نبی ﷺ کے اقوال و احوال کی روایت،تحریر اور تدوین کا کام سرانجام دیا ان راویان حدیث میں صحابہ کرامؓ،تابعینؒ،تبع تابعینؒ اور بعد کے تیسری صدی ہجری تک لوگ شامل ہیں۔جن کی تعداد ایک محتاط اندازے کے مطابق لاکھوں تک پہنچتی ہے۔ان تمام راویان حدیث کے حالات معلوم کرنے اور ان کے طبقات قائم کرنے میں ہزاروں اکابرین امت نے اپنی عمریں کھپا دیں۔وہ قریہ قریہ پہنچے،راویوں سے ملے،ان کے متعلق ہر قسم کی معلومات مہیا کیں اور جو لوگ خود ان کے عہد میں بقید حیات نہیں تھے ان کے ملنے والوں سے یا ان کے توسط سے ان سے اوپر کے لوگوں سے ان کے حالات دریافت کیے اور جس حد تک انسانی امکان میں ہوسکتا تھا ان حاصل شدہ معلومات کی چھان پھٹک کی۔اس طرح سے وہ عظیم الشان اور فقید المثال فن معرض وجود میں آیا جسے فن اسماء الرجال کہا جاتا ہے۔اس کے تحت اصحاب روایت حدیث وآثار کے اسماء،القاب،سوانح،سیرت اور امانت ودیانت کا حال قلم بند کیا گیا۔آئمہ محدثین کی ان کے بارے میں رائیں جمع کی گئیں،ان کی جرح وتعدیل کی گئی اور ان کے طبقات کی تعیین کی گئی۔اس زمانہ میں راویوں کے متعلق تحقیق کرنا ممکن نہیں رہا اس لیے حدیث کے طالب علموں کو سلف کی تحقیقات پر ہی قناعت کرنی پڑے گی چنانچہ اب کسی حدیث کی سند کو متقدمین کی فراہم کردہ معلومات ہی کی روشنی میں پرکھا جائے گا۔

سند کی اہمیت:

سند کو کسی حدیث کے صدق وکذب کے فیصلہ میں ایک اہم،بلکہ اولین عامل کی حیثیت حاصل ہے۔کسی حدیث کی تحقیق کے لیے سب سے پہلے اس کی سند پر نظر پڑے گی اور اس کے متن پر غور کرنے سے پہلے اس کی جانچ کرنا پڑے گی۔ اس جائزے کی روشنی میں اس روایت کا درجہ متعین کیا جائے گا۔

سند کی اس اہمیت سے انکار کی کوئی گنجائش نہیں ہے لیکن بعض لوگوں کے نزدیک صحت حدیث کے لیے صرف سند کی صحت اور اس کا قابل اعتماد ہونا فیصلہ کن امر ہے۔ ہمارے نزدیک ان کا یہ خیال صحیح نہیں ہے۔ سند کے تمام محاسن، لطائف،عظمت،اہمیت اور اس کے مطابق معیار ہونے کے باوجود اس میں بعض ایسے فطری خلا رہ جاتے ہیں جن کی تلافی کے لیے ضروری ہے کہ حدیث کی صحت کو جانچنے کے لیے سند کے علاوہ بعض دوسرے طریقے بھی اختیار کیے جائیں۔ مجرد سند پر اعتبار کرکے کسی روایت کی صحت اور حسن وقبح کے متعلق پوری طرح سے اطمینان نہیں کیا جاسکتا۔

متنِ حدیث

رسول اللہ ﷺ کی احادیث سند اور متن پر مشتمل ہوتی ہیں۔ چنانچہ کسی حدیث کے صدق و کذب کے فیصلے میں اس کی سند اور اس کے متن دونوں کو یکساں اہمیت حاصل ہے۔ سند اور اس کی اہمیت اور عظمت کا ذکر اوپر گزر چکا ہے۔ اب ہم متن حدیث کی اہمیت اور نوعیت کا جائزہ لیں گے۔

جہاں تک قرآن مجید کا تعلق ہے تو وہ جبریل امینؑ، نبی کریم ﷺ اور کاتبین وحی تینوں کا مشترکہ معاملہ ہے۔ جبریل امینؑ اسے لائے۔ نبی ﷺ پر وہ نازل ہوا اور آپؐ نے کاتبین وحی کو اس کو ضبط کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ اس کے برعکس احادیث کا معاملہ یہ ہے کہ نبی ﷺ اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، جلوت میں، خلوت میں، بازار کے اندر، گھر کے اندر، مسجد کے اندر، جہاد کے دوران میں، سفر میں، حضر میں، غرض ہر جگہ اور ہر وقت کوئی بات فرما رہے ہیں، کوئی عمل کر رہے ہیں یا کسی چیز کی تصویب فرما رہے ہیں تو ہزاروں لوگ اس کے شاہد ہیں۔ وہ اپنے مشاہدہ کو دوسروں کے آگے بیان کرتے ہیں تاکہ ہر مسلمان اس سے واقف ہو جائے اس لیے کہ پیغمبر ﷺ امت کے لیے اسوۂ کامل اور آئیڈیل ہیں۔ آپؐ کی تو آنکھوں کی گردش اور لقمہ اٹھانے کا انداز تک بھی امت کے لیے نمونہ ہے۔ اب اگر ان بیان کرنے والوں پر یہ قید عائد کر دی جاتی کہ حضورؐ کے فرمان ان کے اپنے الفاظ ہی میں روایت کریں، یعنی روایت باللفاظ ہی ہو تو علم نبیؐ کا بہت بڑا حصہ غائب ہو جاتا اور یہ امت کے لیے عظیم سانحہ اور بڑا خسارہ ہوتا۔

روایت باللفظ کی شرط ضروری بھی نہیں تھی۔ اس لیے کہ قرآن کی کسوٹی موجود ہے۔ اگر حدیث میں کوئی نقص رہ جاتا تو اس کو قرآن مجید اور سنت عملی کی کسوٹی پر پرکھ کر درست کیا جا سکتا تھا۔ سنت نبوی کی ترویج کے لیے قابل عمل طریقہ یہی تھا کہ نبی ﷺ کے طریقے، ان کے عمل، ان کے اقوال اور ان کی تصویب کو زیادہ سے زیادہ روایات کی شکل میں محفوظ کر لیا جائے اور روایت میں اگر کوئی کمزوری راہ پا جائے تو اس کو قرآن کی کسوٹی پر پرکھ کر درست کر لیا جائے۔ چنانچہ ذخیرہ حدیث کا غالب حصہ روایت بالمعنی پر مبنی ہے۔

خطیب بغدادی نے اپنی کتاب الکفایۃ فی علم الروایۃ کے باب ذکر الحجۃ فی روایۃ الحدیث علی المعنی میں حدیثیں نقل کی ہیں کہ نبی ﷺ نے بھی بعض شرائط کے ساتھ روایت بالمعنی کی اجازت دی ہے۔ مثلاً:

''تم نقل اس طرح سے کرو کہ کوئی حرام، حلال نہ بن جائے اور کوئی حلال، حرام نہ بن جائے تو کوئی حرج نہیں''۔

"جب تم میں سے کوئی شخص معنی و مفہوم درست ادا کرلے تو حدیث بیان کردے"۔

اس سے معلوم ہوا کہ کسی نوع کا تصرف معنوی نہ ہو جائے تو روایت بالمعنی میں کوئی حرج نہیں۔

بعد کے واقعات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل روایت نے عملاً روایت بالمعنی کو قبول کیا ہے۔ واثلہ بن الاسقع نے بعض لوگوں کے سوال کا جواب دیا کہ دیکھو، اگر ہم حدیث کا مطلب بیان کر دیں تو کافی سمجھو۔ محمد بن سیرین روایت کرتے ہیں کہ میں ایک حدیث دس آدمیوں سے سنتا تھا، مطلب ایک ہوتا تھا، البتہ الفاظ مختلف ہوتے تھے۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ جب وہ رسول اللہ ﷺ کی کوئی حدیث بیان کر چکتے تو کہتے "...... یا جس طرح رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا"۔

اس میں شبہ نہیں کہ راوی ذہین ہو تو وہ دوسرے کی ترجمانی کرسکتا ہے تاہم اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ بالمعنی روایت میں غلطی کے امکانات ہیں۔ روایت بالمعنی میں مفہوم بدل جانے کے امکانات کے پیش نظر امت میں ایک گروہ صدر اول سے ہی ان لوگوں کا رہا ہے جو اس بات پر مصر رہے ہیں کہ حدیث رسول کی روایت بالالفاظ ہی ہونی چاہیے۔ امام مالکؒ اس خیال کے حامی گروہ کے اکابرین میں سے رہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ راوی عالم اور فقیہ ہی کیوں نہ ہو روایت باللفظ کی اس شرط کو کماحقہ نہیں نبھا سکتا۔ اسی مشکل کے سبب یہ رائے محدثین میں معمول بہ نہ بن سکی۔ امت نے من حیث الامت روایت بالمعنی ہی کی راہ اختیار کی۔ ہمارے نزدیک یہی مسلک درست ہے۔

اخبار آحاد کی حجیت

اسلام نے زندگی کے معاملات کو چلانے کے لیے ہمیں اخبار متواتر کے ساتھ نہیں باندھا۔ زندگی کے اکثر معاملات اخبار آحاد ہی پر چلتے ہیں لہذا فطرت اور شریعت کا مطالبہ ہم سے یہ نہیں کہ جب تک کسی امر میں پورا یقین نہ ہو جائے اس وقت تک ہم اس کو باور ہی نہ کریں۔ اگر ایسا ہوتا تو زندگی محال ہو جاتی۔ عام دنیوی معاملات میں تو کافر و مومن کے امتیاز کے بغیر ہر ایک کی بات ماننی پڑتی ہے الا آنکہ کسی بات کے جھوٹ ہونے کا واضح قرینہ موجود ہو۔ اس معاملے میں عام مروجہ ذرائع معلومات پر اعتماد کرنا ہوگا۔

رہے دینی معاملات تو ان میں ہدایت یہ ہے کہ اگر کوئی فاسق کوئی اہم خبر دے تو اس کی تحقیق کی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا

اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق کوئی اہم خبر لائے تو اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو۔

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید نے خبر واحد کے رد و قبول میں خبر دینے والے کی شخصیت، روایت، قرائن اور خصوصیات ہی پر اعتماد کا حکم دیا ہے۔ البتہ اگر خبر دینے والا فاسق ہو اور معاملہ بھی اہم ہو تو خبر دینے والے اور خبر دونوں کے متعلق تحقیق ہوگی کہ راوی کس درجہ کا ہے، وہ کس کردار کا آدمی ہے، جو بات اس نے کہی ہے وہ اس کے کہنے کا اہل بھی ہے یا نہیں۔ علی ہذا القیاس خبر کی نوعیت پر بھی غور ہوگا۔

اخبار آحاد پیغمبر ﷺ کے علم کے منتقل ہونے کا بہت بڑا ذریعہ ہیں لیکن یہ کہنا صحیح نہیں کہ ہر خبر واحد حجت قائم کرنے کے لیے کافی ہے۔ اخبار آحاد محض آحاد ہونے کی بنا پر نا قابل اعتبار نہیں قرار دی جائیں گی بلکہ ان پر اعتماد کیا جائے گا۔ ان میں ضعف کے پہلوؤں کی تلافی اور شبہ کو دور کرنے کے لیے جو وسائل بھی استعمال ہو سکتے ہیں وہ استعمال میں لائے جائیں گے البتہ ان صورتوں میں یہ لازماً رد کر دی جائیں گی جن میں ان کا تصادم کسی ایسی چیز سے ہوگا جس کی حیثیت دین میں بنیادی اور اصولی ہے اور اس پر قرآن مجید اور سنت متواترہ میں رہنمائی موجود ہے۔

فتنہ وضع حدیث

معاندین اسلام نے قرون اولیٰ میں وضع حدیث کا فتنہ برپا کر کے یہ چاہا کہ علم رسول کا نہایت شاندار اور بے مثال ذخیرہ اگر معدوم نہیں تو مسخ ضرور ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ امت مسلمہ کے ان عظیم سپوتوں کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے جنھوں نے آئمہ فن حدیث کی شکل میں علم رسول کا دفاع کیا اور اپنی جانکاہ کوششوں سے بڑی حد تک اس کو غل وغش سے پاک کرنے کا اہتمام کیا۔ ہمارے ان اکابرین نے ان چور دروازوں کی نشان دہی کی جن راستوں سے ضعیف حدیثیں صحیح حدیثوں میں شامل ہو گئیں۔ اس فتنے کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس دور میں جو بھی احادیث رسول کے مجموعے مرتب ہوئے وہ لاکھوں روایات کے انبار میں سے چند ہزار روایات سے زیادہ ہمارے محدثین کی کسوٹی پر پورے نہ اتر پائے۔

وضع حدیث کے اسباب:

وضع حدیث کے اسباب نیک اور بد دونوں قسم کے رہے ہیں اور ان دونوں راستوں سے جو حدیثیں وضع ہوئی ہیں وہ دین کے لیے مہلک ثابت ہوئی ہیں بلکہ نیکی کے راستے سے جو آتی ہیں ان کی ہلاکت کچھ زیادہ ہی ہے۔

وضع حدیث کے نیک محرکات:

وضع حدیث کے دو بڑے نیک محرکات کا سراغ ملتا ہے۔ ایک قرآن مجید کی طرف لوگوں کو راغب کرنے کے لیے سورتوں کی تلاوت کے فضائل بیان کرنا دوسرا ان میں آخرت کا خوف پیدا کرنے کے لیے ترغیب و ترہیب کی روایتیں بیان

کرنا۔ سورتوں کے فضائل کے بارے میں جو روایات ملتی ہیں وہ اکثر وضعی ہیں۔ ان روایتوں سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک سورہ بھی اگر پڑھ لی جائے تو اس کے بعد کوئی کام کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ جب کہ اس سورہ پر غور وفکر کرنے اور سمجھنے کی بھی کوئی شرط نہیں ہے۔ اسی طرح اس گروہ نے جو اخیار و صالحین کے زمرے میں آتا ہے اپنے صوفیانہ مزاج کی بدولت ترغیب و ترہیب کی قسم کی بے شمار روایات گھڑی ہیں۔ بظاہر ان کا مقصد لوگوں کو آخرت کا ڈر اور خوف دلانا اور ان کے اندر دین کی طرف شوق اور رغبت پیدا کرنا تھا۔ اس وجہ سے انہوں نے ایسی روایات کو بیان کرنے کے لیے سند اور روایت حدیث کی ان پابندیوں کو ضروری نہیں خیال کیا جو محدثین نے قائم کر رکھی ہیں۔ ہمارے محدثین نے غالباً اس گروہ کے مؤقف کو صحیح تسلیم کرلیا۔ چنانچہ انہوں نے اپنی تحقیق کو صرف احکامی روایات تک محدود رکھا۔ ترغیب و ترہیب کی روایات سے تعرض نہیں کیا اور اس گروہ کو ہر قسم کی رطب و یابس چیزیں پھیلانے کے لیے آزاد چھوڑ دیا۔ بے شک یہ سب تو نیک نیتی سے ہوا لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ روایات زندگی کے ہر شعبہ پر اثر انداز ہونے والی ہیں۔ یہاں تک کہ دین کے بنیادی عقائد، مثلاً توحید اور قیامت وغیرہ بھی ان کی زد سے نہیں بچے ہیں۔ اس کے نتیجے میں دین اسلام کا حلیہ اس قدر بگڑ کر رہ گیا ہے کہ ہر شعبۂ زندگی میں باطل چھایا ہوا ہے اور حق اس کے نیچے دب گیا ہے۔ اگرچہ نقاد محدثین نے اس قسم کے صالحین سے روایت لینے میں احتیاط کی سخت تاکید کی ہے لیکن یہ تنقید اس وجہ سے بالکل غیر مؤثر رہی کہ عملاً ترغیب و ترہیب کی روایات ناقدین فن کی گرفت سے آزاد رہیں۔

وضع حدیث کے برے محرکات:

وضع حدیث کے برے محرکات میں سے دو محرک بہت نمایاں ہیں۔ ایک اپنی ذات کو نمایاں کرنے کی خواہش، دوسرے اپنی بدعات کو دین میں گھسانے کی خواہش۔

ایک زمانہ میں کسی حدیث کا راوی ہونا اتنی بڑی عزت تھی کہ شاید ہی کوئی اور چیز اس سے بڑھ کر خیال کی جاتی ہو۔ کسی حدیث کی روایت سے حاصل ہونے والی عزت شہرت اور مقبولیت اپنے اندر بڑی کشش رکھتی تھی۔ جس چیز کو لوگوں کی نگاہوں میں قدر و منزلت حاصل ہو اس کے طالب جس طرح اچھے لوگ ہو سکتے ہیں اسی طرح برے لوگ بھی ہو سکتے ہیں تاکہ اس کے ذریعہ سے دنیا کی عزت و شہرت حاصل کریں۔ اگر امکان ہو تو دوسرے منافع بھی حاصل کریں۔ اس طرح سے نیک نیت اور بدنیت میں تمیز مشکل ہو جاتی ہے۔ چنانچہ نتیجہ یہ نکلا کہ جن کے پاس کوئی روایت نہیں تھی انہوں نے جھوٹی اور ضعیف روایات کا سہارا لیا بلکہ کچھ نہ کچھ اپنے پاس سے بنانے کی بھی کوشش کی۔

وضع حدیث کے فتنہ سے سب سے زیادہ فائدہ ان گمراہ فرقوں نے اٹھایا جو مسلمانوں میں پیدا ہوئے۔ ان کے مقاصد سیاسی بھی تھے جن کی وجہ سے بعض شخصیات کے حق یا ان کے خلاف ان کو پراپیگنڈے کے لیے مواد درکار تھا اور یہ عامۃ المسلمین سے کئی معاملات میں عقائدی اختلاف بھی رکھتے تھے۔ انہوں نے جب اپنی ضلالتوں کو دین بنانا چاہا تو ان کے پاس کوئی آسان راستہ نہیں تھا لہٰذا انہوں نے بے تحاشا روایتیں گھڑیں اور پھیلائیں تا کہ وہ اپنی ضلالت کو دین ثابت کریں۔ اس طرح جو جھوٹ پھیلایا گیا اس کی مقدار معمولی نہیں بلکہ بلا مبالغہ لاکھوں کی تعداد میں ہے۔ اس صورت حال کو سامنے رکھتے ہوئے یہ بات ذرا بھی تعجب انگیز معلوم نہیں ہوتی کہ امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے لاکھوں حدیثوں کے انبار میں سے صرف چند ہزار حدیثیں پائی ہیں جن سے ان کے مجموعے تیار ہوئے ہیں۔

علم رسول کو محفوظ کرنے کے لیے ہمارے عظیم آئمہ حدیث کی مساعی یقیناً قابل قدر ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ وضع حدیث کا فتنہ بھی اپنا اثر چھوڑے بغیر نہیں رہا۔ اس کے محرکات نیک و بد دونوں تھے۔ ہمارے محدثین نے جہاں صالحین کی روایات ترغیب و ترہیب سے تعرض نہیں کیا وہاں انہوں نے اہل بدعت سے روایات لینے میں بھی اتنی احتیاط سے کام نہیں لیا جتنی کہ علم حدیث کو فتنہ وضع حدیث سے بچانے کے لیے ضروری تھی۔ چنانچہ وضعی حدیثوں نے حدیث کی امہات کتب میں بھی راہ پالی۔

اس وقت دین میں تحقیق کرنے والے ہر شخص کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس بات کی پوری پوری تسلی کرے کہ وہ جس حدیث پر انحصار کر رہا ہے وہ واقعی حدیث رسولؐ ہے اور کتاب اللہ کی کسوٹی پر پوری اترتی ہے اور اس میں مبتدعین نے کوئی ملاوٹ نہیں کی۔

امہات فن حدیث

ذخیرہ حدیث تو بحر بے کراں ہے۔ ظاہر ہے اس قدر کثیر التعداد روایات جو مختلف ذرائع سے جمع کی گئی تھیں اور جن کی جمع و ترتیب مختلف آئمہ فن نے مختلف زمانوں میں کی ان کے متعلق یہ ناممکن ہے کہ ان کے سب مصادر ہر اعتبار سے ہم آہنگ اور ہم رنگ ہوں اور وہ ایک ہی طبقہ اور مرتبہ سے تعلق رکھتے ہوں۔ اس لیے ہمارے محدثین نے کتب حدیث کو صحت، حسن اور ضعف کے لحاظ سے مختلف طبقات میں تقسیم کیا ہے۔ طبقہ اول میں موطا امام مالکؒ، صحیح بخاریؒ اور صحیح مسلم کو شامل کیا گیا۔ ان مجموعوں میں متواتر، صحیح اور حسن، ہر قسم کی حدیثیں موجود ہیں۔ جہاں تک طبقہ دوم کا تعلق ہے تو اس میں سنن اربعہ ترمذیؒ، ابوداؤدؒ، نسائیؒ اور ابن ماجہ شامل ہیں۔ ان مجموعوں میں اگرچہ تمام حدیثیں تو طبقہ اول کے درجہ کی نہیں

ہیں تاہم ان کے مرتبین نے اپنی شرائط کے تحت، تساہل سے بہرحال کام نہیں لیا ہے۔ ان کے علاوہ بھی احادیث نبوی دیگر کتب میں جستہ جستہ ملتی ہیں جو محدثین کے کڑے معیار تحقیق کی کسوٹی پر پوری اترتی ہیں۔

حدیث سے صحیح معنوں میں فیض یاب ہونے کے لیے اس پر تدبر لازمی ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے سب سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ حدیث پر غور وفکر کا فطری طریقہ کیا ہے۔ ہمارے خیال میں تدبر حدیث کے لیے ضروری ہے کہ پہلے اس فن کی امہات کا انتخاب کر لیا جائے اور ان پر پورے استقصاء کے ساتھ اس طرح غور کیا جائے کہ ان کی ہر بات اچھی طرح گرفت میں آ جائے اور اگر ان کی کچھ باتیں شک پیدا کرنے والی ہوں تو وہ بالکل متعین ہو کر سامنے آ جائیں۔ ان کی مشکلات حل کرنے کے لیے احادیث کے پورے قابل اعتماد ذخیرے میں سے جہاں جہاں سے بھی کوئی راہنمائی ملنے کا مظنہ ہو، مواد فراہم کرنے کی کوشش کی جائے تاکہ اس باب سے متعلق تمام منتشر مواد اکٹھا ہو جائے اور حدیث کی جو چیزیں حدیث کے فہم میں مددگار ہو سکتی ہیں ان کی تلاش وفراہمی میں حتی الامکان کوئی کسر نہ رہ جائے اور یوں ایسی احادیث پر اس وقت تک غور جاری رکھا جائے جب تک نفیاً یا اثباتاً کوئی فیصلہ نہ ہو جائے۔ یہ چیز تحقیق میں مددگار ہو گی اور پورا ذخیرہ نظروں میں بھی رہے گا۔

اس مقصد کے لیے مرکزی اہمیت کن کتابوں کو دی جائے؟ اس سوال کے جواب میں اختلاف ہو سکتا ہے۔ بہرحال ہماری رائے یہ ہے کہ حدیث کی امہات تین ہیں:۔

۱۔ موطا امام مالکؒ

۲۔ صحیح امام بخاریؒ

۳۔ صحیح امام مسلمؒ

ان تینوں کتابوں میں، جو امہات فن کے درجے پر فائز ہیں، ہمارے خیال میں احادیث رسول کا اتنا ذخیرہ موجود ہے جو پورے نظام دین کو متشکل کر دینے کے لیے کافی ہے۔ یہ تو ممکن ہے کہ ان سے باہر کی کسی حدیث سے ان کی کسی حدیث کی توضیح وتوجیہ میں مدد مل جائے لیکن دین کی تشریح کے معاملہ میں ان سے باہر کی کسی چیز کی بہت بڑی حد تک حاجت نہیں رہے گی۔ دین کے نظام کو سمجھنے کے لیے قرآن مجید سے مل کر یہ امہات ان شاء اللہ کافی ہوں گی۔

(تلخیص: عبداللہ غلام احمد)

کتاب الحوالات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتاب الحَوَالَاتِ (حوالہ کی کتاب)

۱. باب : فِی الحَوَالَۃِ وَ ھَلْ یَرْجِعُ فِی الحَوَالَۃِ

وَ قَالَ الحَسَنُ وَ قَتَادَۃُ اِذَا کَانَ یَوْمَ اَحَالَ عَلَیْہِ مَلِیًّا جَازَ وَ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ یَتَخَارَجُ الشَّرِیکَانِ وَ اَھْلُ المِیْرَاثِ فَیَاْخُذُ ھٰذَا عَیْنًا وَ ھٰذَا دَیْنًا فَاِنْ تَوِیَ لِاَحَدِھِمَا لَمْ یَرْجِعْ عَلیٰ صَاحِبِہٖ.

باب: حوالہ یعنی قرض کو دوسرے پر اتارنے کے بارے میں کیا آدمی کا حوالہ میں رجوع کرنا درست ہے یا نہیں؟

حسن اور قتادہ نے کہا محال علیہ یعنی جس پر قرض اتارا گیا اگر حوالے کے دن مالدار تھا تو ایسا کرنا جائز ہے اور ابن عباسؓ نے کہا اگر شرکاء اور وارثوں نے یوں تقسیم کی کہ کسی نے نقد مال لیا کسی نے قرض، پھر کسی کا حصہ ڈوب گیا تو اب وہ دوسرے ساتھی یا وارث سے کچھ نہیں لے سکتا۔

فقہا کے ہاں ایک آدمی پر قرض کی ذمہ داری کسی دوسرے پر ڈالنے کا نام حوالہ ہے۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک مقروض کا قرض اگر کوئی اپنے ذمہ لے کر اس شخص کو اس ذمہ داری سے بری کر دیتا ہے تو وہ مقروض اپنے معاملات کو سنوار سکتا ہے۔ امام صاحب اس باب میں حوالہ اور اس سے متعلق سوالات کو زیر بحث لانا چاہتے ہیں۔

۱۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ یُوسُفَ اَخْبَرَنَا مَالِکٌ " عَنْ اَبِی الزِّنَادِ عَنِ الاَعْرَجِ عَنْ اَبِی ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنہُ اَنَّ رَسُولَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ مَطْلُ الغَنِیِّ ظُلْمٌ " فَاِذَا اُتْبِعَ اَحَدُکُمْ عَلَی مَلِیٍّ فَلْیَتْبَعْ.

﴿ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا مالدار کا قرض ادا کرنے میں ٹال مٹول کرنا ظلم ہے۔ پھر اگر تم میں سے کسی کو مالدار پر حوالہ دیا جائے تو چاہیے کہ قبول کرے۔﴾

وضاحت:

مطل کے معنی ٹال مٹول کے ہیں۔ حدیث کے پہلے حصہ کا مفہوم واضح ہے۔ ایک آدمی قرض لوٹانے کی پوزیشن میں ہوتو اس کا ٹال مٹول سے کام لینا زیادتی ہے۔ ایک امیر آدمی نے اگر کسی سے قرض لیا ہوتو چاہیے کہ وہ اس کو وعدے کے مطابق لوٹا دے۔ وہ ٹال مٹول سے کام لے کر اپنے قرض خواہ کو نت نئی تاریخیں نہ دیتا رہے۔ اگر وہ ایسا کرے گا تو یہ ایک جرم ہوگا۔ اس ظلم کی تلافی کے لیے عدالت سے رجوع کیا جا سکتا ہے۔

روایت کا دوسرا حصہ نزاعی ہے۔ شارحین غنیّ اور ملیّ کو ہم معنی سمجھتے ہیں۔ ان کے نزدیک اس حصہ کا مفہوم یہ ہے کہ جب تم میں سے کسی کا قرض کسی مال دار شخص کے حوالہ کیا جائے تو چاہیے کہ وہ قبول کر لے۔ میرے نزدیک یہ بات معقول نہیں۔ آخر اپنی بلا دوسرے کے سر کیوں ڈالی جائے اور قرض خواہ کو اس تجویز کو ماننے پر کیوں مجبور کیا جائے؟ شارحین اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ حکم واجب نہیں، محض ایک مشورہ ہے۔

مَلِیّ کا لفظ ساعت، مدت وغیرہ کے معنی میں بھی آتا ہے اور اُتبِعَ کے معنی کسی کو کسی رخ پر ٹالنے کے آتے ہیں۔ یہ معنی مراد لینے سے حدیث کا مفہوم یہ ہو جاتا ہے کہ اگر کسی کو کچھ مدت کے لیے ٹالا جائے تو اس کو چاہیے کہ وہ اس تجویز کو قبول کر لے اور اپنے موقف پر اصرار نہ کرے۔ اس طرح حدیث کے دونوں حصے بہت پر حکمت ہو جاتے ہیں، یعنی ایک طرف تو قرض دار کو یہ حکم ہے کہ وہ قرض کی ادائیگی میں ٹال مٹول سے کام نہ لے، دوسری طرف قرض خواہ کو یہ ہدایت ہے کہ وہ بھی تنگ دلی کا مظاہرہ نہ کرے اور اگر اس سے کچھ عرصہ کی مہلت معقول وجوہ کی بناء پر مانگی جائے تو مہلت دے دے۔ والعلم عند اللہ۔

۲. باب: إِذَا أَحَالَ عَلَى مَلِيٍّ فَلَيْسَ لَهُ رَدٌّ

باب: اس بارے میں کہ اگر مال دار پر حوالہ دیا جائے تو اس کا رد کرنا جائز نہیں ہے

۲۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ ابْنِ ذَكْوَانَ عَنِ الأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَطْلُ الْغَنِيِّ ظُلْمٌ" وَمَنْ أُتْبِعَ عَلَى مَلِيٍّ فَلْيَتْبَعْ.

﴿ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مالدار کا قرض ادا کرنے میں دیر لگانا ظلم ہے اور جس کسی کو کچھ مدت کے لیے ٹالا جائے تو چاہیے کہ اس تجویز کو قبول کرے۔﴾

۳. باب: إِنْ أَحَالَ دَيْنَ الْمَيِّتِ عَلَى رَجُلٍ جَازَ

باب: میت پر جو قرض ہے اس کا حوالہ جائز ہے

۳. حَدَّثَنَا الْمَكِّيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ أَبِي عُبَيْدٍ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الأَكْوَعِ رَضِيَ اللَّهُ

عَنۡہُ قَالَ کُنَّا جُلُوسًا عِندَ النَّبِيِّ ﷺ اِذۡ اُتِیَ بِجَنَازَۃٍ فَقَالُوا صَلِّ عَلَیۡھَا، فَقَالَ ھَلۡ عَلَیۡہِ دَیۡنٌ" قَالُوۡا لَا، قَالَ فَھَلۡ تَرَکَ شَیۡئًا قَالُوا لَا فَصَلّٰی عَلَیۡہِ ثُمَّ اُتِیَ بِجَنَازَۃٍ اُخۡرٰی فَقَالُوا یَا رَسُوۡلَ اللّٰہِ صَلِّ عَلَیۡھَا قَالَ ھَلۡ عَلَیۡہِ دَیۡنٌ" قِیۡلَ نَعَمۡ قَالَ فَھَلۡ تَرَکَ شَیۡئًا، قَالُوا ثَلٰثَۃَ دَنَانِیۡرَ فَصَلّٰی عَلَیۡھَا، ثُمَّ اُتِیَ بِالثَّالِثَۃِ فَقَالُوۡا صَلِّ عَلَیۡھَا قَالَ ھَلۡ تَرَکَ شَیۡئًا، قَالُوۡا لَا، قَالَ فَھَلۡ عَلَیۡہِ دَیۡنٌ" قَالُوا ثَلَاثَۃُ دَنَانِیۡرَ، قَالَ صَلُّوۡا عَلٰی صَاحِبِکُمۡ قَالَ اَبُوۡ قَتَادَۃَ صَلِّ عَلَیۡہِ یَا رَسُوۡلَ اللّٰہِ وَ عَلَیَّ دَیۡنُہٗ فَصَلّٰی عَلَیۡہِ.

﴿سلمہ بن اکوعؓ کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے تھے کہ ایک جنازہ لایا گیا۔ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ اس پر نماز پڑھیے، آپ نے پوچھا اس پر کوئی قرض تو نہیں ہے؟ لوگوں نے کہا نہیں۔ پھر آپ نے پوچھا اس نے کچھ مال چھوڑا ہے؟ لوگوں نے کہا نہیں۔ آپ نے اس پر نماز پڑھی۔ پھر دوسرا جنازہ لایا گیا تو لوگوں نے کہا یا رسول اللہ اس پر نماز پڑھیے۔ آپ نے پوچھا کیا اس کے ذمہ قرض ہے؟ بتایا گیا کہ یہ قرض دار ہے۔ آپ نے پوچھا اس نے کچھ مال چھوڑا ہے، لوگوں نے کہا جی ہاں، تین دینار۔ آپ نے اس پر بھی نماز پڑھی۔ پھر تیسرا جنازہ لایا گیا، لوگوں نے کہا اس پر نماز پڑھیے۔ آپ نے پوچھا کیا اس پر کچھ قرض ہے؟ لوگوں نے کہا جی ہاں، یہ تین دینار کا مقروض ہے۔ آپ نے پوچھا کیا اس نے کچھ مال چھوڑا ہے؟ لوگوں نے بتایا جی نہیں۔ آپ نے فرمایا: تم لوگ اپنے ساتھی کی نماز جنازہ خود پڑھ لو۔ ابو قتادہؓ نے کہا' یا رسول اللہ آپ نماز پڑھیے میں اس کا قرض اپنے ذمہ لیتا ہوں' تو آپؐ نے اس پر نماز پڑھی۔

وضاحت:

اس حدیث میں قرض لینے کی عادت کی حوصلہ شکنی واضح ہے۔ رسول اللہ ﷺ اس کے بارے میں اتنے حساس تھے کہ آپ کے سامنے تین جنازے لائے گئے کہ آپ ان پر نماز پڑھائیں تو آپ نے ہر ایک کے بارے میں دریافت کیا کہ مرنے والا اپنے ذمہ قرض لے کر تو نہیں مرا۔ اگر کسی کے ذمہ قرض ہونے کی آپ کو خبر ملی تو آپ نے اطمینان کرنا چاہا کہ اس کا ترکہ اتنا ہے جس سے اس کا قرض ادا ہو سکے۔

جب تیسری میت کے بارے میں یہ بات آپ کے علم میں آئی کہ اس کے ذمہ قرض ہے اور اس کو ادا کرنے کے لیے بھی مرنے والے نے کچھ نہیں چھوڑا تو آپ نے خود نماز جنازہ پڑھانے سے اجتناب کیا اور لوگوں سے کہا کہ وہ خود ہی اپنے ساتھی کی نماز پڑھ لیں۔ ابو قتادہؓ کو اپنے ایک مسلمان ساتھی کی حضورؐ کی دعا سے محرومی ناگوار گزری تو انہوں نے میت

کا قرض اپنے ذمے لیا اور نبی ﷺ سے درخواست کی کہ آپ نماز پڑھا دیں تو آپ نے نماز پڑھا دی۔

اس واقعہ سے یہ بات ثابت ہوئی کہ اگر میت کے قرض کا حوالہ کسی دوسرے شخص پر کر دیا جائے اور وہ اس کو تسلیم کرلے تو یہ شکل جائز ہے۔

۴۔ باب: الْكَفَالَةِ فِي الْقَرْضِ وَالدُّيُونِ بِالْأَبْدَانِ وَغَيْرِهَا وَقَالَ أَبُو الزِّنَادِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ حَمْزَةَ بْنِ عَمْرٍو الْأَسْلَمِيِّ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ بَعَثَهُ مُصَدِّقًا فَوَقَعَ رَجُلٌ عَلَى جَارِيَةِ امْرَأَتِهِ فَأَخَذَ حَمْزَةُ مِنَ الرَّجُلِ كَفِيلًا حَتّٰى قَدِمَ عَلَى عُمَرَ وَكَانَ عُمَرُ قَدْ جَلَدَهُ مِائَةَ جَلْدَةٍ فَصَدَّقَهُمْ وَعَذَرَهُ بِالْجَهَالَةِ. وَقَالَ جَرِيرٌ وَالْأَشْعَثُ لِعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُودٍ فِي الْمُرْتَدِّينَ اسْتَتِبْهُمْ وَكَفِّلْهُمْ، فَتَابُوا وَكَفَلَهُمْ عَشَائِرُهُمْ، وَقَالَ حَمَّادٌ "إِذَا تَكَفَّلَ بِنَفْسٍ فَمَاتَ فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ، وَقَالَ الْحَكَمُ يَضْمَنُ، قَالَ أَبُو عَبْدِ اللّٰهِ، وَقَالَ اللَّيْثُ حَدَّثَنِي جَعْفَرُ بْنُ رَبِيعَةَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ هُرْمُزَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ أَنَّهُ ذَكَرَ رَجُلًا مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ سَأَلَ بَعْضَ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَنْ يُسْلِفَهُ أَلْفَ دِينَارٍ فَقَالَ ائْتِنِي بِالشُّهَدَاءِ أُشْهِدُهُمْ فَقَالَ كَفَى بِاللّٰهِ شَهِيدًا قَالَ فَأْتِنِي بِالْكَفِيلِ قَالَ كَفَى بِاللّٰهِ كَفِيلًا، قَالَ صَدَقْتَ فَدَفَعَهَا إِلَيْهِ إِلَى أَجَلٍ مُسَمًّى فَخَرَجَ فِي الْبَحْرِ فَقَضَى حَاجَتَهُ ثُمَّ الْتَمَسَ مَرْكَبًا يَرْكَبُهَا يَقْدَمُ عَلَيْهِ لِلْأَجَلِ الَّذِي أَجَّلَهُ فَلَمْ يَجِدْ مَرْكَبًا فَأَخَذَ خَشَبَةً فَنَقَرَهَا فَأَدْخَلَ فِيهِ أَلْفَ دِينَارٍ وَصَحِيفَةً مِنْهُ إِلَى صَاحِبِهِ ثُمَّ زَجَّجَ مَوْضِعَهَا ثُمَّ أَتَى بِهَا إِلَى الْبَحْرِ فَقَالَ اللّٰهُمَّ إِنَّكَ تَعْلَمُ أَنِّي كُنْتُ تَسَلَّفْتُ فُلَانًا أَلْفَ دِينَارٍ فَسَأَلَنِي كَفِيلًا فَقُلْتُ كَفَى بِاللّٰهِ كَفِيلًا فَرَضِيَ بِكَ وَسَأَلَنِي شَهِيدًا فَقُلْتُ كَفَى بِاللّٰهِ شَهِيدًا فَرَضِيَ بِكَ، وَأَنِّي جَهَدْتُ أَنْ أَجِدَ مَرْكَبًا أَبْعَثُ إِلَيْهِ الَّذِي لَهُ فَلَمْ أَقْدِرْ، وَإِنِّي أَسْتَوْدِعُكَهَا فَرَمَى بِهَا فِي الْبَحْرِ حَتّٰى وَلَجَتْ فِيهِ، ثُمَّ انْصَرَفَ، وَهُوَ فِي ذٰلِكَ يَلْتَمِسُ مَرْكَبًا يَخْرُجُ إِلَى بَلَدِهِ فَخَرَجَ الرَّجُلُ الَّذِي كَانَ أَسْلَفَهُ يَنْظُرُ لَعَلَّ مَرْكَبًا قَدْ جَاءَ بِمَالِهِ، فَإِذَا بِالْخَشَبَةِ الَّتِي فِيهَا الْمَالُ فَأَخَذَهَا لِأَهْلِهِ حَطَبًا فَلَمَّا نَشَرَهَا وَجَدَ الْمَالَ وَالصَّحِيفَةَ ثُمَّ قَدِمَ الَّذِي كَانَ أَسْلَفَهُ فَأَتَى بِالْأَلْفِ دِينَارٍ، فَقَالَ وَاللّٰهِ مَا زِلْتُ جَاهِدًا فِي طَلَبِ مَرْكَبٍ لِآتِيَكَ بِمَالِكَ، فَمَا وَجَدْتُ مَرْكَبًا قَبْلَ الَّذِي أَتَيْتُ فِيهِ، قَالَ هَلْ كُنْتَ بَعَثْتَ إِلَيَّ بِشَيْءٍ. قَالَ

اُخْبِرُکَ اَنِّی لَمْ اَجِدْ مَرْکَبًا قَبْلَ الَّذِی جِئْتُ فِیهِ، قَالَ فَإِنَّ اللّٰهَ قَدْ اَدّٰی عَنْکَ الَّذِی بَعَثْتَ فِی الْخَشَبَةِ، فَانْصَرِفْ بِالْاَلْفِ الدِّیْنَارِ رَاشِدًا.

باب: قرضوں وغیرہ کی شخصی اور مالی ضمانت کے بیان میں۔ محمد بن حمزۃ بن عمرو الاسلمی نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے ان کو زکوٰۃ کا تحصیل دار بنا کر بھیجا۔ وہاں ایک آدمی نے اپنی بیوی کی لونڈی سے زنا کیا۔ حمزہ نے اس آدمی سے ضمانت لی اور حضرت عمرؓ کے پاس آئے۔ حضرت عمرؓ نے اس کو سو کوڑے لگوائے۔ اس آدمی نے جرم قبول کیا تھا لیکن جہالت کا عذر کیا تھا اور جریر اور اشعث نے عبداللہ بن مسعودؓ کو مشورہ دیا کہ مرتد لوگوں سے توبہ کرائیں اور ضمانت لیں (کہ دوبارہ مرتد نہ ہوں گے) پھر انہوں نے توبہ کی اور ان کے کنبہ والوں نے ان کی ضمانت دی۔ اور حماد نے کہا جس کا شخصی ضامن ہو اگر وہ مر جائے تو ضامن پر کچھ تاوان نہ ہوگا۔ اور الحکم نے کہا اس کو ذمہ کا مال دینا پڑے گا۔ امام بخاری ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے بنی اسرائیل کے ایک شخص کا قصہ سنایا۔ اس نے بنی اسرائیل کے ایک دوسرے شخص سے ایک ہزار دینار قرض مانگے۔ اس نے کہا گواہوں کو بلاؤ تاکہ رقم میں ان کے سامنے دوں تو قرض مانگنے والے نے کہا اللہ کی شہادت کافی ہے۔ اس نے کہا اچھا کوئی ضامن لاؤ تو قرض لینے والے نے کہا اللہ کی ضمانت کافی ہے۔ اس نے کہا تو سچ کہتا ہے اور ہزار دینار اس کو متعین مدت کے لیے قرض پر دے دیے۔ پھر جس نے قرض لیا تھا اس نے سمندر کا سفر کیا اور اپنا کام پورا کر کے کوئی جہاز تلاش کرتا رہا جس پر سوار ہو کر متعین وقت پر قرض خواہ کے پاس پہنچ جائے۔ لیکن کوئی جہاز نہ ملا۔ آخر اس نے ایک لکڑی لی، اس کو کھوکھلا کیا اور اس میں ہزار دینار اور ایک خط رکھ کر ہموار کر دیا اور سمندر پر آیا۔ کہنے لگا کہ یا اللہ تو جانتا ہے کہ میں نے فلاں شخص سے ہزار دینار قرض لیے تھے۔ اس نے مجھ سے ضمانت مانگی تو میں نے کہا تھا کہ تیری ضمانت بس کرتی ہے۔ وہ اس پر راضی ہو گیا تھا اور اس نے مجھ سے گواہ بھی مانگے تھے۔ میں نے کہا تھا کہ تیری گواہی بس کرتی ہے۔ اور وہ اس پر راضی ہو گیا تھا۔ میں نے بہت کوشش کی کہ کوئی جہاز ملے اور میں اس کا قرض وعدے پر ادا کر دوں لیکن جہاز نہیں ملا۔ اب میں یہ مال تیرے سپرد کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر اس نے وہ لکڑی سمندر میں پھینک دی یہاں تک کہ وہ سمندر میں غائب ہو گئی اور وہ شخص لوٹ کر چلا گیا۔ وہ اپنے شہر کو جانے والا جہاز ڈھونڈتا رہا۔ جس شخص نے قرض دیا تھا وہ سمندر پر اس خیال سے گیا کہ شاید کوئی

جہاز آئے اور اس کا مال لائے۔ اتنے میں ایک لکڑی اس کو دکھائی دی۔ اس نے گھر میں جلانے کے لیے اٹھا لی۔ جب اس کو چیرا تو دینار اور خط پایا۔ پھر وہ شخص بھی آن پہنچا جس نے قرض لیا تھا اور ایک ہزار دینار لایا اور عذر کرنے لگا کہ اللہ کی قسم! میں برابر جہاز کی تلاش میں رہا کہ تمہارا قرض ادا کر دوں مگر جس جہاز میں آیا ہوں اس سے پہلے کوئی جہاز نہیں ملا۔ قرض خواہ نے پوچھا کیا تو نے اس سے پہلے میرے پاس کچھ بھیجا تھا۔ اس نے کہا میں تمہیں بتاتا ہوں کہ مجھے اس جہاز سے پہلے کوئی جہاز نہیں ملا جس پر میں آیا ہوں۔ قرض خواہ کہنے لگا اللہ نے ان دیناروں کی ادائیگی تمہاری طرف سے کر دی ہے جو تو نے لکڑی میں رکھ کر بھیجے تھے۔ پھر وہ آدمی دینار لے کر اطمینان کے ساتھ لوٹ گیا۔

۵۔ باب: قَوْلُ اللّٰهِ تَعالىٰ وَالَّذِينَ عاقَدَتْ اَيْمانُكُمْ فَاٰتُوْهُمْ نَصِيبَهُمْ

باب: اللہ تعالیٰ کے اس حکم کے بارے میں کہ جن سے تم نے قسم کھا کر قول کیا ان کا حصہ ان کو دو۔

۴۔ حَدَّثَنَا الصَّلْتُ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا اَبُو اُسَامَةَ عَنْ اِدْرِيسَ عَنْ طَلْحَةَ بْنِ مُصَرِّفٍ عَنْ سَعِيدِ ابْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ قَالَ وَرَثَةً وَالَّذِينَ عَاقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ، قَالَ كَانَ الْمُهَاجِرُوْنَ لَمَّا قَدِمُوا الْمَدِينَةَ، يَرِثُ الْمُهَاجِرُ الْاَنْصَارِيَّ، دُوْنَ ذَوِي رَحِمِهِ، لِلْاُخُوَّةِ الَّتِي آخَى النَّبِيُّ ﷺ بَيْنَهُمْ، فَلَمَّا نَزَلَتْ: وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ، نَسَخَتْ ثُمَّ قَالَ: وَالَّذِينَ عَاقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ، اِلَّا النَّصْرَ وَالرِّفَادَةَ وَالنَّصِيحَةَ، وَقَدْ ذَهَبَ الْمِيرَاثُ، وَيُوصِي لَهُ.

ابن عباسؓ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان ''اور ہم نے ہر ایک کے موالی ٹھہرائے'' میں موالی سے مراد وارث ہیں اور جن سے تم نے قسم کھا کر پیمان باندھا، اس کے بارے میں وہ کہتے ہیں کہ مہاجرین جب مدینہ میں آئے اور آنحضرت ﷺ نے ان میں اور انصار میں بھائی چارہ کرا دیا تو مہاجر اس مواخات کے سبب سے جو نبی ﷺ نے ان دونوں کے درمیان کرا دی تھی، انصاری کا ترکہ پاتا اور انصاری کے رشتہ داروں کو کچھ نہ ملتا۔ جب یہ آیت اتری وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ تو اس سے یہ اجازت منسوخ

ہوگئی۔ اب وَالَّذِیْنَ عَاقَدَتْ اَیْمَانُکُمْ کی رو سے مدد، اعانت اور خیر خواہی کی گنجائش باقی رہتی اور وراثت میں سے حصہ پانے کا حق جاتا رہا، البتہ وصیت ان کے لیے ہوسکتی ہے۔ ﴾

وضاحت:

یہ روایت اصلاً ابن عباسؓ کی طرف سے آیت وَالَّذِیْنَ عَاقَدَتْ اَیْمَانُکُمْ فَاٰتُوْهُمْ نَصِیْبَهُمْ (نساء۴:۳۳) کی وضاحت ہے۔ نبی ﷺ کا حوالہ مواخات کے ضمن میں ہے۔ موالی کے معانی ورثا کے ہیں اور درست ہیں۔ قسم کھا کر پیمان باندھنے والوں سے وہ انصار کو مراد لیتے ہیں جنہوں نے مواخات کے سبب سے مہاجرین کو وراثت میں بھی شامل کرلیا۔ وہ کہتے ہیں کہ آیت کے نزول کے بعد ترکہ میں حصہ کی اجازت تو باقی نہ رہی البتہ مواخات مدد، اعانت اور خیر خواہی تک محدود ہوگئی۔ ہمارے نزدیک مواخات میں وراثت کا حکم شامل نہیں تھا۔ بعض انصار نے اپنے مہاجر بھائیوں سے جذباتی تعلق کی بنا پر ایسا کیا کہ ان کو وراثت میں شامل کرلیا۔ وراثت کے احکام نازل ہونے کے بعد اس کے حقدار اور غیر حقدار دونوں واضح ہوگئے۔

اس روایت میں ہر جگہ آیت کو عَاقَدَتْ اَیْمَانُکُمْ کے الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے جبکہ قرآن مجید میں عقدت ایمانکم کے الفاظ آئے ہیں۔ ہمارے نزدیک قرآن کی قراءت وہی صحیح ہے جو عامۃ الناس میں مروج ہے۔

۵۔ حَدَّثَنَا قُتَیْبَةُ حَدَّثَنَا اِسْمٰعِیْلُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ حُمَیْدٍ عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَدِمَ عَلَیْنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ، فَاٰخٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بَیْنَهٗ وَ بَیْنَ سَعْدِ بْنِ الرَّبِیْعِ.

﴿حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ عبدالرحمٰن بن عوفؓ جب تشریف لائے تو آنحضرت ﷺ نے ان میں اور سعد بن ربیع میں بھائی چارہ کرادیا۔

وضاحت:

مواخات یعنی ایک مہاجر صحابی کو ایک انصاری کا بھائی قرار دینے کی اسکیم ہجرت کے جلد بعد نافذ ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ نے مختلف محلوں میں آباد انصاریوں کو نئے ہجرت کرکے آنے والوں میں سے ایک ایک مہاجر کا بھائی قرار دیا تاکہ وہ ان کو نئے ماحول میں کچھ سہولتیں مہیا کریں، اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے میں مدد دیں اور ایک دوسرے کو دین سکھانے اور تربیت کرنے میں ممد و معاون ہوں۔ روایت میں بتایا گیا ہے کہ جب عبدالرحمٰن بن عوفؓ ہجرت کرکے مدینہ پہنچے تو حضورؐ نے ان کو سعد بن الربیعؓ کا بھائی قرار دیا۔

۶۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ حَدَّثَنَا اِسْمٰعِیْلُ بْنُ زَکَرِیَّاءَ حَدَّثَنَا عَاصِمٌ، قَالَ قُلْتُ لِاَنَسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَبَلَغَکَ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ لَاحِلْفَ فِی الْاِسْلَامِ، فَقَالَ قَدْ حَالَفَ النَّبِیُّ ﷺ

بَيْنَ قُرَيْشٍ وَالْاَنْصَارِ فِي دَارِي.

﴿عاصم کہتے ہیں کہ میں نے انسؓ سے پوچھا کہ کیا آپ کو آنحضرت ﷺ کی یہ حدیث پہنچی کہ (جاہلیت کے) عہد و پیمان اسلام میں نہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ آنحضرت ﷺ نے قریش اور انصار میں عہد و پیمان میرے اپنے گھر میں کرایا تھا۔﴾

وضاحت:

حلف کے معنی دو گروہوں یا قبیلوں کا ایک دوسرے کی مدد، نصرت اور ایک جیسا طرز عمل اختیار کرنے کا عہد و پیمان کر لینا ہے۔ زمانہ جاہلیت میں یہ معاہدے کسی دشمن پر حملہ کرنے اور اس سے لڑنے کے لیے کیے جاتے۔ بہت کم معاہدے کسی مقصد حق کے لیے ہوتے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ اسلام میں ایسے معاہدے جائز نہیں۔ عاصم نے حضرت انسؓ سے اس حدیث کے بارے میں معلوم کرنا چاہا تو انہوں نے بتایا کہ مہاجرین اور انصار کے درمیان معاہدہ تو رسول اللہؐ نے خود ہمارے گھر میں کیا۔ ظاہر ہے کہ اس سے مراد مواخات ہے جو نہایت نیک مقاصد کے لیے کرائی گئی۔ گویا حضرت انسؓ نے واضح کیا کہ اسلام میں معاہدہ صرف نیک مقاصد اور نصرت حق کے لیے ہو سکتا ہے۔

چونکہ راوی نے حلف کی نفی کے حکم کا موقع محل نہیں بتایا اس سے ہر طرح کا باہمی معاہدہ غلط قرار پاتا ہے جبکہ قرآن میں بھی آیا ہے کہ ظلم و زیادتی میں باہم تعاون نہ کرو، وفا شعاری اور تقویٰ میں تعاون کیا کرو۔

۲. باب: مَنْ تَكَفَّلَ عَنْ مَيِّتٍ دَيْنًا فَلَيْسَ لَهُ أَنْ يَرْجِعَ وَ بِهِ قَالَ الْحَسَنُ

باب: جو شخص میت کے قرض کی ضمانت دے اس سے پھرنے کا حق اسے نہیں۔ حسن بصری نے بھی ایسا ہی کہا ہے۔

۷۔ حَدَّثَنَا اَبُو عَاصِمٍ عَنْ يَزِيدَ بْنِ اَبِي عُبَيْدٍ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْاَكْوَعِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ اُتِيَ بِجَنَازَةٍ لِيُصَلِّيَ عَلَيْهَا فَقَالَ هَلْ عَلَيْهِ مِنْ دَيْنٍ قَالُوا لَا فَصَلَّى عَلَيْهِ، ثُمَّ اُتِيَ بِجَنَازَةٍ اُخْرَى فَقَالَ هَلْ عَلَيْهِ مِنْ دَيْنٍ قَالُوا نَعَمْ قَالَ صَلُّوا عَلَى صَاحِبِكُمْ قَالَ اَبُو قَتَادَةَ عَلَيَّ دَيْنُهُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ فَصَلَّى عَلَيْهِ.

﴿سلمہ بن اکوعؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ کے سامنے ایک جنازہ لایا گیا کہ اس کی نماز پڑھیں۔ آپؐ نے پوچھا کیا اس کے ذمہ قرض ہے، لوگوں نے کہا نہیں تو آپؐ نے اس پر نماز پڑھی۔ پھر دوسرا جنازہ

آیا۔ آپؐ نے پوچھا: کیا اس پر قرض ہے تو لوگوں نے کہا ہاں۔ آپؐ نے صحابہ سے فرمایا تم اپنے ساتھی کی نماز پڑھ لو۔ ابوقتادہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ اس کا قرض میں اپنے اوپر لیتا ہوں۔ تب آپؐ نے نماز پڑھی۔ ﴾

وضاحت:

یہ حدیث پہلے آ چکی ہے۔ وہ اس سے زیادہ واضح ہے۔ وضاحت باب ۳ حدیث ۳ کے تحت دیکھ لی جائے۔

۸۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِاللهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا عَمْرو" سَمِعَ مُحَمَّدَ بْنَ عَلِيٍّ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ رَضِىَ اللهُ عَنهُم قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ لَوْ قَدْ جَاءَ مَالُ الْبَحْرَيْنِ قَدْ اَعْطَيْتُکَ هٰکَذَا وَ هٰکَذَا فَلَمْ يَجِئْ مَالُ الْبَحْرَيْنِ حَتّٰى قُبِضَ النَّبِيُّ ﷺ فَلَمَّا جَاءَ مَالُ الْبَحْرَيْنِ اَمَرَ اَبُوبَكْرٍ فَنَادٰى مَنْ كَانَ لَهُ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ عِدَةٌ" اَوْ دَيْنٌ" فَلْيَاْتِنَا فَاَتَيْتُهُ فَقُلْتُ اِنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لِي كَذَا وَ كَذَا فَحَثٰى لِي حَثْيَةً فَعَدَدْتُهَا فَاِذَا هِيَ خَمْسُمِائَةٍ وَ قَالَ خُذْ مِثْلَيْهَا.

﴿جابر بن عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے مجھ سے کہا کہ اگر بحرین کا خراج آیا تو میں تم کو اس طرح (دونوں لپ بھر کر) دوں گا۔ پھر بحرین کا خراج آنے سے پیشتر ہی نبی ﷺ وفات پا گئے۔ جب حضرت ابوبکرؓ کے دور میں بحرین کا خراج آیا تو انہوں نے منادی کرائی کہ آنحضرت ﷺ نے جس سے کچھ وعدہ کیا ہو یا اس کا قرض ہو تو وہ حاضر ہو۔ میں نے کہا کہ نبی ﷺ نے مجھے اتنا دینے کا وعدہ فرمایا تھا تو انہوں نے ایک لپ بھر کر مجھ کو روپے دیے۔ میں نے گنا تو پانچ سو نکلے۔ انہوں نے کہا اس کے دوگنا لے لو۔ ﴾

وضاحت:

نبی ﷺ نے جابرؓ سے بحرین کے مال میں سے دو لپ بھر نقدی ان کو دینے کا وعدہ فرمایا۔ ابھی مال نہیں پہنچا تھا کہ حضورؐ کا انتقال ہو گیا اور حضرت ابوبکرؓ خلیفہ بنے۔ جب مال آیا تو انہوں نے منادی کرائی کہ اگر کسی سے رسول اللہ ﷺ نے مالی مدد کا وعدہ کیا ہو یا کسی پر قرض ہو تو وہ حکومت کی طرف رجوع کرے۔ جابرؓ نے جا کر حضور کا وعدہ بتایا تو خلیفۃ المسلمین نے ایک لپ بھر نقدی ان کے حوالہ کی اور فرمایا اس سے دوگنا لے لو۔

امام صاحب کے عنوان باب میں صرف میت کے ذمہ قرض کا ذکر ہے۔ یہاں صورت مختلف ہے کہ ایک سربراہ مملکت نے رعایا کے ایک فرد کو کچھ عطا کرنے کا وعدہ کیا جسے وہ اپنی زندگی میں پورا نہ کر سکا۔ ظاہر ہے کہ یہ ذمہ داری آنے والی حکومت کو منتقل ہو گئی اور اس نے اس کو پورا کر دیا۔

٧. باب: جِوَارِ اَبِی بَکْرٍ فِی عَهْدِ النَّبِیِّ ﷺ وَ عَقْدِهٖ

باب: نبی ﷺ کے عہد میں حضرت ابوبکرؓ کی پناہ گیری اور اس کا عہد

٩. حَدَّثَنَا یَحْیٰی بْنُ بُکَیْرٍ حَدَّثَنَا اللَّیْثُ عَنْ عُقَیْلٍ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ فَاَخْبَرَنِی عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَیْرِ اَنَّ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا زَوْجَ النَّبِیِّ ﷺ قَالَتْ لَمْ اَعْقِلْ اَبَوَیَّ اِلَّا وَهُمَا یَدِیْنَانِ الدِّیْنَ وَقَالَ اَبُوْ صَالِحٍ حَدَّثَنِی عَبْدُاللّٰهِ عَنْ یُوْنُسَ عَنِ الزُّهْرِیِّ قَالَ اَخْبَرَنِی عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَیْرِ اَنَّ عَائِشَةَ قَالَتْ لَمْ اَعْقِلْ اَبَوَیَّ قَطُّ اِلَّا وَهُمَا یَدِیْنَانِ الدِّیْنَ وَ لَمْ یَمُرَّ عَلَیْنَا یَوْمٌ" اِلَّا یَاْتِیْنَا فِیْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ طَرَفَیِ النَّهَارِ بُکْرَةً وَ عَشِیَّةً فَلَمَّا ابْتُلِیَ الْمُسْلِمُوْنَ خَرَجَ اَبُوْبَکْرٍؓ مُهَاجِرًا قِبَلَ الْحَبَشَةِ حَتّٰی اِذَا بَلَغَ بَرْکَ الْغِمَادِ لَقِیَهُ ابْنُ الدَّغِنَةِ وَهُوَ سَیِّدُ الْقَارَةِ فَقَالَ اَیْنَ تُرِیْدُ یَا اَبَابَکْرٍ، فَقَالَ اَبُوْبَکْرٍ اَخْرَجَنِی قَوْمِی فَاَنَا اُرِیْدُ اَنْ اَسِیْحَ فِی الْاَرْضِ وَاَعْبُدَ رَبِّی قَالَ ابْنُ الدَّغِنَةِ اِنَّ مِثْلَکَ لَا یَخْرُجُ وَلَا یُخْرَجُ فَاِنَّکَ تَکْسِبُ الْمَعْدُوْمَ، وَ تَصِلُ الرَّحِمَ وَ تَحْمِلُ الْکَلَّ وَ تَقْرِی الضَّیْفَ وَ تُعِیْنُ عَلٰی نَوَائِبِ الْحَقِّ وَ اَنَالَکَ جَارٌ" فَارْجِعْ فَاعْبُدْ رَبَّکَ بِبِلَادِکَ فَارْتَحَلَ ابْنُ الدَّغِنَةِ فَرَجَعَ مَعَ اَبِی بَکْرٍ فَطَافَ فِی اَشْرَافِ کُفَّارِ قُرَیْشٍ فَقَالَ لَهُمْ اَنَّ اَبَابَکْرٍ لَا یَخْرُجُ مِثْلُهٗ وَ لَا یُخْرَجُ اَتُخْرِجُوْنَ رَجُلًا یَکْسِبُ الْمَعْدُوْمَ وَ یَصِلُ الرَّحِمَ وَ یَحْمِلُ الْکَلَّ وَ یَقْرِی الضَّیْفَ وَ یُعِیْنُ عَلٰی نَوَائِبِ الْحَقِّ فَاَنْفَذَتْ قُرَیْشٌ" جِوَارَ ابْنِ الدَّغِنَةِ وَ اٰمَنُوْا اَبَابَکْرٍؓ وَقَالُوْا لِابْنِ الدَّغِنَةِ مُرْ اَبَا بَکْرٍؓ فَلْیَعْبُدْ رَبَّهٗ فِی دَارِهٖ فَلْیُصَلِّ وَلْیَقْرَاْ مَاشَاءَ وَلَا یُؤْذِیْنَا بِذَالِکَ وَلَا یَسْتَعْلِنْ بِهٖ فَاِنَّا قَدْ خَشِیْنَا اَنْ یَفْتِنَ اَبْنَاءَ نَا وَ نِسَاءَ نَا قَالَ ذٰلِکَ ابْنُ الدَّغِنَةِ لِاَبِی بَکْرٍؓ فَطَفِقَ اَبُوْبَکْرٍ یَعْبُدُ رَبَّهٗ فِی دَارِهٖ وَلَا یَسْتَعْلِنُ بِالصَّلٰوةِ وَلَا الْقِرَاءَةِ فِی غَیْرِ دَارِهٖ ثُمَّ بَدَا لِاَبِی بَکْرٍ فَابْتَنٰی مَسْجِدًا بِفِنَاءِ دَارِهٖ وَبَرَزَ فَکَانَ یُصَلِّی فِیْهِ وَ یَقْرَاُ الْقُرْاٰنَ فَیَتَقَصَّفُ عَلَیْهِ نِسَاءُ الْمُشْرِکِیْنَ وَ اَبْنَاءُ هُمْ یَعْجَبُوْنَ وَ یَنْظُرُوْنَ اِلَیْهِ وَ کَانَ اَبُوْبَکْرٍ رَجُلًا بَکَّاءً لَا یَمْلِکُ دَمْعَهٗ حِیْنَ یَقْرَءُ الْقُرْاٰنَ فَاَفْزَعَ ذَالِکَ اَشْرَافُ قُرَیْشٍ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ فَاَرْسَلُوْا اِلَی ابْنِ الدَّغِنَةِ فَقَدِمَ عَلَیْهِمْ فَقَالُوْا لَهٗ اِنَّا کُنَّا اَجَرْنَا اَبَابَکْرٍؓ عَلٰی اَنْ یَعْبُدَ رَبَّهٗ فِی دَارِهٖ وَ اِنَّهٗ جَاوَزَ ذٰلِکَ، فَابْتَنٰی

مَسْجِدًا بِفِنَاءِ دَارِهٖ، وَ اَعْلَنَ الصَّلٰوةَ وَالْقِرَاءَةَ وَقَدْ خَشِيْنَا اَنْ يَفْتِنَ اَبْنَاءَ نَا وَ نِسَاءَ نَا فَاْتِهٖ فَاِنْ اَحَبَّ اَنْ يَقْتَصِرَ عَلٰى اَنْ يَعْبُدَ رَبَّهٗ فِىْ دَارِهٖ فَعَلَ وَ اِنْ اَبٰى اِلَّا اَنْ يُعْلِنَ ذَالِكَ فَسَلْهُ اَنْ يَرُدَّ اِلَيْكَ ذِمَّتَكَ فَاِنَّا كَرِهْنَا اَنْ نُخْفِرَكَ وَ لَسْنَا مُقِرِّيْنَ لِاَبِىْ بَكْرٍ الْاِ سْتِعْلَانَ قَالَتْ عَائِشَةُ فَاَتَى ابْنُ الدَّغِنَةِ اَبَابَكْرٍؓ فَقَالَ قَدْ عَلِمْتَ الَّذِىْ عَقَدْتُ لَكَ عَلَيْهِ فَاِمَّا اَنْ تَقْتَصِرَ عَلٰى ذَالِكَ، وَ اِمَّا اَنْ تَرُدَّ اِلَىَّ ذِمَّتِىْ فَاِنِّىْ لَا اُحِبُّ اَنْ تَسْمَعَ الْعَرَبُ اَنِّىْ اُخْفِرْتُ فِىْ رَجُلٍ عَقَدْتُ لَهٗ قَالَ اَبُوبَكْرٍؓ اِنِّىْ اَرُدُّ اِلَيْكَ جِوَارَكَ وَ اَرْضٰى بِجِوَارِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَوْمَئِذٍ بِمَكَّةَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قَدْ اُرِيْتُ دَارَ هِجْرَتِكُمْ رَاَيْتُ سَبْخَةً ذَاتَ نَخْلٍ بَيْنَ لَا بَتَيْنِ وَهُمَا الْحَرَّتَانِ فَهَاجَرَ مَنْ هَاجَرَ قِبَلَ الْمَدِيْنَةِ حِيْنَ ذَكَرَ ذَالِكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَرَجَعَ اِلَى الْمَدِيْنَةِ بَعْضُ مَنْ كَانَ هَاجَرَ اِلٰى اَرْضِ الْحَبْشَةِ وَ تَجَهَّزَ اَبُوبَكْرٍ مُهَاجِرًا فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَلٰى رِسْلِكَ فَاِنِّىْ اَرْجُوْا اَنْ يُؤْذَنَ لِىْ قَالَ اَبُوبَكْرٍؓ هَلْ تَرْجُوْا ذٰلِكَ بِاَبِىْ اَنْتَ قَالَ نَعَمْ فَحَبَسَ اَبُوبَكْرٍؓ نَفْسَهٗ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ لِيَصْحَبَهٗ وَ عَلَفَ رَاحِلَتَيْنِ كَانَتَا عِنْدَهٗ وَرَقَ السَّمُرِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ.

﴿حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے، وہ فرماتی ہیں کہ میں نے جب سے ہوش سنبھالا ہے اپنے ماں باپ کو اسی دین (دینِ اسلام) پر پایا ہے۔ اور ہم پر کوئی دن نہیں گزرتا تھا مگر نبی ﷺ صبح و شام دونوں وقت ہمارے ہاں آتے تھے۔ جب مسلمانوں کا ابتلاء بہت شدید ہوگیا تو ابوبکرؓ صدیق ہجرت کر کے حبشہ کی طرف نکلے، یہاں تک کہ جب برک الغماد پہنچے تو ابن الدغنہ ملا جو قارہ قبیلہ کا سردار تھا۔ اس نے پوچھا، ابوبکرؓ کہاں کا ارادہ ہے؟ حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا میری قوم نے مجھے نکال چھوڑا ہے تو میں چاہتا ہوں کہ اللہ کی زمین میں چل پھر کر اس کی عبادت کرتا رہوں۔ ابن الدغنہ نے کہا تم جیسا شخص نکلے گا اور نہ نکالا جا سکتا ہے۔ تم غریبوں کی اعانت کرتے ہو، صلہ رحمی کرتے ہو، لوگوں کا بار اٹھاتے ہو، لوگوں کی میزبانی کرتے ہو اور لوگوں کے مسائل اور مشکلات میں ان کی مدد کرتے ہو تو کس طرح تم جیسا شخص نکال دیا گیا، آؤ میں تمہیں پناہ دیتا ہوں، واپس چلو اور اپنے شہر میں اپنے رب کی عبادت کرو۔ ابن الدغنہ لوٹا اور حضرت ابوبکرؓ اس کے ساتھ لوٹ آئے۔ ابن الدغنہ گھوم پھر کر کفار قریش کے سرداروں سے ملا اور ان سے کہنے لگا، دیکھو ابوبکرؓ کا سا آدمی

نکل سکتا ہے اور نہ نکالا جا سکتا ہے۔ کیا تم ایسے شخص کو نکالو گے جو غریبوں کی اعانت کرتا ہے، صلہ رحمی کرتا ہے، لوگوں کا بار اٹھاتا ہے، میزبانی کرتا ہے اور لوگوں کی مشکلات میں ان کا سہارا بنتا ہے تو قریش نے ابن الدغنہ کی پناہ کو مان لیا اور ابوبکرؓ کو امان دے دی۔ ابن الدغنہ سے کہا کہ ابوبکرؓ سے کہہ دے کہ اپنے گھر میں اللہ کی عبادت کریں، نماز پڑھیں اور جو چاہے قرأت کریں مگر ہمیں دکھ نہ دیں اور اس کا اعلان نہ کریں کیونکہ ہمیں ڈر ہے کہ وہ ہمارے بچوں کو اور عورتوں کو بہکا دیں گے۔ ابن الدغنہ نے ابوبکر سے یہ بات کہہ دی اور ابوبکرؓ اپنے گھر میں عبادت کرنے لگے اور علانیہ یا اپنے گھر کے سوا کسی اور جگہ نماز اور قرآن پڑھنا چھوڑ دیا۔ پھر ابوبکرؓ کے دل میں آیا تو انہوں نے اپنے گھر کے صحن میں ایک مسجد بنالی اور باہر نکل کر وہاں نماز شروع کر دی۔ جب وہ وہاں قرآن پڑھتے تو مشرکین کی عورتیں اور بچے جمع ہو جاتے اور تعجب کرتے اور غور سے ان کو دیکھتے اور ابوبکرؓ بہت گریہ والے آدمی تھے۔ وہ جب قرآن پڑھتے تو اپنے آنسوؤں پر قابو نہیں رکھ سکتے تھے۔ اس چیز نے مشرکین قریش کو گھبرا دیا تو انہوں نے ابن الدغنہ کو پیغام بھیجا۔ وہ آیا تو انہوں نے کہا ہم نے ابوبکرؓ کو اس شرط پر امان دی تھی کہ وہ اپنے گھر میں عبادت کریں لیکن انہوں نے اس سے آگے قدم بڑھالیا ہے اور اپنے مکان کے صحن میں ایک مسجد بنالی ہے اور نماز علی الاعلان پڑھتے ہیں اور قراءت بلند آواز سے کرتے ہیں۔ ہمیں یہ ڈر ہے کہ وہ ہمارے بچوں کو اور ہماری عورتوں کو فتنہ میں مبتلا کر دیں گے۔ تم اس کے پاس جاؤ۔ اگر وہ اس پر قناعت کرتے ہیں کہ وہ اپنے گھر میں عبادت کریں گے تب تو کریں اور اگر وہ اس پر راضی نہیں ہیں اور اعلان کرنا ضروری سمجھتے ہیں تب ان سے کہو کہ جو امان تم نے انہیں دی ہے وہ واپس کر دیں کیونکہ ہم کو تمہاری امان توڑنا اچھا نہیں معلوم ہوتا اور ابوبکرؓ کے یہ سب کچھ علانیہ کرنے پر ہم راضی نہیں۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ابن الدغنہ ابوبکرؓ کے پاس آیا اور کہا کہ جس پر میرا اور آپ کا عہد ہوا تھا وہ آپ کو معلوم ہے، تو یا تو آپ اسی شرط پر قائم رہیے یا میرا ذمہ مجھے واپس کر دیجئے، اس لیے کہ میں یہ پسند نہیں کرتا کہ اہل عرب یہ کہیں کہ میں نے ایک آدمی کو پناہ دی، پھر اپنی امان کو توڑ دیا۔ ابوبکرؓ نے کہا کہ میں آپ کی پناہ آپ کو واپس کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کی پناہ پر راضی ہوں۔ رسول اللہ ﷺ اس وقت تک مکہ ہی میں تھے۔ آپ نے فرمایا مجھے خواب میں تم لوگوں کا دارالہجرت دکھایا گیا ہے۔ میں نے دو پتھریلے رقبوں کے درمیان کھجور کے درختوں والی کلر زمین دیکھی ہے۔ جب مسلمانوں نے رسول اللہ ﷺ کی یہ بات سنی تو جس نے

ہجرت کر لی تھی مدینہ کی طرف کی اور کچھ لوگ جو حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے تھے وہ بھی مدینہ کو لوٹ آئے۔ ابو بکر صدیقؓ نے بھی ہجرت کی تیاری شروع کر دی تو نبی ﷺ نے فرمایا ابھی ذرا توقف کرو کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ مجھے بھی ہجرت کی اجازت مل جائے گی۔ ابو بکرؓ نے عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر قربان، کیا آپ ایسی توقع رکھتے ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں، تو ابو بکرؓ نے اپنے آپ کو روک رکھا کہ آنحضرت ﷺ کی ہمراہی میں ہجرت کریں گے۔ انہوں نے دو اونٹنیاں اس سفر کے لیے خاص طور پر پالیں اور ان کو کیکر کے پتے چار مہینے تک کھلاتے رہے۔

وضاحت:

یہ روایت عرب کی تاریخ، عرب کی روایات، عرب کے خیر و شر اور ہجرت کے ابتدائی دور کے واقعات کے بارے میں بہت اہم روایت ہے۔ اس میں عرب کے معروف و منکر کا اس خوبی کے ساتھ تذکرہ ہوا ہے کہ اس خوبی کے ساتھ کہیں اور ملنا ذرا مشکل ہوگا اور اس معروف و منکر کے جاننے کی بڑی ضرورت پڑتی ہے۔

یہ روایت حضرت عائشہؓ سے ہے۔ حضرت عائشہؓ کی روایت کا ایک خاص پہلو یہ بھی ہوتا ہے کہ وہ بہت اعلیٰ زبان استعمال فرماتی ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بڑے سے بڑے بلیغ آدمی کا بھی ان کے برابر بلیغ ہونا آسان نہیں ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ پوری روایت اگر ان ہی کی ہوتی، کسی دوسرے کا دخل نہ ہوتا، تب تو یہ ادب کے اعتبار سے بھی ایک شاہکار روایت ہوتی۔ اب یہی فقرہ لیجئے 'لَمْ اَعْقِلْ اَبَوَيَّ قَطُّ اِلَّا وَهُمَا يَدِيْنَانِ الدِّيْنَ' میں نے جب سے ہوش سنبھالا ہے والدین کو اسی دین پر پایا ہے۔ یہ زبان فصیح و بلیغ عربی کی ہے۔ اس میں یہ مطلب بھی مخفی ہے کہ اگر ان کا کوئی اور دین رہا ہوگا تو میرے ہوش سنبھالنے سے پہلے رہا ہوگا۔ اس کی عربی ہم بناتے تو شاید چھ سطروں میں یہ مفہوم ادا کرتے۔ 'وَ لَمْ يَمُرَّ عَلَيْنَا يَوْمٌ اِلَّا يَاْتِيْنَا فِيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ طَرَفَيِ النَّهَارِ بُكْرَةً وَ عَشِيَّةً' ۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ہم پر کوئی دن نہیں گزرتا تھا مگر نبی ﷺ صبح و شام دونوں وقت ہمارے ہاں آتے تھے۔ اس کے معنی یہ نہیں کہ کسی دن ناغہ نہ ہوتا رہا ہو۔ مطلب یہ ہے کہ بیشتر و اکثر آپ تشریف لاتے تھے۔ ہجرت کے قرب کے واقعات میں جب کہ مسلمانوں کا ابتلاء بہت بڑھ گیا تو نبی ﷺ کے تمام مشوروں کا انحصار چونکہ سیدنا ابو بکرؓ پر تھا اور وہ حضورؐ کے بعد اسلام کے ایک ستون تھے، اس لیے اکثر آپ حضرت ابو بکرؓ کے پاس جاتے تھے۔ لہٰذا حضرت عائشہؓ کا یہ کہنا کوئی مبالغہ نہیں بلکہ ادائے مطلب کا ایک طریقہ ہے۔

اس روایت میں بعض الفاظ شاندار ترکیب میں استعمال ہوئے ہیں۔ اوپر حضرت عائشہؓ کی زبان کے حوالے دیے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ ابن الدغنہ کے بارے میں آیا ہے کہ فَطَافَ فِیْ اَشْرَافِ کُفَّارِ قُرَیْشٍ تو یہاں طاف کا لفظ نادر استعمال ہوا ہے۔ یعنی گھوم پھر کر، چکر لگا کر۔ اسی طرح آنحضرت ﷺ نے حضرت ابو بکرؓ سے فرمایا، غـــــــی

رِسْلِکَ ، ذرا توقف کرو، یہ بھی زبان کا عمدہ اسلوب ہے۔ البتہ فَارْتَحَلَ ابْنُ الدَّغِنَةِ فَرَجَعَ مَعَ اَبِیْ بَکْرٍؓ میں لفظ فارتحل کھٹکتا ہے۔

ابن الدغنہ نے حضرت ابوبکرؓ کو پناہ دینے کی حمایت میں سرداران قریش سے جو باتیں کیں وہ یہ ہیں کہ کیا تم ایسے شخص کو نکالو گے جو غریبوں کی اعانت کرتا ہے، صلہ رحمی کرتا ہے، لوگوں کا بار اٹھاتا ہے، میزبانی کرتا ہے اور لوگوں کی مشکلات میں ان کا سہارا بنتا ہے تو مشرکین قریش نے ابن الدغنہ کی بات مان لی اور اس کو اجازت دے دی کہ وہ ابوبکرؓ کو پناہ دے دے۔ اس سے ایک تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابن الدغنہ ایک بااثر لیڈر تھا۔ دوسرے جو باتیں اس نے کی ہیں وہ عرب کے اخلاقی معیار کی عکاسی کرتی ہیں۔ ہمارے ہاں اس دور کا نہایت ہی گھٹیا تصور دیا جاتا ہے کہ گھوڑا آگے بڑھ جانے پر، پانی کے پینے پلانے پر اور ہر معمولی بات پر اکثر ان میں جھگڑا رہتا تھا۔ حالی نے عربوں کے کردار کا بہت عامیانہ تصور دیا ہے۔ مولوی شبلی مرحوم نے بھی ان کو ان ہی کانٹوں میں گھسیٹا ہے، حالانکہ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ بڑی سے بڑی مہذب قوم کا آدمی بھی ایسی عمدہ تقریر نہیں کرسکتا۔ آپ اخلاقیات کے سارے دفتر میں ڈھونڈ لیجئے، یہ بنیادی صفات کسی میں ہوں تو وہ بہترین انسان ہے اور جو بہترین انسان ہے وہی بہترین مسلمان ہے، اور وہی اللہ تعالیٰ کا اصلی بندہ ہے۔ حالی کا ذکر میں نے اس لیے کیا کہ ان سے بڑی امیدیں تھیں مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ علم سے محروم تھے، اس لیے کہ قرآن جیسا پڑھنا چاہیے تھا انہوں نے نہیں پڑھا تھا۔ اگر حدیثیں ہی پڑھی ہوتیں تو معلوم ہوتا کہ ابن الدغنہ جیسے شخص کو علم تھا کہ انسانیت کی اصل اساسات کیا ہیں۔ اگر آپ کو عرب کے خیروشر پر لکھنا ہو تو اس روایت کے سوا اور بھی ذخیرہ ہے مگر سب سے بڑی بنیاد یہ روایت بنے گی۔

ابن الدغنہ نے حضرت ابوبکرؓ کو پناہ اس شرط پر دی کہ وہ اللہ کی عبادت، نماز اور قرآن کا پڑھنا علانیہ نہیں کریں گے بلکہ اپنے گھر کے اندر کریں گے۔ پھر یہ ہوا کہ کچھ عرصہ بعد حضرت ابوبکرؓ کی رائے بدل گئی اور انہوں نے علانیہ گھر کے باہر کھلی جگہ میں نماز اور قرآن بلند آواز سے پڑھنا شروع کردیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس معاملہ میں دین کی تعلیم یہ ہے کہ اگر دین اور خاندان کی مصلحت ہو تو آدمی خاموشی سے یہ کام کرسکتا ہے لیکن اگر محسوس کرتا ہے کہ عزیمت کا تقاضا اس کے برعکس ہے تو وہ اس کو بھی اختیار کرسکتا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے محسوس کیا کہ قریش سے نرم گرم کچھ معاملہ کرلینا چاہیے۔ ہوسکتا ہے کہ ابن الدغنہ کے اثرورسوخ اور اس کی دی ہوئی امان کے اعتماد پر انہوں نے یہ فیصلہ کیا ہو۔ لیکن یہ بھی ہوسکتا ہے اور اسی کا زیادہ احتمال ہے کہ اس وقت تک چونکہ مکہ میں مسلمان بہت بڑی تعداد میں اور سخت مصیبت میں تھے، ان کے لیے سب سے بڑا سہارا آنحضرت ﷺ کا اور ان کے بعد حضرت ابوبکرؓ کا تھا۔ خود آنحضرت ﷺ کو اللہ کے سوا کسی کی حمایت کی ضرورت نہیں تھی لیکن اس کے باوجود آپؐ مشورہ کے لیے اکثر حضرت ابوبکرؓ کے پاس جاتے تھے۔ اس لیے حضرت ابوبکرؓ نے بالکل گوشہ نشین ہو جانا مناسب نہیں سمجھا۔ چنانچہ انہوں نے پہلے تو رخصت کی راہ اختیار کی جس کی دین میں بہرحال

گنجائش ہے، لیکن بعد میں انہوں نے دین کے مفاد کو دیکھ کر دوسرا پہلو اختیار کیا۔ یعنی پہلے رخصت کا پہلو انہوں نے اختیار کیے رکھا اور گھر کے اندر نماز پڑھتے رہے، پھر غریب مسلمانوں کے حالات کو دیکھتے ہوئے اور دوسرے مصالح کے پیش نظر انہوں نے عزیمت کی راہ اختیار کی اور حالات کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔

حضرت ابوبکرؓ کی علی الاعلان عبادت کو دیکھ کر مشرکین قریش گھبرا گئے اور انہوں نے ابن الدغنہ سے کہا کہ وہ ابوبکرؓ سے کہہ دے کہ وہ اپنے گھر کے اندر عبادت کریں۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتے تو ابن الدغنہ نے ان کو امان دینے کی جو ذمہ داری لی ہے وہ اس کو واپس کر دیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عربوں میں اس طریقے کے جو عہد و پیمان ہوتے تھے ان کی کتنی اہمیت تھی۔ ابن الدغنہ نے حضرت ابوبکرؓ سے یہ بات کہہ دی اس لیے کہ اس کو اپنے عہد کا پاس تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کا عہد توڑا جائے اور اس کی حیثیت عرفی کو نقصان پہنچے اور لوگ یہ کہیں کہ اس کے قول و قرار کی کوئی وقعت نہیں ہے۔ کردار کے لحاظ سے ایک بہترین قوم کے فرد کا جو کردار ہونا چاہیے اس کا اس نے مظاہرہ کیا۔ ایک ہم ہیں کہ ہمارے قول و قرار بالکل بے وزن ہیں۔

جب حضرت ابوبکرؓ نے ابن الدغنہ کی ذمہ داری اس کو لوٹا دی، اس وقت تک آنحضرت ﷺ مکہ میں تھے یعنی آپؐ نے ہجرت نہیں کی تھی۔ آپؐ نے مسلمانوں کو بتایا کہ مجھے خواب میں تمہارا دار الہجرت دکھایا گیا ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ کالے پتھروں والے رقبوں کے درمیان کلر زمین پر کھجور کے درخت ہیں۔ یہ اشارہ مدینہ کی طرف تھا۔ اس سے پہلے لوگ حبشہ کی طرف ہجرت کرتے تھے کیونکہ حبشہ کا بادشاہ عیسائیوں کے اس فرقہ سے تعلق رکھتا تھا جو حضرت عیسیٰؑ کے خلیفہ راشد کا پیروکار تھا۔ یہی وہ نصاریٰ ہیں جن کی قرآن میں تعریف کی گئی ہے۔ دوسرے عیسائی پال کے پیرو ہیں۔ نبی ﷺ سے اشارہ پا کر لوگوں نے حبشہ کی بجائے مدینہ کی طرف ہجرت شروع کر دی اور حضرت ابوبکرؓ بھی ہجرت کی تیاری کرنے لگے۔ یہ دیکھ کر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ذرا توقف کرو کیونکہ توقع ہے کہ مجھے بھی ہجرت کی اجازت مل جائے گی۔ دوسرے لوگ تو ہجرت کر سکتے تھے لیکن پیغمبر چونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک ڈیوٹی پر مامور ہوتا ہے اس لیے وہ اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر ہجرت نہیں کر سکتا۔ اگر کرے تو اس کو وہ امتحان پیش آ سکتا ہے جو حضرت یونس علیہ السلام کو پیش آیا۔ وہ قوم کے رویہ سے بددل ہو کر اذن الٰہی کے بغیر شہر چھوڑ گئے تو اللہ تعالیٰ نے سمندری سفر میں ایسے حالات پیدا کر دیے کہ لوگوں نے ان کو اٹھا کر سمندر میں پھینک دیا اور بڑی مچھلی نے ان کو نگل لیا۔

آنحضرت ﷺ انتظار میں رہے یہاں تک کہ آپؐ کو اجازت مل گئی۔ اس دوران میں حضرت ابوبکرؓ نے ہجرت کے سفر کے لیے دو اونٹنیاں خاص طور پر تیار کیں اور ان کو چار مہینے تک کیکر کے پتے کھلاتے رہے، گویا خواب دیکھنے کے بعد ہجرت کی اجازت ملنے میں چار مہینے لگے۔

روایت ہے بڑی اہم لیکن امام صاحب کا عجیب حال ہے کہ روایت اس جگہ لاتے ہیں جہاں اس کا منظنہ نہیں ہوتا۔

٨. باب: اَلدَّيْنِ

باب: قرض کے بارے میں

١٠. حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ اَبِي سَلَمَةَ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يُؤْتَى بِالرَّجُلِ الْمُتَوَفَّى عَلَيْهِ الدَّيْنُ فَيَسْاَلُ هَلْ تَرَكَ لِدَيْنِهِ فَضْلاً فَاِنْ حُدِّثَ اَنَّهُ تَرَكَ لِدَيْنِهِ وَفَاءً صَلَّى وَاِلَّا قَالَ لِلْمُسْلِمِيْنَ صَلُّوْا عَلٰى صَاحِبِكُمْ فَلَمَّا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْفُتُوْحَ قَالَ اَنَا اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ، فَمَنْ تُوُفِّيَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فَتَرَكَ دَيْنًا فَعَلَيَّ قَضَاؤُهٗ وَمَنْ تَرَكَ مَالًا فَلِوَرَثَتِهٖ.

﴿ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کے پاس کوئی میت لائی جاتی جس پر قرض ہوتا تو آپؐ پوچھتے کہ کیا اس نے اپنے قرض کی ادائیگی کے لیے کچھ مال چھوڑا ہے۔ اگر بیان کیا جاتا کہ اس نے قرض کی ادائیگی کے لیے اتنا چھوڑا ہے جس سے کہ اس کا پورا قرض ادا ہو سکتا ہے تو آپ نماز جنازہ پڑھ دیتے، ورنہ مسلمانوں سے کہہ دیتے کہ تم اپنے بھائی کی نماز پڑھو۔ پھر جب اللہ نے آپؐ کے اوپر فتوحات کے دروازے کھول دیے تو آپ نے فرمایا کہ میں اہل ایمان کے لیے سب سے زیادہ خیر خواہ ہوں، پس مومنین میں سے جو شخص وفات پائے گا اور قرض چھوڑے گا تو اس کی ادائیگی میرے ذمہ ہے اور جو مال چھوڑے گا تو وہ اس کے وارثوں کا حق ہے۔﴾

وضاحت:

یہ روایت الفاظ کی کمی بیشی کے ساتھ پہلے بھی گزر چکی ہے۔ میرے نزدیک اس مضمون کی جتنی روایتیں ہیں یہ روایت ان سب سے زیادہ جامع ہے اور الفاظ بھی نپے تلے ہیں۔ اَنَّهٗ تَرَکَ لِدَیْنِهٖ وَفَاءً میں وفاء کا لفظ بہت اچھا استعمال ہوا ہے۔ مطلب یہ کہ اتنا چھوڑا ہے کہ پورا قرض ادا ہو سکتا ہے۔ جب تک اسلامی حکومت کے وسائل محدود تھے تو نبی ﷺ مقروض میت کی نماز جنازہ نہ پڑھتے بلکہ دوسرے صحابہ کو ہدایت فرماتے کہ وہ خود پڑھیں۔ بعد میں فتوحات کے نتیجہ میں بیت المال میں رقوم جمع ہونے لگیں تو آپؐ نے فرمایا کہ قرض چھوڑنے والے کے قرض کی ذمہ داری اب مجھ پر ہوگی۔ اس میں شبہ نہیں کہ پیغمبر ہی کا یہ مقام ہے کہ وہ اہل ایمان کا سب سے بڑھ کر خیر خواہ ہوتا ہے۔ آپ کے بعد ہر اسلامی حکومت کو بھی یہ ذمہ داری ادا کرنا ہوگی۔

کتاب الوکالہ

کِتَابُ الوَکَالَۃ

۱۔ باب: وَکَالَۃُ الشَّرِیکِ الشَّرِیکَ فِی القِسْمَۃِ وَغَیْرِھَا وَقَدْ اَشْرَکَ النَّبِیُّ ﷺ عَلِیًّا فِی ھَدْیِہٖ ثُمَّ اَمَرَہٗ بِقِسْمَتِھَا۔

باب: تقسیم میں اور دوسرے کاموں میں ایک شریک کا معاملہ کو دوسرے شریک کے ذمہ لگا دینا۔ نبی ﷺ نے حضرت علیؓ کو اپنی ہدی میں شریک کیا، پھر ان کو اس کی تقسیم کا بھی حکم دیا۔

وضاحت:

وکالت کا وہی مفہوم ہے جس مفہوم میں ہم اس کو سمجھتے ہیں۔ آدمی ہر کام اصالتاً یعنی خود موجود ہو کر نہیں کر سکتا۔ مجبوریاں پیش آتی ہیں تو اکثر کام وکالتاً کرنا پڑتا ہے، یعنی اس کا کوئی نمائندہ اس کی طرف سے معاملہ یا معاہدہ کرتا ہے۔ عبادات میں بھی بعض کام وکالتاً ہوتے ہیں۔ مثلاً قربانی کے جانور کہیں بھیجنا اور دوسرے مقام پر ذبح کرنا ہے تو یہ کام کسی دوسرے شخص کے سپرد کرنا ہوگا۔ علیٰ ہذا القیاس زکوٰۃ وغیرہ کے معاملات میں بھی وکالت کی ضرورت پیش آسکتی ہے۔ بعض اوقات یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ جس شخص سے معاملہ ہے وہ خود موجود ہو۔ عدالتوں میں بھی اس کی ضرورت پیش آتی ہے لیکن ہر معاملہ میں اس بات کو ترجیح نہیں دی جاسکتی کہ کام اصالتاً ہی ہو، اس لیے کہ یہ بات بہت موجب زحمت ہو جائے گی۔

اس زمانے میں جو وکالت ہو رہی ہے، یعنی وہ پیشہ جو وکالت کے لفظ سے جانا جاتا ہے، تو اس سے انکار نہیں کہ اس کی ضرورت ہے۔ اس زمانے میں قانون ایسا پیچ در پیچ ہے کہ ہر معاملہ میں قانون جاننے والے کی ضرورت پڑتی ہے۔ وکالت کے پیشہ کے جائز ہونے میں کلام نہیں ہے۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ اس میں بے ایمانی نہ ہو اور وکیل اخلاقی حدود و قیود کا پابند ہو۔ احناف کا یہ قول نظر سے گزرا ہے کہ معاملہ اصالتاً ہونا چاہیے۔ میرے نزدیک زندگی کے مختلف گوشوں میں اکثر و بیشتر کام وکالتاً ہی انجام پاتے ہیں، اصالتاً کرنا ممکن نہیں ہوتا۔ احناف کی رائے بعض خاص معاملات کے بارے میں درست

ہے اور اس کے پیش نظر انہوں نے یہ بات کہی ہوگی، پھر لوگوں نے اس کو کلیہ بنا دیا۔

آخر میں اصالتاً کام کی بجائے وکالتاً کام کرنے کے جواز کی ایک شکل امام صاحب نے تعلیق نقل کر کے بتائی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حدی کے جانور قربانی کے لیے حضرت علیؓ کے ہاتھ مکہ بھیجے تھے۔ آپ نے اس میں ان کو شریک بھی کیا تھا اور جانوروں کے گوشت اور کھالوں کو تقسیم کرنے کا حکم بھی دیا تھا۔

۱۔ حَدَّثَنَا قَبِيصَةُ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ ابْنِ أَبِي نَجِيحٍ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ ابْنِ أَبِي لَيْلَى عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ أَمَرَنِي رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَنْ أَتَصَدَّقَ بِجِلَالِ الْبُدْنِ الَّتِي نُحِرَتْ وَبِجُلُودِهَا.

﴿حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ میں قربانی کے ان اونٹوں کی جھولیں اور کھالیں صدقہ کر دوں جن کو میں نے ذبح کیا۔﴾

وضاحت:

اس روایت میں اس بات کا ذکر نہیں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ کو شریک بھی بنایا۔ حجۃ الوداع کے موقع کی روایات میں یوں آیا ہے کہ آپ نے ایک سو اونٹوں کی قربانی دی۔ ان میں سے تریسٹھ اونٹ خود ذبح کیے اور باقی کو ذبح کرنے کا حکم حضرت علیؓ کو دیا۔ اس میں شراکت کا کوئی ذکر نہیں۔

۲۔ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ خَالِدٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ يَزِيدَ عَنْ أَبِي الْخَيْرِ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَعْطَاهُ غَنَمًا يَقْسِمُهَا عَلَى صَحَابَتِهِ فَبَقِيَ عَتُودٌ فَذَكَرَهُ لِلنَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ ضَحِّ بِهِ أَنْتَ.

﴿عقبہ بن عامرؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ان کو بکریاں دیں کہ وہ ان کو صحابہ میں تقسیم کر دیں تو ایک پٹھا بچ رہا۔ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے کہا اس کو تم قربان کر لو۔﴾

وضاحت:

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس طریقہ سے آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ کو مامور کیا تھا اسی طرح کسی اور موقع پر آپ نے حضرت عقبہ بن عامرؓ کے حوالے بکریاں کیں کہ صحابہ میں تقسیم کر دیں۔ قرینہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ جانور خریدنے کی استطاعت نہیں رکھتے تھے ان میں تقسیم کے لیے کہا گیا۔ ایک بکری کا بچہ بچ رہا۔ عتود کا لفظ آیا ہے جس سے مراد ایک سال کا بچہ ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ضَحِّ أَنْتَ اس کو تم قربان کر لو۔ اس سے یہ بات نکلتی ہے کہ قربانی کا

موقع تھا۔ متعین طریقہ سے یہ بتانا مشکل ہے کہ کیا موقع تھا لیکن اس کی تحقیق کی خاص ضرورت بھی نہیں ہے، کیونکہ اصل مضمون وکالت کا ہے۔ عقبہ بن عامرؓ نے وکالت کرتے ہوئے یہ کام انجام دیا اوران کو اس کی قیمت بھی مل گئی۔

۲. باب: اِذَا وَكَّلَ الْمُسْلِمُ حَرْبِيًّا فِي دَارِ الْحَرْبِ اَوْ فِي دَارِ الْاِسْلَامِ جَازَ

باب: کوئی مسلمان کسی حربی کو دارالحرب میں یا دارالاسلام میں اپنا وکیل بنالے تو جائز ہے۔

حربی سے مراد اس ملک کا باشندہ ہے جس سے حالت جنگ ہو۔ یہ ضروری نہیں کہ وہ کافر ملک ہو۔ کوئی بھی ملک جس سے مسلمان حالت جنگ میں ہوں دارالحرب ہی کہلائے گا۔ حربی اور دارالحرب کی یہ تعریف جو میں نے کی ہے فقہی اعتبار سے قابل عمل ہے۔ اس کے سوا کچھ مراد لینے میں بڑی مشکلیں ہیں۔ جس ملک کے ساتھ آپ عملاً حالت جنگ میں ہوں وہاں کے حربی کو، یعنی وہاں کے باشندہ کو، وکیل بنا سکتے ہیں۔ اسی طرح وہاں کا کوئی شخص بھی کسی مسلمان کو اپنے معاملات کے لیے وکیل بنا سکتا ہے۔ امام صاحب کے قائم کردہ باب کی رو سے ایسا کرنا جائز ہے۔

۳. حَدَّثَنَا عَبْدُالْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِاللهِ قَالَ حَدَّثَنِي يُوسُفُ بْنُ الْمَاجِشُوْنَ عَنْ صَالِحِ بْنِ اِبْرَاهِيمَ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ عَنْ اَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَاتَبْتُ اُمَيَّةَ بْنَ خَلَفٍ كِتَاباً بِاَنْ يَحْفَظَنِي فِي صَاغِيَتِي بِمَكَّةَ وَ اَحْفَظَهُ فِي صَاغِيَتِهِ بِالْمَدِينَةِ فَلَمَّا ذَكَرْتُ الرَّحْمٰنَ قَالَ لَا اَعْرِفُ الرَّحْمٰنَ كَاتِبْنِي بِاسْمِكَ الَّذِي كَانَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَكَاتَبْتُهُ عَبْدُ عَمْرٍو فَلَمَّا كَانَ فِي يَوْمِ بَدْرٍ خَرَجْتُ اِلَى جَبَلٍ لِاُحْرِزَهُ حِيْنَ نَامَ النَّاسُ فَاَبْصَرَهُ بِلَالٌ فَخَرَجَ حَتّٰى وَقَفَ عَلَى مَجْلِسٍ مِنَ الْاَنْصَارِ فَقَالَ اُمَيَّةُ بْنُ خَلَفٍ لَا نَجَوْتُ اِنْ نَجَا اُمَيَّةُ فَخَرَجَ مَعَهُ فَرِيقٌ مِنَ الْاَنْصَارِ فِي اٰثَارِنَا فَلَمَّا خَشِيتُ اَنْ يَلْحَقُونَا خَلَّفْتُ لَهُمُ ابْنَهُ لِاَشْغَلَهُمْ فَقَتَلُوهُ ثُمَّ اَبَوْا حَتّٰى يَتْبَعُونَا وَ كَانَ رَجُلًا ثَقِيلًا فَلَمَّا اَدْرَكُونَا قُلْتُ لَهُ اُبْرُكْ فَبَرَكَ فَاَلْقَيْتُ عَلَيْهِ نَفْسِي لِاَمْنَعَهُ فَتَخَلَّلُوهُ بِالسُّيُوفِ مِنْ تَحْتِي حَتّٰى قَتَلُوهُ وَ اَصَابَ اَحَدُهُمْ رِجْلِي بِسَيْفِهِ وَكَانَ عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ يُرِيْنَا ذٰلِكَ الْاَثَرَ فِي ظَهْرِ قَدَمِهِ.

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کہتے ہیں کہ میں نے امیہ بن خلف سے ایک تحریری معاہدہ کیا کہ وہ مکہ میں میرے متعلقین میں میرے حقوق کی حفاظت کرے گا اور میں مدینہ میں اس کے متعلقین میں اس کے حقوق کی حفاظت کروں گا۔ تو لکھنے میں جب الرحمٰن کے لفظ کا ذکر آیا تو کہنے لگا کہ میں رحمٰن کو نہیں جانتا تم اپنا نام وہ لکھو

جو جاہلیت میں تمہارا رہا ہے تو میں نے عبد عمرو لکھ دیا۔ جب بدر کی لڑائی کا دن آیا تو اس وقت جب تمام لوگ سو گئے میں ایک پہاڑ کی طرف نکلا تا کہ امیہ کو حفاظت میں لے لوں تو بلالؓ نے دیکھ لیا۔ وہ نکلے اور انصار کی ایک مجلس میں پہنچے اور کہا کہ امیہ بن خلف موجود ہے۔ اگر وہ بچ گیا تو سمجھو کہ میں نہیں بچا۔ تو ان کے ساتھ انصار کا ایک گروہ ہمارے تعاقب میں نکل کھڑا ہوا۔ جب مجھے اندیشہ ہوا کہ وہ ہم کو پالیں گے تو اس کے بیٹے کو پیچھے کر دیا کہ ذرا اس کے ساتھ الجھے رہیں تو لوگوں نے اس کو قتل کر دیا۔ پھر وہ ہمارے پیچھے آنے پر اڑے رہے۔ امیہ بھاری آدمی تھا۔ جب انہوں نے ہم کو پالیا تو میں نے اس سے کہا بیٹھ جا تو وہ بیٹھ گیا اور میں نے اپنے آپ کو اس کے اوپر ڈال دیا تا کہ اس کو حملے سے بچالوں لیکن لوگوں نے نیچے سے تلواریں گھسا کر اس کو مارا یہاں تک کہ اس کو قتل کر دیا۔ ان میں سے ایک صاحب نے اپنی تلوار میرے پاؤں پر بھی دے ماری۔ عبدالرحمٰن بن عوفؓ اپنے پاؤں کے اوپر زخم کا نشان ہمیں دکھاتے بھی تھے۔

وضاحت:

امیہ بن خلف قریش کے سرداروں میں بہت نمایاں حیثیت کا مالک تھا۔ حضرت بلالؓ نے جب اسلام قبول کیا تو اسی سردار کی غلامی میں تھے۔ امیہ ان کو بے حد اذیتیں دیتا اور مطالبہ کرتا کہ وہ نئے دین کو چھوڑ دیں لیکن شدید ترین اذیتیں بھی ان کے قدم جادۂ مستقیم سے نہ ہٹا سکیں۔ آخر کار حضرت ابوبکر صدیقؓ نے امیہ سے بلالؓ کو خرید کر آزاد کر دیا۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ قدیم الاسلام صحابی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ امیہ بن خلف کے ساتھ ان کی گہری دوستی تھی جس کے باعث انہوں نے مدینہ کو ہجرت کرتے وقت امیہ سے وہ معاہدہ کیا ہو گا جس کا ذکر اس روایت میں ہے۔

اس روایت میں کئی مشکلات ہیں جن کے حل کرنے پر میں قادر نہیں ہو سکا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ راوی حضرات نے موقع و محل اور پس منظر بالکل غائب کر دیا ہے اس لیے روایت کے تمام اہم نکات میں تطبیق دینا مشکل ہو رہا ہے۔ عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے جو معاہدہ امیہ بن خلف سے کیا تھا اس میں ان کے الفاظ ہیں یَحْفَظَنِیْ فِیْ صَاغِیَتِیْ بِمَکَّۃَ. صاغیہ کے معنی وہ تمام متعلقین ہیں جن کے ساتھ آدمی کے معاملات ہوتے ہیں۔ ان الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ مکہ میں میرے متعلقین کے اندر وہ میری حفاظت کرے۔ 'میری حفاظت کرے' کی تاویل ہو گی 'میرے حقوق کی حفاظت کرے' کیونکہ عبدالرحمٰن بن عوفؓ مدینہ جا رہے تھے۔ معاہدہ کی رو سے عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو مدینہ میں امیہ بن خلف کے حقوق کی حفاظت کرنی تھی۔ گویا معاہدہ مکہ اور مدینہ سے متعلق تھا۔ میدان جنگ کا معاملہ اس میں شامل نہیں ہو سکتا کیونکہ میدان جنگ کی بات اور ہوتی ہے۔ روایت میں ذکر ہے 'فی یوم بدر' گویا جب امیہ بن خلف بدر کی لڑائی میں گیا تو لڑائی کے بعد جو بھگدڑ

بچی اس میں کچھ لوگ گرفتار کر لیے گئے۔ ان میں بڑے بڑے لوگ بھی تھے۔ کچھ لوگ بچ بھی گئے ہوں گے، امیہ ان میں رہا ہوگا۔ عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو خیال ہوا کہ میں اس کو بچانے کی کوشش کروں۔ اگر یہ انہوں نے معاہدہ کے احترام میں کیا تو میدان جنگ میں اس کو بچانے کا انہیں کوئی حق نہیں تھا۔ ان کی یہ پوزیشن غلط ہے اس لیے کہ جو شخص میدان جنگ میں لڑنے کے لیے آیا ہو اس کے لیے تلوار فیصلہ کن ہوتی ہے۔ کوئی ذاتی معاہدہ اس موقع پر کام نہیں دے سکتا۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ بات عبدالرحمٰنؓ کے علم میں نہ رہی ہوگی کہ دشمن جو میدان جنگ میں لڑنے کے لیے آئے وہ محارب ہے، اس کے لیے کسی معاہدے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اس روایت میں دوسری مشکل یہ ہے کہ اسلام میں قانون یہ ہے کہ کوئی ادنیٰ مسلمان بھی کسی کو امان دے دے گا تو سب کو اس کا احترام کرنا پڑے گا۔ روایت کی رو سے اس قانون کی خلاف ورزی کی گئی۔ اب کیا کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ حضرت بلالؓ اور انصاری صحابہ نے اس کی خلاف ورزی کی۔ یہ سب الجھنیں اس لیے پیدا ہوئی ہیں کہ واقعہ کا صحیح پس منظر اور اس کا وقت نہیں بتایا گیا۔ قیاس سے کام لے کر یہ طے کرنا پڑے گا کہ بدر کے موقع پر امیہ بن خلف الگ ہو کر کہاں تھا۔ کیا وہ میدان جنگ میں نہیں تھا اور یہ واقعہ کس وقت پیش آیا۔ عبدالرحمٰن بن عوفؓ کہتے ہیں کہ سب سو چکے تھے تو میں اٹھا کہ اس کو بچاؤں تو کس رات کا یہ واقعہ ہے۔ لڑائی سے پہلے کی رات کا یا اس کے بعد کی رات کا۔ اگر پہلی رات کا ہے تو اس کا ایک محل ہو سکتا ہے کہ حضرت عبدالرحمٰنؓ نے اپنے دوست کو جنگ کے منظر سے ہٹانے کی کوشش کی ہو کہ وہ شریک نہ ہو کر اپنے آپ کو بچا لے اور وہ اس کو اپنی حفاظت میں کسی پہاڑ کی طرف لے جا رہے ہوں۔ لیکن اگر یہ بعد کی رات کا معاملہ ہے، جیسا کہ روایت سے مترشح ہوتا ہے، تو قیاس کیا جا سکتا ہے کہ لڑائی کے بعد عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو اپنے عہد و پیمان کا خیال آیا تو انہوں نے جان کی بازی کھیل کر امیہ کو بچانے کی کوشش کی۔ یہ بات ہے تو شرافت کی لیکن قانونی طور پر یہ سوال ہے کہ میدان جنگ میں آنے والے دشمن کو اس طریقہ سے بچانے کی یہ کوشش کیا ان کے لیے جائز تھی۔ عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے معاہدہ کے احترام میں ایسا کیا، شریفانہ جذبہ کے تحت کیا، لیکن خلاف قانون کیا۔ حضرت بلالؓ نے جو کچھ کیا ٹھیک کیا۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس سے پہلے آنحضرت ﷺ کا یہ اعلان نہیں ہوا تھا کہ مسلمانوں میں سے کوئی آدمی کسی کو پناہ دے دے گا تو سب کو اس کا احترام کرنا پڑے گا۔ یہ اعلان میثاق مدینہ میں موجود ہے لیکن ظاہر ہے کہ یہ اعلان اس شخص کے لیے مفید نہیں ہو سکتا جو بالفعل میدان جنگ میں لڑنے کے لیے آیا ہو اور وہ بھی جنگ بدر میں جو کفر اور اسلام کی فیصلہ کن جنگ تھی۔ حضرت بلالؓ کا جوش بالکل برحق تھا اور ان کے ساتھیوں کا عمل بھی معقول تھا۔ واقعہ سے انکار نہیں لیکن اس کی صحیح شکل سامنے نہیں اس وجہ سے مشکل پیش آتی ہے۔ والعلم عند اللہ۔

امیہ بن خلف نے لفظ رحمٰن پر جو اعتراض کیا تو یہ اسی طرح کی عصبیت تھی جس کا اظہار کفار قریش نے معاہدہ حدیبیہ کے موقع پر کیا تھا۔ امیہ کا اصرار تھا کہ عبدالرحمٰن بن عوف اپنا قدیم نام عبدعمرو معاہدہ میں لکھیں، اسلامی نام عبدالرحمٰن

دی تھیں۔ حدیبیہ میں تحریر معاہدہ کے وقت کفار کا اصرار تھا کہ 'محمد رسول اللہ' کے الفاظ کے بجائے 'محمد بن عبد اللہ' کے الفاظ لکھے جائیں کیونکہ اصل جھگڑا تو اسی بات پر ہے کہ ہم آپ کو اللہ کا رسول نہیں مانتے اور آپ اپنی اس حیثیت کو ہم سے منوانا چاہتے ہیں۔

۳. باب: الوَكَالَةِ فِي الصَّرْفِ وَ الْمِيْزَانِ وَ قَدْ وَكَّلَ عُمَرُ وَ ابنَ عمرَ فِي الصَّرْفِ.

باب: مبادلہ کی شرح میں وکالت، چاہے وہ موزوں ہو یا غیر موزوں۔ عمرؓ اور ابن عمرؓ نے مبادلہ کے سلسلہ میں وکیل کیا۔

عنوان باب میں صرف سے مراد دینار اور درہم کا مبادلہ ہے۔

۴. حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ اَخْبَرَنَا مَالِكٌ" عَنْ عَبْدِالْمَجِيْدِ بْنِ سُهَيْلِ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ وَ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اسْتَعْمَلَ رَجُلًا عَلٰى خَيْبَرَ فَجَاءَهُمْ بِتَمْرٍ جَنِيْبٍ فَقَالَ اَكُلُّ تَمْرِ خَيْبَرَ هٰكَذَا فَقَالَ اِنَّا لَنَأْخُذُ الصَّاعَ مِنْ هٰذَا بِالصَّاعَيْنِ وَالصَّاعَيْنِ بِالثَّلَاثَةِ فَقَالَ لَا تَفْعَلْ بِعِ الْجَمْعَ بِالدَّرَاهِمِ ثُمَّ ابْتَعْ بِالدَّرَاهِمِ جَنِيْبًا وَ قَالَ فِي الْمِيْزَانِ مِثْلَ ذَالِكَ.

﴿ابو ہریرۃؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو خیبر کو عامل بنایا تو وہ وہاں سے عمدہ کھجور لے کر آیا۔ آپ نے پوچھا، کیا خیبر کی ساری کھجور ایسی ہی ہوتی ہے۔ اس نے کہا، نہیں حضورؐ! ہم ایک صاع یہ کھجور دو صاع کے بدلے اور دو صاع یہ کھجور تین صاع کے بدلے میں لیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا ایسا مت کرو بلکہ اپنی کھجور درہموں کے بدلے بیچ ڈالو، پھر ان درہموں سے عمدہ کھجور خرید لو۔ تولنے کی چیزوں میں بھی یہی طریقہ اختیار کرنے کا آپ نے حکم دیا۔﴾

وضاحت:

یہ روایت کتاب البیوع میں گزر چکی ہے۔ وہاں اس پر مفصل بحث کر کے یہ نتیجہ نکالا گیا ہے کہ ابتدا میں نبی ﷺ نے یہ بات فرمائی ہوگی لیکن دوسری روایت بھی موجود ہے کہ جب اصناف مختلف ہوں تو جس طرح چاہیں خرید و فروخت کر

سکتے ہیں۔

۴۔ باب: إِذَا أَبْصَرَ الرَّاعِي أَوِ الْوَكِيلُ شَاةً تَمُوتُ أَوْ شَيْئًا يَفْسِدُ ذَبَحَ وَ أَصْلَحَ مَا يَخَافُ عَلَيْهِ الْفَسَادَ۔

باب: کوئی چرواہا یا آدمی کا وکیل اگر دیکھے کہ بکری مر رہی ہے یا کوئی شے خراب ہو رہی ہے تب وہ بکری کو ذبح کر دے یا اس شے کی اصلاح کر دے جس کے خراب ہونے کا اندیشہ ہو۔

وضاحت:

یہاں امام صاحب نے وکیل کا لفظ خاص طریقہ پر استعمال کیا ہے۔ یہ عقل سلیم کا تقاضا ہے کہ کوئی چیز خراب ہو رہی ہو تو مالک سے پوچھنے کی کوئی ضرورت نہیں، وکیل خود ٹھیک کر دے۔ مگر اس معاملہ میں یہ بات ہے کہ وکیل مال کو ہڑپ کر لینے کے لیے یہ راستہ اختیار نہ کرے۔ یہ خطرہ تو ہے لیکن اس اندیشہ کے تحت وکیل کی وکالت کے حق کو سلب نہیں کیا جا سکتا۔ علی ہذا القیاس چرواہے لوگوں کی بکریاں چراتے ہیں تو یہ ممکن ہے کوئی بکری بیمار ہو جائے یا کوئی بھیڑیا اس کو زخمی کر دے اور وہ ہلاکت کے قریب ہو جائے تو اس صورت میں خود بکری کے مالک کے مفاد میں ہے کہ اس کو ذبح کر لیا جائے۔ اس کے لیے مالک سے پیشگی اجازت لینا ضروری ہو تو بکری تو ہلاک ہو جائے گی۔ لہٰذا اس صورت میں بطور وکیل قدم اٹھانے کی اجازت ہے۔

۵۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ سَمِعَ الْمُعْتَمِرَ أَنْبَأَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ عَنْ نَافِعٍ أَنَّهُ سَمِعَ ابْنَ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ يُحَدِّثُ عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ كَانَتْ لَهُمْ غَنَمٌ "تَرْعَى بِسَلْعٍ فَأَبْصَرَتْ جَارِيَةٌ" لَنَا بِشَاةٍ مِنْ غَنَمِنَا مَوْتًا فَكَسَرَتْ حَجَرًا فَذَبَحَتْهَا بِهِ فَقَالَ لَهُمْ لَا تَأْكُلُوا حَتّٰى أَسْأَلَ النَّبِيَّ ﷺ أَوْ أُرْسِلَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ مَنْ يَسْأَلُهُ وَ أَنَّهُ سَأَلَ النَّبِيَّ ﷺ عَنْ ذَاكَ أَوْ أَرْسَلَ فَأَمَرَهُ بِأَكْلِهَا قَالَ عُبَيْدُ اللّٰهِ فَيُعْجِبُنِي أَنَّهَا أَمَةٌ" وَ أَنَّهَا ذَبَحَتْ تَابَعَهُ عَبْدَةُ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ۔

کعب بن مالک کے بیٹے اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ان کے پاس بکریوں کا ایک ریوڑ تھا اور سلع کے مقام پر وہ چرائی جاتی تھیں۔ ہماری ایک لونڈی نے ایک بکری کو دیکھا کہ مر رہی ہے تو اس نے ایک پتھر

توڑا اور اس سے اس کو ذبح کر ڈالا۔ کعب بن مالک نے کہا کہ کھاؤ نہیں جب تک کہ ہم نبی ﷺ سے پوچھ نہ لیں یا یہ بات ہوئی کہ نبی ﷺ کی خدمت میں ایک شخص کو بھیجا گیا کہ وہ پوچھے تو اس نے نبی ﷺ سے دریافت کیا، یا کسی کو بھیجا کہ پوچھے تو آپ ؐ نے اسے حکم دیا کہ کھایا جا سکتا ہے۔ عبیداللہ کہتے ہیں کہ مجھے اچھی بات یہ لگی کہ ایک لونڈی تھی جس نے اس کو ذبح کیا۔

وضاحت:

آج تک ہم سنتے تھے کہ عورت کسی جانور کو ذبح کر دے تو ذبیحہ جائز نہیں ہوتا۔ دیہاتیوں میں یہ خیال پایا جاتا ہے۔ اس روایت سے یہ معلوم ہو گیا کہ عورت کو یہ حق حاصل ہے اور اس معاملہ میں وہ مردوں کے مساوی ہے۔

لونڈی نے پتھر کو توڑا۔ ایسا کرنے سے وہ نوکیلا ہو گیا، اس میں یہ بات مضمر ہے کہ اس نے اس پتھر سے بکری کو ذبح کر دیا تو اس سے خون بہہ جانے کی شرط پوری ہو گئی۔ ذبح کے لیے چھری ہی ضروری نہیں ہوتی۔ ہو سکتا ہے کہ چھری تلاش کی جاتی تو اس کے ملنے تک بکری دم توڑ جاتی۔ بہر حال یہ مسئلہ واضح ہو گیا کہ عورت بھی ذبح کر سکتی ہے، آلۂ ذبح ایک ضمنی چیز ہے۔

۵۔ باب: وَكَالَةُ الشَّاهِدِ وَالْغَائِبِ جَائِزَةٌ"، وَ كَتَبَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عَمْرٍو اِلٰى قَهْرَ مَانِهٖ وَ هُوَ غَائِبٌ" عَنْهُ اَنْ يُزَكِّيَ عَنْ اَهْلِهِ الصَّغِيْرِ وَالْكَبِيْرِ.

باب: موجود یا غیر حاضر آدمی کو وکیل بنانا جائز ہے۔ عبداللہ بن عمروؓ نے اپنے منشی کو لکھا، حالانکہ وہ وہاں نہیں تھا کہ وہ ان کے چھوٹے بڑے سب کی طرف سے زکوٰۃ ادا کرے۔

قہرمان فارسی لفظ ہے اور منشی کے معنی میں ہے۔ اس طرح کے تمدنی اور اجتماعی زندگی سے متعلق الفاظ عربی میں بیشتر فارسی اور یونانی سے لیے گئے ہیں۔

باب میں جو تعلیق دی گئی ہے وہ یہ بتانے کے لیے ہے کہ ہر چند منشی غائب ہے آپ اس کو وکیل بنا سکتے ہیں۔ اس روایت میں نام عبداللہ بن عمروؓ کا ہے بعض روایات میں عبداللہ بن عمرؓ کا نام ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ ہی ہو گا۔ ان کی زمین مدینہ سے کچھ فاصلہ پر تھی اور وہ خود مدینہ ہی میں قیام فرماتے تھے۔ زمین پر منشی رکھا ہوا تھا۔ اس کو ہدایت دیتے تھے اور کبھی کبھی زمین پر بھی تشریف لے جاتے تھے۔

۶۔ حَدَّثَنَا اَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ كُهَيْلٍ عَنْ اَبِي سَلَمَةَ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ

اللّٰہ عَنْهُ قَالَ كَانَ لِرَجُلٍ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ سِنٌّ مِنَ الْإِبِلِ فَجَاءَهُ يَتَقَاضَاهُ فَقَالَ اَعْطُوْهُ فَطَلَبُوْا سِنَّهُ فَلَمْ يَجِدُوْا لَهُ إِلَّا سِنًّا فَوْقَهَا فَقَالَ اَعْطُوْهُ فَقَالَ اَوْفَيْتَنِيْ اَوْفَى اللّٰهُ بِكَ، قَالَ النَّبِيُّ ﷺ اِنَّ خِيَارَكُمْ اَحْسَنُكُمْ قَضَاءً.

﴿ حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے ذمہ ایک شخص کا ایک خاص عمر کا اونٹ آتا تھا۔ وہ تقاضا کرنے آیا تو آپ نے حکم دیا کہ اس کو دے دو۔ لوگوں نے اس عمر کا اونٹ تلاش کیا لیکن اونٹ اس سے زیادہ عمر کے ملتے تھے۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ اس کو یہی دے دو۔ اس شخص نے کہا آپ نے میرا حق بہت پورا کیا، اللہ تعالیٰ آپ کے لیے پورا کرے۔ نبی ﷺ نے فرمایا تم میں سب سے زیادہ اچھا وہ ہے جو ادائیگی کرنے میں بہتر ہو۔ ﴾

وضاحت:

یہ جو نبی ﷺ نے آدمی کو اس کے حق سے زیادہ دیا تو اس پر فرمایا کہ میں نے کوئی عجیب بات نہیں کی بلکہ اخلاق کا تقاضا یہی ہے کہ دیجیے تو بہتر سے بہتر دیجیے۔ یہ سود نہیں ہے، اس کو سود بنا دینا اخلاق کو ختم کر دینا ہے۔ ایسا معاملہ نقد میں بھی ہوسکتا ہے۔ امام صاحب نے یہ موجود شخص کو وکیل بنانے کی دلیل پیش کی ہے۔ باب کے تحت غائب کی وکالت کی کوئی روایت نہیں ہے، صرف عنوان باب میں ایک تعلیق نقل ہے۔

٦. بَابٌ : اَلْوَكَالَةِ فِيْ قَضَاءِ الدُّيُوْنِ

باب: قرضوں کی ادائیگی کے بارے میں وکالت

یہ موضوع کچھ زیادہ اہم نہیں۔ وکیل جب ہوسکتا ہے تو ہر چیز میں ہوسکتا ہے، قرضوں کی ادائیگی میں کوئی ایسا پہلو نہیں ہے جو اس میں رکاوٹ بن جائے۔

٧. حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ كُهَيْلٍ سَمِعْتُ اَبَا سَلَمَةَ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَجُلًا اَتَى النَّبِيَّ ﷺ يَتَقَاضَاهُ فَاَغْلَظَ فَهَمَّ بِهٖ اَصْحَابُهٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ دَعُوْهُ فَاِنَّ لِصَاحِبِ الْحَقِّ مَقَالًا ثُمَّ قَالَ اَعْطُوْهُ سِنًّا مِثْلَ سِنِّهٖ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِلَّا اَمْثَلَ مِنْ سِنِّهٖ فَقَالَ اَعْطُوْهُ فَاِنَّ مِنْ خَيْرِكُمْ اَحْسَنَكُمْ قَضَاءً.

﴿ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کے پاس ایک شخص تقاضا کرتے ہوئے آیا اور کچھ سخت لہجہ

اختیار کیا۔ صحابہ نے چاہا کہ اسے دبوچ لیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایسا نہ کرو۔ جس کا کچھ حق نکلتا ہے اس کو کچھ کہنے کا بھی حق ہے۔ پھر آپؐ نے فرمایا کہ اس کے اونٹ کے مانند اونٹ سے اس کو ادائگی کردو۔ صحابہؓ نے کہا یا رسول اللہ (اس سن کا اونٹ تو نہیں ہے) کیا اس کو اس سے بہتر سن کا اونٹ نہ دے دیں۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا وہی دے دو۔ تم میں اچھے وہی لوگ ہیں جو واجبات خوبی کے ساتھ ادا کریں۔

وضاحت:

یہ روایت اور وہ روایت جو اوپر گزری ہے دونوں ایک ہی ہیں۔ البتہ اس میں کچھ وضاحتیں اور کچھ اضافے ہیں۔ امام صاحب نے اس کو الگ باب میں رکھ دیا ہے حالانکہ ایک ہی روایت ان سارے پہلوؤں کو، جن کو وہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں، شامل کر لیتی ہے۔

آنحضرت ﷺ نے اعلیٰ درجہ کی تعلیم دی ہے کہ جس کا کچھ حق بنتا ہے اس کو کچھ کہنے کا بھی حق حاصل ہوتا ہے۔ پھر آپ نے واجبات کی ادائیگی بہتر طور پر کرنے کی ترغیب دی۔

۷۔ باب: إِذَا وَهَبَ شَيْئًا لِوَكِيلٍ أَوْ شَفِيعِ قَوْمٍ جَازَ لِقَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ لِوَفْدِ هَوَازِنَ حِينَ سَأَلُوهُ الْمَغَانِمَ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ نَصِيبِي لَكُمْ.

باب: آدمی جب کسی وکیل کو یا قوم کے کسی شفیع کو کچھ دے تو ایسا کرنا جائز ہے۔ یہ نبی ﷺ کے اس ارشاد کی روشنی میں ہے جو قبیلہ ہوازن کے اس وفد سے آپؐ نے فرمایا تھا جو اپنی غنیموں کا مطالبہ کرنے آئے تھے کہ میرا جو حصہ ہے وہ تو میں تمہیں دیتا ہوں۔

وضاحت:

یہاں جس طریقے سے واقعہ کو اختصار سے بیان کیا ہے اس سے کچھ سمجھ میں نہیں آئے گا۔ اصل واقعہ یہ ہے کہ نبی ﷺ طائف کے محاصرہ کے بعد مکہ کو لوٹے تو راستہ میں قبیلہ ہوازن کا معاملہ ابھی فیصلہ طلب تھا۔ ان کے ساتھ جنگ ہوئی تھی جس میں ہوازن کو شکست ہوئی۔ ان کا بہت سا مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ لگا اور بہت سے قیدی پکڑے گئے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کا کئی دن تک انتظار کیا لیکن جب وہ نہیں آئے تو مال غنیمت تقسیم کر دیا گیا۔ بعد میں وہ تائب ہو کر آئے اور کہا کہ ہمارے قیدی اور ہمارا مال سب واپس کر دیجئے۔ آپ نے فرمایا سچی بات کہتا ہوں، تم کو اب مال یا قیدیوں

میں سے ایک کا انتخاب کرنا پڑے گا۔ دونوں کی واپسی کا امکان نہیں ہے۔ حضورؐ کے اس جواب پر ہوازن نے سوچ کر یہ فیصلہ کیا کہ ہمارے قیدی واپس کر دیئے جائیں۔ آپؐ نے فرمایا ٹھیک ہے۔ جو حصہ میں لے چکا ہوں وہ تم واپس لو۔ یہ فرما کر آپؐ نے مسلمانوں کے لیے ایک مثال قائم کی کہ وہ بھی اپنے حصے واپس کر دیں۔ مزید براں قیدیوں کی واپسی کے لیے آپؐ نے یہ انتظام فرمایا کہ لیڈروں کو بلا کر ان کو صورت حال سے آگاہ فرمایا تو انہوں نے کہا ہمارا مال و جان سب آپ پر فدا۔ اگر حضورؐ اپنا حصہ ہوازن کو واپس کرتے ہیں تو ہم بھی واپس کرتے ہیں۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ نبی ﷺ نے ہوازن کے فیصلہ کا کیوں انتظار فرمایا۔ میرے نزدیک اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ عرب یعنی بنی اسماعیل تھے۔ بنی اسماعیل کے بارے میں مشکل یہ تھی کہ وہ غلام نہیں بنائے جاسکتے تھے۔ یہ کسی شرف کی بنا پر نہیں بلکہ اس قانون کی بنا پر تھا کہ جس قوم کی طرف رسول کی بعثت براہ راست ہوتی ہے اس کے لیے دو ہی راستے رہ جاتے ہیں۔ اگر رسول پر ایمان لائیں تو فبہا، یہی مقصود ہے۔ اور اگر ایمان نہ لائیں تو آپ ان سے جنگ کیجئے اور ان کو ختم کر دیجئے یا وہ آپ سے لڑ کر خود ختم ہو جائیں۔ اس اصول کو اچھی طرح ذہن میں بٹھا لیجئے ورنہ آپ کو قدم قدم پر مشکلیں پیش آئیں گی اور واقعات کی توجیہ صحیح طور پر نہیں ہو سکے گی۔

ہوازن جب تک فیصلہ نہیں کر پائے کہ اسلام قبول کرنا ہے یا نہیں تو حضورؐ نے ان کے معاملہ میں توقف فرمایا۔ جب انہوں نے دیر لگائی تو بالآخر آپؐ نے مال غنیمت تقسیم کر دیا۔ اس طرح معاملہ آپؐ کے ہاتھ سے نکل گیا۔ ہوازن تائب ہو کر اسلام قبول کرنے آئے تو انہوں نے اپنا مال بھی واپس مانگا۔ تب حضورؐ نے اپنا حصہ پیش کر دیا۔

امام صاحب نے 'نصیبی لکم' کے الفاظ سے وکیل کو ہبہ کرنے پر جو استدلال کیا ہے تو یہ اس واقعہ سے ثابت نہیں ہوتا۔ یہ نہ کوئی ہدیہ تھا نہ عطیہ۔ یہ تو آپ نے اپنا وہ حصہ واپس کیا جو تقسیم غنائم میں آپ کو ملا تھا۔

۸۔ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عُفَيْرٍ قَالَ حَدَّثَنِي اللَّيْثُ، قَالَ حَدَّثَنِي عُقَيْلٌ" عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ وَ زَعَمَ عُرْوَةُ اَنَّ مَرْوَانَ بْنَ الْحَكَمِ وَالْمِسْوَرَ بْنَ مَخْرَمَةَ اَخْبَرَاهُ' اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَامَ حِيْنَ جَاءَهُ وَفْدُ هَوَازِنَ مُسْلِمِيْنَ فَسَاَلُوْهُ اَنْ يَرُدَّ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ وَ سَبْيَهُمْ فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ اَحَبُّ الْحَدِيْثِ اِلَيَّ اَصْدَقُهُ' فَاخْتَارُوْا اِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ اِمَّا السَّبْيَ وَ اِمَّا الْمَالَ وَقَدْ كُنْتُ اسْتَاْنَيْتُ بِهِمْ وَ قَدْ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ انْتَظَرَهُمْ بِضْعَ عَشْرَةَ لَيْلَةً حِيْنَ قَفَلَ مِنَ الطَّائِفِ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ غَيْرُ رَادٍّ اِلَيْهِمْ اِلَّا اِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ، قَالُوْا فَاِنَّا نَخْتَارُ سَبْيَنَا، فَقَامَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فِي الْمُسْلِمِيْنَ فَاَثْنٰى عَلَى اللّٰهِ بِمَا هُوَ اَهْلُهُ' ثُمَّ قَالَ اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّ اِخْوَانَكُمْ هٰؤُلَاءِ قَدْ جَاءُ وْنَا تَائِبِيْنَ وَ اِنِّيْ قَدْ رَاَيْتُ اَنْ اَرُدَّ اِلَيْهِمْ سَبْيَهُمْ فَمَنْ اَحَبَّ مِنْكُمْ اَنْ

يُطَيِّبَ بِذَالِكَ فَلْيَفْعَلْ وَمَنْ اَحَبَّ مِنْكُم اَنْ يَكُوْنَ عَلٰى حَظِّهٖ حَتّٰى نُعْطِيَهٗ اِيَّاهُ مِنْ اَوَّلِ مَا يُفِيْئُ اللّٰهُ عَلَيْنَا فَلْيَفْعَلْ فَقَالَ النَّاسُ قَدْ طَيَّبْنَا ذَالِكَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ لَهُمْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّا لَا نَدْرِيْ مَنْ اَذِنَ مِنْكُمْ فِيْ ذَالِكَ مِمَّنْ لَمْ يَاْذَنْ فَارْجِعُوْا حَتّٰى يَرْفَعُوْا اِلَيْنَا عُرَفَاءُ كُمْ اَمْرَكُم فَرَجَعَ النَّاسُ فَكَلَّمَهُم عُرَفَاءُ هُمْ ثُمَّ رَجَعُوْا اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَاَخْبَرُوْهُ اَنَّهُمْ قَدْ طَيَّبُوْا وَ اَذِنُوْا.

﴿ابن شہاب سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ عروہ کا گمان ہے کہ مروان بن حکمؓ اور مسور بن مخرمہؓ دونوں نے ان کو خبر دی کہ جب ہوازن کا وفد اسلام لا کر رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور انہوں نے مطالبہ کیا کہ ان کے قیدی اور ان کے مال واپس کر دیے جائیں تو نبی ﷺ کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ سچ بات کہنا مجھے پسند ہے، اب تم دونوں میں سے ایک کا انتخاب کرلو، قیدی واپس لے لو یا مال۔ اور میں نے ان کے بارے میں خاصا توقف کیا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ نبی ﷺ جب طائف سے لوٹے تو دس راتوں سے زیادہ ان کا انتظار کیا تھا۔ جب ان لوگوں پر حقیقت واضح ہوگئی کہ رسول اللہ ﷺ دونوں چیزوں میں سے صرف ایک چیز لوٹانے والے ہیں تو انہوں نے کہا کہ ہم اپنے قیدی لینے کو ترجیح دیتے ہیں۔ تو رسول اللہ ﷺ مسلمانوں میں خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی ثنا اس کے شایان شان بیان کی پھر فرمایا: اما بعد لوگو، یہ تمہارے بھائی ہیں جو تائب ہو کر تمہارے پاس آئے ہیں اور میری رائے یہ ہے کہ ان کے قیدی لوٹا دیے جائیں تو تم میں سے جو بطیب خاطر منظور کرلیں ان کو تو چاہیے کہ ان کے قیدی لوٹا دیں اور تم میں سے جو اپنے حصہ پر قائم رہنا چاہیں یہاں تک کہ جو اول مال غنیمت آئے ہم اس میں سے ان کو معاوضہ دیں تو وہ ایسا بھی کر سکتے ہیں۔ تو لوگوں نے کہا ہم آپ کے فیصلہ پر راضی ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا میں متعین نہیں کر پا رہا ہوں کہ کتنے راضی ہیں اور کتنے نہیں، تو جاؤ اور تمہارے فیصلہ سے تمہارے سردار ہمیں آگاہ کریں۔ پھر وہ سب لوگ لوٹے۔ ان کے سرداروں نے ان سے بات کی اور واپس آ کر رسول اللہ ﷺ کو خبر دی کہ ان لوگوں نے خوشی سے قیدی لوٹانے کی اجازت دی ہے۔﴾

وضاحت:

اس روایت کا سارا پس منظر باب کی وضاحت میں بیان ہو چکا ہے۔ ہوازن کے قیدیوں کا معاملہ طائف سے

واپسی کے دوران پیش آیا تھا۔ روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان سے کہا کہ اَسْتَانَیْتُ بِهِمْ یعنی معاملہ طے کرنے میں میں نے بہت توقف کیا کہ تم لوگ آ جاؤ۔ بِضْعَ عَشْرَةَ لَيْلَةً کے الفاظ ہیں یعنی دس راتوں سے قدرے زائد انتظار کیا اور پھر اس کے بعد قیدی اور مال تقسیم کر دیے گئے۔ جب ہوازن کے لوگ تائب ہو کر اور اسلام قبول کر کے آئے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ یعنی دونوں میں سے ایک' قیدی یا مال' واپس ہو سکتا ہے۔

ظاہر ہے کہ آنحضرت ﷺ کے ذہن میں تھا کہ عرب ہیں، اپنے قیدیوں ہی کو لیں گے۔ آنحضرت ﷺ نے یہ جو فرمایا کہ جو معاوضہ لے کر واپس کرنا چاہتا ہے تو جو اول مال غنیمت آئے گا ہم اس میں سے اس کو دیں گے تو یہ لوگوں کی دلداری کے لیے تھا۔ اس لیے کہ کس کی مجال تھی کہ قیدیوں کو واپس نہ کرتا، اور سب لوگوں نے بطیب خاطر ان کو واپس کر بھی دیا۔ آنحضرت ﷺ کا پہلا ہی فقرہ کافی تھا کہ میرا جو حصہ ہے وہ واپس کرتا ہوں۔ اس مثال کے قائم ہو جانے کے بعد کون پیچھے رہ سکتا تھا۔

آنحضرت ﷺ نے اتنا انتظار کیا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ عربوں کا معاملہ تھا جو اسلام یا تلوار ہی پر ختم ہو سکتا تھا۔ اس کے حل کی کوئی تیسری شکل نہ تھی۔ حضرت عمرؓ نے اپنے زمانے میں اس سلسلے کو بالکل ہی ختم کر دیا، یہاں تک کہ عرب کا ایک قبیلہ عیسائی ہو گیا تو وہ ان کو ان کی عیسائیت کی بنا پر ذمی بنانے پر راضی نہ تھے، کیونکہ وہ بنی اسماعیل تھے۔

۸. باب: اِذَا وَكَّلَ رَجُلٌ" رَجُلًا اَنْ يُّعْطِيَ شَيْئًا وَ لَمْ يُبَيِّنْ كَمْ يُعْطِي فَاَعْطَى عَلٰى مَا يَتَعَارَفُهُ النَّاسُ.

باب: جب آدمی کسی شخص کو وکیل بنائے کہ وہ کوئی چیز دے دے اور اس نے یہ نہیں بتایا کہ کتنی دے تو وہ لوگوں کے دستور کے مطابق دے۔

۹. حَدَّثَنَا الْمَكِّيُّ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ حَدَّثَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ عَنْ عَطَاءِ بْنِ اَبِيْ رَبَاحٍ وَغَيْرِهٖ يَزِيْدُ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَ لَمْ يُبَلِّغْهُ كُلُّهُمْ رَجُلٌ" وَاحِدٌ" مِنْهُمْ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي سَفَرٍ فَكُنْتُ عَلٰى جَمَلٍ ثَفَالٍ اِنَّمَا هُوَ فِيْ اٰخِرِ الْقَوْمِ فَمَرَّبِيَ النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ مَنْ هٰذَا قُلْتُ جَابِرُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ مَالَكَ قُلْتُ اِنِّيْ عَلٰى جَمَلٍ ثَفَالٍ قَالَ اَمَعَكَ قَضِيْبٌ" قُلْتُ نَعَمْ قَالَ اَعْطِنِيْهِ فَاَعْطَيْتُهٗ فَضَرَبَهٗ فَزَجَرَهٗ فَكَانَ مِنْ ذَالِكَ الْمَكَانِ مِنْ اَوَّلِ الْقَوْمِ قَالَ بِعْنِيْهِ فَقُلْتُ بَلْ هُوَ لَكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ بَلْ بِعْنِيْهِ قَدْ اَخَذْتُهٗ بِاَرْبَعَةِ دَنَانِيْرَ

وَلَکَ ظَهْرُه' اِلَی الْمَدِیْنَةِ فَلَمَّا دَنَوْنَا مِنَ الْمَدِیْنَةِ اَخَذْتُ اَرْتَحِلُ قَالَ اَیْنَ تُرِیْدُ قُلْتُ تَزَوَّجْتُ امْرَاَةً قَدْ خَلَا مِنْهَا قَالَ فَهَلَّا جَارِیَةً" تُلَاعِبُهَا وَ تُلَاعِبُکَ قُلْتُ اِنَّ اَبِیْ تُوُفِّیَ وَ تَرَکَ بَنَاتٍ فَاَرَدْتُّ اَنْ اَنْکِحَ امْرَاَةً قَدْ جَرَّبَتْ خَلَا مِنْهَا قَالَ فَذَالِکَ فَلَمَّا قَدِمْنَا الْمَدِیْنَةَ قَالَ یَا بِلَالُ اقْضِهٖ وَزِدْهُ فَاَعْطَاهُ اَرْبَعَةَ دَنَانِیْرَ وَزَادَهُ' قِیْرَاطًا، قَالَ جَابِر" لَا تُفَارِقُنِیْ زِیَادَةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَلَمْ یَکُنِ الْقِیْرَاطُ یُفَارِقُ جِرَابَ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه.

﴿عطاء بن ابی رباح وغیرہ سے روایت ہے۔ ان میں سے بعض بات زیادہ کرتے تھے لیکن پوری کسی نے بھی بیان نہیں کی۔ وہ جابر بن عبداللہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ میں ایک سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا۔ میں ایک سست رفتار اونٹ پر سوار تھا جو سب لوگوں کے بالکل پیچھے تھا۔ نبی ﷺ کا مجھ پر گزر ہوا تو آپؐ نے پوچھا کون ہے، میں نے کہا جابر بن عبداللہ۔ آپؐ نے پوچھا کیا ماجرا ہے؟ میں نے کہا میرا اونٹ بہت سست ہے۔ آپؐ نے پوچھا تمہارے پاس کوئی چھڑی ہے میں نے کہا جی ہاں ہے۔ فرمایا مجھ کو دو۔ میں نے دی تو آپؐ نے اسے رسید کی اور ڈانٹا۔ اب وہ تمام لوگوں سے آگے پہنچ گیا۔ آپ نے فرمایا یہ اونٹ مجھے بیچ دو۔ میں نے کہا نہیں بلکہ میں اسے آپ کی نذر کرتا ہوں۔ تو آنحضرت ﷺ نے کہا نہیں، بیچ دو، میں چار دینار میں تم سے لیتا ہوں اور تم کو یہ اجازت ہوگی کہ مدینہ تک تم اس پر سوار ہو کر جاؤ۔ جب ہم مدینہ کے قریب پہنچے تو میں نے الگ راہ لی تو آپؐ نے فرمایا کہاں چلے۔ میں نے کہا میں نے شادی کی ہے ایک بیوہ سے۔ آپؐ نے فرمایا کسی نوخیز سے شادی کی ہوتی۔ وہ تمہاری خوش وقتی کا ذریعہ ہوتی، تم اس کو خوش کرتے۔ میں نے کہا میرے باپ نے وفات پائی تو سات بیٹیاں چھوڑیں۔ میں نے چاہا کسی ایسی عورت سے نکاح کروں جو تجربہ کیے ہوئے ہو تو میں نے بیوہ سے نکاح کیا۔ آپؐ نے فرمایا یہی چاہیے تھا۔ جب ہم مدینہ پہنچے تو آنحضرت ﷺ نے بلالؓ سے کہا ان کی قیمت ادا کر دو اور کچھ زیادہ دینا تو انہوں نے چار دینار دیے اور ایک قیراط زیادہ کیا۔ جابر بن عبداللہؓ بتاتے تھے کہ وہ قیراط ہمیشہ میرے پاس رہتا ہے۔ وہ اس قیراط کو بٹوے میں ہمیشہ ساتھ رکھتے تھے۔﴾

وضاحت:

یہ روایت پیچھے گزری ہے اور اس کی وضاحت بھی ہو چکی ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ سفر کے دوران آنحضرت ﷺ پیچھے سے گشت کرتے آ رہے تھے اور یہ دیکھ رہے تھے کہ کون کہاں ہے۔ یہ انداز تھا آنحضرت ﷺ کا اپنے صحابہؓ کے درمیان۔ یہ نہیں کہ اپنے پروٹوکول کے اندر رہتے ہوں۔ حضرت جابرؓ نے اونٹ حضورؐ کی نذر کرنا چاہا تو آپؐ نے مفت لینا پسند نہیں کیا اور کہا کہ چار دینار میں مجھے دے دو اور ان کو اجازت دی کہ مدینہ تک کا سفر وہ اس پر کر سکتے ہیں۔ اللہ اکبر یہ کردار اور یہ اخلاق! اس کے ساتھ آپ لوگوں کے دلوں میں نہ رہتے تو اور کہاں رہتے، سب کے دلوں میں تھے۔ کون ہے جو ان کی نافرمانی کرتا۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت جابرؓ سے یہ سوال جو کیا کہ بیوہ کی بجائے کسی نوخیز سے شادی کیوں نہ کی تو اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ سوال آپ نے جابر رضی اللہ عنہ کے باطن کو سامنے لانے کے لیے کیا تھا کہ ان کی کیا سوچ ہے۔ حضرت جابرؓ کے جواب کا مطلب یہ تھا کہ سات بہنیں ہیں، ان ہی کی ہم عمر لا کر بٹھا دیتا تو گھر کو کون دیکھتا، اس لیے ایک بیوہ سے شادی کی ہے۔ آنحضرت ﷺ کا جواب میں فَذَالِکَ فرمانا یعنی ہاں یوں ہی چاہیے تھا، نہایت ہی بلیغ ہے۔ ترجمہ میں بات نہیں آ سکتی، اس بلاغت پر میں تنہائی میں داد دیتا اور سر دھنتا رہا۔

مدینہ پہنچنے پر آپ ﷺ نے حضرت بلالؓ کو ہدایت کی کہ ان کی قیمت ادا کر دو اور کچھ زیادہ کر دینا تو حضرت بلالؓ نے چار دینار دیے اور ایک قیراط زیادہ دیا۔ یہ ایک قیراط حضرت جابرؓ تبرک کے طور پر اپنے بٹوے میں رکھتے تھے اور ہمیشہ ان کے ساتھ رہا۔ روایت میں آتا ہے کہ جب شام کی جنگیں ہوئیں اور سپاہی آپس میں گتھم گتھا ہوئے تو اس میں جابرؓ شہید ہو گئے اور شامیوں نے وہ قیراط اپنے قبضہ میں کر لیا۔

امام صاحب نے باب باندھا ہے کہ کوئی شخص وکیل سے کہے کہ کوئی چیز دے دے لیکن یہ نہ بتائے کہ کتنا دینا ہے۔ یہاں روایت میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت جابرؓ سے صاف کہا کہ یہ اونٹ چار دینار میں لیتا ہوں تو حضرت بلالؓ کو اس کا علم رہا۔ ہم، تو انہوں نے چار ہی دینار قیمت ادا کی اور ایک قیراط بطور اضافہ دیا۔ لہذا روایت باب سے مطابقت نہیں رکھتی۔

۹. باب: وَكَالَةِ الْمَرْأَةِ الْإِمَامَ فِي النِّكَاحِ

باب: کسی عورت کا خلیفہ کو نکاح میں وکیل کرنا

۱۰. حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ اَخْبَرَنَا مَالِكٌ" عَنْ اَبِي حَازِمٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ جَاءَ تِ امْرَأَةٌ" اِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّي قَدْ وَهَبْتُ لَكَ مِنْ نَفْسِي فَقَالَ رَجُلٌ" زَوِّجْنِيهَا قَالَ قَدْ زَوَّجْنَا كَهَا بِمَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْاٰنِ.

﴿سہل بن سعد سے روایت ہے کہ ایک خاتون رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئیں اور کہا یا رسول اللہ! میں اپنے آپ کو آپ کے لیے ہبہ کرتی ہوں۔ ایک شخص بولا یا رسول اللہ! اس کا نکاح مجھ سے کر دیجئے۔ آپؐ نے فرمایا اس قرآن کے بدلے جو تجھ کو یاد ہے میں نے اس کا نکاح تجھ سے کر دیا۔﴾

وضاحت:

ہبہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ مہر وغیرہ کا میرا کوئی مطالبہ نہیں ہے اور میں اپنے آپ کو آپ کے نکاح میں دیتی ہوں۔ قرآن کی سورہ احزاب کی رو سے آپؐ کے لیے یہ جائز تھا کہ کوئی خاتون اپنے آپ کو آپؐ کے لیے ہبہ کر دے تو آپؐ اس سے نکاح کر لیں۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس خاتون کی حوصلہ افزائی نہیں کی۔ دوسری روایت میں آتا ہے کہ آپ کچھ دیر تک سوچتے رہے۔ یہ تردد دیکھ کر ایک شخص نے کہا کہ یا رسول اللہ! اس کا نکاح مجھ سے کر دیجئے تو آپؐ نے اس سے پوچھا کہ تمہارے پاس کچھ دینے کو ہے۔ اس نے کہا کچھ نہیں۔ آپؐ نے پوچھا لوہے کی ایک انگوٹھی بھی نہیں۔ اس نے کہا کہ نہیں۔ میرے پاس تو صرف ایک تہمد ہے۔ آپؐ نے پوچھا قرآن کتنا یاد ہے تو اس نے بتایا کہ اتنا یاد ہے۔ اس پر آپؐ نے فرمایا کہ اس کے بدلے میں تمہارا نکاح میں نے اس خاتون سے کر دیا۔

۱۰. باب: اِذَا وَكَّلَ رَجُلًا فَتَرَكَ الْوَكِيْلُ شَيْئًا فَاَجَازَهُ الْمُوَكِّلُ فَهُوَ جَائِزٌ"، وَ اِنْ اَقْرَضَهُ اِلٰى اَجَلٍ مُسَمًّى جَازَ

وَ قَالَ عُثْمَانُ بْنُ الْهَيْثَمِ اَبُوْ عَمْرٍو حَدَّثَنَا عَوْفٌ" عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيْرِيْنَ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ وَكَّلَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِحِفْظِ زَكٰوةِ رَمَضَانَ فَاَتَانِیْ اٰتٍ فَجَعَلَ يَحْثُوْا مِنَ الطَّعَامِ فَاَخَذْتُهُ، وَ قُلْتُ وَاللّٰهِ لَاَرْفَعَنَّكَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اِنِّیْ مُحْتَاجٌ" وَ عَلَیَّ عِيَالٌ" وَلِیْ حَاجَةٌ" شَدِيْدَةٌ قَالَ فَخَلَّيْتُ عَنْهُ فَاَصْبَحْتُ فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ يَا اَبَا هُرَيْرَةَ مَا فَعَلَ اَسِيْرُكَ الْبَارِحَةَ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ شَكَا حَاجَةً شَدِيْدَةً" وَ عِيَالًا فَرَحِمْتُهُ فَخَلَّيْتُ سَبِيْلَهُ قَالَ اَمَا اِنَّهُ قَدْ كَذَبَكَ وَ سَيَعُوْدُ فَعَرَفْتُ اَنَّهُ سَيَعُوْدُ لِقَوْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اِنَّهُ سَيَعُوْدُ فَرَصَدْتُهُ، فَجَاءَ يَحْثُوْا مِنَ الطَّعَامِ فَاَخَذْتُهُ، فَقُلْتُ لَاَرْفَعَنَّكَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ دَعْنِیْ فَاِنِّیْ مُحْتَاجٌ" وَ عَلَیَّ عِيَالٌ" لَا اَعُوْدُ فَرَحِمْتُهُ، فَخَلَّيْتُ سَبِيْلَهُ، فَاَصْبَحْتُ فَقَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَا اَبَا هُرَيْرَةَ مَا فَعَلَ اَسِيْرُكَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ شَكَا حَاجَةً شَدِيْدَةً وَ عِيَالًا فَرَحِمْتُهُ فَخَلَّيْتُ سَبِيْلَهُ قَالَ اَمَا اِنَّهُ قَدْ كَذَبَكَ وَ سَيَعُوْدُ فَرَصَدْتُهُ الثَّالِثَةَ فَجَاءَ يَحْثُوْا مِنَ الطَّعَامِ فَاَخَذْتُهُ فَقُلْتُ لَاَرْفَعَنَّكَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَ هٰذَا اٰخِرُ ثَلٰثِ مَرَّاتٍ اَنَّكَ تَزْعُمُ لَا تَعُوْدُ ثُمَّ تَعُوْدُ قَالَ دَعْنِیْ

أُعَلِّمُكَ كَلِمَاتٍ يَنْفَعُكَ اللّٰهُ بِهَا قُلْتُ مَا هُوَ قَالَ إِذَا أَوَيْتَ إِلَى فِرَاشِكَ فَاقْرَأْ آيَةَ الْكُرْسِيِّ : اللّٰهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ ، حَتّٰى تَخْتِمَ الْآيَةَ فَإِنَّكَ لَنْ يَزَالَ عَلَيْكَ مِنَ اللّٰهِ حَافِظٌ" وَلَا يَقْرَبَنَّكَ شَيْطَانٌ" حَتّٰى تُصْبِحَ فَخَلَّيْتُ سَبِيلَهُ فَأَصْبَحْتُ فَقَالَ لِي رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ مَا فَعَلَ أَسِيرُكَ الْبَارِحَةَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ زَعَمَ أَنَّهُ يُعَلِّمُنِي كَلِمَاتٍ يَنْفَعُنِي اللّٰهُ بِهَا فَخَلَّيْتُ سَبِيلَهُ، قَالَ مَا هِيَ قُلْتُ قَالَ لِيْ: إِذَا أَوَيْتَ إِلَى فِرَاشِكَ فَاقْرَأْ آيَةَ الْكُرْسِيِّ مِنْ أَوَّلِهَا حَتّٰى تَخْتِمَ. اللّٰهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ وَ قَالَ لِي لَنْ يَزَالَ عَلَيْكَ مِنَ اللّٰهِ حَافِظٌ" وَلَا يَقْرَبَكَ شَيْطَانٌ" حَتّٰى تُصْبِحَ وَ كَانُوا أَحْرَصَ شَيْءٍ عَلَى الْخَيْرِ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ أَمَا إِنَّهُ قَدْ صَدَقَكَ وَ هُوَ كَذُوبٌ" تَعْلَمُ مَنْ تُخَاطِبُ مُنْذُ ثَلٰثِ لَيَالٍ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ، قَالَ لَا: قَالَ ذَاكَ شَيْطَانٌ".

باب: جب کسی شخص نے کسی کو وکیل بنایا اور وکیل نے کسی بات کو چھوڑ دیا اور موکل نے اس کی اجازت دے دی تو یہ جائز ہے۔ اور اگر خاص مدت تک قرض بھی دے دے تو وہ بھی جائز ہے۔

محمد بن سیرین، ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے رمضان کی زکوۃ کی حفاظت پر مامور کیا۔ ایک آنے والا آیا اور وہ لپ بھر بھر کر اناج اٹھانے لگا۔ میں نے اس کو پکڑ لیا اور کہا کہ میں تمہارا معاملہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کروں گا۔ اس نے کہا میں محتاج ہوں، مجھ پر عیال کا بوجھ ہے اور مجھے شدید ضرورت تھی۔ تو میں نے اس کو چھوڑ دیا۔ صبح ہوئی تو نبی ﷺ نے فرمایا ابو ہریرہ رات تمہارے قیدی کا کیا ماجرا ہوا۔ میں نے کہا یا رسول اللہ! اس نے اپنی ضرورت بیان کی اور عیال کی شکایت کی تو مجھے رحم آ گیا اور میں نے اسے چھوڑ دیا۔ آپ نے فرمایا آگاہ رہو کہ اس نے تم سے جھوٹ کہا اور وہ پھر آئے گا۔ مجھے گمان رہا کہ وہ ضرور آئے گا، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ وہ پھر آئے گا، پس میں اس کی گھات میں رہا۔ اور جب وہ آیا اور لپ بھر بھر کر اناج اٹھانے لگا تو میں نے اس کو پکڑا اور کہا کہ میں تمہارا معاملہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کروں گا۔ اس نے کہا مجھے چھوڑ دو میں بڑا محتاج ہوں۔ مجھ پر عیال کا بوجھ ہے۔ اب میں نہیں آؤں گا۔ تو میں نے اس پر رحم کیا اور چھوڑ دیا۔ صبح ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ابو ہریرہ رات تمہارے قیدی کا کیا ماجرا ہوا۔ میں نے کہا کہ یا رسول اللہ! اس نے اپنی شدید ضرورت بیان کی

اور اپنے عیال کی شکایت کی تو مجھے رحم آ گیا اور میں نے اس کو چھوڑ دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا آگاہ رہو وہ جھوٹا ہے وہ پھر آئے گا۔ پس میں اس کی گھات میں رہا۔ جب وہ آیا اور لپ بھر بھر کر اناج اٹھانے لگا تو میں نے اس کو پکڑا اور کہا کہ تمہارا مقدمہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے جاؤں گا۔ یہ آخری بار ہے، تین بار تم یہ حرکت کر چکے، تم دعویٰ کرتے ہو کہ آئندہ ایسا نہیں کرو گے اور پھر کر بیٹھتے ہو۔ اس نے کہا کہ مجھے چھوڑ دو۔ میں تمہیں کچھ کلمات سکھا دوں گا جس سے اللہ تمہیں نفع دے گا۔ میں نے کہا وہ کیا ہیں تو اس نے کہا تم سونے کا ارادہ کرو تو آیت الکرسی پڑھ لیا کرو۔ اَللّٰہُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ سے لے کر اخیر آیت تک۔ ایسا کرو گے تو اللہ کی طرف سے تمہارے اوپر ایک نگران رہے گا اور شیطان تمہارے قریب نہیں آئے گا، یہاں تک کہ صبح ہو جائے۔ تو میں نے اس کو چھوڑ دیا۔ صبح ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ابو ہریرہ رات تمہارے قیدی کا کیا معاملہ رہا۔ میں نے کہا یا رسول اللہ! اس نے دعویٰ کیا کہ وہ مجھے کچھ کلمات سکھائے گا جس سے اللہ تعالیٰ مجھے نفع دے گا تو میں نے اس کو چھوڑ دیا۔ آپؐ نے پوچھا وہ کلمات کیا ہیں۔ میں نے کہا اس نے بتایا کہ جب تم لیٹنے لگو تو آیت الکرسی پڑھ لیا کرو، شروع سے لے کر ختم آیت تک اور اس نے یہ کہا کہ اس حالت میں تمہارے اوپر اللہ کی طرف سے ایک نگران مقرر رہو جائے گا اور شیطان قریب نہیں آئے گا، یہاں تک کہ صبح ہو جائے۔ اور وہ لوگ (صحابہؓ) اس طرح کی خیر کے بڑے حریص تھے۔ تو نبی ﷺ نے فرمایا آگاہ رہو کہ اس نے بات تو سچی کہی لیکن وہ جھوٹا ہے۔ ابو ہریرہ جانتے ہو یہ کون ہے جس سے تین راتوں سے تم باتیں کر رہے ہو؟ انہوں نے کہا میں نہیں جانتا تو آپؐ نے فرمایا یہ شیطان ہے۔

وضاحت:

باب کے دو حصے ہیں۔ پہلے میں یہ ہے کہ اگر ایک صاحب نے کسی کو وکیل بنایا اور وکیل نے کوئی چیز نظر انداز کر دی تو اب یہ موکل کے اوپر ہے، وہ اگر اس کو جائز قرار دے دے تو جائز ہو جائے گی اور اگر نہیں تو جائز نہیں ہو گی۔ علیٰ ہذا القیاس وکیل اگر قرض بھی دے گا تو موکل اگر اجازت دے دیتا ہے تو جائز ہے ورنہ نہیں۔ یہ بھی واضح ہے کہ وہ جائیداد بیچنے کی بھی اجازت دے سکتا ہے۔ ان سب باتوں کا تعلق عقل سلیم سے ہے۔

اس کے بعد امام صاحب نے باب کی عبارت میں ایک روایت نقل کی ہے۔ یہ روایت ہے تو بہت مشہور لیکن گونا گوں مشکلات سے معمور ہے۔ رمضان کی زکوۃ سے مراد صدقہ فطر ہے۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ صدقہ فطر پہلے اکٹھا کر لیا جاتا تھا اور اس کی حفاظت پر کسی کو مامور کر دیا جاتا تھا۔

اس روایت میں ایک بڑی مشکل یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ جو واقعہ بیان کرتے ہیں، بعینہ یہی واقعہ الفاظ کے معمولی فرق کے ساتھ پانچ اور جلیل القدر صحابہ بھی بتاتے ہیں اور ابو ہریرہؓ جس پایہ کے ہیں وہ لوگ اس سے بھی زیادہ بلند پایہ کے ہیں۔ یہ سب لوگ یہ کہتے ہیں کہ مجھے حفاظت پر مقرر کیا گیا تھا۔ آپ صحیح بخاری کی شرح عینی میں دیکھ لیں وہاں یہ روایتیں موجود ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے اس کو اناج لینے دیا۔ پھر اس کی محتاجی اور اہل وعیال کی مصیبت کا حال سن کر اس کو چھوڑ دیا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا یتامیٰ اور فقراء ومساکین کا جو مال ان کی امانت میں رکھا گیا تھا اس میں وہ یہ تصرف کر سکتے تھے اور ایک مرتبہ نہیں بلکہ تین مرتبہ انہوں نے ایسا کیا۔ تیسری مرتبہ تو ان کا اپنا مقصد بھی تھا۔ جب اس نے وظیفہ سکھانے کا وعدہ کیا اور بتایا کہ آیۃ الکرسی پڑھ لیا کرو تو انہوں نے اس کو اناج لے جانے دیا۔ یہ بات کسی طرح جائز نہیں ہو سکتی اس لیے کہ مال یتامیٰ اور غرباء کا حق تھا۔

اس روایت کی تیسری مشکل یہ ہے کہ اس میں صاف بتایا گیا ہے کہ یہ شیطان تھا۔ دوسری روایات میں یہ بھی ہے کہ یہ خبیث جنات میں سے تھا۔ سوال یہ ہے کہ ایک خبیث شیطان کو یہ بات کیسے معلوم ہوئی کہ آیت الکرسی میں فلاں رمز ہے۔ قرآن مجید سے تو یہ بات نہیں معلوم ہوتی، اگرچہ آیت الکرسی قرآن مجید میں ہے۔ اگر یہ بات کسی کو معلوم ہو سکتی تھی تو آنحضرت ﷺ کو معلوم ہو سکتی تھی۔ اگر حضور ﷺ بتاتے تو معلوم ہو جاتا کہ آیت الکرسی میں یہ راز ہے۔ یہ غلط فہمی نہ ہو کہ میں آیت الکرسی کے بارے میں کوئی اعتراض کر رہا ہوں۔ میرا اپنا عمل یہ ہے کہ معلوم نہیں کب سے رات سونے سے پہلے میں آیت الکرسی پڑھتا ہوں، پھر سورہ اخلاص اور معوذتین اور اس کے بعد سونے کی دعا پڑھتا ہوں۔ پھر اردو میں دعائیں مانگتا ہوں۔ میں نے حافظہ پر بہت زور دیا لیکن یاد نہیں آیا کہ کب سے یہ عمل ہے اور کہاں سے میں نے یہ اختیار کیا ہے۔ اس روایت پر تو میں اعتماد نہیں کر سکتا اس لیے کہ یہ روایت اصول حدیث کی رو سے گویا آنحضرت ﷺ کی تصویب ہے لیکن بات تو شیطان کی ہے۔ سوال یہ ہے کہ شیطان پر اس بات کا القاء کہاں سے ہوا۔ یہ مسئلہ قابل غور اس لیے ہے کہ وہ بعض باتیں اچک تو سکتا ہے لیکن آسمانی وحی سے اچک نہیں سکتا تھا۔ آنحضرت ﷺ کے زمانے میں شیاطین اور جنات پر قدغن عائد کر دی گئی تھی۔ اگر آنحضرت ﷺ یہ بات فرماتے تو شیطان اچک سکتا تھا لیکن اس صورت میں صحابہ کرام خود بھی اس بات کے راوی ہوتے جب کہ ابو ہریرہؓ جیسے کثیر الروایہ شخص کو بھی یہ بات شیطان کی زبان سے معلوم ہوئی۔

ایک اور بھی مسئلہ ہے جو بڑا پیچیدہ ہے۔ وہ یہ کہ یہ قطعی طے ہے کہ وہ شیطان تھا۔ دوسری روایات میں ہے کہ بڑے خطرناک جنات میں سے تھا۔ تو کیا شیطان کو اتنا تصرف ہے کہ وہ سرکاری خزانے پر تاخت کر سکے۔ اگر ایسا ہے تو امان ہی اٹھ جاتی ہے۔ راتوں رات یہ خزانے خالی ہو جائیں گے۔ قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان کو اجازت تو ملی ہے لیکن یہ اجازت مقید ہے۔ اجازت اس بات کی ہے کہ وہ وسوسہ اندازی کر سکتا ہے، اس سے زیادہ کا اس کو اختیار نہیں ہے۔

سورۃ الناس شیطان کے بارے میں سب سے جامع سورہ ہے۔ اس میں یہ واضح کردیا ہے کہ وہ صرف وسوسہ اندازی کرسکتا ہے۔ اس لیے وہ تمام روایات جس میں آتا ہے کہ وہ کسی کو پاگل بنا سکتا ہے، کسی کو مخنث کرسکتا ہے، تو یہ سب روایات قرآن کے خلاف ہیں۔ اس کو وسوسے سے زیادہ کچھ دخل نہیں۔

بعض لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ وہ شیطان نہیں تھا بلکہ شیطان نما انسان تھا۔ اس تاویل پر میں نے بھی بہت غور کیا لیکن روایات میں بڑی وضاحت سے آیا ہے کہ وہ جنات میں سے تھا۔ اور اس کی شکل بھی بعض روایات میں بیان ہوئی ہے۔ ان میں یہ ہے کہ جب اس سے کہا گیا کہ اپنی شکل دکھا تو اس نے پہلے ہاتھ دکھائے جو خنزیر کی طرح دکھائی دیے۔ اگر اسے انسانوں میں سے بھی مان لیا جائے تب بھی مسئلہ حل نہیں ہوتا۔ بہرحال اس روایت میں بے شمار جھول ہیں جن کا حل نہیں ملتا۔

١١. باب: إِذَا بَاعَ الْوَكِيلُ شَيْئًا فَاسِدًا، فَبَيْعُهُ مَرْدُودٌ

باب: اگر وکیل فاسد چیز کی بیع کرے تو اس کی بیع واپس ہوگی

١١۔ حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ صَالِحٍ حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ هُوَ ابْنُ سَلَّامٍ عَنْ يَحْيَى قَالَ سَمِعْتُ عُقْبَةَ بْنَ عَبْدِالْغَافِرِ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ جَاءَ بِلَالٌ" إِلَى النَّبِيِّ ﷺ بِتَمْرٍ بَرْنِيٍّ ، فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ ﷺ مِنْ أَيْنَ هٰذَا قَالَ بِلَالٌ" كَانَ عِنْدَنَا تَمْرٌ" رَدِيٌّ" فَبِعْتُ مِنْهُ صَاعَيْنِ بِصَاعٍ لِنُطْعِمَ النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ عِنْدَ ذٰلِكَ أَوَّهْ أَوَّهْ عَيْنُ الرِّبَا عَيْنُ الرِّبَا لَا تَفْعَلْ، وَلٰكِنْ إِذَا أَرَدْتَ أَنْ تَشْتَرِيَ فَبِعِ التَّمْرَ بِبَيْعٍ آخَرَ ثُمَّ اشْتَرِهِ.

﴿ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ حضرت بلالؓ، نبی ﷺ کی خدمت میں برنی کھجور لے کر آئے۔ آپ نے پوچھا یہ کہاں سے ملی؟ بلالؓ نے کہا ہمارے پاس ہلکی قسم کی کھجور تھی تو میں نے دو صاع کے بدلے ایک صاع یہ برنی کھجور خرید لی تاکہ نبی ﷺ کو کھلائیں۔ تو نبی ﷺ نے فرمایا اوہ اوہ یہ تو بالکل ربا ہے۔ یہ تو سراسر ربا ہے، ایسا نہ کرو۔ اگر تم اس طرح خریدنا ہی چاہو تو اپنی کھجور بیچو اور اس کی قیمت سے یہ اچھی کھجور خرید لو۔﴾

وضاحت:

روایت کا پورا مفہوم یوں ہے کہ پہلے اپنی کھجور بیچو اور اس سے جو رقم ملے اس کے عوض عمدہ کھجور خرید لو۔ یہ روایت پیچھے گزر چکی ہے۔ اس میں دو اصول یاد رکھنے کے ہیں۔ ایک وہ جو عبداللہ بن عباسؓ کی روایت میں بیان ہوا ہے کہ لا ربا الا فی النسیہ یعنی ربا صرف نسیہ یعنی ادھار میں ہو سکتا ہے، نقد میں اس کا سوال پیدا نہیں ہوتا اور دوسرا یہ کہ اگر اصناف بدل جائیں تو جس طرح چاہو خرید و فروخت کر سکتے ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ شروع میں آنحضرت ﷺ نے سد الذریعہ کے لیے اس طرح کے سودے سے منع فرمایا اور جب اس کا ضابطہ بنا دیا گیا تو اس حکم کی شکل بدل گئی۔

۱۲۔ بَابُ: الْوَكَالَةِ فِي الْوَقْفِ وَنَفَقَتِهِ وَأَنْ يُطْعِمَ صَدِيقًا لَهُ وَيَأْكُلَ بِالْمَعْرُوفِ.

باب: وقف اور وقف کے مال کے خرچ کے بارے میں وکیل کا دائرہ کار۔ نیز یہ کہ وہ دستور کے مطابق اپنے کسی دوست کو کچھ دے دلا سکتا ہے اور خود بھی اس میں سے لے سکتا ہے۔

۱۲۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرٍو قَالَ فِي صَدَقَةِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ لَيْسَ عَلَى الْوَلِيِّ جُنَاحٌ" أَنْ يَأْكُلَ وَيُؤْكِلَ صَدِيقًا لَهُ غَيْرَ مُتَأَثِّلٍ مَالًا فَكَانَ ابْنُ عُمَرَؓ هُوَ يَلِي صَدَقَةَ عُمَرَؓ يُهْدِي لِلنَّاسِ مِنْ أَهْلِ مَكَّةَ كَانَ يَنْزِلُ عَلَيْهِمْ.

﴿ عمرو بن دینار نے حضرت عمرؓ کے صدقہ کے بارے میں یہ کہا کہ ولی کے اوپر اس معاملہ میں کوئی اعتراض نہیں کہ وہ ضرورت کے مطابق کھائے یا کسی دوست کو کھلائے البتہ مال جمع کرنے کی فکر نہ کرے اور ابن عمرؓ حضرت عمرؓ کے صدقہ کے متولی تھے۔ اہل مکہ میں سے جن کے پاس ٹھہرتے تھے، ان لوگوں کو ہدیہ بھی دیتے تھے۔ ﴾

وضاحت:

اس روایت کی حیثیت عبداللہ بن عمرؓ کے ایک اثر کی ہے۔ جہاں تک معلوم ہے عمرو بن دینار کی ان سے ملاقات ثابت نہیں۔ گویا سند میں انقطاع ہے۔ لیکن مسئلہ ایسا ہے کہ سب کو معلوم ہے اس لیے کہ اگر کسی وقف کا کوئی متولی ہے تو وہ

اس کو اپنا وقت بھی دیتا ہے۔ لہٰذا وہ اپنی ضرورت کے مطابق خرچ لینے میں حق بجانب ہے۔ یہ چیز قرآن سے بھی نکلتی ہے۔ سورہ نساء میں جہاں یتیم کے مال کے بارے میں ذکر ہے وہاں متولی کو اجازت دی ہے کہ اگر وہ ضرورت مند ہے تو دستور کے مطابق لے سکتا ہے۔ البتہ کتنا لے، یہ اس کی صوابدید پر ہے۔ مال کی نوعیت، زمانے کے حالات اور اس کی ضرورت کے لحاظ سے اس کو لینا چاہیے۔ اس میں دوسرے کا دخل نہیں ہوسکتا۔ اگر کوئی شکایت وغیرہ ہوگی تو وقف کے لیے ہر حکومت کی طرف سے کوئی انتظام ہوتا ہے تو اس کی طرف رجوع کیا جائے گا کہ یہ زیادہ لے رہے ہیں، ان کو روکا جائے۔ عبداللہ بن عمرؓ اگر یہ کرتے رہے ہیں تو ان کا مسلک قرآن کے مطابق تھا۔ لیکن روایت مرفوع نہیں ہے اور اس میں انقطاع بھی ہے۔ ضعف کے ان پہلوؤں کے باوجود از روئے قرآن بات صحیح ہے تو بحث کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

۱۳. بَابُ: الْوَكَالَةِ فِي الْحُدُوْدِ

باب: حدود کے معاملہ میں وکالت

وضاحت:

کچھ لوگ حدود کے احکام کی بجاآوری پر مامور ہوتے ہیں، مثلاً جیل کا سپرنٹنڈنٹ جو کسی کو پھانسی دلواتا ہے یا کوڑے لگواتا ہے تو یہ وکیل ہی کی حیثیت سے یہ کام انجام دیتا ہے۔ یہ باب ایسے لوگوں سے متعلق ہے۔

۱۳۔ حَدَّثَنَا اَبُو الْوَلِيْدِ اَخْبَرَنَا اللَّيْثُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُبَيْدِاللّٰهِ عَنْ زَيْدِبْنِ خَالِدٍ وَ اَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ وَاغْدُ يَا اُنَيْسُ اِلَى امْرَاةِ هٰذَا فَاِنِ اعْتَرَفَتْ فَارْجُمْهَا.

﴿زید بن خالد اور ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے انیس سے کہا کہ تم اس شخص کی بیوی کے پاس جاؤ اور اگر وہ اعتراف کرلے تو اس کو رجم کردو۔﴾

وضاحت: امام صاحب یہاں ایک طویل حدیث کا ایک ٹکڑا لے آئے ہیں کہ باب کے مضمون کو ثابت کریں۔ آنحضرت ﷺ نے کسی صاحب انیس کو اپنا وکیل بنا کر بھیجا کہ ایک ملزمہ کے پاس جا کر جرم کے بارے میں پوچھیں۔ اگر وہ زنا کا اعتراف کرلے تو پھر اس کو رجم کروادیں۔ یہ اس وقت کا واقعہ ہوگا جب زنا کے بارے میں قرآن مجید کا حکم ابھی نازل نہیں ہوا تھا۔ ایسی صورت میں نبی ﷺ کا عمل شریعت سابقہ پر ہوتا تھا۔ دوسری روایت میں یہ ہے کہ کچھ لوگوں نے پنچایت کے طریقہ پر فیصلہ کچھ اور کیا تھا لیکن اس پر اطمینان نہیں ہوا تو آنحضرت ﷺ کے پاس آئے۔ آپ نے ان کے فیصلہ کو منسوخ کردیا اور انیس سے کہا کہ جا کر اس عورت سے پوچھو اور اگر وہ اعتراف جرم کرلے تو رجم کردو۔ اس سے بھی

معلوم ہوتا ہے کہ یہ ابتدائی دور کا واقعہ ہے۔

۱۴۔ حَدَّثَنَا ابْنُ سَلَامٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُالْوَهَّابِ الثَّقَفِيُّ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ الْحَارِثِ قَالَ جِيءَ بِالنُّعَيْمَانِ أَوِ ابْنِ النُّعَيْمَانِ شَارِبًا فَأَمَرَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ كَانَ فِي الْبَيْتِ أَنْ يَضْرِبُوا قَالَ فَكُنْتُ أَنَا فِيمَنْ ضَرَبَهُ فَضَرَبْنَاهُ بِالنِّعَالِ وَالْجَرِيدِ.

﴿عقبہ بن الحارث روایت کرتے ہیں کہ نعیمان یا ابن نعیمان کو اس حالت میں لایا گیا کہ وہ شراب پیے ہوئے تھا تو آنحضرت ﷺ نے گھر کے اندر جو لوگ موجود تھے ان کو حکم دیا کہ اس کو مارو۔ وہ کہتے ہیں کہ میں بھی ان لوگوں میں تھا جنہوں نے اس کو مارا اور ہم نے اس کو جوتوں سے اور کھجور کی شاخ سے مارا۔﴾

وضاحت:

صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی ابتدائی دور کا واقعہ ہے کہ اس طریقہ سے سزا دے کر معاملہ نمٹا دیا جاتا تھا۔ یہ بات البتہ قابل غور ہے کہ شراب کی یہ سزا حدود میں شامل ہے یا تعزیرات میں۔ حدود کا مطلب یہ ہے کہ قرآن میں کوئی حکم بیان ہوا ہے یا پیغمبر ﷺ نے کوئی حکم دیا ہے، اور یہ بھی متعین ہو کہ اس طریقہ سے اتنی سزا دی جائے۔ شراب کی سزا قرآن میں تو نہیں ہے۔ یہاں جو سزا دی ہے اس کی نوعیت تعزیر کی ہے کہ کچھ جوتے مارے اور کچھ چھڑی سے پٹائی کر دی۔ شراب خوری کی اسی کوڑے کی سزا کا حد ہونا بظاہر ثابت نہیں ہے۔ وہ تو ایک استنباط ہے کہ آدمی شراب پی کر بہکتا ہے اور لوگوں پر تہمت لگاتا ہے تو قذف کی جو سزا ہے وہ شراب پینے والے کے لیے رکھ دی جائے۔ یہ استنباط میرے نزدیک ضعیف ہے۔ تاہم یہ دیکھنا پڑے گا کہ روایت کے لحاظ سے اس کی نوعیت کیا ہے۔ میں اس وقت اس پوزیشن میں نہیں ہوں کہ اس پر کوئی قطعی بات کروں۔ جب روایت سامنے آئے گی تب بحث ہو سکتی ہے۔ یہ بات بھی یاد رکھیے کہ تمدن کی ترقی کے ساتھ حدود اور تعزیرات کی تعمیل میں باضابطگی اور باقاعدگی ہوگی اور کوڑے مارنے اور خود کوڑے کی نوعیت متعین ہوگی۔

۱۴. بَابُ: الْوَكَالَةِ فِي الْبُدْنِ وَتَعَاهُدِهَا

باب: قربانی کے جانوروں کے بارے میں وکالت اور ان کی نگرانی

۱۵۔ حَدَّثَنَا إِسْمَعِيلُ بْنُ عَبْدِاللَّهِ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ" عَنْ عَبْدِاللَّهِ بْنِ أَبِي بَكْرِ بْنِ حَزْمٍ عَنْ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ أَنَّهَا أَخْبَرَتْهُ قَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا أَنَا فَتَلْتُ قَلَائِدَ هَدْيِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ بِيَدَيَّ ثُمَّ قَلَّدَهَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بِيَدَيْهِ ثُمَّ بَعَثَ بِهَا مَعَ أَبِي فَلَمْ يَحْرُمْ عَلَى رَسُولِ

اللّٰهِ ﷺ شَیْءٌ" اَحَلَّهُ اللّٰهُ لَهٗ حَتّٰی نُحِرَ الْهَدْیُ.

﴿حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے قربانی کے جانوروں کے پٹے اپنے ہاتھوں سے بٹے اور رسول اللہ ﷺ نے ان کو اپنے ہاتھوں سے باندھا، پھر ان کو میرے باپ کے ساتھ بھیجا لیکن آنحضرت ﷺ پر کوئی چیز، جسے اللہ نے ان کے لیے حلال کیا تھا، حرام نہیں ہوئی یہاں تک کہ قربانی ہو گئی۔﴾

وضاحت:

ہدی کے جانور وہ ہوتے ہیں جن کے بارے میں یہ نیت ہو کہ ان کو مکہ لے جا کر قربان کیا جائے گا۔ مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ کو اپنے جانوروں کی قربانی کے معاملہ میں وکیل کیا کہ وہ مکہ لے جا کر قربانی کر دیں۔ جانور مکہ بھیجنے کے باعث حضور پر احرام کی پابندیاں عائد نہیں ہوئیں۔ یعنی اللہ تعالی کی طرف سے رخصت ہے کہ اس صورت میں جانوروں کی قربانی تک بھیجنے والے پر احرام کی پابندی نہیں ہوگی۔ اس لیے بعض لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ قربانی کی نیت کے بعد پابندی ہوگی ان کا موقف غلط ہے۔ روایت صاف ہے کہ آپ قربانی کے لیے وکیل بنا سکتے ہیں۔

١٥. باب: اِذَا قَالَ الرَّجُلُ لِوَكِيلِهٖ ضَعْهُ حَيْثُ اَرَاكَ اللّٰهُ وَقَالَ الْوَكِيلُ قَدْ سَمِعْتُ مَا قُلْتَ

باب: جب کوئی شخص اپنے وکیل سے کہے کہ اس کو آپ اس مصرف میں لائیں جو اللہ بجھا دے اور وکیل جواب دے کہ میں نے آپ کی بات سن لی

١٦۔ حَدَّثَنِی یَحْیَی بْنُ یَحْیَی قَالَ قَرَاْتُ عَلٰی مَالِکٍ عَنْ اِسْحٰقَ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ اَنَّهٗ سَمِعَ اَنَسَ بْنَ مَالِکٍ یَقُوْلُ کَانَ اَبُوْطَلْحَةَ اَکْثَرَ الْاَنْصَارِ بِالْمَدِیْنَةِ مَالًا وَ کَانَ اَحَبُّ اَمْوَالِهٖ اِلَیْهِ بَیْرُحَاءَ وَ کَانَتْ مُسْتَقْبِلَةَ الْمَسْجِدِ وَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یَدْخُلُهَا وَ یَشْرَبُ مِنْ مَاءٍ فِیْهَا طَیِّبٍ فَلَمَّا نَزَلَتْ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ قَامَ اَبُوْ طَلْحَةَ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی یَقُوْلُ فِیْ کِتَابِهٖ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ وَ اِنَّ اَحَبَّ اَمْوَالِیْ اِلَیَّ بَیْرُحَاءَ وَ اِنَّهَا صَدَقَةٌ لِلّٰهِ اَرْجُوْا بِرَّهَا وَ ذُخْرَهَا عِنْدَاللّٰهِ فَضَعْهَا یَا

رَسُولَ اللّٰہِ حَیْثُ شِئْتَ فَقَالَ بَخٍ ذَالِکَ مَالٌ" رَائِحٌ" ذَالِکَ مَالٌ" رَائِحٌ" قَدْ سَمِعْتُ مَا قُلْتَ فِیْھَا وَ اَرٰی اَنْ تَجْعَلَھَا فِی الْاَقْرَبِیْنَ قَالَ اَفْعَلُ یَا رَسُولَ اللّٰہِ فَقَسَمَھَا اَبُو طَلْحَۃَ فِی اَقَارِبِہٖ وَ بَنِی عَمِّہٖ تَابَعَہٗ اِسْمٰعِیْلُ عَنْ مَالِکٍ وَ قَالَ رَوْحٌ" عَنْ مَالِکٍ رَابِحٌ".

﴿انس بن مالکؓ کہتے ہیں کہ حضرت ابوطلحہؓ مدینہ کے انصار میں سب سے زیادہ مال دار تھے اور ان کا بہترین مال ان کا باغ بیرحاء تھا جو مسجد کے سامنے تھا۔ نبی ﷺ اس میں تشریف لے جایا کرتے اور اس کا شیریں پانی پیا کرتے تھے۔ جب یہ آیت اتری کہ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ (تم اللہ کی وفاداری کا درجہ حاصل نہیں کر سکتے جب تک کہ اپنا محبوب مال نہ خرچ کرو) تو ابوطلحہؓ اٹھے اور نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے کہ لَنْ تَنَالُوْا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ. میرا محبوب ترین مال یہ باغ بیرحاء ہے تو وہ اللہ کی راہ میں صدقہ ہے۔ اللہ کے ہاں اس کا ثواب اور اس کا اجر چاہتا ہوں۔ آپ جہاں چاہیں اس کو خرچ کیجئے۔ آپ نے فرمایا، بہت خوب! یہ تو بہت نفع بخش مال ہے، بہت نفع بخش مال ہے۔ میں نے تمہاری بات سن لی اور میری رائے یہ ہے کہ تم اس کو اپنے اقربا میں تقسیم کردو۔ تو انہوں نے کہا کہ یارسول اللہ ایسا ہی کروں گا۔ پھر ابوطلحہؓ نے اس کو اپنے اقربا اور بنی عم میں تقسیم کردیا۔﴾

وضاحت:

یہ روایت بہت مشہور ہے اور کئی جگہ آئی ہے لیکن امام صاحب نے جو باب باندھا ہے اس سے ان کا کیا مطلب ہے؟ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔ حضرات صحابہؓ قرآن مجید کی ایک ایک آیت کی بے حد قدر کرتے تھے اور جو حکم سنتے اس پر فوراً عمل کرتے تھے۔ ابوطلحہؓ نے بھی ایسا ہی کیا۔ عام طور پر ذہنوں میں یہ خیال ہے کہ صدقہ غریب اور فقیر ہی کو دیا جائے تو عنداللہ اجر ہوتا ہے لیکن اس روایت سے یہ بات نکلتی ہے کہ اعزاء اور اقرباء کو دینے کا بھی وہی اجر ہے۔

۱۶. بابُ : وَکَالَۃِ الْاَمِیْنِ فِی الْخِزَانَۃِ وَ نَحْوِھَا

باب: خزانہ وغیرہ کا امین بنائے گئے شخص کی وکالت

۱۷۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ حَدَّثَنَا اَبُو اُسَامَۃَ عَنْ بُرَیْدِ بْنِ عَبْدِاللّٰہِ عَنْ اَبِی بُرْدَۃَ عَنْ اَبِی مُوْسٰی رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ الْخَازِنُ الْاَمِیْنُ الَّذِی یُنْفِقُ وَ رُبَّمَا قَالَ الَّذِی یُعْطِی

مَا أُمِرَ بِهٖ كَامِلًا مُوَفَّرًا طَيِّبًا نَفْسُهٗ اِلَى الَّذِىْ اُمِرَ بِهٖ اَحَدُ الْمُتَصَدِّقِيْنَ.

﴿ابو موسیٰؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ وہ امانت دار خزانچی جو خرچ کرتا ہے یا شاید فرمایا کہ جو پورا دیتا ہے، حکم کے مطابق خوشی کے ساتھ، جس کے لیے حکم دیا گیا تو وہ بھی صدقہ دینے والوں میں شریک ہے۔﴾

وضاحت:

یہ روایت معمولی الفاظ کے فرق کے ساتھ اوپر گزر چکی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ خازن جو خزانے پر مقرر ہے اور بڑی خوش دلی اور دیانت داری کے ساتھ ادائیگی کرتا ہے تو وہ صدقہ کرنے والوں میں سے گنا جائے گا۔

کتاب المزارعۃ

كتاب المزارعة

مَا جَاءَ فِي الْحَرْثِ وَالْمُزَارَعَةِ

کھیتی باڑی اور بٹائی کے بارے میں روایات

۱۔ باب: فَضْلِ الزَّرْعِ وَالْغَرْسِ إِذَا أُكِلَ مِنْهُ

وَ قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى: أَفَرَءَيْتُم مَّا تَحْرُثُونَ ءَأَنتُمْ تَزْرَعُونَهُ أَمْ نَحْنُ الزَّارِعُونَ لَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَاهُ حُطَامًا.

باب: زراعت اور درخت لگانے کی فضیلت جب کہ اس میں سے لوگ کھائیں

اور اللہ تعالیٰ کا قول کہ غور تو کرو ان چیزوں پر جن کی تم کھیتی باڑی کرتے ہو، کیا تم ان کو پروان چڑھاتے ہو یا ہم ان کے پروان چڑھانے والے ہیں؟ اگر ہم چاہیں تو ان سب کو ریزہ ریزہ کر کے رکھ دیں۔

وضاحت:

صحیح بخاری کے جتنے نسخے ہیں ان میں یہ باب الگ الگ ہے اور بعض نسخوں میں یہ باب سرے سے نہیں ہے۔ توجہ اس لیے دلا رہا ہوں کہ اس پر کاوش کرنا کوہ کندن کاہ برآوردن ہے۔ قرآن کی جو آیت نقل ہوئی ہے اس کا باب سے کوئی تعلق نہیں ہے، اس لیے کہ یہ آیت فضیلت کے بارے میں نہیں ہے بلکہ تقدیر اور اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت کی تذکیر کے بارے میں ہے۔ اس میں تنبیہ ہے کہ جو کچھ تم بوتے ہو ذرا غور تو کرو کہ کیا اس کے پروان چڑھانے میں تمہاری خدمت و حکمت کو دخل ہے یا ہم اس کو پروان چڑھاتے ہیں۔ ہم اگر چاہیں تو اس کو ریزہ ریزہ بھی کر سکتے ہیں۔

۱۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ ح وَ حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ الْمُبَارَكِ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَغْرِسُ غَرْسًا

اَوْ يَزْرَعُ زَرْعًا فَيَأْكُلُ مِنْهُ طَيْرٌ" اَوْ اِنْسَانٌ" اَوْ بَهِيْمَةٌ" اِلَّا كَانَ لَهُ بِهٖ صَدَقَةٌ" وَ قَالَ لَنَا مُسْلِمٌ" حَدَّثَنَا اَبَانُ حَدَّثَنَا قَتَادَةُ حَدَّثَنَا اَنَسٌ ؓ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ.

﴿حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ کوئی مسلمان جو درخت لگاتا یا کوئی کھیتی بوتا ہے پھر اس میں سے پرندے یا انسان یا چوپائے کھاتے ہیں تو اس کا کھایا جانا مسلمان کے لیے صدقہ بنتا ہے۔﴾

وضاحت:

کوئی شخص جو کھیتی باڑی کرتا یا درخت لگاتا ہے اور اس میں سے اللہ کے دوسرے بندوں کو پھل جاتا ہے یا جانور کھا لیتے ہیں تو یہ اس کے لیے خسارہ نہیں ہے بلکہ اس کا صدقہ ہوگا، اور جانور اور پرندے یا چوپائے اپنا حق لے لیں گے۔ البتہ اس شخص کے مسلمان ہونے کی شرط ضروری ہے اور یہ فطری ہے، اس لیے کہ جو شخص اللہ کو اور روز جزا و سزا کو نہیں مانتا تو آخرت میں اس کے حق کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ مسلمان کے لیے یہ صدقہ اس لیے بن جائے گا کہ وہ اللہ کو، روز جزا و سزا کو، اور رسول کو ماننے والا ہے اور وہ آخرت کے لیے نیک اعمال کرتا ہے۔

٢. بَابُ: مَا يُحَذَّرُ مِنْ عَوَاقِبِ الْاِشْتِغَالِ بِآلَةِ الزَّرْعِ اَوْ مُجَاوَزَةِ الْحَدِّ الَّذِيْ اُمِرَ بِهٖ.

باب: کھیتی باڑی کے آلات کے ساتھ زیادہ مشغولیت اور اس حد سے، جس کا حکم دیا گیا ہے، تجاوز کے نتائج سے بچنا چاہیے۔

٢۔ حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ سَالِمِ الْحِمْصِيُّ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ زِيَادِ الْاَلْهَانِيُّ عَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ الْبَاهِلِيِّ قَالَ وَ رَاٰى سِكَّةً وَ شَيْئًا مِنْ آلَةِ الْحَرْثِ فَقَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُوْلُ لَا يَدْخُلُ هٰذَا بَيْتَ قَوْمٍ اِلَّا اَدْخَلَهُ اللّٰهُ الذُّلَّ.

﴿ابوامامہ باہلیؓ نے ہل کا ایک پھل اور کچھ آلات کھیتی باڑی کے دیکھے تو انہوں نے کہا کہ میں نے نبی ﷺ کو فرماتے سنا ہے کہ جس قوم کے گھر میں یہ چیزیں داخل ہو جاتی ہیں، اللہ اس میں ذلت کو داخل کر دیتا ہے۔﴾

وضاحت:

روایت کے الفاظ کے مطابق ابوامامہ باہلی نے ہل اور کھیتی باڑی کا کچھ سامان دیکھا تو یہ حدیث بیان کی کہ جو قوم

ان چیزوں کو گھروں میں داخل کر لیتی ہے تو وہ ان میں ذلت کو داخل کرتی ہے۔ یہ الفاظ بالکل واضح ہیں، ان میں کسی طرح کا اشتباہ نہیں رہنے دیا گیا جس کی وجہ سے مفہوم بدلنے کی کوئی گنجائش نکالنا ممکن نہیں۔ امام صاحب اس روایت کو جس باب میں لائے ہیں اس کا مفہوم یہ ہے کہ کھیتی باڑی اور اس طرح کی دوسری چیزوں میں حد سے بڑھی ہوئی مشغولیت مناسب نہیں۔ اس کے مفاسد سے بچنا چاہیے۔ باب کی یہ بات روایت کے الفاظ سے بالکل نہیں نکلتی۔

جہاں تک حد سے بڑھی ہوئی مشغولیت کا تعلق ہے تو وہ کھیتی باڑی ہی پر منحصر نہیں ہے۔ جس چیز میں بھی آپ اتنے منہمک ہو جائیں کہ حدود سے تجاوز کر جائیں تو وہ آپ کے لیے فتنہ بن جائے گی حتیٰ کہ تجارت اور نماز روزہ میں حد سے بڑھا ہوا اشتغال بھی فتنہ بن سکتا ہے۔ آخر رہبانیت میں کیا غلطی تھی؟ اللہ تعالیٰ نے بھی اس کی تعریف کی، لیکن غلطی یہ ہوئی کہ اس میں حدود سے تجاوز ہو گیا اور اسلام میں اس سے روک دیا گیا۔

اب الفاظ حدیث پر غور کیجئے۔ کیا واقعی کھیتی باڑی گھروں میں ذلت لاتی ہے۔ قریش کا پیشہ تجارت اور گلہ بانی تھا جبکہ مدینہ کے انصار کا ذریعہ معاش کھیتی باڑی تھا۔ لیکن یہ انصار ہی تھے جنہوں نے مہاجرین کو تحفظ فراہم کیا۔ وہ اپنے شہر کے معزز لوگوں میں تھے جن کے معاہدات دوسرے قبائل حتیٰ کہ یہودی قبائل کے ساتھ بھی تھے۔ ذلت نام کی کوئی چیز ان کے ہاں نہیں پائی گئی۔ اس سے انکار نہیں کہ ہر پیشے کے لوگوں میں کچھ خصوصیات ہوتی ہیں لیکن بہر حال وہ انسانیت کے دائرہ میں اسی کا ایک پہلو ہوتی ہیں۔ تمدن اور معاشرت کے قیام و بقا کے لیے جتنے پیشے ہیں ان میں سے کوئی پیشہ بھی ذلیل نہیں ہے اور کھیتی باڑی بھی معاشی زندگی کے ذرائع میں ایک اہم ذریعہ ہے۔ ہر پیشہ اپنی جگہ بمنزلہ ایک رکن کے ہے۔ یہ تو ہم اور آپ اپنی تنگ ظرفی کی وجہ سے نائی، دھوبی، لوہار وغیرہ کو نہ جانے کیا کیا بنا کر ہر ایک کے ساتھ کچھ چپکاتے جاتے ہیں تا کہ ان کا مذاق اڑائیں۔ نفسیات کے اصولوں کی روشنی میں بھی کسی قوم پر اس کے معاشی ذرائع کا، اس کے کاروبار کا، ایک خاص اثر ضرور پڑتا ہے لیکن یہ سب انسانی دائرہ کے اندر ہوگا۔ اس میں سے کسی کو آپ حقیر و ذلیل نہیں گردان سکتے۔ یہ سب پیشے معاشرہ کے لیے ضروری ہیں اور یکساں عزت کے مستحق ہیں۔ ان میں تفاوت ہوگا تو دوسرے پہلو سے ہوگا کہ کس کی افادیت کتنی ہے۔

میرے خیال میں ابوامامہ نے جو روایت کی ہے اس کی اصل جاہلیت سے چلی آرہی تھی۔ اس زمانہ کے اقوال موجود تھے۔ جب لوگوں نے موقع پایا تو ان کو روایت میں گھسا دیا۔ آنحضرت ﷺ یہ کیسے کہہ سکتے ہیں جب کہ آپ ہر قسم کی محنت کے قدردان تھے اور یہ بھی جانتے تھے کہ اسلام کے ابتدائی نظام کی ریڑھ کی ہڈی انصار ہیں اور ان کی تمام معاش و معیشت کا انحصار کھیتی باڑی پر تھا۔ یہ بات بھی ملحوظ رکھیے کہ یہ روایت پچھلی روایت کے منافی بھی ہے۔ سابق روایت میں تو یہ ہے کہ کھیتی باڑی میں بڑی فضیلت ہے اور یہ بات انسانی تقاضوں اور اسلام کے مزاج کے مطابق ہے۔ امام صاحب کی مجبوری یہ ہے کہ یہ روایت راویوں کے اعتبار سے ان کے معیار پر پوری اتر گئی تو اس کو انہوں نے قبول کر لیا۔ پھر باب کا عنوان قائم کرنے میں تکلف سے کام لیا۔ البتہ ان دونوں روایتوں میں سے ہم ایک کو قبول کر سکتے ہیں اور پہلی روایت ہی کو

قبول کرنا مناسب ہے۔

۳. بابُ: اقْتِنَاءِ الْكَلْبِ لِلْحَرْثِ

باب: کھیت کی حفاظت کے لیے کتا رکھنا

۳۔ حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ فَضَالَةَ حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ أَمْسَكَ كَلْبًا فَإِنَّهُ يَنْقُصُ كُلَّ يَوْمٍ مِنْ عَمَلِهِ قِيرَاطٌ إِلَّا كَلْبَ حَرْثٍ أَوْ مَاشِيَةٍ وَ قَالَ ابْنُ سِيرِينَ وَ أَبُو صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ إِلَّا كَلْبَ غَنَمٍ أَوْ حَرْثٍ أَوْ صَيْدٍ وَقَالَ أَبُو حَازِمٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ كَلْبَ صَيْدٍ أَوْ مَاشِيَةٍ.

﴿ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جس نے کوئی کتا رکھا تو وہ اس کے عمل میں سے ہر روز بقدر ایک قیراط کے کمی کردے گا بجز اس کے کہ وہ کتا کھیتی یا مویشیوں کی حفاظت کے لیے ہو۔ ابن سیرین اور ابو صالح کے الفاظ یہ ہیں کہ بجز اس کے کہ وہ کتا جو بکریوں یا کھیتی یا شکار کے لیے ہو۔ اور ابو حازم کی روایت میں شکار یا ریوڑ کا کتا مستثنیٰ ہے۔﴾

۴۔ حَدَّثَنَا عَبْدُاللَّهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ يَزِيدَ بْنِ خُصَيْفَةَ أَنَّ السَّائِبَ بْنَ يَزِيدَ حَدَّثَهُ أَنَّهُ سَمِعَ سُفْيَانَ بْنَ أَبِي زُهَيْرٍ رَجُلًا مِنْ أَزْدِ شَنُوءَةَ وَ كَانَ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ مَنِ اقْتَنَى كَلْبًا لَا يُغْنِي عَنْهُ زَرْعًا وَلَا ضَرْعًا نَقَصَ كُلَّ يَوْمٍ مِنْ عَمَلِهِ قِيرَاطٌ قُلْتُ أَنْتَ سَمِعْتَ هَذَا مِنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ قَالَ إِي وَ رَبِّ هَذَا الْمَسْجِدِ.

﴿سائب بن یزید کہتے ہیں کہ میں نے ازدشنوءہ قبیلہ کے سفیان بن ابی زہیر سے سنا جو آنحضرت ﷺ کے صحابی تھے۔ وہ بیان کرتے تھے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ جس نے کتا رکھا اور وہ نہ اس کی کھیتی کے لیے ضروری ہے اور نہ اس کے مویشی کے لیے، تو ہر روز ایک قیراط کے بقدر اس کے عمل میں سے کمی ہو جائے گی۔ سائب کہتے ہیں کہ میں نے سفیان سے پوچھا کیا تم نے خود یہ آنحضرت ﷺ سے سنا، انہوں نے کہا ہاں، اس مسجد کے رب کی قسم۔﴾

وضاحت:

ایک قیراط سے کیا مراد ہے، صحیح طور پر نہیں بتایا جا سکتا۔ بس ایک تصور دیا گیا ہے کہ اتنے کی کمی ہو جائے گی اور عمل سے مراد ظاہر ہے کہ نیک عمل ہے۔ کھیتی، ریوڑ کی حفاظت اور شکار کے مقصد سے پالے ہوئے کتے مستثنیٰ ہیں۔ کھیتی باڑی اور شکار وغیرہ کے لیے کتا رکھنا تو قدیم زمانہ سے چلا آ رہا ہے۔ اب تمدن کی ترقی کے ساتھ ساتھ کتے کی افادیت، ضرورت اور اہمیت پہلے سے بڑھ گئی ہے اور دائرہ بھی وسیع ہو گیا ہے۔ فوج میں اس کی بڑی اہمیت ہے۔ کسٹم والے خاص ضرورت کے تحت اس کو رکھتے ہیں۔ اس کے بغیر تفتیش ادھوری رہ جاتی ہے۔

روایت کا کوئی محل ہو سکتا ہے تو میرے نزدیک یہ ہے کہ شوقیہ اور فیشن کے لیے جو کتے پالے جاتے ہیں جو بالعموم میم صاحبہ اور صاحب لوگوں کی بغل میں رہتے ہیں، روایت میں وہ مراد ہیں۔ ان میں یقیناً نیک عمل کم ہوتا ہے۔

۴. بابُ: اسْتِعْمَالِ الْبَقَرِ لِلْحِرَاثَةِ

باب: کھیتی کے لیے گائے بیل سے کام لینا

۵. حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ " حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سَعْدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ بَيْنَمَا رَجُلٌ " رَاكِبٌ " عَلَى بَقَرَةٍ الْتَفَتَتْ إِلَيْهِ فَقَالَتْ لَمْ أُخْلَقْ لِهٰذَا خُلِقْتُ لِلْحِرَاثَةِ قَالَ آمَنْتُ بِهِ أَنَا وَ أَبُوبَكْرٍؓ وَ عُمَرُؓ وَ أَخَذَ الذِّئْبُ شَاةً فَتَبِعَهَا الرَّاعِي فَقَالَ لَهُ الذِّئْبُ مَنْ لَهَا يَوْمَ السَّبُعِ يَوْمَ لَا رَاعِيَ لَهَا غَيْرِي، قَالَ آمَنْتُ بِهِ أَنَا وَ أَبُوبَكْرٍؓ وَ عُمَرُؓ، قَالَ أَبُو سَلَمَةَ وَ مَا هُمَا يَوْمَئِذٍ فِي الْقَوْمِ.

﴿حضرت ابو ہریرہؓ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص بیل پر سوار جا رہا تھا کہ بیل نے شخص کی طرف متوجہ ہو کر کہا میں اس لیے پیدا نہیں ہوا، میں تو کھیتی کے لیے پیدا ہوا ہوں۔ آپ نے کہا میں اس پر ایمان لایا اور ابوبکرؓ اور عمرؓ بھی۔ اور اسی سلسلے میں یہ بات بھی تھی کہ بھیڑیے نے ایک بکری کو پکڑ لیا تو چرواہے نے اس کا پیچھا کیا تو بھیڑیے نے چرواہے سے کہا (آج تو تم میرے پیچھے پڑ گئے لیکن) درندوں کی حکمرانی کے دن اس کو کون بچائے گا جس دن اس کا چرواہا میرے سوا کوئی نہ ہوگا۔ اس پر بھی آنحضرت ﷺ نے فرمایا میں اس پر ایمان لایا اور ابوبکرؓ و عمرؓ بھی۔ ابوسلمہ کہتے ہیں کہ یہ دونوں حضرات اس دن مجلس میں موجود نہ تھے۔﴾

وضاحت:

اس روایت میں مشکلات کا اندازہ اسی سے ہو جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے زور دے کر فرمایا کہ میں اس پر ایمان لایا اور ابوبکرؓ اور عمرؓ بھی۔ ظاہر ہے کہ یہ بات بے موقع نہیں کہی جائے گی، اس موقع پر کہی جائے گی جب کہ اندیشہ ہو کہ لوگ اس کا انکار کریں گے یا واقعۃً انکار موجود ہو کہ بیل کا بولنا کیا ہے اور بھیڑیے کا کلام کرنا کیسے ممکن ہے۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا ہو کہ دوسرے لوگ مانیں یا نہ مانیں، میں، ابوبکر اور عمر اس کو تسلیم کرتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب روایت بیان کی گئی تو اس پر اسی طرح کا ردعمل ہوا۔ روایت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ موقع ومحل کا لحاظ اور اس کی تفصیلات حذف کر دی گئی ہیں جس کی وجہ سے روایت میں الجھن پیدا ہو رہی ہے۔ گمان ہوتا ہے کہ خود حضرت ابوہریرہؓ نے ہی خلاصہ بیان کر دیا ہے اور موقع ومحل وغیرہ کو چھوڑ دیا ہے۔

روایت پڑھ کر مجھے خیال ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے بطور بیان واقعہ کے بنی اسرائیل کی تاریخ کا ایک قصہ بیان کیا ہوگا۔ بنی اسرائیل کے ہاں اس طریقہ کی روایات ہیں۔ اس کے بعد میں نے شرح عینی میں دیکھا تو پہلا قول اس معاملہ میں جو نقل ہوا ہے وہ یہ ہے کہ یہ روایت بنی اسرائیل کے سیاق وسباق کی ہے اور ان ہی سے متعلق ہے اور امام بخاری نے ایسا ہی سمجھا ہے۔ اس سے محسوس ہوا کہ میرا قیاس الل ٹپ نہیں تھا۔ اگر یہ اس سلسلے کی بات ہے تو آنحضرت ﷺ نے وضاحت فرمائی ہوگی کہ یہ واقعہ بنی اسرائیل کا ہے۔

وہ بات جو بیل یا بھیڑیے کی طرف منسوب ہوئی ہے، یہ ضروری نہیں کہ لازماً زبان قال سے ہو بلکہ زبان حال سے بھی ہو سکتی ہے۔ زبان حال سے بہت ساری باتیں ہوتی ہیں۔ ایک بھینس زبان حال سے پکارتی ہے کہ میں سواری کے لیے نہیں، یہ بات سمجھانے کے لیے اس کو تقریر کی ضرورت نہیں ہے۔ اسی طرح ایک گھوڑا زبان حال سے پکارتا ہے کہ میں سواری کے لیے ہوں۔ یہ بات حضور ﷺ نے کسی ایسے موقع پر فرمائی ہوگی جب لوگوں نے چیزوں سے بے محل کام لیا ہوگا اور ان کو صحیح مصرف میں نہیں لائے ہوں گے۔ اس پر حضور ﷺ نے یہ قصہ بیان کیا ہوگا۔

اس روایت میں ایک بات اور بھی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ بعد کے کسی راوی کو یہ بات کھٹکی ہے کہ لوگ اس کو عجوبہ بنائیں گے تو اس کو دور کرنے کے لیے اس ٹکڑے کا اس میں اضافہ کر دیا کہ میں ایمان لایا اور ابوبکرؓ اور عمرؓ بھی، چاہے کوئی نہ مانے۔ میرے نزدیک یہ ٹکڑا اس طرح روایت میں داخل ہوا ہے۔ تمام ذخیرۂ احادیث میں اور کہیں نہیں ملتا کہ آنحضرت ﷺ نے اس اختصاص کے ساتھ یہ بات فرمائی ہو جب کہ وہ دونوں حضرات صحابہؓ وہاں موجود بھی نہ ہوں۔ یہ الگ بات ہے کہ اختصاص حضرات شیخینؓ کو حاصل ہے لیکن یہاں اس کے اظہار کا محل سمجھ میں نہیں آتا۔ یہ ہو نہیں سکتا کہ کسی مجلس میں یہی دو حضرات آنحضرت ﷺ کا ساتھ دیں، باقی حضرات حیرت کا اظہار کرتے رہ جائیں۔ اس زمانہ میں کس کی مجال تھی کہ حضورؐ کی بات نہ مانتا۔ یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مخاطبوں نے تو بات کو خوب سمجھ لیا ہو لیکن راوی نے بات نہیں سمجھی اور

ایسے طریقہ سے نقل کر دی جس سے سوالات پیدا ہو گئے۔ اس نہج پر اس روایت کا اشکال اگر حل ہو جاتا ہے تو فبہا۔ ھذا ما عندی والعلم عنداللہ۔

۵۔ بابٌ: اِذَا قَالَ اکْفِنِی مَؤُونَةَ النَّخْلِ اَوْ غَیْرِہٖ وَ تُشْرِکُنِی فِی الثَّمَرِ.

باب: جب ایک شخص یہ کہے کہ آپ میرے نخلستان کی دیکھ بھال کی ذمہ داری لے کر پھل میں میرے شریک ہو جائیں۔

وضاحت:

مطلب یہ کہ اگر کوئی شخص کسی دوسرے کو نخلستان کی یا باغ کی دیکھ بھال کی ذمہ داری دیتا ہے تو وہ اس کو پھل میں حصہ دار بنا سکتا ہے۔ حصہ کیا ہو گا۔ اس کا تعلق حالات پر ہے۔ باغ ایسی جگہ ہے جہاں نہر کا پانی آسانی سے دستیاب ہے تو دیکھ بھال کی ذمہ داری میں حصہ کچھ اور ہوتا ہے اور پانی مشکل سے ملتا ہے اور زیادہ محنت کرنی پڑتی ہے تو حصہ زیادہ بھی ہو سکتا ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ نصف کا حصہ دار ہو گا لیکن یہ بات صحیح نہیں۔ حالات پر اس کا انحصار ہو گا اور عقل کا بھی یہی تقاضا ہے۔ اگر کھیتی میں کوئی شریک ہو تو بیج کا بھی سوال ہوتا ہے لہٰذا اس شکل میں بھی حصہ میں تبدیلی ہو گی۔

۲۔ حَدَّثَنَا الْحَکَمُ بْنُ نَافِعٍ اَخْبَرَنَا شُعَیْبٌ" حَدَّثَنَا اَبُو الزِّنَادِ عَنِ الْاَعْرَجِ عَنْ اَبِی ھُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَتِ الْاَنْصَارُ لِلنَّبِیِّ ﷺ اقْسِمْ بَیْنَنَا وَ بَیْنَ اِخْوَانِنَا النَّخِیْلَ قَالَ لَا فَقَالُوْا تَکْفُوْنَا الْمَؤُنَةَ وَ نُشْرِکُکُمْ فِی الثَّمَرَةِ قَالُوْا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا.

﴿ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ انصار نے نبی کریم ﷺ سے کہا کہ ہمارے نخلستان ہمارے اور مہاجرین کے درمیان تقسیم کر دیجئے تو آپؐ نے فرمایا نہیں (میں ایسا نہیں کروں گا) اس پر انصار نے مہاجرین سے کہا کہ آپ لوگ دیکھ بھال کی ذمہ داری اٹھائیں گے اور ہم آپ کو پیداوار میں شریک کریں گے تو مہاجرین نے کہا ہمیں قبول ہے۔﴾

وضاحت:

اس روایت میں موقع و محل حذف کر دیا گیا ہے۔ اس کا پس منظر یہ تھا کہ جب مہاجرین مدینہ آئے تو آنحضرت ﷺ نے انصار اور مہاجرین کے درمیان مواخات قائم کی۔ اب سوال یہ تھا کہ ان لوگوں کے گزارے کی کیا شکل ہو گی۔ تو انصار نے بڑھ کر یہ پیش کش کی کہ ہمارے نخلستان دونوں کے درمیان تقسیم کر دیے جائیں۔ یہ بات تو ضروری تھی کہ مہاجروں کے حق دار

ہونے کے باعث ان کی مدد کی جائے لیکن مدد کی ایسی شکلیں بھی اختیار کی جاسکتی تھیں جو وقتی اور عارضی ہوں کہ جب حالات سنبھل جائیں تو ان کو بدل دیا جائے۔ لہٰذا یہ ضروری نہیں تھا کہ اس کے لیے زمینداریاں تقسیم کردی جاتیں۔ انصار نے تو زمین تقسیم کرنے کی پیش کش کردی اور ان کے شایان شان بات یہی تھی لیکن آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ نہیں، بات اس حد تک نہیں بڑھانی ہے کہ ان لوگوں کو جائیداد میں شریک کردیا جائے۔ بلکہ موجودہ حالات میں ان کی مدد مقصود ہے۔ تب انصار نے بڑی فیاضی سے کہا کہ یہ ہمارے نخلستان ہیں۔ ان کی دیکھ بھال یہ کریں، پھل میں ہم ان کو شریک کرلیں گے۔ یہ تجویز معقول تھی، اس لیے مہاجرین نے اس کو مان لیا۔ کئی روایات ایسی موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مواخات کے باوجود مہاجرین نے انصار پر انحصار حتی الوسع کم کیا۔ اس روایت سے بھی واضح ہوتا ہے کہ انہوں نے کھیتوں میں محنت کرنے کی راہ اختیار کی۔

٦. بَابُ: قَطْعِ الشَّجَرِ وَالنَّخْلِ، وَ قَالَ اَنَس" اَمَرَ النَّبِيُّ ﷺ بِالنَّخْلِ فَقُطِعَ.

باب: درختوں اور کھجوروں کا کاٹنا۔ اور انس کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے حکم دیا تو کھجور کے درخت کاٹے گئے۔

٧. حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمٰعِيلَ حَدَّثَنَا جُوَيْرِيَةُ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ حَرَّقَ نَخْلَ بَنِي النَّضِيرِ وَ قَطَعَ وَ هِيَ الْبُوَيْرَةُ وَلَهَا يَقُولُ حَسَّانُ:

وَ هَانَ عَلٰى سَرَاةِ بَنِي لُؤَيٍّ

حَرِيْقٌ" بِالْبُوَيْرَةِ مُسْتَطِيْرٌ

﴿عبداللہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے بنی نضیر کے کھجور کے درختوں کو جلایا اور کاٹا۔ اس باغ کا نام بویرہ تھا اور اس کے بارے میں حسان کا ایک شعر ہے کہ بنی لوی کے سرداروں کے لیے بویرہ میں کھجوروں کے پھیلے ہوئے درختوں کو جلا دینا آسان ہوگیا تھا۔﴾

وضاحت:

غزوہ احد کے بعد یہودی قبیلہ بنو نضیر پر حملہ کیا گیا تو آنحضرت ﷺ نے اس موقع پر کھجوروں کے کچھ درخت کاٹنے کا حکم دیا اور کچھ جلانے کا۔ یہ جنگی مصلحت کا تقاضا تھا۔ اس پر پروپیگنڈہ کرنے والوں کو موقع مل گیا کہ بنو نضیر کی دشمنی

میں اچھے بھلے درختوں کو کٹوا دیا گیا۔ قرآن مجید میں سورہ حشر میں اس کی وضاحت کر دی گئی کہ کھجوروں کو کٹوانے کی جو کارروائی کی گئی تو وہ اللہ کے حکم سے کی گئی۔ چونکہ کفار کا اعتراض پروپیگنڈے کے پہلو سے نازک تھا اس لیے خود قرآن مجید نے اس کا جواب دیا کہ پروپیگنڈا کرنے والوں کا منہ بند کیا جائے اور عام مسلمان اس سے متاثر نہ ہوں۔

باب کی عبارت میں کھجور کے درخت جلانے اور کاٹنے کا ذکر ہے۔ یہ کوئی قابل اعتراض بات نہیں۔ کھجور کے درخت تو کٹتے ہی رہتے تھے۔ جلانے اور تعمیر مکان کے لیے ان کے تنے استعمال ہوتے تھے۔ باب یہ ہونا چاہیے تھا کہ کیا کسی جنگی مصلحت کے تحت دشمن کے کھجور یا باغ کٹوائے جا سکتے ہیں یا نہیں۔ اس صورت میں باب اور روایت میں مناسبت ہوتی۔ بہر حال آنحضرت ﷺ نے بنو نضیر کے جو درخت کٹوائے تھے اس کی شان نزول اور ہے۔ یہاں باب سے وہ بات نہیں نکلتی۔

یہ روایت حضرت عبداللہؓ سے ہے لیکن یہ کہنا مشکل ہے کہ عبداللہ نام کے کئی صحابہ میں سے یہ کون تھے۔

۸۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ اَخْبَرَنَا عَبْدُاللّٰهِ اَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ عَنْ حَنْظَلَةَ بْنِ قَيْسٍ الْاَنْصَارِيِّ سَمِعَ رَافِعَ بْنَ خَدِيْجٍ قَالَ كُنَّا اَكْثَرَ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ مُزْدَرَعًا كُنَّا نُكْرِي الْاَرْضَ بِالنَّاحِيَةِ مِنْهَا مُسَمًّى لِسَيِّدِ الْاَرْضِ، قَالَ فَمِمَّا يُصَابُ ذَالِكَ وَ تَسْلَمُ الْاَرْضُ وَ مِمَّا يُصَابُ الْاَرْضُ وَ يَسْلَمُ ذَالِكَ فَنُهِيْنَا وَ اَمَّا الذَّهَبُ وَالْوَرِقُ فَلَمْ يَكُنْ يَوْمَئِذٍ.

﴿حنظلہ بن قیس راوی ہیں کہ انہوں نے رافع بن خدیج سے سنا، وہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ مدینہ کے بڑے زمیندار تھے۔ ہم زمین کرایہ پر دیتے تھے اس شرط پر کہ زمین کے ایک معین حصے کی پیداوار مالک زمین کی ہوگی۔ کبھی ایسا ہوتا کہ وہ حصہ تو آفت زدہ ہو جاتا اور باقی زمین بچ رہتی تھی اور کبھی ایسا ہوتا کہ زمین آفت زدہ ہو جاتی اور وہ ٹکڑا محفوظ رہتا۔ تو ہم کو اس معاملہ سے روک دیا گیا۔ سونے اور چاندی کا رواج اس زمانے میں نہیں تھا۔﴾

وضاحت:

اس روایت کی بنیاد پر لوگ کہتے ہیں کہ اسلام میں مزارعت جائز نہیں ہے۔ لیکن میری رائے یہ ہے کہ اس روایت سے یہ بات نہیں نکلتی۔ یہاں شکل یہ ہے کہ مالک کسی شخص سے یہ طے کر لیتا ہے کہ ایک مخصوص خطے کی پیداوار میری ہو گی اور باقی زمین کی پیداوار تمہاری، اس شرط پر کھیتی کرو۔ اس طرح کے معاملہ سے منع کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام کا مسلم اصول ہے کہ جہاں ضرر و غرر ہوگا، وہ کاروبار درست نہیں ہے۔ معاملہ کی اس صورت میں یہ ہو سکتا ہے کہ آپ کے رقبہ میں فصل اچھی ہو جائے، مثلاً دھان میں ایسا ہوتا ہے کہ جس خطے میں پانی اچھا ملا وہاں فصل خوب ہوئی، دوسر کھیتی کرنے والے کے حصہ میں فصل خراب ہوگئی۔ مزارعت میں رقبہ مخصوص نہیں ہوتا بلکہ جو کچھ بھی پیداوار ہوتی ہے اس میں مالک زمین اور

کرایہ دار حصہ اور نفع نقصان میں برابر کے شریک ہوتے ہیں۔ ہاں دوسری شکل یہ ہے کہ آپ اپنا حصہ نقد وصول کر لیتے ہیں تو اس میں ضرر و غرر دونوں ہیں۔ اس لیے کہ آپ نے تو نقد وصول کر لیا۔ فصل اگر ماری جائے تو مزارع کو نقصان ہو جائے گا۔ اس پر میں بحث کر چکا ہوں کہ اس کا حل یہ ہے کہ نقصان کا لحاظ کیا جائے گا۔ اگر نقصان ایک تہائی سے کم ہے تو از روئے شریعت قابل در گذر ہے اور اگر ایک تہائی سے زیادہ ہوگا تو اس کی تلافی کی جائے گی۔

بعض لوگ مدافعت میں وہ روایت پیش کرتے ہیں کہ جس مسلمان کے پاس زمین ہے اس کے لیے اولیٰ ہے کہ خود کھیتی کرے اور اگر نہیں کرتا تو اپنے کسی بھائی کو دے دے کہ وہ کھیتی کرے۔ ان کے مطابق یہ روایت مزارعت کے منافی ہے۔ اس کو سمجھنے میں بھی ان سے غلطی ہوئی ہے۔ بطور موعظت اور نصیحت کے یہ بات کہی گئی ہے کہ اگر وہ خود کاشت نہیں کر رہا ہے تو یہ بڑی تنگی ہوگی کہ زمین کاشت کے لیے اپنے کسی بھائی کو دے دے۔

روایت کے آخر میں یہ جو آیا ہے کہ اس وقت سونے چاندی کا رواج نہیں تھا تو مطلب یہ ہے کہ پیداوار کی تقسیم کے معاملات میں تبادلے کے طور پر ان کا استعمال اس دور میں نہیں تھا۔ جنس کا جنس سے ہی لین دین ہوتا تھا۔

۷۔ باب: اَلْمُزَارَعَةِ بِالشَّطْرِ وَ نَحْوِهٖ.

وَ قَالَ قَيْسُ بْنُ مُسْلِمٍ عَنْ اَبِیْ جَعْفَرٍ قَالَ مَا بِالْمَدِيْنَةِ اَهْلُ بَيْتِ هِجْرَةٍ اِلَّا يَزْرَعُوْنَ عَلَى الثُّلُثِ وَالرُّبُعِ وَ زَارَعَ عَلِيٌّ" وَ سَعْدُ بْنُ مَالِكٍ وَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ مَسْعُوْدٍ وَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِالْعَزِيْزِ وَالْقَاسِمُ وَ عُرْوَةُ وَ آلُ اَبِیْ بَكْرٍ وَ آلُ عُمَرَ وَ آلُ عَلِيٍّ وَ ابْنُ سِيْرِيْنَ وَ قَالَ عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ الْاَسْوَدِ كُنْتُ اُشَارِكُ عَبْدَالرَّحْمٰنِ بْنَ يَزِيْدَ فِي الزَّرْعِ، وَ عَامَلَ عُمَرُ النَّاسَ عَلَى اِنْ جَاءَ عُمَرُ بِالْبَذْرِ مِنْ عِنْدِهٖ فَلَهُ الشَّطْرُ وَ اِنْ جَاؤُا بِالْبَذْرِ فَلَهُمْ كَذَا وَ قَالَ الْحَسَنُ لَا بَاْسَ اَنْ تَكُوْنَ الْاَرْضُ لِاَحَدِهِمَا فَيُنْفِقَانِ جَمِيْعًا فَمَا خَرَجَ فَهُوَ بَيْنَهُمَا، وَ رَاٰى ذَالِكَ الزُّهْرِيُّ وَ قَالَ الْحَسَنُ لَا بَاْسَ اَنْ يُجْتَنٰى الْقُطْنُ عَلَى النِّصْفِ وَ قَالَ اِبْرَاهِيْمُ وَ ابْنُ سِيْرِيْنَ وَ عَطَاءٌ" وَالْحَكَمُ وَالزُّهْرِيُّ وَ قَتَادَةُ لَا بَاْسَ اَنْ يُعْطِيَ الثَّوْبَ بِالثُّلُثِ اَوِ الرُّبُعِ وَ نَحْوِهٖ وَقَالَ مَعْمَرٌ" لَا بَاْسَ اَنْ تَكُوْنَ الْمَاشِيَةُ عَلَى الثُّلُثِ وَالرُّبُعِ اِلٰى اَجَلٍ مُسَمًّى.

باب: مزارعت نصف پر بھی ہو سکتی ہے اور اس سے زیادہ اور کم پر بھی ہو سکتی ہے۔

قیس بن مسلم، ابو جعفر سے روایت کرتے ہیں کہ مدینہ میں کوئی مہاجر خاندان ایسا نہیں تھا جو پیداوار کے ثلث پر یا چوتھائی پر زراعت نہ کرتے ہوں۔ حضرت علیؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، عمر بن عبدالعزیز،

قاسم، عروہ، حضرت ابوبکرؓ کے خاندان والے، حضرت عمرؓ کے خاندان والے، حضرت علیؓ کے خاندان والے اور ابن سیرین سب بٹائی پر مزارعت کیا کرتے۔ اور عبدالرحمٰن بن اسود کہتے ہیں کہ میں کھیتی میں عبدالرحمٰن بن یزید کا شریک رہتا۔ اور حضرت عمرؓ نے لوگوں سے اس شرط پر معاملہ کیا کہ اگر عمرؓ بیج دیں گے تو نصف ان کا حصہ ہوگا اور اگر بیج لوگوں کا ہوگا تو وہ اتنا حصہ لیں گے۔ اور حسن نے کہا کہ زمین اگر دو میں سے کسی ایک کی ہو اور وہ دونوں مل کر خرچ کریں اور زمین میں سے جو کچھ نکلے وہ آپس میں تقسیم کرلیں تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ اور یہی رائے زہری کی ہے۔ اور حسن نے کہا کہ اس میں بھی کوئی قباحت نہیں ہے کہ کپاس نصف پر چنوائی جائے۔ ابراہیم، ابن سیرین، عطاء، حکم، زہری اور قتادہ نے کہا کہ اس میں کوئی برائی نہیں ہے کہ جولاہے کو کپڑے میں تہائی یا چوتھائی کا شریک کرلیں۔ اور معمر نے کہا کہ اس میں کوئی قباحت نہیں کہ ایک جانور ثلث یا ربع پر ایک معین مدت تک دے دیا جائے۔

وضاحت:

امام بخاری نے اتنا بڑا باب باندھا ہے اور اس میں ساری معلومات جمع کردی ہیں کہ بٹائی نصف پر، ربع پر، تہائی پر غرضیکہ طے شدہ حصہ پر ہو سکتی ہے۔ مزارعت کے حق میں سارے فتوے جمع کر دیے ہیں۔ لوگ مزارعت کے خلاف امام ابوحنیفہ کے فتویٰ کا حوالہ دیتے ہیں۔ مجھے امام صاحب سے بڑا حسن ظن ہے۔ ان تمام اکابرین کے عمل کے ہوتے ہوئے وہ ایسی فضول بات کیسے کہہ سکتے ہیں کہ مزارعت ناجائز ہے۔ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ اور ان کے خاندان والوں نے، سب نے مزارعت کی ہے۔ اور حضرت عمرؓ نے معاملہ کیا کہ اگر وہ بیج دیں گے تو ان کا نصف حصہ ہوگا اور دوسرا بیج دے گا تو حصہ کچھ اور ہوگا۔ یہ بات تسلیم کرنا ممکن نہیں کہ یہ سب لوگ شریعت سے نابلد تھے یا محض اپنے فائدے کے لیے ایک ناجائز کام کرتے رہے۔

جولاہے کے بارے میں جو ذکر ہے کہ تہائی یا چوتھائی پر اس سے معاملہ ہو سکتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ روئی کی کچھ مقدار دے کر اس کا تہائی یا چوتھائی کپڑا لے لیا جائے۔ ظاہر ہے کہ اس میں کاتنے اور بننے کا لحاظ کیا جائے گا۔ اور جو جانور ثلث یا ربع پر ایک معین مدت کے لیے دیا جاتا تھا تو یہ ہو سکتا ہے کہ کھیت میں ہل چلانے کے لیے دیا جاتا ہو اور ایک معین مدت کے لیے ایک معین حصہ اس کے عوض لے لیا جاتا ہو۔

۹۔ حَدَّثَنَا اِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ حَدَّثَنَا اَنَسُ بْنُ عِيَاضٍ عَنْ عُبَيْدِاللّٰهِ عَنْ نَافِعٍ اَنَّ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَخْبَرَهُ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ عَامَلَ خَيْبَرَ بِشَطْرِ مَا يَخْرُجُ مِنْهَا مِنْ ثَمَرٍ اَوْ زَرْعٍ

فَكَانَ يُعْطِي أَزْوَاجَهُ مِائَةَ وَسْقٍ ثَمَانُوْنَ وَسْقَ تَمْرٍ وَ عِشْرُوْنَ وَسْقَ شَعِيْرٍ فَقَسَمَ عُمَرُ خَيْبَرَ فَخَيَّرَ أَزْوَاجَ النَّبِيِّ ﷺ أَنْ يُقْطِعَ لَهُنَّ مِنَ الْمَاءِ وَالْأَرْضِ أَوْ يُمْضِيَ لَهُنَّ فَمِنْهُنَّ مَنِ اخْتَارَ الْأَرْضَ وَ مِنْهُنَّ مَنِ اخْتَارَ الْوَسْقَ وَ كَانَتْ عَائِشَةُ اخْتَارَتِ الْأَرْضَ.

﴿ عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے خیبر کا معاملہ نصف پیداوار پر کیا تھا جو اس سے پیدا ہو خواہ وہ کھجور ہو یا غلہ۔ تو آنحضرت ﷺ اپنی ازواج کو اس میں سے سو وسق دیتے تھے، اسی وسق کھجور کے اور بیس وسق جو کے۔ جب حضرت عمرؓ نے خیبر کو تقسیم کرایا تو ازواج النبی ﷺ کو اختیار دے دیا کہ یا تو ان کے لیے زمین اور پانی متعین کر دیا جائے یا جو راشن ان کو ملتا رہا ہے وہ ملتا رہے۔ تو ان میں سے بعض نے زمین کا انتخاب کیا اور بعض نے پیداوار کا۔ حضرت عائشہؓ نے زمین کا انتخاب کیا۔ ﴾

وضاحت:

آنحضرت ﷺ نے خیبر کی زمین نصف پیداوار کی بٹائی پر یہود کو دی تھی۔ اور دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کہا تھا کہ جب تک ہم چاہیں تم یہ کام کرو گے۔ حضرت عمرؓ نے اپنے دور میں یہود کو بے دخل کر دیا اور زمین تقسیم کر دی۔ آپ نے ازواج النبی ﷺ کو اختیار دیا کہ جو راشن آنحضرت ﷺ نے ان کے لیے مقرر کیا تھا چاہیں تو وہ لیں یا چاہیں تو زمین لیں۔ حضرت عائشہؓ نے زمین لینا پسند کیا۔

٨. باب: إِذَا لَمْ يَشْتَرِطِ السِّنِيْنَ فِي الْمُزَارَعَةِ

باب: جب کوئی شخص اپنی زمین سالوں کی قید لگائے بغیر مزارعت پر دے دے

١٠۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ عَنْ عُبَيْدِاللّٰهِ حَدَّثَنِي نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ عَامَلَ النَّبِيُّ ﷺ خَيْبَرَ بِشَطْرِ مَا يَخْرُجُ مِنْهَا مِنْ ثَمَرٍ أَوْ زَرْعٍ.

﴿ عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے خیبر کی بٹائی نصف پر کر لی، خواہ پھل ہوں یا اناج۔ ﴾

وضاحت:

اس روایت میں یہ ذکر نہیں ہے کہ کتنے عرصے کے لیے، لیکن دوسری روایت میں ہے کہ حضور نے فرمایا کہ جب تک ہم چاہیں گے یہ انتظام رکھیں گے اور جب چاہیں گے تم کو الگ کر دیں گے۔ تو یہ بھی شرط ہوئی۔ خیبر کی بٹائی کا معاملہ نصف

پیداوار پر ہوا تھا۔ کیونکہ یہود نے درخواست کی تھی کہ آخر آپ زمین کا کوئی انتظام تو کریں گے تو ہمیں کام کرنے دیجئے۔ آنحضرت ﷺ نے مذکورہ شرط کے ساتھ زمین ان کے حوالہ کردی۔ لہذا امام صاحب کا باب اس معاملہ میں مجروح ہے۔

اس میں زیادہ سے زیادہ آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ جب چاہیں مزارع کو زمین سے بے دخل کردیں لیکن اس کی صورت بھی یہ نہیں ہو کہ فصل ابھی بیچ میں ہے، تیار ہونے میں کچھ وقت ہے اور آپ نے مزارع کو الگ کردیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کھیتی جو کھیت میں موجود ہے مزارع اس میں شریک ہے، وہ ایک حصہ کا مالک ہے۔ اس وجہ سے نکالنے کا وقت فصل پوری ہونے کے بعد مقرر ہوگا ورنہ ناانصافی ہوگی۔

۹ . باب:

۱۱۔ حَدَّثَنَا عَلِیُّ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ حَدَّثَنَا سُفْیَانُ قَالَ عَمْر "وَ قُلْتُ لِطَاوٗسٍ لَوْ تَرَکْتَ الْمُخَابَرَةَ فَاِنَّهُمْ یَزْعُمُوْنَ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ نَهٰی عَنْهُ قَالَ اَیْ عَمْرُو اِنِّی اُعْطِیْهِمْ وَ اُغْنِیْهِمْ وَ اِنَّ اَعْلَمَهُمْ اَخْبَرَنِیْ یَعْنِیْ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ لَمْ یَنْهَ عَنْهُ وَلٰکِنْ قَالَ اَنْ یَمْنَحَ اَحَدُکُمْ اَخَاهُ، خَیْرٌ "لَهٗ مِنْ اَنْ یَاْخُذَ عَلَیْهِ خَرْجًا مَعْلُوْمًا.

﴿عمرو کہتے ہیں کہ میں نے طاؤس سے کہا کہ مزارعت کا طریقہ آپ لوگ چھوڑ دیتے تو بہت اچھا تھا۔ اس لیے کہ لوگوں کا خیال ہے کہ نبی ﷺ نے اس سے روکا ہے۔ طاؤس نے جواب دیا اے عمرو، میں لوگوں کو زمین دیتا ہوں اور ان کو فائدہ پہنچاتا ہوں۔ اور لوگوں میں سب سے زیادہ جاننے والے یعنی ابن عباسؓ نے مجھے خبر دی ہے کہ نبی ﷺ نے اس چیز سے روکا نہیں تھا بلکہ یہ فرمایا تھا کہ یہ بات کہ ایک شخص زمین اپنے بھائی کو مفت دے دے بہتر ہے اس بات سے کہ اس پر متعین محصول لے۔﴾

وضاحت:

معلوم ہوا کہ عمرو کی رائے بھی کمزور رہی ہے اور وہ احتیاط کے طور پر کہتے ہیں کہ مزارعت نہ کی جائے۔ اس لیے کہ لوگ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔ طاؤس نے حضرت ابن عباسؓ کا حوالہ دیا کہ انہوں نے بتایا ہے کہ نبی ﷺ نے مزارعت سے روکا نہیں ہے۔ آپ کا مطلب یہ تھا کہ کسی کے پاس زمین ہے تو بہتر ہے کہ اپنے بھائی کو یوں ہی مفت کاشت کے لیے دے دے۔ یعنی یہ فضیلت اور احسان کا طریقہ ہے۔ یہ ایسا ہی ہے کہ کسی کے گھر میں کوئی کمرہ خالی ہو تو اپنے کسی بھائی کو مفت رہنے کے لیے دے دے۔ اس کے معنی یہ تو نہیں کہ مکان کا کرایہ ہی ختم ہوگیا۔ اس میں شبہ نہیں کہ حضرت ابن عباسؓ نے ان معاملات کو خوب سمجھا ہے۔ اس روایت سے قضیہ کی وضاحت ہوگئی۔

١٠. بَابُ: الْمُزَارَعَةَ مَعَ الْيَهُوْدِ

باب: یہود کے ساتھ مزارعت

١٢۔ حَدَّثَنَا ابْنُ مُقَاتِلٍ اَخْبَرَنَا عَبْدُاللّٰهِ اَخْبَرَنَا عُبَيْدُاللّٰهِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اَعْطَى خَيْبَرَ الْيَهُوْدَ، عَلٰى اَنْ يَعْمَلُوْهَا وَ يَزْرَعُوْهَا وَ لَهُمْ شَطْرُ مَا خَرَجَ مِنْهَا.

﴿حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خیبر یہودیوں کو دیا اس شرط پر کہ وہ وہاں محنت کریں اور کھیتی کریں۔ جو پیداوار ہوگی اس کا آدھا ان کا ہوگا۔﴾

وضاحت:

امام صاحب نے باب باندھا ہے کہ یہود کے ساتھ مزارعت ہو سکتی ہے یا نہیں۔ یہ ایک غیر ضروری سی بات ہے۔ مزارعت سب کے ساتھ ہو سکتی ہے۔ مفصل حدیث اوپر گزر چکی ہے۔

١١. باب: مَايُكْرَهُ مِنَ الشُّرُوْطِ فِي الْمُزَارَعَةِ

باب: وہ شرطیں جو مزارعت میں مکروہ ہیں

١٣۔ حَدَّثَنَا صَدَقَةُ بْنُ الْفَضْلِ اَخْبَرَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ يَحْيٰى سَمِعَ حَنْظَلَةَ الزُّرَقِيَّ عَنْ رَافِعٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كُنَّا اَكْثَرَ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ حَقْلًا وَ كَانَ اَحَدُنَا يُكْرِي اَرْضَهُ فَيَقُوْلُ هٰذِهِ الْقِطْعَةُ لِيْ وَ هٰذِهِ لَكَ فَرُبَّمَا اَخْرَجَتْ ذِهِ وَ لَمْ تُخْرِجْ ذِهِ فَنَهَاهُمُ النَّبِيُّ ﷺ.

﴿رافع کہتے ہیں کہ ہم مدینہ میں سب سے بڑے کھیتی کرنے والے تھے۔ ہم میں کوئی اس شرط پر زمین دیتا تھا کہ زمین کا یہ قطعہ میرے لیے اور یہ قطعہ تمہارے لیے ہے۔ پھر کبھی ایسا ہوتا کہ یہ قطعہ پیداوار دیتا اور وہ قطعہ پیداوار نہ دیتا تو نبی ﷺ نے اس سے منع فرمایا۔﴾

وضاحت:

اس روایت میں جس چیز سے روکا ہے اس کی شرح ہو چکی ہے۔ یعنی معاملہ کی یہ شکل مختلف ہے کہ رقبہ کا ایک حصہ آپ مخصوص کرلیں کہ اس کی پیداوار آپ کی ہوگی اور دوسرا مخصوص حصہ مزارع کو دیں کہ اس کی پیداوار وہ لے گا۔ اس میں

ضرر ہے اور اصول کے لحاظ سے ممنوع ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ایک حصہ میں فصل ہو دوسرا حصہ کچھ نہ دے یا اس کا الٹ ہو
جائے۔ اس لیے اس سے منع فرمایا ہے۔ فربما اخرجت ذه ولم تخرج ذه، یہ خیٹ عربی ہے جو صرف حدیثوں میں
آئی ہے۔ قرآن مجید کی زبان گو کہ سب سے اعلیٰ ہے لیکن اس میں اس طرح کے مباحث نہیں ہیں۔

۱۲۔ بابُ: إِذَا زَرَعَ بِمَالِ قَوْمٍ بِغَيْرِ إِذْنِهِمْ وَ كَانَ فِيْ ذَالِكَ صَلَاحٌ لَهُمْ

باب: کوئی آدمی کسی کے مال کو بغیر اس کی اجازت کے کھیتی میں لگا دے اور اس میں اس کی فلاح ہو تو جائز ہے۔

۱۴۔ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ حَدَّثَنَا أَبُو ضَمْرَةَ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنْ
عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ بَيْنَمَا ثَلَاثَةُ نَفَرٍ يَمْشُونَ اَخَذَهُمُ الْمَطَرُ
فَاوَوْا اِلَى غَارٍ فِي جَبَلٍ فَانْحَطَّتْ عَلَى فَمِ غَارِهِمْ صَخْرَةٌ مِنَ الْجَبَلِ فَانْطَبَقَتْ عَلَيْهِمْ فَقَالَ
بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ اُنْظُرُوْا اَعْمَالًا عَمِلْتُمُوْهَا صَالِحَةً لِلّٰهِ، فَادْعُوا اللّٰهَ بِهَا لَعَلَّهُ يُفَرِّجُهَا عَنْكُمْ قَالَ
اَحَدُهُمْ اَللّٰهُمَّ اِنَّهُ كَانَ لِيْ وَالِدَانِ شَيْخَانِ كَبِيْرَانِ وَلِيْ صِبْيَةٌ صِغَارٌ كُنْتُ اَرْعَى عَلَيْهِمْ فَاِذَا
رُحْتُ عَلَيْهِمْ حَلَبْتُ فَبَدَأْتُ بِوَالِدَيَّ اَسْقِيْهِمَا قَبْلَ بَنِيَّ وَ اِنِّي اسْتَاْخَرْتُ ذَاتَ يَوْمٍ فَلَمْ آتِ
حَتَّى اَمْسَيْتُ فَوَجَدْتُهُمَا نَامَا، فَحَلَبْتُ كَمَا كُنْتُ اَحْلُبُ فَقُمْتُ عِنْدَ رُءُوْسِهِمَا، اَكْرَهُ اَنْ
اُوْقِظَهُمَا، وَ اَكْرَهُ اَنْ اَسْقِيَ الصِّبْيَةَ وَالصِّبْيَةُ يَتَضَاغَوْنَ عِنْدَ قَدَمَيَّ حَتَّى طَلَعَ الْفَجْرُ فَاِنْ كُنْتَ
تَعْلَمُ اَنِّي فَعَلْتُهُ ابْتِغَاءَ وَجْهِكَ فَافْرُجْ لَنَا فَرْجَةً نَرَى مِنْهَا السَّمَاءَ فَفَرَجَ اللّٰهُ فَرَاَوُا السَّمَاءَ وَ
قَالَ الْآخَرُ: اَللّٰهُمَّ اِنَّهَا كَانَتْ لِيْ بِنْتُ عَمٍّ اَحْبَبْتُهَا كَاَشَدِّ مَا يُحِبُّ الرِّجَالُ النِّسَاءَ فَطَلَبْتُ مِنْهَا
فَاَبَتْ حَتَّى اَتَيْتُهَا بِمِائَةِ دِيْنَارٍ فَبَغَيْتُ حَتَّى جَمَعْتُهَا فَلَمَّا وَقَعْتُ بَيْنَ رِجْلَيْهَا قَالَتْ يَا عَبْدَاللّٰهِ
اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تَفْتَحِ الْخَاتَمَ اِلَّا بِحَقِّهِ فَقُمْتُ فَاِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنِّي فَعَلْتُهُ ابْتِغَاءَ وَجْهِكَ فَافْرُجْ عَنَّا
فَرْجَةً فَفَرَجَ وَ قَالَ الثَّالِثُ اَللّٰهُمَّ اِنِّي اسْتَاْجَرْتُ اَجِيْرًا بِفَرَقِ اَرُزٍّ، فَلَمَّا قَضَى عَمَلَهُ قَالَ اَعْطِنِيْ
حَقِّيْ فَعَرَضْتُ عَلَيْهِ فَرَغِبَ عَنْهُ فَلَمْ اَزَلْ اَزْرَعُهُ حَتَّى جَمَعْتُ مِنْهُ بَقَرًا وَرَاعِيَهَا فَجَاءَنِيْ فَقَالَ
اتَّقِ اللّٰهَ فَقُلْتُ اذْهَبْ اِلَى ذَالِكَ الْبَقَرِ وَ رُعَاتِهَا فَخُذْ فَقَالَ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تَسْتَهْزِئْ بِيْ فَقُلْتُ

اِنِّی لَا اَسْتَھْزِئُ بِکَ فَخُذْ فَاَخَذَہٗ فَاِنْ کُنْتَ تَعْلَمُ اَنِّی فَعَلْتُ ذَالِکَ ابْتِغَاءَ وَجْھِکَ، فَافْرُجْ مَا بَقِیَ فَفَرَجَ اللّٰہُ قَالَ اَبُو عَبْدِاللّٰہِ وَ قَالَ ابْنُ عُقْبَۃَ عَنْ نَافِعٍ فَسَعَیْتُ.

حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تین آدمی سفر میں جارہے تھے کہ انہیں بارش نے آلیا۔ تو انہوں نے ایک غار میں پناہ لی۔ غار کے منہ پر پہاڑ کے اوپر سے ایک چٹان آگری جس سے غار کا منہ بند ہوگیا۔ وہ آپس میں کہنے لگے کہ اپنے اپنے اعمال کا شمار کرو کہ کس نے کیا کیا نیک عمل اللہ کی راہ میں کیے ہیں اور اس کے واسطے سے اللہ سے دعا کرو تا کہ وہ تم کو اس مصیبت سے نکالے۔ ایک نے کہا کہ اے اللہ! میرے والدین دونوں بوڑھے تھے اور میرے بچے چھوٹے تھے۔ میں ان کے لیے بکریاں چراتا تھا۔ جب میں لوٹتا تو دودھ دوہتا اور اپنے بچوں سے پہلے اپنے والدین سے دودھ کا پلانا شروع کرتا۔ ایک دن مجھے دیر ہوگئی اور رات تک گھر نہ آیا۔ آیا تو دیکھا کہ میرے والدین سو گئے ہیں۔ میں نے دودھ دوہا جیسا کہ میں دوہتا تھا۔ اور دودھ لیے ہوئے ان کے سرہانے کھڑا ہوا لیکن جگانا پسند نہ کیا۔ بچے میرے پاؤں کے پاس بلبلا رہے تھے لیکن میں نے ان سے پہلے بچوں کو پلانا مناسب نہ سمجھا، یہاں تک کہ اسی حال میں فجر ہوگئی۔ اے رب! تو جانتا ہے کہ اگر میں نے یہ تیری رضا کے لیے کیا تو ہمارے لیے غار کا دہانہ کھول دے کہ ہمیں آسمان نظر آئے۔ پس اللہ نے دہانہ کھول دیا جس سے انہوں نے آسمان دیکھا۔ دوسرے نے کہا کہ اے اللہ! میری ایک چچازاد بہن تھی، میں اس سے سخت محبت کرتا تھا جیسی کہ ایک مرد ایک عورت سے کر سکتا ہے۔ میں نے اس سے اپنی خواہش کا اظہار کیا تو اس نے انکار کیا اور شرط لگائی کہ ایک سو دینار دو تب۔ چنانچہ میں نے اس کی کوشش کی یہاں تک کہ سو دینار جمع کر لیے تو جب میں نے اس سے مقصد پورا کرنا چاہا تو اس نے کہا اے اللہ کے بندے! اللہ سے ڈر اور مہر کو حق کے بغیر نہ توڑ تو میں اٹھ گیا۔ تو جانتا ہے کہ میں نے یہ تیری رضا کے لیے کیا ہے تو ہمارے لیے غار کا دہانہ کھول دے۔ پس دہانہ کچھ اور کھل گیا۔ تیسرے نے کہا، اے اللہ! میں نے ایک مزدور ایک ٹوکرا چاول کے اوپر رکھا۔ جب اس نے کام پورا کر لیا تو اس نے کہا کہ میرا حق دو۔ میں نے چاول اس کے سامنے پیش کر دیے تو اس نے بے رغبتی کی۔ میں اس چاول کو کھیت میں بوتا رہا یہاں تک کہ میں نے اس سے گائیں خریدیں اور چرواہے بھی رکھ لیے۔ پس وہ میرے پاس آیا اور کہا کہ اللہ سے ڈر اور میرا حق ہے وہ واپس کر۔ تو میں نے کہا جاؤ وہ گائیں اور چرواہے سب تمہارے ہیں

لے لو۔ اس نے کہا اللہ سے ڈرو اور میرے ساتھ مذاق نہ کرو۔ میں نے کہا میں مذاق نہیں کر رہا۔ یہ سب تمہارے ہیں لے لو، چنانچہ وہ لے گیا۔ اے رب! اگر تو جانتا ہے کہ میں نے یہ تیری رضا کے لیے کیا ہے تو اب کسر پوری کردے۔ پس اللہ نے پتھر ہٹا دیا۔

وضاحت:

یہ روایت پہلے بھی گزر چکی ہے۔ اس کی وضاحت کرتے ہوئے میں بتا چکا ہوں کہ یہ اسرائیلی قصوں میں سے ہے۔ اسرائیلیات میں سے جتنے قصے آنحضرت ﷺ نے بیان کیے وہ بہرحال سبق آموزی کے لیے بیان کیے ہوں گے۔ لیکن جہاں تک اس قصہ کا تعلق ہے یہ اسلام کے مزاج سے موافقت نہیں رکھتا اس لیے کہ اسلام میں یہ بات بہرحال پسندیدہ نہیں ہے کہ آپ اپنی نیکی کے حوالے سے اللہ تعالیٰ سے کچھ مانگیں۔ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے رحم، اس کے کرم، اس کی فیاضی اور جود کے حوالے سے مانگنا چاہیے۔ مجھے کوئی روایت اس کے حق میں ملی اور نہ قرآن میں ایسا کوئی اشارہ ہے کہ آدمی اپنے نیک اعمال کے حوالہ سے اللہ سے کچھ مانگے۔ ایک روایت کسی کو واسطہ بنانے کی ملتی ہے اور وہ میرے نزدیک شیعہ حضرات کی گھڑی ہوئی ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت عباسؓ کے حوالے سے پانی کی دعا کی تھی۔ وہ بھی اسلام کے مزاج کے خلاف ہے۔ دوسرے یہ روایت اصولوں کے بھی خلاف ہے۔ اس لیے کہ اگر کوئی شخص امانت میں تصرف کرے اور نقصان ہو جائے تو اس صورت میں تاوان دینا پڑے گا۔ آپ اگر نفع کی واحد شرط پر زیادہ سے زیادہ دینا چاہتے ہیں تو ضرور دیجیے۔ لیکن فقہی اور اخلاقی حیثیت سے مذکورہ اعتراض باقی رہتا ہے۔ والعلم عند اللہ۔

۱۳. بَابُ: اَوْقَافِ اَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ وَ اَرْضِ الْخَرَاجِ وَ مُزَارَعَتِهِمْ وَ مُعَامَلَتِهِمْ. وَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ لِعُمَرَ تَصَدَّقْ بِاَصْلِهِ لَا يُبَاعُ وَ لٰكِنْ يُنْفَقُ ثَمَرُهُ فَتَصَدَّقَ بِهِ

باب: صحابہؓ کے اوقاف اور خراجی زمین اور اس کی بٹائی کے معاملات۔ اور نبی کریم ﷺ نے عمرؓ سے فرمایا اصل زمین کو صدقہ کرنا، اس کی بیع نہ ہو، البتہ اس کا حاصل خرچ کیا جائے گا۔ چنانچہ حضرت عمر نے اسے صدقہ کیا۔

وضاحت:

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کا کوئی زمین کا معاملہ تھا۔ تو آنحضرت ﷺ نے حکم دیا کہ زمین کو تقسیم کرنے کی بجائے وقف کردو۔ اس کی آمدنی تقسیم ہوتی رہے گی یعنی اصل مال محفوظ رہے گا۔ حضرت عمرؓ کے متعلق اس روایت کو امام صاحب نے باب میں بطور تعلیق لیا ہے۔

۱۵۔ حَدَّثَنَا صَدَقَةُ أَخْبَرَنَا عَبْدُالرَّحْمٰنِ عَنْ مَالِكٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ لَوْ لَا آخِرُ الْمُسْلِمِيْنَ مَا فَتَحْتُ قَرْيَةً إِلَّا قَسَمْتُهَا بَيْنَ أَهْلِهَا، كَمَا قَسَمَ النَّبِيُّ ﷺ خَيْبَرَ.

﴿حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ اگر مجھے بعد کے مسلمانوں کا خیال نہ ہوتا تو کوئی بستی میری حکومت میں فتح نہ ہوتی مگر یہ کہ میں اس کو اس کے حق داروں میں تقسیم کر دیتا۔ جس طرح آنحضرت ﷺ نے خیبر کے معاملہ میں کیا۔﴾

وضاحت:

خیبر کے معاملہ میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں زمین حق داروں میں تقسیم کر دی گئی اور حضرت عائشہ نے حصہ مانگا تو ان کا حصہ دے دیا گیا۔ جب عراق اور ایران وغیرہ کی زمینیں فتح ہوئیں تو سمجھ لیجئے کہ دنیا کی بہترین زمینوں کا بہت بڑا علاقہ تصرف میں آ گیا۔ لیکن حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یہ زمینیں مسلمانوں پر وقف ہیں یعنی ذاتی ملکیت نہیں ہوں گی بلکہ اجتماعی ملکیت ہوں گی اس لیے کہ آج ان لوگوں میں زمینیں بانٹ دیں تو بعد میں جو لوگ آئیں گے وہ کہاں جائیں گے۔ آنحضرت ﷺ سے یہ بات ثابت ہے کہ انہوں نے حضرت عمرؓ سے کہا تھا کہ اپنی زمین وقف کر دو اور اس کی پیداوار صدقہ کرو۔ تاہم حضورؐ کے دور میں اس پر عمل نہیں رہا اور غزوہ خیبر تک کی تمام مفتوحہ زمینیں تقسیم کر دی گئیں۔ امام بخاری نے تعلیق نقل کر کے اس اعتراض کا جواب دے دیا ہے کہ جو کام آنحضرت ﷺ نے نہیں کیا تھا تو حضرت عمرؓ کو کیا حق تھا کہ وہ زمینوں کو اس طریقہ سے وقف کر دیتے۔ آخر غازی لوگ مطالبہ کر سکتے تھے لیکن تاریخوں میں اس کا کوئی حوالہ نہیں ملتا کہ لوگوں نے کبھی احتجاج کیا ہو۔ حضرت عمرؓ نے اپنے فیصلہ کے حق میں اس مصلحت دینی کا حوالہ دیا کہ انہیں بعد کے مسلمانوں کا خیال ہے اور یہ علت بہت اہم ہے۔ اب آپ خود نتائج اخذ کر سکتے ہیں کہ زمینوں کے معاملہ میں کیا کیا تصرف اسلامی قانون کی رو سے جائز ہے۔

۱۴۔ بَابُ: مَنْ أَحْيَاءَ أَرْضًا مَوَاتًا، وَرَأَى ذٰلِكَ عَلِيٌّ، فِي أَرْضِ الْخَرَابِ بِالْكُوفَةِ وَ

قَالَ عُمَرُ مَنْ اَحْيَا اَرْضًا مَيِّتَةً فَهِيَ لَهُ وَ يُرْوَى عَنْ عُمَرَ وَ ابْنِ عَوْفٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ، وَ قَالَ فِي غَيْرِ حَقِّ مُسْلِمٍ وَ لَيْسَ لِعِرْقٍ ظَالِمٍ فِيْهِ حَقٌّ"، وَ يُرْوَى فِيْهِ عَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ.

باب: کسی مردہ زمین کو زندہ کرنے والے کے لیے حکم۔ حضرت علیؓ نے کوفہ کی ویران زمینوں کے بارے میں یہی رائے دی۔ اور حضرت عمرؓ کا ارشاد ہے کہ جس کسی نے غیر آباد زمین کو آباد کیا وہی اس کا حق دار ہے۔ اور عمرؓ اور ابن عوفؓ دونوں نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کی ہے کہ وہ لے سکتا ہے بشرطیکہ زمین کسی مسلمان کی ملکیت نہ ہو۔ کوئی شخص ظلم کر کے کسی زمین پر قبضہ کرے تو وہ اس کا حق دار نہیں ہوتا۔ اور جابرؓ سے بھی ایسا ہی مروی ہے۔

۱۶۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُبَيْدِاللّٰهِ بْنِ اَبِي جَعْفَرٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَنْ اَعْمَرَ اَرْضًا لَيْسَتْ لِاَحَدٍ فَهُوَ اَحَقُّ قَالَ عُرْوَةُ قَضٰى بِهِ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فِي خِلَافَتِهِ.

﴿حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص ایسی غیر آباد زمین کو آباد کرے جو کسی کی ملکیت نہ ہو تو وہ اس کا زیادہ حق دار ہے۔ عروہ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے اپنی خلافت میں یہی فیصلہ کیا۔﴾

وضاحت:

کسی غیر آباد زمین کو آباد کیا یعنی اس کو کھیتی باڑی کے لیے تیار کیا یا باغ لگایا یا کسی کارخانے اور مل کے لیے استعمال کیا یا مکان تعمیر کروا لیے۔ غرض یہ سب کام اس میں داخل ہیں۔ علیٰ ھذا القیاس مویشیوں کے لیے چراگاہیں بھی اس میں بنائی جا سکتی ہیں۔ آباد کا لفظ یہاں غیر آباد کے مقابل میں آیا ہے۔

یہ مسئلہ البتہ قابل غور ہے کہ غیر آباد زمین کو آباد کرنے کا کسی کو مطلق حق ہے کہ جو چاہے اٹھے اور جس زمین کے بارے میں گمان ہو کہ غیر آباد ہے تو اس کو آباد کر لے۔ اس معاملہ میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ دوسرے فقہاء تو یہ آزادی تسلیم کرتے ہیں لیکن امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ یہ کہتے ہیں کہ حکومت کی اجازت ضروری ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مطلق آزادی سے بڑی افراتفری ہو سکتی ہے۔ اس زمانے میں زمین یا تو زمینداروں کی ہے یا حکومت کی ہے۔ اس وقت جب کہ یہ شکل نہیں تھی کسی نے زمین آباد کر دی تو حکومت اس کو دے دیتی تھی کیونکہ وہ محنت کر کے اس کو آباد کر لیتا تھا۔ دوسری شکل یہ ہو سکتی ہے کہ کوئی نزاعی مسئلہ پیدا ہو۔ کسی اور نے زمین پر پہلے قبضہ کیا تھا لیکن آباد نہیں کر پایا تو حکومت اگر چاہے تو اجازت دے دے گی ورنہ زمین اس سے واپس لے سکتی ہے۔ بلاشبہ آنحضرت ﷺ کے ارشاد سے یہ بات نکلتی ہے کہ زمین آباد کرنے

والے کا حق زیادہ ہے لیکن اس بارے میں کوئی نزاع ہو تو حکومت ہی فیصلہ کرے گی۔ اس میں قوی مسلک احناف ہی کا معلوم ہوتا ہے۔ شوافع جو بات کہتے ہیں وہ مصالح اور قانون کے خلاف ہے۔

روایت میں حوالہ بھی ہے کہ حضرت عمرؓ نے یہی طرز عمل اختیار کیا تھا کہ آباد کرنے والے کو زمین دے دیتے تھے۔ اب ہمارے دور میں حکومت آبادکاری کا منصوبہ بنا سکتی ہے اور یہ اعلان کر سکتی ہے کہ تین سال کی مدت کے اندر جو زمین آباد کرلے وہ اس کی ہے۔ تین سال کی مدت حالات کے لحاظ سے ہوگی۔ اس میں کمی بیشی بھی ہو سکتی ہے اور اس کو حصر کے مفہوم میں نہیں لینا چاہیے۔

۱۵. باب:

۱۷۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا إِسْمٰعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ مُوسٰى بْنِ عُقْبَةَ عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَؓ عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أُرِيَ وَهُوَ فِي مُعَرَّسِهِ مِنْ ذِي الْحُلَيْفَةِ فِي بَطْنِ الْوَادِي، فَقِيْلَ لَهُ إِنَّكَ بِبَطْحَاءَ مُبَارَكَةٍ. فَقَالَ مُوسٰى وَ قَدْ أَنَاخَ بِنَا سَالِمٌ بِالْمُنَاخِ الَّذِي كَانَ عَبْدُاللّٰهِ يُنِيخُ بِهِ يَتَحَرّٰى مُعَرَّسَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَهُوَ أَسْفَلُ مِنَ الْمَسْجِدِ الَّذِي بِبَطْنِ الْوَادِي بَيْنَهُ وَ بَيْنَ الطَّرِيقِ وَسَطٌ مِنْ ذٰلِكَ.

﴿سالم بن عبداللہ بن عمرؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ جب رات کو ذوالحلیفہ میں نالہ کے نشیب میں اترے تھے تو آپ سے خواب میں کہا گیا کہ تم برکت والے میدان میں ہو۔ موسیٰ بن عقبہ کہتے ہیں کہ سالم نے ہمارے ساتھ وہیں اونٹ بٹھایا جہاں عبداللہ بن عمرؓ بٹھایا کرتے تھے، وہ اسی جگہ کا قصد کر رہے تھے جہاں آنحضرت ﷺ اترے تھے۔ یہ جگہ مسجد کے نیچے نالے کے نشیب میں تھی، اس کے اور راستے کے بیچ میں۔﴾

وضاحت:

ذوالحلیفہ مدینہ کے لوگوں کے لیے میقات ہے جہاں سے وہ احرام باندھتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ جہاں اترے بلاشبہ وہ مبارک مقام ہے اور عبداللہ بن عمرؓ اس جگہ ٹھہرنے کے خواہش مند رہتے تھے تو یہ بھی متوقع ہے۔ یہ باتیں تو سب ٹھیک ہیں لیکن اس روایت کا یہاں محل کیا ہے؟ باب نیا ہے لیکن اس کا عنوان کوئی نہیں ہے۔ عینی یہ کہتے ہیں کہ امام بخاری جب اسی طریقہ سے بلا عنوان باب باندھتے ہیں تو سمجھنا چاہیے کہ روایت سابق باب ہی کا حصہ ہے۔ لیکن میں اپنا تجربہ بیان کرتا ہوں کہ ایسا ہرگز نہیں۔ پچھلا باب تو غیر آباد زمین کے آباد کرنے کے بارے میں تھا لیکن اس باب کی

روایت میں ایسی کوئی بات نہیں۔

بعض شارحین نے لکھا ہے کہ یہ حدیث لانے سے مقصد یہ ہے کہ ذوالحلیفہ کو اگر کوئی آباد کرنا چاہے تو وہ اس سے وہاں کی زمین پر اپنی ملکیت ثابت نہیں کر سکتا۔ اگر اس وضاحت سے باب سے تعلق آپ کی سمجھ میں آتا ہو تو آئے، لیکن میرے نزدیک ہر دو غیر متعلق چیزوں میں اس طرح کا کوئی نہ کوئی ربط نکالنا کچھ مشکل نہیں ہوتا۔

۱۸۔ حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ أَخْبَرَنَا شُعَيْبُ بْنُ إِسْحٰقَ عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ قَالَ حَدَّثَنِي يَحْيٰى عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ عَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ اللَّيْلَةَ أَتَانِي آتٍ مِنْ رَبِّي وَهُوَ بِالْعَقِيْقِ أَنْ صَلِّ فِيْ هٰذَا الْوَادِي الْمُبَارَكِ وَ قُلْ عُمْرَةٌ فِي حَجَّةٍ.

﴿حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ جب نبی ﷺ وادی عقیق میں تھے تو آپ نے فرمایا کہ شب میں اللہ کی طرف سے ایک آنے والا میرے پاس آیا۔ اس نے کہا اس وادی مبارک میں نماز پڑھیے اور نیت کیجئے کہ حج اور عمرہ دونوں ایک ساتھ ہیں۔﴾

وضاحت:

یہ اوپر والی روایت کی تکمیل ہے اور اس میں رسول اللہ ﷺ کی رویا بھی بیان ہوئی ہے۔ یہ واقعہ حضورؐ کے حجۃ الوداع کا ہے۔ اس سفر میں آپ نے پہلے صرف حج کی نیت کی تھی لیکن اشارہ ہوا کہ اس سفر میں حج اور عمرہ دونوں کو جمع کریں۔ چنانچہ آپ نے حج قران کیا یعنی مکہ پہنچ کر آپ نے عمرہ ادا کیا لیکن احرام نہیں کھولا اور اسی احرام سے حج بھی کیا۔ صحابہ کرامؓ کو آپ نے ہدایت فرمائی کہ وہ عمرہ کے بعد احرام کھول دیں اور حج کے لیے نیا احرام باندھیں یعنی ان کا حج تمتع کا حج ہو۔ اس پر لوگوں میں چہ میگوئیاں بھی ہوئیں لیکن آپ نے وضاحت فرمائی کہ میں چونکہ ہدی کے جانور مدینہ سے لے کر چلا تھا اس لیے میں عمرہ کے بعد احرام نہیں کھول سکتا۔

۱۶۔ بَابٌ: إِذَا قَالَ رَبُّ الْأَرْضِ أُقِرُّكَ مَا أَقَرَّكَ اللّٰهُ وَ لَمْ يَذْكُرْ أَجَلًا مَعْلُوْمًا فَهُمَا عَلٰى تَرَاضِيْهِمَا.

باب: جب زمین کا مالک کاشتکار سے کہے کہ میں تمہیں اس پر مقرر کرتا ہوں جب تک کہ اللہ تعالیٰ تم کو رکھے اور کوئی مدت متعین نہ کرے تو فیصلہ اپنی باہمی رضامندی سے کر سکتے ہیں۔

١٩۔ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ الْمِقْدَامِ حَدَّثَنَا فُضَيْلُ بْنُ سُلَيْمَانَ حَدَّثَنَا مُوْسٰی اَخْبَرَنَا نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَقَالَ عَبْدُالرَّزَّاقِ اَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ حَدَّثَنِیْ مُوْسٰی بْنُ عُقْبَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَجْلَی الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰی مِنْ اَرْضِ الْحِجَازِ، وَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَمَّا ظَهَرَ عَلٰی خَيْبَرَ اَرَادَ اِخْرَاجَ الْيَهُوْدِ مِنْهَا وَ كَانَتِ الْاَرْضُ حِيْنَ ظَهَرَ عَلَيْهَا، لِلّٰهِ وَلِرَسُوْلِهٖ ﷺ وَلِلْمُسْلِمِيْنَ وَ اَرَادَ اِخْرَاجَ الْيَهُوْدِ مِنْهَا، فَسَاَلَتِ الْيَهُوْدُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ لِيُقِرَّهُمْ بِهَا اَنْ يَكْفُوْا عَمَلَهَا، وَلَهُمْ نِصْفُ الثَّمَرِ، فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ نُقِرُّكُمْ بِهَا عَلٰی ذٰلِكَ مَا شِئْنَا فَقَرُّوْا بِهَا حَتّٰی اَجْلَاهُمْ عُمَرُ اِلٰی تَيْمَاءَ وَ اَرِيْحَاءَ.

﴿عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے یہود و نصاریٰ کو ارض حجاز سے جلاوطن کیا۔ نبی ﷺ جب خیبر پر غالب آئے تو آپ نے چاہا کہ یہود کو وہاں سے نکال دیں اور وہ زمین جب اس پر غلبہ ہوا، اللہ، اس کے رسول ﷺ اور مسلمانوں کی ملکیت تھی۔ آپ نے چاہا کہ یہود کو وہاں سے نکال باہر کریں تو یہود نے درخواست کی کہ ان کو اس زمین پر اس شرط پر رہنے دیا جائے کہ وہ کھیتی باڑی کا کام کریں گے اور پیداوار کا نصف ان کو ملے گا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہم تم کو اس کام پر رکھیں گے جب تک ہم چاہیں گے۔ تو یہود وہاں رہے یہاں تک کہ حضرت عمرؓ نے ان کو تیماء اور اریحاء کی طرف جلاوطن کر دیا۔﴾

وضاحت:

اس روایت سے ایک بات تو یہ واضح ہوتی ہے کہ خیبر کی زمین کسی کی ذاتی ملکیت نہیں تھی بلکہ اللہ، اس کے رسول ﷺ اور مسلمانوں کی ملکیت تھی۔ دوسرے لفظوں میں یہ اسٹیٹ کی ملکیت تھی۔ اسی لیے حکومت کے تصرف سے آنحضرت ﷺ کی ازواج کو بھی پیداوار میں سے حصہ دیا جاتا تھا۔

امام صاحب نے باب تو یہ باندھا ہے کہ مالک زمین یہ کہے کہ میں تم کو مقرر رکھوں گا جب تک اللہ رکھے اور کسی مدت کا تعین نہ کرے لیکن روایت میں یہ ہے کہ ہم تم کو رکھیں گے جب تک ہم چاہیں گے۔ تو اس میں مدت کا تعین تو خود بخود ہو گیا کہ جب تک مسلمان چاہیں گے۔ میرے نزدیک عنوان باب اور روایت میں مطابقت نہیں ہے۔ بجائے خود یہ بات ٹھیک

ہے کہ جب مدت معین نہ ہو تو انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ فیصلہ باہمی رضامندی سے ہو۔ اس میں کم از کم ایک سال کی مدت تو دینی ہوگی، اس لیے کہ فصل کے بیچ میں آپ کاشتکار کو ہٹائیں تو یہ قرین انصاف نہیں ہوگا۔ فصل کی تیاری کی مہلت دینی ہوگی۔

۱۷. بَابُ: مَا كَانَ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ يُوَاسِي بَعْضُهُمْ بَعْضًا فِي الزِّرَاعَةِ وَالثَّمَرَةِ.

باب: آنحضرت ﷺ کے صحابہ کی کھیتی باڑی اور پھلوں میں ایک دوسرے سے موافقت کے بارے میں۔

۳۰۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُاللّٰهِ أَخْبَرَنَا الْأَوْزَاعِيُّ عَنْ أَبِي النَّجَاشِيِّ مَوْلَى رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ سَمِعْتُ رَافِعَ بْنَ خَدِيجِ بْنِ رَافِعٍ عَنْ عَمِّهِ ظُهَيْرِ بْنِ رَافِعٍ قَالَ ظُهَيْرٌ "لَقَدْ نَهَانَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ أَمْرٍ كَانَ بِنَا رَافِقًا، قُلْتُ مَا قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فَهُوَ حَقٌّ" قَالَ دَعَانِي رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ قَالَ مَا تَصْنَعُونَ بِمَحَاقِلِكُمْ، قُلْتُ نُؤَاجِرُهَا عَلَى الرُّبَيْعِ وَ عَلَى الْأَوْسُقِ مِنَ التَّمْرِ وَالشَّعِيرِ قَالَ لَا تَفْعَلُوا ازْرَعُوهَا أَوْ أَزْرِعُوهَا أَوْ أَمْسِكُوهَا قَالَ رَافِعٌ" قُلْتُ سَمْعًا وَطَاعَةً.

﴿رافع بن خدیج بن رافع اپنے چچا ظہیر بن رافع سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ہمیں ایک ایسے معاملہ سے روک دیا جو ہمارے لیے بہت نفع بخش تھا۔ میں نے کہا جو کچھ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہی حق ہے۔ انہوں نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے بلایا اور پوچھا کہ تم لوگ اپنے کھیتوں کو کیا کرتے ہو۔ میں نے جواب دیا کہ ہم ان کو نالی کے کنارے کی پیداوار پر اور کھجور اور جو کے چند وسق پر دے دیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا ایسا نہ کیا کرو، خود کاشت کرو یا کاشت کراؤ یا روک رکھو۔ رافع نے کہا میں نے عرض کیا جو ارشاد، سنا اور مان لیا۔﴾

وضاحت:

روایت میں نقل ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ظہیرؓ سے فرمایا لَا تَفْعَلُوا ازْرَعُوهَا أَوْ أَزْرِعُوهَا أَوْ أَمْسِكُوهَا

جس کے معنی ہیں تم ایسا نہ کرو، خود کاشت کرو یا کاشت کراؤ یا روک رکھو۔ تو یہ بیچ میں جو اَزْرِعُوْهَا ہے یعنی کاشت کراؤ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جس چیز سے روکا گیا تھا اسی کا حکم ہو جائے گا۔ اصل میں اتنا ہی ہوگا کہ اَزْرِعُوْهَا اَوْ اَمْسِكُوْهَا خود کاشت کرو یا خالی رکھو۔ اب یہ نہیں معلوم ہوتا کہ یہ جو بیچ میں کاشت کرانے کا حکم آ گیا ہے تو یہ کیسے آیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ مہاجرین کا پیشہ تجارت اور گلہ بانی تھا اور کھیتی باڑی سے ناواقف تھے۔ کھیتی انصار کا پیشہ تھا۔ یہاں مشکل یہ ہے کہ اس میں راوی بھی انصاری ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ بعد والے راویوں میں سے کسی کی غلطی سے کاشت کراؤ کا حکم بھی داخل ہو گیا۔ یا پھر اس پر کچھ شرائط کا اضافہ بھی رہا ہوگا جو روایت ہونے سے رہ گیا۔ اب اگر بات اتنی ہی ہو کہ خود کھیتی کرو یا روک رکھو تو مفہوم کی رو سے روایت ٹھیک ہے۔ وہ اس طرح کہ آنحضرت ﷺ کے پوچھنے پر کہ کھیتوں کا کیا کرتے ہو ظہیرؓ نے بتایا کہ نؤاجرها على الربيع و على الا وسق یعنی ان کو دے دیتے ہیں نہر کے کنارے کی پیداوار کے عوض اور کھجور اور جو کے کچھ وسق کے بدلے۔ یعنی انصار متعین رقبہ کی پیداوار اور متعین مقدار غلہ کے عوض کھیت دے دیتے تھے۔ تو اس صورت میں ضرر و غرر ہے اور اسلامی قانون کی رو سے یہ جائز نہیں ہے۔ اس میں مالک کا حصہ تو متعین ہو گیا لیکن کیا معلوم کہ مزارع کو نقصان ہو اور کچھ پیداوار ہی نہ ہو۔ بٹائی پر دینے کی صورت میں تو یہ ہوتا ہے کہ نصف یا چوتھائی یا ثلث پر مالک اور مزارع دونوں میں معاملہ طے پا جاتا ہے۔ اس طرح وہ نفع اور نقصان میں بھی برابر کے شریک ہو جاتے ہیں اور ضرر اور غرر کا اندیشہ نہیں ہوتا۔ لیکن یہاں بیان کردہ صورت میں یہ اندیشہ ہے۔ اسی لیے حضور نے اس معاملہ سے روکا۔

۲۱۔ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ مُوْسٰى اَخْبَرَنَا الْاَوْزَاعِيُّ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانُوْا يَزْرَعُوْنَهَا بِالثُّلُثِ وَالرُّبُعِ وَالنِّصْفِ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ مَنْ كَانَتْ لَهُ اَرْضٌ " فَلْيَزْرَعْهَا اَوْ لِيَمْنَحْهَا فَاِنْ لَمْ يَفْعَلْ فَلْيُمْسِكْ اَرْضَهُ وَ قَالَ الرَّبِيْعُ بْنُ نَافِعٍ اَبُوْ تَوْبَةَ حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ عَنْ يَحْيٰى عَنْ اَبِيْ سَلَمَةَ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ كَانَتْ لَهُ اَرْضٌ" فَلْيَزْرَعْهَا اَوْ لِيَمْنَحْهَا اَخَاهُ فَاِنْ اَبٰى فَلْيُمْسِكْ اَرْضَهُ.

﴿جابرؓ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم کھیتی کرتے تھے ثلث پر، ربع پر، اور نصف پر۔ پھر نبی ﷺ نے فرمایا کہ جس کے پاس کھیتی ہو چاہیے کہ خود کاشت کرے یا اپنے بھائی کو بخش دے اور اگر ایسا نہیں کرنا چاہتا تو اپنی زمین کو روک رکھے۔﴾

وضاحت:

یہ روایت میری سمجھ سے باہر ہے۔ آپ پڑھ چکے ہیں کہ صحابہؓ نصف پر، چوتھائی، اور ثلث پر معاملہ کرتے رہے ہیں۔ اس سے منع نہیں کیا گیا۔ جس چیز سے روکا گیا ہے وہ اوپر والی روایت میں گزر چکا کہ رقبہ کے متعین حصہ پر اور متعین مقدار غلہ پر معاملہ نہیں ہو سکتا اس لیے کہ اس میں ضرر اور غرر ہے۔ ممکن ہے کہ حضرت جابرؓ بات کو پوری طرح نہ سمجھے ہوں یا بعد کے راویوں میں سے کسی نے روایت اس طرح کر دی ہو۔

۲۲ حَدَّثَنَا قَبِيصَةُ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرٍو قَالَ ذَكَرْتُهُ لِطَاوُسٍ فَقَالَ يُزْرِعُ، قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَمْ يَنْهَ عَنْهُ، وَلٰكِنْ قَالَ أَنْ يَمْنَحَ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ خَيْرٌ لَهُ مِنْ أَنْ يَأْخُذَ شَيْئًا مَعْلُومًا.

﴿عمرو بن دینار کہتے ہیں کہ میں نے طاؤس سے اس کا ذکر کیا تو انہوں نے کہا (بٹائی پر) زمین کاشت کروا سکتا ہے۔ ابن عباسؓ نے کہا آنحضرت ﷺ نے اس سے منع نہیں کیا، آپ نے یہ فرمایا کہ اگر تم میں سے کوئی اپنے بھائی کو مفت کھیتی کرنے کو زمین دے تو یہ متعین چیز لینے سے بہتر ہے۔﴾

وضاحت:

یہاں طاؤس ابن عباسؓ کا حوالہ دے رہے ہیں کہ جب جابرؓ کے قول کا ذکر ان کے سامنے ہوا تو انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے تو یہ فرمایا کہ آدمی کو چاہیے کہ یا تو خود کھیتی کرے یا دوسرے اپنے بھائی کو دے دے بطور احسان کے، فضیلت کے طور پر۔ اس میں بٹائی کے معاملہ کی نفی نہیں تھی۔ اس لیے اس سے نہیں روکا تھا۔

۲۳۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ نَافِعٍ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا كَانَ يُكْرِي مَزَارِعَهُ، عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ وَأَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ وَصَدْرًا مِنْ إِمَارَةِ مُعَاوِيَةَ، ثُمَّ حُدِّثَ عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهَى عَنْ كِرَاءِ الْمَزَارِعِ فَذَهَبَ ابْنُ عُمَرَ إِلَى رَافِعٍ فَذَهَبْتُ مَعَهُ فَسَأَلَهُ، فَقَالَ نَهَى النَّبِيُّ ﷺ عَنْ كِرَاءِ الْمَزَارِعِ، فَقَالَ ابْنُ عُمَرَ قَدْ عَلِمْتَ أَنَّا كُنَّا نُكْرِي مَزَارِعَنَا عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ بِمَا عَلَى الْأَرْبِعَاءِ وَبِشَيْءٍ مِنَ التِّبْنِ.

﴿نافع کہتے ہیں کہ عبداللہ بن عمرؓ اپنے کھیتوں کو آنحضرت ﷺ، ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ کے ادوار اور معاویہؓ کی

خلافت کے ابتدائی دور تک کرایہ پر دیا کرتے تھے۔ پھر ان کو رافع بن خدیج کی بات سنائی گئی کہ آنحضرت ﷺ نے کھیتوں کو کرایہ پر دینے سے منع فرمایا ہے۔ تو وہ خود رافع کے پاس گئے۔ میں بھی ان کے ساتھ گیا۔ انہوں نے ان سے پوچھا تو رافع نے کہا آنحضرت ﷺ نے کھیتوں کو کرایہ پر دینے سے منع فرمایا ہے۔ ابن عمرؓ نے کہا تم جانتے ہو کہ ہم آنحضرت ﷺ کے زمانے میں اپنے کھیت اس پیداوار کے بدلے جو نالیوں کے کناروں پر ہوتی تھی اور تھوڑی گھاس کے بدلے دے دیا کرتے تھے۔﴾

۲۴۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَخْبَرَنِي سَالِمٌ" أَنَّ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ كُنْتُ أَعْلَمُ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ أَنَّ الْأَرْضَ تُكْرَى ثُمَّ خَشِيَ عَبْدُاللّٰهِ أَنْ يَكُونَ النَّبِيُّ ﷺ قَدْ أَحْدَثَ فِي ذَالِكَ شَيْئًا لَمْ يَكُنْ يَعْلَمُهُ فَتَرَكَ كِرَاءَ الْأَرْضِ.

﴿سالم کہتے ہیں کہ عبداللہ بن عمرؓ نے کہا کہ میں جانتا ہوں کہ آنحضرت ﷺ کے زمانے میں زمین بٹائی پر دی جاتی تھی۔ پھر عبداللہ ڈرے کہ ایسا نہ ہو کہ آنحضرت ﷺ نے کوئی نیا حکم دیا ہو جس کی ان کو خبر نہ ہو اس لیے انہوں نے زمین کو کرایہ پر دینا ترک کر دیا۔﴾

وضاحت:

پیچھے جو روایات گزری ہیں ان سے متعین طور پر معلوم ہوتا ہے کہ جس بات کی ممانعت کی گئی تھی وہ یہ تھی کہ زمین کے مالک ایک خاص رقبہ کی پیداوار یا ایک متعین حصہ کے عوض زمین کرایہ پر دیا کرتے تھے۔ اس میں قباحت یہ تھی کہ مالک تو پورا پورا معاوضہ وصول کر لیتا لیکن کاشت کرنے والا غیر یقینی صورت حال سے دوچار ہوتا۔ اگر کھیت کو پانی مل جاتا اور کاشتکار کے رقبہ میں اچھی فصل ہو جاتی تو وہ اپنی محنت کی قیمت وصول کر لیتا ورنہ نقصان میں رہتا۔ بٹائی کے معاملہ میں یہ قباحت دور ہو جاتی ہے کیونکہ مالک اور کاشتکار دونوں کثرت پیداوار کے فوائد سے بھی متمتع ہوتے ہیں اور اگر نقصان ہو تو وہ بھی دونوں میں تقسیم ہو جاتا ہے۔

عبداللہ بن عمرؓ ایک پرہیزگار شخص تھے۔ ایک طویل مدت تک ان کا عمل جس بات پر رہا اس کے بارے میں معلوم ہوتا ہے انہیں شبہ لاحق ہو گیا۔ اور وہ عمل خاص رقبہ کی پیداوار کاشتکار کو دینے کا تھا جیسا کہ سلیمان بن حرب کی روایت میں بیان ہوا ہے۔ چنانچہ ابن عمرؓ نے رافع بن خدیج کی معلومات پر عمل کیا اور احتیاط کے خیال سے زمین کرایہ پر دینا ہی ترک کر دیا۔

۱۸. بابُ: كِرَاءِ الْاَرْضِ بِالذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ، وَ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: اِنَّ اَمْثَلَ مَا اَنْتُمْ صَانِعُونَ اَنْ تَسْتَاْجِرُوا الْاَرْضَ الْبَيْضَاءَ مِنَ السَّنَةِ اِلَى السَّنَةِ.

باب: سونے چاندی کے بدلے زمین دینے کے بارے میں اور ابن عباس نے کہا کہ بہتر کام جو تم کرنا چاہو یہ ہے کہ خالی زمین ایک ایک سال کے لیے کرایہ پر دو۔

یہاں امام صاحب نے حضرت ابن عباس کا یہ قول نقل کیا ہے کہ بہترین عمل ایک سال کے لیے زمین کاشت کے لیے کرایہ پر دینا ہے۔ اگرچہ مالک کے نقطہ نظر سے سہولت اسی میں ہے کہ وہ ایک سال کے لیے زمین پٹہ پر دے دے لیکن عملاً دیکھا گیا ہے کہ اس میں کاشتکار بڑے نقصان سے بھی دوچار ہو سکتا ہے۔ لہٰذا اس کو ضرر سے بچانے کے لیے ضروری ہے کہ اس صورت میں مالک اس کے نقصان میں حصہ دار بنے۔ دوسری شکل یہ ہے کہ پٹہ کی مدت ایک سال کے بجائے دو یا تین سال رکھی جائے تاکہ نقصان کی صورت میں اس کی تلافی ہو سکے۔

۲۵۔ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ خَالِدٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ رَبِيْعَةَ بْنِ اَبِي عَبْدِالرَّحْمٰنِ عَنْ حَنْظَلَةَ بْنِ قَيْسٍ عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيْجٍ قَالَ حَدَّثَنِي عَمَّايَ اَنَّهُمْ كَانُوْا يُكْرُوْنَ الْاَرْضَ عَلٰى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ بِمَا يَنْبُتُ عَلَى الْاَرْبِعَاءِ اَوْ شَيْءٌ يَسْتَثْنِيْهِ صَاحِبُ الْاَرْضِ فَنَهَى النَّبِيُّ ﷺ عَنْ ذَالِكَ فَقُلْتُ لِرَافِعٍ فَكَيْفَ هِيَ بِالدِّيْنَارِ وَالدِّرْهَمِ، فَقَالَ رَافِعٌ "لَيْسَ بِهَا بَاْسٌ" بِالدِّيْنَارِ وَالدِّرْهَمِ وَ قَالَ اللَّيْثُ وَ كَانَ الَّذِيْ نُهِيَ عَنْ ذَالِكَ مَالَوْ نَظَرَ فِيْهِ ذُوالْفَهْمِ بِالْحَلَالِ وَالْحَرَامِ لَمْ يُجِيْزُوْهُ لِمَا فِيْهِ مِنَ الْمُخَاطَرَةِ.

﴿ رافع بن خدیج سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ مجھ سے میرے دونوں چچاؤں نے بیان کیا کہ وہ آنحضرت ﷺ کے زمانے میں زمین کو اس پیداوار کے بدل دیا کرتے تھے جو نالیوں کے کناروں پر ہوتی تھی یا جس پیداوار کو زمین کا مالک مستثنیٰ کر دے۔ آنحضرت ﷺ نے اس سے منع کیا۔ حنظلہ کہتے ہیں کہ میں نے رافع سے پوچھا دینار و درہم کے عوض کرایہ پر دینا کیسا ہے۔ رافع نے کہا دینار و درہم کے بدل دینے میں قباحت نہیں۔ اور لیث کہتے ہیں جس بٹائی سے منع فرمایا ہے اگر اس میں حرام حلال سمجھنے والے غور کریں تو اس کو جائز نہیں کہیں گے کیونکہ اس میں دھوکا ہے۔ ﴾

وضاحت:

روایت کی وضاحت اوپر ہو چکی ہے۔ اس میں رافع کا فتویٰ بیان ہوا ہے کہ نقدی کے عوض زمین کرایہ پر لینا دینا جائز ہے۔

گویا پٹہ پر زمین لینے دینے کی مروجہ صورت صحیح ہے اور اس کے غلط ہونے کی بظاہر کوئی وجہ بھی نظر نہیں آتی۔ حنظلہ نے جس بٹائی کو حرام قرار دیا ہے وہ وہی ہے جس میں کسی خاص رقبہ کی پیداوار کو کاشت کار کا حصہ نامزد کر دیا جاتا ہے۔ اس میں ضرر اور غرر دونوں کی قباحت پائی جاتی ہے۔

۱۹. باب:

۲۶. حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سِنَانٍ حَدَّثَنَا فُلَيْحٌ" حَدَّثَنَا هِلَالٌ" وَ حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا اَبُو عَامِرٍ حَدَّثَنَا فُلَيْحٌ" عَنْ هِلَالِ بْنِ عَلِيٍّ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَوْمًا يُحَدِّثُ وَ عِنْدَهُ رَجُلٌ" مِنْ اَهْلِ الْبَادِيَةِ، اَنَّ رَجُلًا مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ اسْتَأْذَنَ رَبَّهُ فِي الزَّرْعِ، فَقَالَ لَهُ اَلَسْتَ فِيْمَا شِئْتَ، قَالَ بَلٰى وَلٰكِنِّي اُحِبُّ اَنْ اَزْرَعَ، قَالَ فَبَذَرَ فَبَادَرَ الطَّرْفَ نَبَاتُهُ وَاسْتِوَاؤُهُ وَ اسْتِحْصَادُهُ، فَكَانَ اَمْثَالَ الْجِبَالِ، فَيَقُوْلُ اللّٰهُ دُوْنَكَ يَا ابْنَ اٰدَمَ فَاِنَّهُ لَا يُشْبِعُكَ شَيْءٌ" فَقَالَ الْاَعْرَابِيُّ وَاللّٰهِ لَا تَجِدُهُ اِلَّا قُرَشِيًّا اَوْ اَنْصَارِيًّا فَاِنَّهُمْ اَصْحَابُ زَرْعٍ وَ اَمَّا نَحْنُ فَلَسْنَا بِاَصْحَابِ زَرْعٍ فَضَحِكَ النَّبِيُّ ﷺ.

﴿ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ ایک دن نبی ﷺ کے پاس ایک دیہاتی بیٹھا تھا اور آپ یہ گفتگو فرما رہے تھے کہ جنت والوں میں سے ایک شخص اللہ تعالیٰ سے کھیتی کرنے کی اجازت مانگے گا۔ اللہ پوچھے گا تو جو چاہتا ہے کیا وہ تیرے پاس نہیں؟ وہ کہے گا بے شک ہے، لیکن کھیتی کرنا مجھ کو پسند ہے۔ وہ بیج ڈالے گا تو پلک جھپکنے میں وہ اگ آئے گا، پودا قد نکالے گا اور کاٹنے کے لائق ہو جائے گا، بالکل پہاڑوں کی مانند۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا لے اے آدم کے بیٹے، تیرا پیٹ بھرنے والا نہیں۔ یہ سن کر دیہاتی کہنے لگا کہ آپ کو یہ شخص یا قرشی ملے گا یا انصاری کہ وہی کھیتی کرتے ہیں، ہم تو کھیتی باڑی کے لوگ نہیں ہیں۔ یہ سن کر آنحضرت ﷺ ہنس دیے۔﴾

وضاحت:

اس حدیث شریف میں رسول اللہ ﷺ نے قرآن مجید کی اس خبر کی وضاحت فرمائی ہے کہ اہل جنت کو جنت میں ان کی ہر خواہش کو پورا کرنے کا موقع دیا جائے گا اور جو مطالبہ بھی وہ کریں گے اس کو پورا کیا جائے گا۔ آپ کے پاس ایک دیہاتی بیٹھا تھا۔ شاید اس کو بات سمجھانے کی غرض سے آپ نے بتایا کہ اگر کوئی شخص کھیتی کرنے کی خواہش بھی کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس خواہش کو بھی پورا کرے گا۔ لیکن جنت کی کاشتکاری کے نتائج حاصل کرنے میں دیر نہیں لگے گی بلکہ دیکھتے ہی دیکھتے فصل تیار ہو کر کاٹنے کے قابل ہو جائے گی۔ دیہاتی بھی کوئی ظریف آدمی تھا۔ کہنے لگا کہ جنتی، جو زراعت کی خواہش کریں گے، قریش یا انصاری میں سے ہو سکتے ہیں کیونکہ مدینہ میں کھیتی باڑی میں یہی دونوں مشغول رہتے تھے۔ ہم دیہاتیوں کا تو زراعت سے کوئی تعلق نہیں۔ نبی ﷺ اس لطیفہ سے محظوظ ہوئے۔

امام صاحب نے اس حدیث کے عنوان کی عبارت نہیں لکھی۔ لیکن اس کا تعلق پچھلے باب کی روایات کے ساتھ نہیں ہے۔ اس لیے ان شارحین کا نقطہ نظر صحیح نہیں معلوم ہوتا جو اس طرح کے ابواب کو سابق باب کا تسلسل مانتے ہیں۔

٢٠. بابُ: مَا جَاءَ فِي الْغَرْسِ

باب: درخت بونے کے بارے میں روایات

٢٧۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ عَبْدِالرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِي حَازِمٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ إِنَّا كُنَّا لَنَفْرَحُ بِيَوْمِ الْجُمُعَةِ كَانَتْ لَنَا عَجُوزٌ "تَأْخُذُ مِنْ أُصُولِ سِلْقٍ لَنَا كُنَّا نَغْرِسُهُ فِي أَرْبِعَائِنَا فَتَجْعَلُهُ فِي قِدْرٍ لَهَا، فَتَجْعَلُ فِيهِ حَبَّاتٍ مِنْ شَعِيرٍ لَا أَعْلَمُ إِلَّا أَنَّهُ قَالَ لَيْسَ فِيهِ شَحْمٌ" وَ لَا وَدَكٌ"، فَإِذَا صَلَّيْنَا الْجُمُعَةَ زُرْنَاهَا فَقَرَّبَتْهُ إِلَيْنَا فَكُنَّا نَفْرَحُ بِيَوْمِ الْجُمُعَةِ مِنْ أَجْلِ ذَالِكَ وَمَا كُنَّا نَتَغَدَّى وَلَا نَقِيلُ إِلَّا بَعْدَ الْجُمُعَةِ.

﴿ابوحازم، سہل بن سعد سے بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ ہم کو جمعہ کے دن خوشی ہوا کرتی تھی۔ ہماری ایک بڑھیا تھی جو ہمارے لیے چقندر کی جڑیں لیتی، جس کو ہم کھیتوں میں نالیوں کے کنارے بو دیا کرتے تھے۔ وہ ایک ہانڈی میں ان کو پکاتی۔ اوپر سے تھوڑے دانے جو کے ڈال دیتی۔ ابوحازم کہتے ہیں کہ میں یہی جانتا ہوں کہ سہل نے کہا کہ اس میں چربی ہوتی تھی نہ چکنائی۔ جب ہم نماز جمعہ پڑھ کر اس کے پاس

جاتے تو وہ ہمارے سامنے یہ کھانا لاتی۔ اس کھانے کے باعث ہم کو جمعہ کی خوشی ہوا کرتی اور ہم جمعہ کی نماز کے بعد ہی کھانا کھاتے اور سوتے تھے۔﴾

وضاحت:

اس روایت میں ایک صحابی کا قول اور عمل بیان ہوا ہے۔ یہ اصطلاحی معنی میں حدیث نہیں ہے۔ شجرکاری ہمیشہ سے انسان کا ایک محبوب مشغلہ رہی ہے۔ طرح طرح کی فصلیں بوئی جاتی ہیں۔ کسان کھیتوں کے کناروں پر درخت لگاتے ہیں۔ کھیتوں کے اندر علاقہ کی فصل کاشت کی جاتی ہے۔ کھیت میں پانی پہنچانے کے لیے نالیاں بنائی جاتی ہیں۔ ان نالیوں کے اردگرد کی زمین چونکہ اکثر سیراب رہتی ہے اس لیے موزوں سبزیاں اور پودے نالیوں کے کناروں پر لگا دیے جاتے ہیں۔ اسی طرح کے کسی کھیت میں نالیوں کے کنارے چقندر کاشت کی جاتی تھی تو سہل بن سعدؓ کے خاندان کی کوئی بزرگ خاتون ان کی مہمان داری کے لیے جمعہ کے روز چقندر کی جڑوں کا سالن پکا کر ان کو کھلاتی۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سالن ان کو بہت مرغوب تھا اس لیے جمعہ کا روز اس خاص ڈش کے باعث ان کے لیے بے حد پر مسرت ہوتا۔

۲۸۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ يَقُولُونَ إِنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ يُكْثِرُ الْحَدِيثَ وَاللَّهُ الْمَوْعِدُ وَيَقُولُونَ مَا لِلْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ لَا يُحَدِّثُونَ مِثْلَ أَحَادِيثِهِ وَإِنَّ إِخْوَتِي مِنَ الْمُهَاجِرِينَ كَانَ يَشْغَلُهُمُ الصَّفْقُ بِالْأَسْوَاقِ وَإِنَّ إِخْوَتِي مِنَ الْأَنْصَارِ كَانَ يَشْغَلُهُمْ عَمَلُ أَمْوَالِهِمْ وَكُنْتُ امْرَأً مِسْكِينًا أَلْزَمُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ عَلَى مِلْءِ بَطْنِي، فَأَحْضُرُ حِينَ يَغِيبُونَ وَأَعِي حِينَ يَنْسَوْنَ وَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ يَوْمًا لَنْ يَبْسُطَ أَحَدٌ" مِنْكُمْ ثَوْبَهُ حَتَّى أَقْضِيَ مَقَالَتِي هَذِهِ، ثُمَّ يَجْمَعَهُ إِلَى صَدْرِهِ فَيَنْسَى مِنْ مَقَالَتِي شَيْئًا أَبَدًا فَبَسَطْتُ نَمِرَةً لَيْسَ عَلَيَّ ثَوْبٌ" غَيْرُهَا حَتَّى قَضَى النَّبِيُّ ﷺ مَقَالَتَهُ ثُمَّ جَمَعْتُهَا إِلَى صَدْرِي فَوَالَّذِي بَعَثَهُ بِالْحَقِّ مَا نَسِيتُ مِنْ مَقَالَتِهِ تِلْكَ إِلَى يَوْمِي هَذَا وَاللَّهِ لَوْلَا آيَتَانِ فِي كِتَابِ اللَّهِ مَا حَدَّثْتُكُمْ شَيْئًا أَبَدًا إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ إِلَى قَوْلِهِ الرَّحِيمُ.

﴿ابو ہریرہؓ سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ ابو ہریرہؓ بہت حدیثیں بیان کرتا

ہے۔ آخر اللہ تعالیٰ سے مجھے ملنا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ دوسرے مہاجرین اور انصار ابو ہریرہؓ کی طرح حدیثیں کیوں بیان نہیں کرتے۔ بات یہ ہے کہ میرے مہاجر بھائی بازاروں میں کاروبار میں مشغول رہتے تھے اور میرے انصار بھائی اپنے مویشیوں کی ذمہ داریوں میں لگے رہتے تھے جبکہ میں ایک قلاش آدمی تھا۔ پیٹ بھر جاتا تو میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ رہتا تھا۔ جب یہ لوگ غائب ہوتے تھے تو میں موجود رہتا۔ میں یاد رکھتا تھا جب کہ یہ لوگ بھول جاتے تھے۔ ایک دن آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے جو کوئی اپنا کپڑا اس وقت پھیلائے رکھے جب تک میں اپنی گفتگو ختم کروں، پھر اس کو سمیٹ کر اپنے سینے سے لگا لے تو وہ میری اس گفتگو کو کبھی نہیں بھولے گا۔ یہ سن کر میں نے اپنی چادر بچھا دی، بس وہی چادر میرے پاس تھی اور کوئی کپڑا نہ تھا۔ یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ نے اپنی تقریر ختم کی۔ پھر میں نے اس کو سمیٹ کر اپنے سینے سے لگا لیا۔ قسم اس کی جس نے آنحضرت ﷺ کو سچائی کے ساتھ بھیجا میں آپ کی اس تقریر سے کوئی بات آج تک نہیں بھولا۔ اور قسم اللہ کی اگر قرآن کی یہ دو آیتیں نہ ہوتیں اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ سے اَلرَّحِیْمُ تک، تو میں تم سے کبھی کوئی حدیث نہ بیان کرتا۔ ﴾

وضاحت:

یہ روایت تقریباً انہی الفاظ میں جلد اول کے صفحہ ۳۴۳ پر کتاب البیوع کے پہلے باب کی پہلی حدیث کے طور پر گزر چکی ہے۔ اس کی تشریح وہاں ملاحظہ کی جائے۔ اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ تجارت اور کھیتی باڑی اور مویشیوں کی مشغولیت میں تحصیل علم سے غفلت ہو جاتی ہے۔ علم ان چیزوں کی قربانی چاہتا ہے۔ ابو ہریرہؓ نے شب و روز رسول اللہ ﷺ کے ساتھ وابستہ رہ کر علم حاصل کیا اور صرف پیٹ بھر لینے ہی پر قانع رہے تو حدیث کے سب سے زیادہ روایت کرنے والے بن گئے۔ دوسرے صحابہ جن کے دنیاوی مشاغل بھی تھے وہ علم میں ابو ہریرہؓ سے پیچھے رہ گئے۔

امام صاحب یہ روایت غرس یعنی درخت لگانے کے باب میں لائے ہیں۔ یہ مفہوم انہوں نے عمل اموالھم کے الفاظ سے اخذ کیا ہے۔ میرے نزدیک اموال کا غالب اطلاق مویشیوں پر ہوتا ہے جو عربوں کی اصل دولت تھی۔ قابل کاشت زمینیں بہت کم تھیں۔ ہمارے ہاں بھی مال مویشی اسی مفہوم میں کہا جاتا ہے۔ لہٰذا عمل اموال کا غالب مفہوم مویشیوں کی دیکھ بھال اور ذمہ داریاں ادا کرنا تھا۔ تاہم انصار چونکہ نخلستان کے علاقہ میں آباد تھے اس لیے باغات کی دیکھ

بھال کا کام بھی عمل اموال میں شمار ہوگا۔

حضرت ابو ہریرہؓ نے حدیث کی روایت کے ضمن میں جن آیات کا حوالہ دیا ہے وہ سورہ بقرہ کی یہ آیات ہیں:

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَٰتِ وَالْهُدَىٰ مِن بَعْدِ مَا بَيَّنَّٰهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَٰبِ أُولَٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّٰعِنُونَ. إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَبَيَّنُوا فَأُولَٰئِكَ أَتُوبُ عَلَيْهِمْ وَأَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيمُ. (بقرہ:۱۵۹-۱۶۰)

﴿بے شک جو لوگ چھپاتے ہیں ہماری اتاری ہوئی کھلی کھلی نشانیوں اور ہماری ہدایت کو، بعد اس کے کہ ہم نے وہ کتاب میں کھول کر لوگوں کے لیے بیان کر دی تھیں، تو وہی لوگ ہیں جن پر اللہ لعنت کرتا ہے اور جن پر لعنت کرنے والے لعنت کریں گے۔ البتہ جن لوگوں نے توبہ کر لی اور اصلاح کر لی اور واضح طور پر بیان کر دیا تو ان کی توبہ میں قبول کروں گا اور میں بڑا توبہ قبول کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہوں۔﴾

اصلاً یہ آیات توریت میں نازل شدہ احکام کے ضمن میں آئی ہیں جن کو یہود لوگوں سے پوشیدہ رکھتے تھے۔ اس پر ان کو لعنت کا مستحق بتایا ہے۔

کتاب المساقاۃ

كتاب المساقاة

١ . بَابُ: فِي الشُّرْبِ . وَ قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالىٰ: وَ جَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ اَفَلَا يُؤْمِنُوْنَ، وَ قَوْلِهِ جَلَّ ذِكْرُه: اَفَرَءَيْتُمُ الْمَاءَ الَّذِیْ تَشْرَبُوْنَ ءَ اَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ. لَوْ نَشَاءُ جَعَلْنَاهُ اُجَاجًا فَلَوْ لَا تَشْكُرُوْنَ. اَلْاُجَاجُ الْمُرُّ، الْمُزْنُ السَّحَابُ.

باب: پینے پلانے کے بارے میں، نیز اللہ تعالیٰ کے اس قول کے بارے میں کہ ''اور ہم نے ہر چیز کو پانی سے زندہ کیا تو کیا وہ اس کے بعد بھی ایمان لانے والے نہیں بنیں گے'' اور اس قول کے بارے میں کہ ''ذرا دیکھو تو پانی جس کو تم پیتے ہو، تم اس کو ابر میں سے اتارتے ہو یا ہم اتارتے ہیں۔ اگر ہم چاہیں تو اس کو کھاری کر دیں پھر تم شکر کیوں نہیں کرتے؟'' اجاج کہتے ہیں کھاری کو اور مزن ابر کو۔

وضاحت:

یہ باب الشرب یعنی پینے پلانے کے بارے میں ہے لیکن اس کے تحت کوئی روایت نہیں ہے اور جو دو آیتیں تعلیق کے طور پر دی ہیں وہ بارش کے پانی کے رحمت اور مبارک ہونے کے بارے میں ہیں۔ ان میں پانی کے اللہ ہی کے اتارے ہوئے ہونے کا ذکر ہے۔ بعض نسخوں میں مساقات کا لفظ ہے۔ مساقات کہتے ہیں ایک خاص ٹکڑے کے اوپر بند باندھ کر پانی سے فصلوں کو سیراب کرنا۔ شرب کا لفظ نہایت محدود ہے اور اس کا تعلق بہرحال زراعت سے نہیں ہے۔

٢ . بَابُ : فِي الشُّرْبِ وَ مَنْ رَاٰى صَدَقَةَ الْمَاءِ وَ هِبَتَه' وَ وَصِيَّتَهٗ جَائِزَةً مَقْسُوْمًا كَانَ اَوْ غَيْرَ مَقْسُوْمٍ، وَ قَالَ عُثْمَانُ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ مَنْ يَشْتَرِیْ بِئْرَ رُوْمَةَ فَيَكُوْنُ دَلْوُهٗ فِيْهَا كَدِلَاءِ الْمُسْلِمِيْنَ فَاشْتَرَاهَا عُثْمَانُ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ.

باب: پینے پلانے کے بارے میں اور اس شخص کے بارے میں جو کہتا ہے کہ پانی کا حصہ خیرات کرنا اور ہبہ کرنا اور اس کی وصیت کرنا جائز ہے، خواہ وہ بٹا ہوا ہو یا بن بٹا (مشترک) اور حضرت عثمانؓ نے کہا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کون ایسا ہے جو رومہ کا کنواں خریدے اور پھر اپنا ڈول اس میں اس طرح ڈالے جیسے اور مسلمان ڈالیں تو حضرت عثمانؓ نے اس کو خریدا۔

وضاحت:

شرب کا تعلق پینے پلانے سے ہے لیکن پینے پلانے کا مسئلہ یہاں زیر بحث نہیں ہے۔ مسئلہ جو زیر بحث ہے وہ یہ ہے کہ پانی کا حکم کیا ہے۔ کیا وہ کسی کی ملکیت بھی ہو سکتا ہے، اس کو ہبہ بھی کیا جا سکتا ہے اور اس میں وصیت بھی کی جا سکتی ہے یا نہیں۔ اگر ایک شخص کا کنواں ہے تو اس پر صرف اس کا حق ہے یا دوسروں کے بھی حقوق ہو سکتے ہیں؟ پانی کے جو مسائل ہیں وہ اس باب کی عبارت کے مطابق اس میں زیر بحث آنے چاہئیں، اور اس میں شک نہیں کہ یہ مسائل اہم ہیں۔

اس روایت میں انفاق فی سبیل اللہ کی ایک اعلیٰ مثال ہے۔ رومہ کا کنواں کسی یہودی کی ملکیت تھا اور وہ مسلمانوں کے لیے پانی حاصل کرنے میں مشکلات پیدا کرتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں سے اپیل فرمائی کہ وہ اس کو خرید کر تمام مسلمانوں کے لیے وقف کر دیں اور اس پر اپنی ملکیت کا دعویٰ بھی نہ کریں۔ یہ دریا دلی حضرت عثمان غنیؓ نے دکھائی۔ وہ اپنی دولت کو اس طرح کے مواقع پر خرچ کر کے اپنا اجر عند اللہ محفوظ کرتے تھے چنانچہ انہوں نے یہودی سے معاملہ کر لیا اور مسلمانوں کی ایک بڑی مشکل حل ہو گئی۔

۱۔ حَدَّثَنَا سَعِيدُ ابْنُ أَبِي مَرْيَمَ حَدَّثَنَا أَبُو غَسَّانَ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُو حَازِمٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ أُتِيَ النَّبِيُّ ﷺ بِقَدَحٍ فَشَرِبَ مِنْهُ وَعَنْ يَمِينِهِ غُلَامٌ" أَصْغَرُ الْقَوْمِ وَالْأَشْيَاخُ عَنْ يَسَارِهِ فَقَالَ يَا غُلَامُ أَتَأْذَنُ لِي أَنْ أُعْطِيَهُ الْأَشْيَاخَ قَالَ مَا كُنْتُ لِأُوثِرَ بِفَضْلِي مِنْكَ أَحَدًا يَا رَسُولَ اللّٰهِ فَأَعْطَاهُ إِيَّاهُ.

﴿ابن سعدؓ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ کی خدمت میں ایک پیالہ پیش کیا گیا اور آپؐ نے اس میں سے پیا۔ آپ کی دائیں جانب ایک لڑکا تھا جو حاضرین میں سب سے چھوٹی عمر کا تھا اور بائیں جانب بزرگ لوگ بیٹھے تھے تو آپؐ نے فرمایا لڑکے! تم اجازت دیتے ہو کہ میں ان بزرگوں کو یہ پیالہ دے دوں؟ تو اس نے کہا یا رسول اللہ! یہ ممکن نہیں ہے کہ جو حصہ میرے لیے آپ کی طرف سے ہے میں ایثار کر کے دوسروں کو دے دوں۔ آخر آپؐ نے یہ پیالہ اسی کو دے دیا۔﴾

وضاحت:

لڑکے نے بات تو لاجواب کی ہے۔ اس سے جو بات نکلتی ہے وہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی طرف سے کوئی بخشش کسی کو ملتی ہو اور اس معاملے میں وہ حریص ہو اور کسی کو نہ دینا چاہے تو اس پر بخالت کا الزام نہیں آئے گا۔ وہ حق دار ہے کہ اس کو خود برتے۔ ہاں اگر اس کا جی چاہے تو بطور تبرک اس میں سے کچھ کسی کو دے سکتا ہے۔

آنحضرت ﷺ نے ہمیں آداب سکھائے ہیں کہ کوئی چیز دینی ہو تو پہلے داہنی طرف کے لوگوں کی طرف سے شروع کرنا چاہیے۔ اس کا تعلق آداب سے ہے۔ اس پر فقہی احکام لاگو کرنا زیادتی ہوگی۔ آداب کو آداب ہی کی حد تک رکھیے، واجبات نہ بنائیے ورنہ بڑی زحمت ہوگی۔ بہت ساری چیزیں مثلاً داہنے ہاتھ سے پانی پینا، بیٹھ کر پینا وغیرہ آداب میں سے ہے۔ ان پر عمل کرنا اور معاشرہ میں رواج دینا ضروری ہے۔ لیکن بعض دفعہ حالات کے لحاظ سے ان کو بدلنے میں بھی کوئی حرج نہیں۔ آداب میں تبدیلی کی کئی مثالیں خود نبی ﷺ کے عمل سے پیش کی جاسکتی ہیں۔ احکام کو اس طرح ٹالا نہیں جاسکتا۔

امام صاحب نے اس روایت کو ہبہ اور وصیت وغیرہ کے احکام کا ماخذ بنانا چاہا ہے تو یہ مضمون اس روایت سے نہیں نکلتا۔ ہبہ میں رجوع جائز ہے یا نہیں۔ اگر آنحضرت ﷺ واپس لینا چاہتے تو رجوع کرسکتے یا نہیں۔ یہ اور اس طرح کے دوسرے مسائل پیدا ہوجائیں گے۔

۲۔ حَدَّثَنَا اَبُو الْیَمَانِ اَخْبَرَنَا شُعَیْبٌ" عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ حَدَّثَنِي اَنَسُ بْنُ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّهَا حُلِبَتْ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ شَاةٌ" دَاجِنٌ" وَ هِيَ فِي دَارِ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ وَ شِيْبَ لَبَنُهَا بِمَاءٍ مِنَ الْبِئْرِ الَّتِي فِي دَارِ اَنَسٍ فَاَعْطَى رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ الْقَدَحَ فَشَرِبَ مِنْهُ حَتّٰى اِذَا نَزَعَ الْقَدَحَ مِنْ فِيْهِ وَ عَلٰى يَسَارِهِ اَبُوبَكْرٍ، وَ عَنْ يَمِيْنِهِ اَعْرَابِيٌّ، فَقَالَ عُمَرُ وَخَافَ اَنْ يُعْطِيَهُ الْاَعْرَابِيَّ، اَعْطِ اَبَابَكْرٍ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ (ﷺ) عِنْدَكَ فَاَعْطَاهُ الْاَعْرَابِيَّ الَّذِي عَلٰى يَمِيْنِهِ ثُمَّ قَالَ الْاَيْمَنَ فَالْاَيْمَنَ.

﴿حضرت انسؓ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے لیے ایک گھر میں رکھی ہوئی بکری دوہی گئی جو انسؓ کے گھر میں تھی اور اس میں اس کنویں کا پانی ملایا گیا جو حضرت انسؓ کے گھر میں تھا۔ پیالہ آنحضرت ﷺ کو پیش کیا گیا۔ آپؐ نے اس میں سے پیا یہاں تک کہ پیالہ منہ سے ہٹادیا۔ آپؐ کے بائیں حضرت ابوبکرؓ تھے اور دائیں ایک دیہاتی بیٹھا تھا۔ حضرت عمرؓ نے اس اندیشہ سے کہ آنحضرت ﷺ کہیں دیہاتی کو پیالہ نہ پکڑادیں، عرض کی کہ یارسول اللہ، ابوبکرؓ کو دیجیے وہ آپ کے پاس ہیں۔ لیکن نبی ﷺ نے اعرابی کو دیا جو آپ کے دائیں طرف تھا اور فرمایا پہلے دایاں پھر اس کا دایاں حق دار ہوتا ہے۔﴾

وضاحت:

حضرت عمرؓ کے کہنے کی اس کے سوا کوئی علت نہیں تھی کہ دائیں طرف والا بدو تھا اور دوسری طرف جلیل القدر صحابی ابوبکرؓ تھے۔ ان کا خیال ہوا کہ اگر یہ موقع مشرف ہونے کا ہے تو ابوبکرؓ کا حق ہے۔ لیکن دیکھا جائے تو حضرت ابوبکرؓ کے لیے

مشرف ہونے کے کیا کم مواقع تھے۔ آنحضرت ﷺ نے اس موقع پر بدو کے حق کو مقدم رکھا اور یہی ہونا چاہیے تھا۔ اس لیے کہ اسلام میں غریبوں کی بڑی وقعت اور عزت ہے۔ اس معاملہ میں آنحضرت ﷺ نے حضرت عمرؓ کی بات بھی نہیں سنی اور یہ تنبیہ کردی کہ الایمن فالایمن۔ آنحضرت ﷺ نے جو کیا وہی ٹھیک تھا اس لیے کہ بڑے آدمیوں کا معاملہ تھا۔ اگر آپ حضرت عمرؓ کا مشورہ قبول فرما لیتے تو اس سے یہ اصول پیدا ہو جاتا کہ بڑوں کے ہوتے ہوئے چھوٹوں کا حق نہیں رہتا۔ آنحضرت ﷺ نے جو طریقہ اختیار فرمایا یہی صحیح تربیت ہے۔

۳. بَاب: مَنْ قَالَ إِنَّ صَاحِبَ الْمَاءِ أَحَقُّ بِالْمَاءِ حَتّٰى يَرْوٰى لِقَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ لَا يُمْنَعُ فَضْلُ الْمَاءِ.

باب: جس کا کہنا نبی ﷺ کے اس ارشاد کے باعث کہ فاضل پانی روکا نہیں جا سکتا، یہ ہو کہ پانی کا مالک جب تک کھیتی کو سیراب نہ کرلے، پانی کا زیادہ حقدار ہے۔

وضاحت:

مطلب یہ ہے کہ اگر کسی نے اصل حق صاحب الماء کا تسلیم کرلیا کہ پانی کا حق دار وہی ہے تو مسئلہ کی نوعیت کیا ہو گی۔ صاحب الماء سے یہ بات نکلتی ہے کہ پانی مملوک بھی ہو سکتا ہے۔

۳۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ" عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لَا يُمْنَعُ فَضْلُ الْمَاءِ لِيُمْنَعَ بِهِ الْكَلَاءُ.

﴿حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ فالتو پانی کو اس بہانے سے نہ روکا جائے کہ گھاس کو محفوظ کرنا ہے۔﴾

۴۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنِ ابْنِ الْمُسَيَّبِ وَ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لَا تَمْنَعُوا فَضْلَ الْمَاءِ لِتَمْنَعُوا بِهِ فَضْلَ الْكَلَاءِ.

﴿حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اپنا فالتو پانی مت روکو اس مقصد کے لیے کہ اپنی فالتو گھاس کو بچاؤ۔﴾

وضاحت:

ایک شخص جب کنواں بناتا ہے تو اس کے اطراف میں ایک خاص رقبہ مخصوص ہو جاتا ہے جہاں جانور آتے اور

پانی پیتے ہیں۔ کنویں کے پانی سے سیراب ہو کر آس پاس کی زمین میں گھاس بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ اب اگر کوئی شخص لوگوں کے مال مویشی آنے نہ دے کہ یہ ہماری گھاس چر جاتے ہیں اور گھاس کی حفاظت کا بہانہ بنا کر فالتو پانی روک لے تو اس سے نبی ﷺ نے منع فرمایا ہے۔ کسی کو اپنے فالتو پانی کے استعمال سے کسی کو روکنے کا حق نہیں ہے۔

دوسری روایت میں الفاظ ذرا بدل گئے ہیں لیکن مطلب اور واضح ہو گیا کہ گھاس کو بچانے کا بہانہ بنا کر لوگوں کو فالتو پانی سے محروم نہ کیا جائے۔

۳۔ بابُ: مَنْ حَفَرَ بِئْرًا فِى مِلْكِهِ لَمْ يَضْمَنْ.

باب: جس نے اپنی زمین میں کنواں کھودا تو وہ اس کی وجہ سے ہونے والے کسی نقصان کا ضامن نہیں ٹھہرے گا۔

وضاحت:

کنواں تو اس شخص نے اپنی زمین میں کھودا۔ اگر کسی کی بکری اس میں گر جاتی ہے تو کنویں کے مالک کو ضامن نہیں ٹھہرائیں گے، اس لیے کہ کنواں کھودنا ایک ضروری اور مفید کام ہے۔ جس کا فائدہ دوسرے لوگوں کو بھی پہنچتا ہے۔ البتہ ایک بات قابل غور ہے۔ اگر کنویں والے کی کسی سازش کو اس میں دخل ہو اور ثابت ہو جائے کہ کوئی کوتاہی قصداً کی گئی ہے تب اس کے خلاف کارروائی ہوگی لیکن اگر کوئی کوتاہی اس نے نہیں کی تو وہ کسی کے نقصان کا ضامن نہیں ہوگا۔ یہ استثنا باب کی عبارت میں ملحوظ نہیں رکھا گیا۔

۵۔ **حَدَّثَنَا مَحْمُودٌ، اَخْبَرَنَا عُبَيْدُاللّٰهِ عَنْ اِسْرَائِيلَ عَنْ اَبِى حَصِينٍ عَنْ اَبِى صَالِحٍ عَنْ اَبِى هُرَيْرَةَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ الْمَعْدَنُ جُبَارٌ، وَالْبِئْرُ جُبَارٌ، وَالْعَجْمَاءُ جُبَارٌ، وَفِى الرِّكَازِ الْخُمُسُ.**

﴿حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ معدن میں حادثہ ہو جائے تو کوئی معاوضہ نہیں ہوگا، کنویں کی وجہ سے پہنچنے والے نقصان پر اور جانور سے پہنچنے والی تکلیف پر بھی کوئی معاوضہ نہیں ہوگا۔ اور زمین کے دفینہ میں سے خمس دینا ہوگا۔﴾

وضاحت:

معدن سے مراد کان ہے جس میں کھدائی کرتے ہوئے طرح طرح کے حادثات پیش آ سکتے ہیں۔ کانوں میں انسان اور مویشی گر بھی سکتے ہیں۔ عجماء چوپائے کے لیے مستعمل ہے۔ جُبار کے معنی ہدر کے ہیں یعنی جس کا انتقام نہ لیا جائے

اور خون رائیگاں جائے۔ اگر کنویں میں کوئی گر کر مر جاتا ہے یا جانور کسی کو سینگ مار دیتا ہے تو جو نقصان ہوگا اس کا کوئی معاوضہ نہیں ملے گا۔ ان چیزوں میں کسی کو ضامن نہیں ٹھہرایا ہے۔ زمین کے دفینہ میں پانچواں حصہ ہے یعنی جو حصہ مال غنیمت کے لیے مقرر ہے وہی حصہ دفینہ میں سے حکومت کو جائے گا۔

روایت اپنے محل میں ٹھیک ہے لیکن اس کا تعلق کتاب الشرب سے بس اتنا ہی ہے کہ اس میں کنویں کا ذکر ہے۔

٥. بابُ: الْخُصُوْمَةِ فِي الْبِئْرِ وَالْقَضَاءِ فِيهَا.

باب: کنویں کے بارے میں جھگڑا اور اس کا فیصلہ

٦۔ حَدَّثَنَا عَبْدَانُ عَنْ اَبِي حَمْزَةَ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ شَقِيْقٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَنْ حَلَفَ عَلَى يَمِيْنٍ يَقْتَطِعُ بِهَا مَالَ امْرِىءٍ هُوَ عَلَيْهَا فَاجِر" لَقِيَ اللّٰهَ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانُ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى: اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِاللّٰهِ وَ اَيْمَانِهِم ثَمَنًا قَلِيْلًا الْاٰيَةَ فَجَاءَ الْاَشْعَثُ فَقَالَ مَا حَدَّثَكُم اَبُوْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ فِيَّ اُنْزِلَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ كَانَتْ لِي بِئْر" فِي اَرْضِ ابْنِ عَمٍّ لِي فَقَالَ لِي شُهُوْدَكَ قُلْتُ مَالِي شُهُوْد" قَالَ فَيَمِيْنُهُ' قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِذًا يَحْلِفَ فَذَكَرَ النَّبِيُّ ﷺ هٰذَا الْحَدِيْثَ، فَاَنْزَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ تَصْدِيْقًا لَهُ.

﴿عبداللہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ جس نے کوئی قسم کھائی اس مقصد سے کہ کسی کا مال ہڑپ کرے اور وہ اس میں جھوٹا ہو تو اللہ سے اس حال میں ملے گا کہ اللہ تعالیٰ اس پر غضبناک ہوگا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری "بے شک جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی جھوٹی قسموں کے عوض دنیا کا تھوڑا مال حاصل کر لیتے ہیں" ......اخیر آیت تک۔ اس کے بعد اشعث آئے تو انہوں نے کہا عبداللہؓ کیا بیان کر رہے تھے؟ یہ آیت تو میرے بارے میں اتری ہے۔ ہوا یہ تھا کہ میرے چچازاد بھائی کی زمین میں میرا ایک کنواں تھا۔ آنحضرت ﷺ نے مجھ سے پوچھا تیرے پاس گواہ ہیں۔ میں نے کہا گواہ تو نہیں ہیں۔ آپ نے فرمایا تو پھر دوسرے فریق سے قسم لی جائے گی۔ میں نے کہا یا رسول اللہ وہ تو قسم کھا لے گا۔ اس وقت آپ نے یہ حدیث فرمائی، پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی تصدیق میں یہ آیت اتاری۔﴾

وضاحت:

حضرت اشعثؓ کا ایک کنواں ان کے چچازاد بھائی کی زمین میں تھا۔ جس کا کچھ جھگڑا تھا چچازاد بھائی اس پر اپنی ملکیت جتاتا ہوگا۔ اشعث آنحضرت ﷺ کے پاس مقدمہ لے گئے۔ آپ نے حکم دیا کہ اپنے گواہ پیش کرو۔ انہوں نے کہا

گواہ تو کوئی نہیں ہے۔ اس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا پھر تو دوسرے فریق سے قسم لینی پڑے گی۔ اس لیے کہ البینۃ علی المدعی والیمین علی من انکرہ اسلام میں مسلم اصول ہے۔ مدعی اپنے دعویٰ کے حق میں عدالت میں ثبوت پیش کرنے کا ذمہ دار ہوگا جبکہ قسم مدعی علیہ کا حق ہے۔ اس پر اشعث نے کہا کہ وہ تو قسم کھالے گا۔ اس پر حضور ﷺ نے وہ بات فرمائی جو اوپر نقل ہوئی ہے کہ جس نے جھوٹی قسم کھائی اس مقصد سے کہ کسی کا مال ہڑپ کرے وہ قیامت کے دن اللہ سے اس حال میں ملے گا کہ اللہ تعالیٰ اس پر غضبناک ہوگا۔

یہ امت حق کی شہادت کے لیے مبعوث کی گئی ہے اس لیے جھوٹ بولنا، جھوٹی قسم کھانا، جھوٹی گواہی دینا وغیرہ اس کے لیے بہت بڑے گناہوں میں شمار کیا گیا ہے۔ حدیث میں بتائے گئے واقعہ میں دوہرا جرم بیان ہوا ہے۔ ایک، دوسرے کے مال کو چھپانے کی کوشش کرنا اور دوسرا اس کے لیے جھوٹی قسم کو ذریعہ بنانا لہٰذا اس جرم پر اللہ تعالیٰ کا غصہ بھڑکے گا۔

راوی آخر میں جو یہ کہتے ہیں کہ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی تو اس آیت میں یہود کا جرم بتایا ہے کہ وہ اللہ کا عہد پورا نہیں کرتے اور جھوٹی قسمیں کھا کر دنیاوی مفاد حاصل کرتے ہیں۔ اس حدیث میں اس آیت کا شان نزول بیان نہیں ہوا ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس آیت سے حدیث کا یہ مضمون بھی نکلتا ہے۔

٦. بابُ: إِثْمِ مَنْ مَنَعَ ابْنَ السَّبِيلِ مِنَ الْمَاءِ.

باب: اس شخص کا گناہ جو مسافر کو پانی نہ دے

۷۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ زِيَادٍ عَنِ الْأَعْمَشِ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا صَالِحٍ يَقُولُ سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ "ثَلَاثَةٌ" لَا يَنْظُرُ اللَّهُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ" أَلِيمٌ" رَجُلٌ" كَانَ لَهُ فَضْلُ مَاءٍ بِالطَّرِيقِ فَمَنَعَهُ مِنِ ابْنِ السَّبِيلِ، وَرَجُلٌ" بَايَعَ إِمَامًا لَا يُبَايِعُهُ إِلَّا لِدُنْيَا فَإِنْ أَعْطَاهُ مِنْهَا رَضِيَ وَ إِنْ لَمْ يُعْطِهِ مِنْهَا سَخِطَ، وَ رَجُلٌ" أَقَامَ سِلْعَتَهُ بَعْدَ الْعَصْرِ فَقَالَ وَاللَّهِ الَّذِي لَا إِلَهَ غَيْرُهُ لَقَدْ أَعْطَيْتُ بِهَا كَذَا وَ كَذَا فَصَدَّقَهُ رَجُلٌ" ثُمَّ قَرَأَ هَذِهِ الْآيَةَ: إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَ أَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا.

ابوصالح کہتے ہیں کہ میں نے ابوہریرہؓ سے سنا، وہ فرماتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تین شخص ہوں گے جن کی طرف قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نظر اٹھائے گا نہ ان کو پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔ وہ شخص جس کے پاس فالتو پانی ہو اور وہ راستے میں ہو اور وہ اس کو مسافروں سے روکے۔ اور وہ شخص جو کسی امام کے ہاتھ پر بیعت کرے لیکن غرض اس کی دنیا ہو۔ اگر امام اس (مال دنیا) میں سے اسے کچھ دے دے تو اس سے راضی رہے اور اگر نہ دے تو اس سے ناراض ہو جائے۔ اور وہ شخص جو اپنا سامان

فروخت لے کر عصر کی نماز کے بعد بیٹھ جائے اور کہے کہ اس اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں، میں نے اس مال کی یہ قیمت ادا کی اور دوسرا شخص اس کی بات کو سچ مان کر مال خرید لے۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی کہ اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَ اَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلاً ﴾

وضاحت:

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کا کسی بندے کی طرف نظر نہ اٹھانا اور اس کو پاک نہ کرنا اس سے غایت درجہ نفرت کا اظہار ہوگا۔ قرآن کے مطابق اللہ تعالیٰ یہود سے اپنی غضبناکی کا اظہار اسی طرح کرے گا۔ اللہ تعالیٰ تین شخصوں کے معاملہ میں بھی اسی طرح کی نفرت کا اظہار فرمائے گا۔ ایک وہ شخص جو چلتے راستے میں ہے، اس کے پاس فالتو پانی ہے لیکن وہ اس راستہ سے گزرنے والے مسافروں کو نہیں دیتا جبکہ کسی اور ذریعے سے ان کو پانی ملنے کا امکان نہیں ہوتا۔ دوسرا وہ شخص جو کسی امام کے ہاتھ پر بیعت کرے اور مقصد اس کا حصول دنیا ہو، اگر کچھ ملتا رہے تو راضی رہے ورنہ ناراض ہو جائے۔ گویا اس کی بیعت اپنی غرض کے لیے ہوتی ہے۔ غرض پوری ہوتی ہے تب امام کا مطیع ہوتا ہے اور نہ پوری ہو تو اس سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ اور تیسرا وہ شخص ہے جو عصر کے بعد بازار میں بیٹھ جاتا ہے اور جھوٹی قسم کھا کر اپنا مال بیچتا ہے اور خریدنے والا اس کی قسم کا اعتبار کر کے لے لیتا ہے۔ عصر کے بعد قسم کھا کر مال بیچنے کا محرک یہ ہوسکتا ہے کہ دن بھر تو زیادہ کمائی ہوئی نہیں۔ اب دن بہت کم رہ گیا ہے اس لیے قسم کھا کر کچھ مال بیچ لیا جائے۔ ان تینوں میں قدر مشترک اپنے مفادات کو پورا کرنا، مال سے محبت کرنا اور دوسروں کو نقصان پہنچانے میں سنگ دلی کا مظاہرہ کرنا ہے۔ یہ کردار یہود کا ہے۔ اسی لیے حضورؐ نے ان کے لیے قیامت کی سزا بھی وہی بتائی جو قرآن میں یہود کے لیے بیان ہوئی ہے۔

امام کی بیعت کے بارے میں حضورؐ نے دوسرے شخص کا رویہ جو بتایا ہے یہی آج کل ہماری ملکی سیاست میں رائج ہے۔ دنیاوی مفادات پورے ہونے کی توقع پر لوگ سیاسی پارٹیوں میں شامل ہوتے ہیں اور جب توقع پوری نہیں ہوتی تو فلور کراسنگ کر لیتے ہیں۔

اس روایت میں الفاظ ہیں ثُمَّ قَرَأَ هٰذِهِ الْاٰيَةَ ۔ یہ تعبیر صحیح ہے۔ نزل فيه سے تعبیر کرنے میں بات مختلف ہو جاتی ہے اور اس پر اعتراض وارد ہوتا ہے۔

۷۔ باب: سَكْرِ الْاَنْهَارِ

باب: نہروں کی بندش کے بارے میں

۸۔ حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ قَالَ حَدَّثَنِي ابْنُ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ الزُّبَيْرِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّهُ حَدَّثَهُ اَنَّ رَجُلًا مِنَ الْاَنْصَارِ خَاصَمَ الزُّبَيْرَ عِنْدَالنَّبِيِّ ﷺ فِي شِرَاجِ الْحَرَّةِ الَّتِي يَسْقُوْنَ بِهَا النَّخْلَ فَقَالَ الْاَنْصَارِيُّ سَرِّحِ الْمَاءَ يَمُرُّ فَاَبٰى عَلَيْهِ فَاخْتَصَمَا

عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لِلزُّبَيْرِ اَسْقِ يَا زُبَيْرُ ثُمَّ اَرْسِلِ الْمَاءَ اِلٰى جَارِکَ فَغَضِبَ الْاَنْصَارِيُّ فَقَالَ اَنْ كَانَ ابْنَ عَمَّتِکَ فَتَلَوَّنَ وَجْهُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ ثُمَّ قَالَ اسْقِ يَا زُبَيْرُ ثُمَّ احْبِسِ الْمَاءَ حَتّٰى يَرْجِعَ اِلَى الْجَدْرِ فَقَالَ الزُّبَيْرُ: وَاللّٰهِ اِنِّيْ لَاَحْسِبُ هٰذِهِ الْاٰيَةَ نَزَلَتْ فِيْ ذٰلِکَ، فَلَا وَرَبِّکَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْکَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ.

﴿عروہ کہتے ہیں کہ ان سے عبداللہ بن زبیرؓ نے بیان کیا کہ انصار میں سے ایک شخص نے زبیرؓ کے خلاف نبی ﷺ کی خدمت میں حرہ کے برساتی نالے کے بارے میں مقدمہ پیش کیا جس کے پانی سے وہ اپنے کھجور کے درختوں کو سیراب کیا کرتے تھے۔ انصاری کا مطالبہ یہ تھا کہ پانی چھوڑے رکھو کہ گزرتا رہے، زبیرؓ نے اس سے انکار کیا پھر دونوں آنحضرت ﷺ کے سامنے یہ مقدمہ لائے۔ آنحضرت ﷺ نے زبیر سے فرمایا کہ تم اپنا باغ سیراب کرلو تو اپنے ہمسایہ کی زمین پر پانی چھوڑ دیا کرو۔ یہ سن کر انصاری غصہ ہوا اور کہنے لگا: زبیرؓ آپ کی پھوپھی کے بیٹے ہیں نا۔ رسول اللہ ﷺ کا چہرہ متغیر ہو گیا اور آپ نے فرمایا اے زبیر! اپنے باغ کو سیراب کرو اور پھر پانی روکے رکھو یہاں تک کہ وہ جدر تک لوٹ جائے۔ زبیرؓ نے کہا اللہ کی قسم میں سمجھتا ہوں یہ آیت فَلَا وَرَبِّکَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْکَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ (پس نہیں، تیرے رب کی قسم! یہ لوگ اس وقت تک مومن نہیں بن سکتے جب تک اپنے درمیان ہونے والے نزاعات میں تجھ کو حکم نہ مانیں) اسی بارے میں نازل ہوئی ہے۔﴾

وضاحت:

حرہ پتھریلی زمین کو کہتے ہیں۔ مدینہ کے مشرق اور مغرب میں زمین آتش فشانی لاوے پر مشتمل ہے۔ اس کو حرہ کا نام دیا گیا ہے۔ شراج سے مراد برساتی نالا ہیں۔ حرہ میں کوئی برساتی نالا تھا جس کے پانی سے زبیرؓ اپنی زمین سیراب کرتے تھے۔ اس علاقہ میں اس طرح کی کسی مصنوعی نہر کا گزر نہیں تھا جیسا کہ آج کل ہمارے علاقوں میں ہیں کیونکہ جزیرہ نمائے عرب میں کوئی دریا نہیں۔ حضرت زبیرؓ کا باغ اوپر تھا اور انصاری کا نیچے۔ زبیرؓ پانی کو روک لیتے اور جب تک ان کا باغ سیراب نہیں ہوتا تھا اس وقت تک نہیں چھوڑتے تھے۔ اس صورت میں یہ مسئلہ پیدا ہوتا تھا کہ جب تک ان کی ضرورت پوری نہ ہوتی انصاری کو انتظار کرنا پڑتا۔ انصاری کا مطالبہ یہ تھا کہ پانی کو نہ روکیں بلکہ چلنے دیا کریں۔ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں مقدمہ پیش کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ زبیرؓ تم اپنا باغ سیراب کرلو تو پھر پانی اپنے ہمسایہ کی طرف چھوڑ دیا کرو۔ انصاری اس پر غصہ ہوا اور طعنہ دیا کہ آپ نے اپنے پھوپھی کے بیٹے کے حق میں فیصلہ دیا۔ آنحضرت ﷺ کا چہرہ متغیر ہو گیا آپ

نے فرمایا کہ زبیرؓ اپنے باغ کو سیراب کرو اور پانی کو روکو یہاں تک کہ وہ جدر تک لوٹ جائے۔

جدر کے معنی کیا ہیں، اس میں بڑے جھگڑے ہیں۔ لوگوں نے اس لفظ کو منڈیر کے معنی میں لیا ہے جو پانی کو روکنے کے کام آتی ہے۔ لیکن امام بخاری نے آگے روایت میں شرح کر دی ہے کہ جدر سے مراد جڑ ہے۔ اس معنی میں یہ لفظ پہلی مرتبہ میرے سامنے آیا ہے۔ کسان جانتا ہے کہ باغ کے لیے لازم ہے کہ اتنا پانی کھڑا کیا جائے کہ درخت کی جڑ تک پانی جذب ہو کر پہنچ جائے۔ آگے الی الکعبین کے الفاظ بھی آ رہے ہیں۔ یعنی پانی کو روکو ٹخنوں تک، تو ظاہر ہے اتنا پانی کھڑا کرنے کے لیے کچھ دیر روکنا پڑے گا۔ اتنا پانی کھڑا ہوگا تو جذب ہو کر جڑ تک پہنچ جائے گا۔

میرے نزدیک لفظ جدر نہیں بلکہ جذر ہے، ان میں ایک نقطہ کا فرق ہے۔ جذر اور جذور کا لفظ پودے کی اس جڑ کے لیے آتا ہے جو زمین کے اندر ہوتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ یہ غلطی کہاں ہوئی۔ میرے نزدیک مناولہ کے طریقہ سے جو روایت ہوتی ہے، اس میں یہ ہوتا ہے کہ شیخ اجازت دے دیتا ہے کہ میری کتاب سے روایت کریں۔ اب اگر اس میں کوئی لفظ غلط لکھا ہوا ہے تو ظاہر ہے کہ وہی نقل ہوگا۔ اس کی مثالیں پیچھے گزر چکی ہیں۔ آگے روایت میں الی الکعبین سے جو وضاحت کی گئی ہے اس سے بھی میری بات کو تقویت ملتی ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ اوپر کی زمین والا اتنا پانی روک لے جو پودوں کی جڑوں تک پہنچ جائے۔ اس کا اندازہ ٹخنوں تک پانی روک کر لگایا جا سکتا ہے۔ پس ایسے ندی نالوں کے لیے جو وادیوں سے نکلیں یا بارشوں سے چل پڑیں ضابطہ یہ ہوا کہ جس کی زمین اوپر ہوگی اس کا حق ہے کہ اتنا پانی روکے کہ وہ فصل کی جڑوں تک کے لیے کافی ہو اور پھر نیچے والے کے لیے چھوڑ دے۔ پانی اسی ترتیب سے آگے چلے گا یہاں تک کہ پانی ختم ہو جائے گا۔

انصاری کا یہ موقف کہ زبیر چونکہ آپ کی پھوپھی کے بیٹے ہیں اس لیے حضورؐ نے ان کے حق میں فیصلہ دے دیا نہایت بدتمیزی پر مبنی تھا اور آنحضرتؐ پر اس اعتماد کے منافی تھا جو ہر مسلمان کو آپ پر ہونا چاہیے اسی لیے آپ نے دوسری مرتبہ اور زیادہ وضاحت کے ساتھ اپنا فیصلہ سنایا۔

حضرت زبیرؓ نے کہا اللہ کی قسم یہ آیت فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ اسی بارے میں نازل ہوئی ہے۔ میرے نزدیک آپ کہہ سکتے ہیں کہ اس آیت سے اس طریقہ کے جھگڑوں کا حکم بھی نکلتا ہے۔ لیکن یہ کہنا کہ اسی بارے میں نازل ہوئی، یہ ٹھیک نہیں۔ سیاق وسباق کے مطابق آیت تو منافقین کے بارے میں ہے۔

٨. باب: شُرْبِ الْاَعْلٰى قَبْلَ الْاَسْفَلِ

باب: اس بارے میں کہ جس کا کھیت بلندی پر ہو وہ نیچے والے سے پہلے سیراب کرے

٩۔ حَدَّثَنَا عَبْدَانُ اَخْبَرَنَا عَبْدُاللّٰهِ اَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ " عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ قَالَ خَاصَمَ الزُّبَيْرَ رَجُلٌ " مِنَ الْاَنْصَارِ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ يَا زُبَيْرُ اسْقِ ثُمَّ اَرْسِلْ فَقَالَ الْاَنْصَارِيُّ اِنَّهُ ابْنُ عَمَّتِكَ

فَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ اسْقِ يَا زُبَيْرُ ثُمَّ يَبْلُغُ الْمَاءُ الْجَدْرَ ثُمَّ اَمْسِكْ فَقَالَ الزُّبَيْرُ فَاَحْسِبُ هٰذِهِ الْاٰيَةَ نَزَلَتْ فِي ذَالِكَ فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ.

﴿حضرت زبیرؓ کی انصاری سے نزاع تھی تو آنحضرت ﷺ نے حکم دیا زبیرؓ تم اپنا کھیت سیراب کرنے کے بعد پانی چھوڑ دیا کرو۔ اس پر انصاری نے کہا آپ کی پھوپھی کا بیٹا ہے نا اس لیے۔ تب آپ نے فرمایا زبیر تم اپنے کھیت کو پانی پلالو اور پھر پانی جدر تک پہنچ جائے تو اسے روک لو۔ زبیر کہتے ہیں کہ میرا گمان ہے کہ آیت فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ اسی بارے میں نازل ہوئی ہے۔﴾

۹ . بَابُ: شِرْبِ الْاَعْلٰى اِلَى الْكَعْبَيْنِ

باب: اس بارے میں کہ بلند کھیت والا پانی ٹخنوں تک بھر لے

۱۰۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ اَخْبَرَنَا مَخْلَدٌ" قَالَ اَخْبَرَنِي ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ حَدَّثَنِي ابْنُ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِؓ اَنَّهُ حَدَّثَهُ اَنَّ رَجُلًا مِنَ الْاَنْصَارِ خَاصَمَ الزُّبَيْرَ فِي شِرَاجٍ مِنَ الْحَرَّةِ يَسْقِيْ بِهَا النَّخْلَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اسْقِ يَا زُبَيْرُ فَاَمَرَهُ بِالْمَعْرُوْفِ ثُمَّ اَرْسِلْ اِلَى جَارِكَ، فَقَالَ الْاَنْصَارِيُّ اَنْ كَانَ ابْنَ عَمَّتِكَ فَتَلَوَّنَ وَجْهُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ ثُمَّ قَالَ اسْقِ ثُمَّ احْبِسْ حَتّٰى يَرْجِعَ الْمَاءُ اِلَى الْجَدْرِ وَاسْتَوْعٰى لَهُ حَقَّهُ، فَقَالَ الزُّبَيْرُ وَ اللّٰهِ اِنَّ هٰذِهِ الْاٰيَةَ اُنْزِلَتْ فِي ذَالِكَ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ. قَالَ لِي ابْنُ شِهَابٍ فَقَدَّرَتِ الْاَنْصَارُ وَالنَّاسُ قَوْلَ النَّبِيِّ ﷺ اسْقِ ثُمَّ احْبِسْ حَتّٰى يَرْجِعَ اِلَى الْجَدْرِ وَ كَانَ ذَالِكَ اِلَى الْكَعْبَيْنِ.

﴿عروۃ ابن زبیرؓ سے روایت ہے کہ ایک انصاری شخص نے حرہ کے برساتی نالے کے بارے میں، جس سے وہ کھجور کے درختوں کو پانی دیا کرتے تھے، زبیر سے جھگڑا کیا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا زبیرؓ تم پانی پلالو، پھر پانی اپنے ہمسایہ کی طرف چھوڑ دینا۔ آپ نے یہ معروف کے مطابق حکم دیا۔ انصاری نے کہا کہ یہ اس وجہ سے کہ زبیرؓ آپ کے پھوپھی کے بیٹے ہیں۔ یہ سن کر آنحضرت ﷺ کے چہرے کا رنگ بدل گیا، آپ نے فرمایا کہ زبیر اپنے درختوں کو پانی پلاؤ پھر پانی روک لو یہاں تک کہ وہ جدر تک آ جائے۔ زبیرؓ کا جو واجبی حق تھا وہ آپ نے دلا دیا۔ زبیر کہتے تھے کہ آیت فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ

بَيْنَهُمْ اسی باب میں اتری ہے۔ ابن شہاب کہتے ہیں کہ انصار اور دوسرے لوگوں نے آنحضرت ﷺ کے اس فرمان کا کہ پانی کو روک لو یہاں تک کہ وہ جدر تک پہنچے، یہ اندازہ کیا کہ پانی ٹخنوں تک بھر جائے۔

وضاحت:

فامره بالمعروف یعنی یہ کہ اپنے کھیت کو پانی پلاؤ دستور کے مطابق، کمی بھی نہیں کرنی چاہیے لیکن حق سے زیادہ بھی نہیں کرنا چاہیے۔ لیکن جب آپ نے دیکھا کہ یہ شخص اس طریقے کی گستاخانہ باتیں کرتا ہے تو آپ نے پوری وضاحت کردی کہ پانی پلاؤ یہاں تک کہ پانی جڑ تک پہنچے۔ اس ہدایت سے آپ نے زبیرؓ کا حق محفوظ کردیا۔

قال ابن شھاب سے آگے ابن شہاب کا ادراج ہے اور یہاں یہ بات یاد رکھیے گا کہ شارحین نے بھی لکھا ہے کہ یہ ابن شہاب کا اس طریقے کا ادراج ہے، جیسا کہ وہ حدیثوں میں اپنی طرف سے کرتے ہیں۔ میرے نزدیک ابن شہاب نے اگرچہ یہ بات مفید کہی لیکن ہے ان کا ادراج۔

١٠ . بابُ: فَضْلِ سَقْيِ الْمَاءِ

باب: پانی پینے پلانے کی فضیلت کے بارے میں

١١۔ حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ اَخْبَرَنَا مَالِكٌ" عَنْ سُمَيٍّ عَنْ اَبِى صَالِحٍ عَنْ اَبِى هُرَيْرَةَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ بَيْنَا رَجُلٌ" يَمْشِىْ فَاشْتَدَّ عَلَيْهِ الْعَطَشُ فَنَزَلَ بِئْرًا فَشَرِبَ مِنْهَا، ثُمَّ خَرَجَ فَاِذَا هُوَ بِكَلْبٍ يَلْهَثُ يَاْكُلُ الثَّرٰى مِنَ الْعَطَشِ فَقَالَ لَقَدْ بَلَغَ هٰذَا مِثْلُ الَّذِىْ بَلَغَ بِىْ فَمَلَاَ خُفَّهُ ثُمَّ اَمْسَكَهُ بِفِيْهِ ثُمَّ رَقِىَ فَسَقَى الْكَلْبَ فَشَكَرَ اللّٰهُ لَهُ فَغَفَرَ لَهُ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَ اِنَّ لَنَا فِى الْبَهَائِمِ اَجْرًا، قَالَ فِىْ كُلِّ كَبِدٍ رَطْبَةٍ اَجْرٌ" تَابَعَهُ حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ وَالرَّبِيْعُ بْنُ مُسْلِمٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ زِيَادٍ.

﴿حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایک شخص جا رہا تھا، اس کو سخت پیاس لگی۔ وہ ایک کنویں میں اترا اور پانی پیا۔ نکلا تو دیکھا کہ ایک کتا پیاس کی شدت سے زبان نکالے گیلی مٹی چاٹ رہا ہے۔ اس نے دل میں کہا اس کو بھی پیاس کی ویسی ہی اذیت ہے جیسے مجھ کو تھی۔ اس نے اپنا موزہ پانی سے بھرا اور منہ میں تھام کر اوپر چڑھا اور کتے کو پانی پلایا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی اس نیکی کو قبول فرما کر اس کو معاف کر دیا۔ لوگوں نے کہا کہ یا رسول اللہ کیا جانوروں کی خدمت میں بھی اجر ہے۔ آپ نے فرمایا ہر وہ جگر جو زندہ

ہے اس کی خدمت میں اجر ہے۔﴾

وضاحت:

یہ بڑی مبارک حدیث ہے۔ جب اللہ تعالیٰ اپنے بندے میں یہ دیکھتا ہے کہ اس نے صحیح موقع پر نیکی کے صحیح جذبہ سے مغلوب ہو کر کوئی کام کیا ہے تو اس کا اجر بہت بڑا رکھا ہے۔ نبیؐ کو بشارت مل گئی ہوگی کہ اس شخص کو اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیا۔ یہ کس طرح ملی یہاں اس کا ذکر نہیں ہے۔

آنحضرت ﷺ نے کلیہ بیان فرما دیا کہ ہر جانور جو زندہ جگر رکھتا ہے وہ اسی طرح سے شفقت اور ہمدردی کا محتاج ہے جس طریقہ سے ہم محتاج ہیں۔ یہ انسانیت کا کتنا اعلیٰ معیار ہے جو اسلام پیش کرتا ہے لیکن معلوم نہیں اس زمانے کے لوگوں کے دل ودماغ، ہر چیز کو کیا ہو گیا ہے۔ معلوم ہوا کہ انسان سے بڑا شقی القلب کوئی نہیں اور اس سے بڑا شریف، عاقل اور فرزانہ بھی کوئی نہیں ہے۔ شیطان بن جائے تو شیطان کے کان کترے اور انسان بن جائے تو جبریلؑ کے ہمرکاب ہو جائے۔

۱۲۔ حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِیْ مَرْیَمَ حَدَّثَنَا نَافِعُ بْنُ عُمَرَ عَنِ ابْنِ اَبِیْ مُلَیْکَةَ عَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ اَبِیْ بَکْرٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ صَلّٰی صَلٰوۃَ الْکُسُوْفِ، فَقَالَ دَنَتْ مِنِّی النَّارُ حَتّٰی قُلْتُ اَیْ رَبِّ وَ اَنَا مَعَھُمْ فَاِذَا امْرَاَۃٌ" حَسِبْتُ اَنَّهٗ قَالَ تَخْدِشُھَا ھِرَّۃٌ" قَالَ مَاشَاْنُ ھٰذِہٖ قَالُوْا حَبَسَتْھَا حَتّٰی مَاتَتْ جُوْعًا.

﴿اسماء بنت ابی بکرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے سورج گہن کی نماز پڑھی تو فرمایا کہ دوزخ میرے قریب کی گئی یہاں تک کہ میں نے کہا کہ اے رب! میں بھی ان کے ساتھ ہوں! اتنے میں ایک عورت دیکھی۔ میں سمجھتی ہوں آپ نے فرمایا کہ ایک بلی اس کو نوچ رہی تھی۔ آپ نے پوچھا اس کا کیا ماجرا ہے۔ جواب ملا کہ اس نے بلی کو باندھ رکھا تھا یہاں تک کہ وہ بھوک سے مرگئی۔﴾

وضاحت:

آنحضرت ﷺ سورج گہن کی نماز پڑھ رہے تھے جس میں آپ کو دوزخ کا مشاہدہ کرایا گیا اور جہنم اتنی قریب لائی گئی کہ اندیشہ کے طور پر آپ نے کہا کہ اے رب! میں بھی ان کے ساتھ ہوں؟ انتہائی پریشانی میں یہ بات ہو سکتی ہے جو حضور ﷺ نے فرمائی۔ اس کے بعد آپ نے ایک عورت کو دیکھا کہ بلی اس کو نوچ رہی ہے اس لیے کہ اس عورت نے بلی کو باندھ رکھا تھا یہاں تک کہ وہ بھوک سے مرگئی۔ یہاں سزا یہ بیان ہوئی کہ بلی اس کو نوچے گی۔ ممکن ہے کوئی یہ سوال کرے کہ جزا و سزا کا دن ہوگا تب یہ ہوگا، تو ایسی مثالیں موجود ہیں کہ آنحضرت ﷺ کو ایسے مشاہدے کرائے گئے جو مستقبل میں پیش

آنے والے ہیں۔ معراج کی روایتوں میں ان کا ذکر ہے۔

۱۳۔ حَدَّثَنَا إِسْمٰعِيلُ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ" عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ عُذِّبَتِ امْرَأَةٌ" فِي هِرَّةٍ حَبَسَتْهَا حَتّٰى مَاتَتْ جُوعًا، فَدَخَلَتْ فِيهَا النَّارَ قَالَ فَقَالَ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ: لَا أَنْتِ أَطْعَمْتِهَا وَلَا سَقَيْتِهَا حِينَ حَبَسْتِهَا وَلَا أَنْتِ أَرْسَلْتِهَا فَأَكَلَتْ مِنْ خِشَاشِ الْأَرْضِ.

﴿حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایک عورت کو عذاب دیا گیا ایک بلی کے باعث جس کو اس نے باندھ رکھا تھا یہاں تک کہ وہ مرگئی تو اس کے سبب سے وہ عورت دوزخ میں داخل ہوئی۔ اس کے ساتھ اللہ جانتا ہے کہ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اس سے کہا گیا کہ تو نے اس کو کھلایا نہ پلایا جبکہ اس کو تو نے روکے رکھا۔ اس کو چھوڑا بھی نہیں کہ وہ زمین کے کیڑے مکوڑے کھالیتی۔﴾

وضاحت:

یہ روایت وہی ہے جو اسماء بنت ابی بکرؓ نے بیان کی۔ البتہ یہاں اس میں کچھ اضافہ ہوگیا۔ عورت کے جرم کی نوعیت بتارہی ہے کہ اس کی طبیعت اذیت دینے والی ہی تھی اس لیے کہ کوئی شخص اتفاقاً ایسا نہیں کرتا جیسا اس عورت نے بلی کے ساتھ کیا۔ اس سے آدمی کا مزاج واضح ہوتا ہے۔

یہ واقعہ آنحضرت ﷺ کو دکھایا گیا۔ اس طرح کے جتنے واقعات جزا و سزا سے متعلق روایات میں آئے ہیں امت کی تعلیم و تذکیر کے لیے حضور ﷺ کو مشاہدہ کرائے جاتے تھے۔

۱۱. باب: مَنْ رَأَى أَنَّ صَاحِبَ الْحَوْضِ وَالْقِرْبَةِ أَحَقُّ بِمَائِهِ

باب: ان لوگوں کی رائے جو کہتے ہیں کہ حوض اور مشکیزہ کا مالک اپنے پانی کا زیادہ حقدار ہے

۱۴۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا عَبْدُالْعَزِيزِ عَنْ أَبِي حَازِمٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ أُتِيَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ بِقَدَحٍ فَشَرِبَ وَعَنْ يَمِينِهِ غُلَامٌ" هُوَ أَحْدَثُ الْقَوْمِ وَالْأَشْيَاخُ عَنْ يَسَارِهِ قَالَ يَا غُلَامُ أَتَأْذَنُ لِي أَنْ أُعْطِيَ الْأَشْيَاخَ فَقَالَ مَا كُنْتُ لِأُوثِرَ بِنَصِيبِي مِنْكَ أَحَدًا يَا رَسُولَ اللّٰهِ فَأَعْطَاهُ إِيَّاهُ.

﴿سہل بن سعد سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ کو ایک پیالہ پیش کیا گیا۔ آپ نے پیا جبکہ آپ کے دہنے ایک لڑکا بیٹھا تھا جو مجلس کے لوگوں میں سب سے کم عمر تھا اور بزرگ لوگ آپ کے بائیں تھے۔ آپ نے کہا لڑکے! کیا تم مجھ کو اجازت دیتے ہو کہ پیالہ میں ان بزرگوں کو دے دوں تو اس نے کہا: یا رسول اللہ! میں اس حصہ پر جو آپ کی طرف سے میرے نصیب میں ہے کسی کو ترجیح دینے پر راضی نہیں، تو آپ نے پیالہ اس کو دے دیا۔﴾

وضاحت:

یہ روایت اوپر گزر چکی ہے۔ لڑکے نے بلاشبہ بہت عمدہ بات کہی ہے۔ لیکن اس لڑکے کو جو حق آنحضرت ﷺ نے دیا اور ایک حوض یا مشکیزہ کے مالک کو اپنے پانی پر جو حق حاصل ہے تو کیا یہ دونوں حق ایک سے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب کی رائے یہی ہے جب ہی تو باب کے بعد یہ روایت لائے ہیں۔

مشکیزہ کے پانی کا مالک، بہر حال مالک ہے، چاہے وہ نہر سے لایا ہو یا کنویں سے لایا ہو، لیکن یہاں آنحضرت ﷺ نے لڑکے کو جو دیا تو آداب کی تعلیم کے لیے دیا ہے کہ الایمن فالایمن کا اصول مجلس میں پیش نظر رہنا چاہیے۔ یعنی دائیں جانب جو جتنا قریب ہے وہ اتنا ہی زیادہ حق دار ہے۔ لڑکے نے بھی بات لاجواب کہی اور اس کو حضور ﷺ کا عطیہ سمجھا۔ اس کو ملکیت نہیں سمجھا ہے۔ اگر امام صاحب نے ایسا سمجھا ہے تو یہ ان کی طرف سے ہے۔ ابواب تراجم کے پہلو سے اس کی کوئی اہمیت نہیں، البتہ روایت کی اہمیت ہے۔

۱۵۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ زِيَادٍ سَمِعْتُ اَبَاهُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَاَذُوْدَنَّ رِجَالًا عَنْ حَوْضِي كَمَا تُذَادُ الْغَرِيْبَةُ مِنَ الْاِبِلِ عَنِ الْحَوْضِ.

﴿حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کی مٹھی میں میری جان ہے (قیامت کے دن) میں اپنے حوض سے بہت سارے لوگوں کو اس طرح دفع کروں گا جس طرح پرائے اونٹ حوض پر سے ہانک دیے جاتے ہیں۔﴾

وضاحت:

یعنی حوض کا مالک اپنے اونٹ کو پانی پلاتا ہے اور کوئی دوسرا اونٹ لپک کر آنا چاہے تو حوض والے کو حق ہے کہ اس کو ہانک دے۔ قیامت کے حوض سے مراد حوض کوثر ہے اور قیامت کے دن آنحضرت ﷺ اپنی امت کے نیک لوگوں کا

خیر مقدم کریں گے اور جو اجنبی اور منافق لوگ مدعی بنیں گے تو آپ کہہ دیں گے کہ یہ میری امت میں نہیں ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کے لیے بڑا شرف ہے لیکن قیامت کے اس حوض کا مالک تو اللہ ہی ہے جو ہر چیز کا مالک ہے۔ باب کے حوالے سے امام صاحب اس روایت سے وہ بات نکالنا چاہتے ہیں جو نکلتی نہیں۔

۱۶۔ حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰہِ بْنُ مُحَمَّدٍ اَخْبَرَنَا عَبْدُالرَّزَّاقِ اَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ " عَنْ اَیُّوْبَ وَ کَثِیْرِ ابْنِ کَثِیْرٍ یَزِیْدُ اَحَدُھُمَا عَلَی الْاٰخَرِ عَنْ سَعِیْدِ بْنِ جُبَیْرٍ قَالَ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا قَالَ النَّبِیُّ ﷺ یَرْحَمُ اللّٰہُ اُمَّ اِسْمٰعِیْلَ لَوْ تَرَکَتْ زَمْزَمَ اَوْ قَالَ لَوْ لَمْ تَغْرِفْ مِنَ الْمَاءِ لَکَانَتْ عَیْنًا مَعِیْنًا وَ اَقْبَلَ جُرْھُمُ فَقَالُوْا اَتَاْذَنِیْنَ اَنْ نَنْزِلَ عِنْدَکِ قَالَتْ نَعَمْ وَلَا حَقَّ لَکُمْ فِی الْمَاءِ قَالُوْا نَعَمْ.

﴿حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ام اسمٰعیل پر رحم کرے۔ اگر وہ زم زم کو چھوڑ دیتیں یا آپؐ نے فرمایا اگر وہ اس میں سے چلو بھر بھر کے پانی نہ لیتیں تو وہ ایک جاری چشمہ ہوتا۔ اور جرہم قبیلہ کے لوگ ان کے پاس آئے اور پوچھا کیا تم اجازت دیتی ہو کہ ہم یہاں ٹھہریں تو انہوں نے کہا ہاں، لیکن پانی میں تمہارا کوئی دعویٰ نہ ہوگا۔ تو انہوں نے کہا بے شک۔﴾

وضاحت:

روایت کی رو سے زمزم حضرت جبریل کی ٹھوکر سے جاری ہوا تھا اور ام اسماعیل ہی کا تھا۔ جرہم قبیلہ کے لوگوں سے ام اسمٰعیل نے کہا تم لوگ یہاں ٹھہر تو سکتے ہو لیکن پانی پر تمہارا کوئی دعویٰ نہیں ہوگا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت زم زم کی شکل یہ تھی کہ وہ جاری پانی نہیں بنا تھا اور محدود تھا۔ چونکہ جرہم کے لوگ معاملہ کی اہمیت سے واقف تھے اس لیے انہوں نے ام اسمٰعیل کے حق کو تسلیم کیا۔ ام اسمٰعیل نے اس ڈر سے کہ کہیں پانی ختم نہ ہو جائے چلو بھر بھر کر کسی برتن یا مشکیزہ میں پانی جمع کر لیا ہوگا۔ آنحضرت ﷺ کا یہ کہنا کہ انہوں نے خواہ مخواہ کو پانی محفوظ کرنے کی کوشش کی، اس کو چھوڑ دیتیں تو یہ ایک جاری چشمہ ہوتا۔ بعد میں زم زم بہت ترقی کر گیا اور اب تو یہ ہے کہ روزانہ لاکھوں آدمی اس سے سیراب ہوتے ہیں۔

۱۷۔ حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰہِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا سُفْیَانُ عَنْ عَمْرٍو عَنْ اَبِیْ صَالِحِ السَّمَّانِ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ ثَلٰثَۃٌ لَا یُکَلِّمُھُمُ اللّٰہُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ وَلَا یَنْظُرُ اِلَیْھِمْ رَجُلٌ " حَلَفَ عَلٰی سِلْعَۃٍ لَقَدْ اَعْطٰی بِھَا اَکْثَرَ مِمَّا اَعْطٰی وَھُوَ کَاذِبٌ " وَ رَجُلٌ " حَلَفَ عَلٰی یَمِیْنٍ کَاذِبَۃٍ بَعْدَ الْعَصْرِ لِیَقْتَطِعَ بِھَا مَالَ رَجُلٍ مُسْلِمٍ وَ رَجُلٌ " مَنَعَ فَضْلَ مَاءٍ فَیَقُوْلُ اللّٰہُ الْیَوْمَ

امنعک فضلی کما منعت فضل مالم تعمل یداک قال علیٌ حدثنا سفیان غیر مرۃ عن عمرو سمع ابا صالح یبلغ بہ النبیَّ ﷺ.

﴿ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ تین شخص ایسے ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان سے بات بھی نہیں کرے گا اور نہ ان کی طرف نظر اٹھائے گا۔ ایک وہ شخص جو کسی شے کے متعلق قسم کھالے کہ اس نے اس کے خریدنے میں اس سے بہت زیادہ رقم دی ہے جتنی کہ واقعی اس نے دی ہو۔ دوسرا وہ شخص جو عصر کے بعد جھوٹی قسم کھالے کسی مسلمان مرد کا مال ہڑپ کرنے کو، اور تیسرا وہ شخص جو فالتو پانی روکے رکھے۔ اللہ تعالیٰ اس دن کہے گا کہ میں اپنا فضل آج تجھ سے روکوں گا جیسا کہ تو نے اس چیز کا فضل روکا تھا جس کو تیرے ہاتھوں نے نہیں بنایا تھا۔﴾

وضاحت:

یہ روایت گزر چکی ہے اور اس کی وضاحت وہاں ہو چکی ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ وہاں بعد العصر کے الفاظ قسم کھا کر مال بیچنے والے کے بارے میں ہیں جس کا ذکر یہاں اس روایت میں پہلے ہوا ہے۔ یعنی وہ آدمی عصر کے بعد قسم کھالے کہ اس نے اس مال کے خریدنے میں اس سے بہت زیادہ رقم دی ہے جتنی کہ واقعی اس نے دی ہو اور اس کو کوئی دوسرا سچ سمجھ کو دھوکا کھا جائے۔ وہاں بعد العصر کا لفظ بہت موزوں ہے۔ یہاں کسی راوی نے یہ لفظ دوسرے شخص سے متعلق کر دیا ہے جو کسی طرح موزوں نہیں۔ کسی کے مال پر ہاتھ صاف کرنے کے لیے جھوٹی قسم کھانے کا کوئی خاص وقت معین نہیں ہوتا۔ وہ ہر وقت کھائی جا سکتی ہے۔

اوپر والی روایت میں تیسرا شخص اپنے مفادات کے تحت امام کی بیعت کرنے والا بتایا گیا تھا۔ یہاں اس کے بجائے فالتو پانی روکنے والے کو اللہ تعالیٰ کی نظروں میں قابل نفرت بتایا گیا ہے جو اللہ کی دی ہوئی چیز میں سے کسی ضرورت مند کی ضرورت پوری کرنے میں تنگ دلی کا مظاہرہ کرتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ روایت میں راوی حضرات اس طرح کی تبدیلیاں کر دیتے ہیں۔ لہٰذا یہ سمجھنا کہ ہر روایت بالکل انہی الفاظ میں حدیث کی کتابوں یا صحیحین میں نقل ہوئی ہے جیسے صحابی نے اسے بیان کیا تھا، ایک خام خیال ہے۔

۱۲. باب: لَا حِمیٰ اِلَّا لِلّٰہِ وَ لِرَسُولِہٖ ﷺ.

باب: حمی قائم کرنے کا حق صرف اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو ہے۔

۱۸۔ حدثنا یحیی بن بکیر حدثنا اللیث عن یونس عن ابن شہاب عن عبید اللہ بن

عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ الصَّعْبَ بْنَ جَثَّامَةَ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لَاحِمٰى اِلَّا لِلّٰهِ وَلِرَسُوْلِهٖ وَقَالَ بَلَغَنَا اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ حَمَى النَّقِيْعَ وَ اَنَّ عُمَرَ حَمَى السَّرَفَ وَالرَّبَذَةَ.

﴿الصعب بن جثامہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ حمی اللہ یا اس کا رسول محفوظ کر سکتا ہے اور امام بخاری کہتے ہیں کہ ہم کو خبر پہنچی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نقیع کو محفوظ کیا اور عمرؓ نے سرف اور ربذۃ کو۔﴾

وضاحت:

حمی سے مراد Protected Area ہے یعنی محفوظ یا ممنوعہ علاقہ۔ زمانہ جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ جہاں گھاس ہوتی یا وادی کا نشیب ہوتا، بڑے سردار یہ اعلان کر دیتے کہ جہاں تک ہمارے کتوں کے بھونکنے کی آواز پہنچتی ہے ہمارا علاقہ یا ہماری حمی ہے۔ مطلب یہ کہ دوسرا کوئی حصہ دار نہیں ہو سکتا۔ ظاہر ہے کہ یہ اسی زمین میں ہو سکتا تھا جو فالتو پڑی ہو اور کسی دوسرے کی ملکیت نہ ہو۔ آنحضرت ﷺ نے یہ حکم دے دیا کہ یہ زمین سٹیٹ کی ملکیت ہے، اسٹیٹ کے سوا کوئی اور حمی نہیں بنا سکتا۔ صدقہ کے جانور وغیرہ جو ملتے تھے تو ان کے چرنے کے لیے علاقہ محفوظ کر دیا جاتا تھا اور کوئی دوسرا بغیر اجازت اس کو استعمال نہیں کر سکتا تھا۔ باقی اگر کوئی چراگاہ بنانا چاہتا تو اپنی زمین میں بنا سکتا تھا۔ یہ پابندی بہت اہم تھی۔ اس کے بعد اراضی کی اصلاح کے سلسلہ میں اسٹیٹ کے سوا کسی کو اختیار نہیں رہا۔ آج بھی بہت ساری سرکاری زمینوں پر لوگوں نے قبضہ کیا ہوا ہے لیکن افسوس کہ ان کے قبضے سے کوئی چھڑا نہیں سکتا۔ اس روایت کی رو سے آنحضرت ﷺ نے نقیع کو حمی بنایا اور حضرت عمرؓ نے سرف اور ربذۃ کو۔ دوسری روایتوں میں آتا ہے کہ دیگر خلفاء نے بھی حمی قائم کیں۔

۱۳. بَابُ: شُرْبِ النَّاسِ وَالدَّوَآبِّ مِنَ الْاَنْهَارِ

باب: نہروں سے لوگوں اور جانوروں کا پانی پینا

۱۹۔ حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ اَخْبَرَنَا مَالِكُ بْنُ اَنَسٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ اَسْلَمَ عَنْ اَبِي صَالِحٍ السَّمَّانِ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ الْخَيْلُ لِرَجُلٍ اَجْرٌ" وَلِرَجُلٍ سِتْرٌ" وَ عَلٰى رَجُلٍ وِزْرٌ" فَاَمَّا الَّذِيْ لَهٗ اَجْرٌ" فَرَجُلٌ" رَبَطَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَاَطَالَ بِهَا فِيْ مَرْجٍ اَوْ رَوْضَةٍ فَمَا اَصَابَتْ فِيْ طِيَلِهَا ذٰلِكَ مِنَ الْمَرْجِ اَوِ الرَّوْضَةِ كَانَتْ لَهٗ حَسَنَاتٍ وَلَوْ اَنَّهُ انْقَطَعَ طِيَلُهَا فَاسْتَنَّتْ شَرَفًا اَوْ شَرَفَيْنِ كَانَتْ اٰثَارُهَا وَاَرْوَاثُهَا حَسَنَاتٍ لَهٗ وَلَوْ اَنَّهَا مَرَّتْ بِنَهَرٍ فَشَرِبَتْ مِنْهُ وَلَمْ يُرِدْ اَنْ يَسْقِيَ كَانَ ذٰلِكَ حَسَنَاتٍ لَهٗ فَهِيَ لِذٰلِكَ اَجْرٌ" وَرَجُلٌ" رَبَطَهَا

تعنیاً و تعففاً ثم لم ینس حق اللہ فی رقابھا ولا ظھورھا فھی لذالک ستر" ورجل" ربطھا فخراً وریاءً و نواءً لاھل الاسلام فھی علی ذالک وزر" وسئل رسول اللہ ﷺ عن الحمر فقال ما انزل علیّ فیھا شیء" الا ھذہ الآیۃ الجامعۃ الفاذۃ فمن یعمل مثقال ذرۃ خیراً یرہ' ومن یعمل مثقال ذرۃ شراً یرہ'.

﴿حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ گھوڑا کسی کے لیے اجر بنتا ہے، کسی کے لیے پردہ بنتا ہے اور کسی کے اوپر بار بنتا ہے۔ پس جس کے لیے اجر ہے وہ شخص ہے جو گھوڑے کو اللہ کی راہ میں کام کے لیے رکھے اور اس کی رسی چراگاہ یا باغ میں دراز کردے تو جتنا کچھ بھی وہ رسی کے دائرہ میں چرے گا، باغ میں یا چراگاہ میں، وہ مالک کے لیے خیر بنے گا اور اگر اس کی رسی ٹوٹ جائے اور وہ ایک یا دو بلندی تک دوڑ پائے تو گھوڑے کے نشانات اور لید مالک کے لیے خیر بنے گی اور اگر وہ کسی نہر پر گزرے اور اس میں سے پانی پی لے حالانکہ مالک نے چاہا بھی نہ ہو کہ اس کو پلائے تو وہ بھی مالک کے لیے اجر بنے گا۔ اور وہ شخص جس نے خود حفاظتی اور خود کفالتی کے لیے گھوڑا پالا ہے اور پھر وہ اللہ کا حق نہیں بھولا، نہ اس کی گردن میں نہ اس کی پیٹھ میں، تو وہ اس کے لیے ستر بنے گا۔ اور وہ شخص جس نے گھوڑا رکھا اترانے اور دکھانے اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے لیے تو وہ اس کے لیے وبال اور عذاب ہے اور آنحضرت ﷺ سے گدھوں کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ گدھوں کے باب میں مجھ پر کچھ نہیں اترا مگر یہ جامع آیت کہ جو کوئی رتی برابر بھلائی کرے گا وہ اس کو دیکھ لے گا اور جو کوئی رتی برابر برائی کرے گا وہ بھی اس کو دیکھ لے گا۔﴾

وضاحت:

یہ روایت اپنی جگہ پر بہت اچھی اور برکات و انوار سے مملو ہے۔ اس میں گھوڑا پالنے والوں کی تین قسمیں بتائی گئی ہیں۔ پہلے شخص نے جہاد کے لیے گھوڑا پالا۔ اصابت فی طیلھا میں طیل سے مراد ہے اس کی رسی کا دائرہ جہاں تک گھوڑا چر سکتا ہے، چراگاہ یا باغ میں جہاں تک گھوڑا اس دائرے کے اندر جائے گا وہ سب مالک کے لیے خیر بنے گا۔ اور اگر اس کی رسی منقطع ہو جائے اور وہ ایک دو دوڑیں بھی لگا لے تو اس کے نقش قدم اور اس کی لید سب مالک کے لیے حسنات بنیں گے اور اگر وہ کسی نہر پر پانی پی لے اگرچہ مالک نے نہ بھی چاہا ہو تب بھی مالک کے لیے اجر بنے گا۔ پس جس شخص نے اللہ کی راہ میں گھوڑا پالا تو یہ سب چیزیں اس کے لیے اجر بنیں گی۔

دوسرا وہ شخص ہے جس نے گھوڑا رکھا تغنیاً اور تعففاً اور اس کا حق گردن میں اور اس کی پیٹھ میں نہیں بھولا تو وہ گھوڑا

بھی اس شخص کے لیے نجات بنے گا۔ میرے نزدیک تغنیا کے معنی خود حفاظتی اور تعففا کے معنی خود کفالتی کے ہیں۔ مطلب یہ کہ وہ شخص نہیں چاہتا کہ دوسروں کا محتاج رہے۔ گھوڑا رکھا ہے ضرورت پڑی تو دوڑ لگا کر کچھ شکار کر لیا، اگر دشمن آیا تو سوار ہو کر مقابلہ کے لیے تیار ہو گیا۔ اور اس کا حق گردن میں اور پیٹھ میں نہیں بھولا۔ پیٹھ کا حق تو یہ ہے کہ محتاج کو سوار کرا دے یا مدد کر دے لیکن گردن کے حق کا مفہوم واضح نہیں ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ اس سے مراد زکوۃ ہے۔ لیکن اس کے ماننے میں مشکل یہ ہے کہ گھوڑے میں زکوۃ سوائے احناف کے کوئی اور شاید ہی مانتا ہو۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ایسا گھوڑا اس شخص کے لیے ستر بنے گا یعنی بچاؤ یا محافظ۔ اس زمانہ میں گھوڑے کی یہ اہمیت تھی کہ گھر میں اگر گھوڑا بندھا ہے تو ایسا تھا گویا حفاظت کے لیے ٹینک کھڑا ہے۔ اس زمانے میں گھوڑے کی قدر و قیمت کم ہو گئی ہے۔ اس لیے اب جو چیزیں اس کی قائم مقام ہوں گی ان سے بھی اسی اجر کی توقع ہے۔

تیسرا آدمی اپنے تکبر کے اظہار اور لوگوں کو مرعوب کرنے کے لیے گھوڑا پالتا ہے تو ظاہر ہے یہ صفات اللہ کو ناپسند ہیں۔ اس لیے گھوڑا پالنا اس شخص کے لیے وبال بنے گا۔

لوگوں نے جب گدھوں کے بارے میں پوچھا تو حضورؐ نے ایک اصول کی نشاندہی کے لیے سورہ زلزال کی آخری آیت کا حوالہ دے دیا۔ اس میں فرمایا ہے کہ ذرہ برابر نیکی یا بدی جو کسی انسان نے کی ہو گی وہ اللہ کے ہاں موجود ہو گی اور اس کے اثرات بھی ظاہر ہوں گے۔

اس روایت میں ایسی کیا چیز ہے جس کی بناء پر امام صاحب نے ''نہر سے لوگوں اور جانوروں کے پانی پینے'' کا باب باندھ کر اس کو اہمیت دی ہے، یہ چیز میری سمجھ میں نہیں آئی۔

۲۰۔ حَدَّثَنَا اِسْمٰعِیْلُ حَدَّثَنَا مَالِکٌ '' عَنْ رَبِیْعَةَ بْنِ اَبِی عَبْدِالرَّحْمٰنِ عَنْ یَزِیْدَ مَوْلَی الْمُنْبَعِثِ عَنْ زَیْدِ بْنِ خَالِدٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ '' اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَسَاَلَهٗ عَنِ اللُّقَطَةِ فَقَالَ اعْرِفْ عِفَاصَهَا وَ وِکَاءَهَا ثُمَّ عَرِّفْهَا سَنَةً فَاِنْ جَاءَ صَاحِبُهَا وَ اِلَّا فَشَاْنُکَ بِهَا قَالَ فَضَالَّةُ الْغَنَمِ قَالَ هِیَ لَکَ اَوْ لِاَخِیْکَ اَوْ لِلذِّئْبِ قَالَ فَضَالَّةُ الْاِبِلِ قَالَ مَالَکَ وَلَهَا مَعَهَا سِقَاؤُهَا وَ حِذَاؤُهَا تَرِدُ الْمَاءَ وَ تَاْکُلُ الشَّجَرَ حَتّٰی یَلْقَاهَا رَبُّهَا.

﴿زید بن خالدؓ راوی ہیں کہ ایک شخص نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے گری پڑی چیز کے بارے میں پوچھنے لگا۔ آپ نے فرمایا کہ اس کی تھیلی اور بندھن کو اچھی طرح پہچان لو اور پھر ایک سال تک تعارف کراؤ۔ اگر اس کا مالک آ جائے تو خیر ورنہ تم اس سے جو چاہو کرو۔ اس نے سوال کیا: اگر بھولی بھٹکی بکری ملے تو؟ آپ نے فرمایا: یا تو تم اس سے فائدہ اٹھاؤ گے یا تمہارے بھائی کا حصہ بنے گی یا پھر بھیڑیے کا۔ اس نے

پوچھا: بھولا بھٹکا اونٹ ہو تب؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اونٹ سے تمھیں کیا سروکار، اس کا مشکیزہ اور موزہ سب اس کے ساتھ ہے۔ پانی پی لے گا، درخت کے پتے کھالے گا یہاں تک کہ اس کا مالک اس کو پالے گا۔

وضاحت:

اس روایت میں لقطہ یعنی گری پڑی چیز کے بارے میں ہدایات دی گئی ہیں۔ بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ اس چیز کو پانے والا اس کی تھیلی اور اس کے بندھن کو اچھی طرح پہچان لے تا کہ کوئی شخص آئے اور مطالبہ کرے تو اس سے پوچھ سکے کہ اپنی گمشدہ چیز کا اتا پتہ دے دو کہ وہ کیسی ہے، اس کا کیا رنگ ہے وغیرہ۔ اگر وہ کچھ صحیح نشانیاں بیان کرتا ہے تو معاملہ کو آگے بڑھائیں گے، ورنہ کہہ دیں گے کہ یہ چیز آپ کی نہیں ہے۔ گم شدہ چیز کا ایک سال تک اعلان کرنے کا حکم ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہوسکتا ہے کہ جمعہ کے جمعہ مسجد میں اعلان کر دیا جائے۔ سال گزرنے کے بعد بھی اگر مالک نہ ملے تو پانے والا جس مصرف میں اس کو لانا چاہے لاسکتا ہے۔ رہ گئی بکری تو اس کو آوارہ نہیں پھرنے دینا چاہیے۔ اگر آپ اس سے فائدہ نہیں اٹھاؤ گے تو بھیڑیے کا لقمہ بن جائے گی۔ باقی رہ گیا کہ ایک سال تک بکری کا تعارف کرایا جائے تو یہ کام بہت مشکل ہے۔ اس زمانے میں اخبار میں اشتہار دیا جاسکتا ہے، غالباً آوارہ جانوروں کے لیے مویشی خانے بھی بن گئے ہیں اور تلاش کرنے والے وہاں پہنچ جاتے ہیں۔ مویشی خانہ والے جتنے دن چارہ، پانی دیں گے اس کا کچھ معاوضہ وصول کرلیں گے۔ باقی رہ گیا اونٹ کا معاملہ تو نبی ﷺ نے فرمایا اللہ کے بندو تمھیں اس کی فکر نہیں ہونی چاہیے۔ وہ اپنا مشکیزہ اور موزہ سب کچھ اپنے ساتھ لیے پھرتا ہے۔ اس کو کسی کا کوئی ڈر بھی نہیں ہے۔ وہ کھاپی کر اپنا گزارہ کرلے گا اور مالک اس کو تلاش کرلے گا۔ اس صورت میں ان لوگوں کا مسئلہ قابل غور ہے جن کی فصلیں ہوتی ہیں اس لیے کہ ایک آوارہ اونٹ نہ جانے کتنے کھیت ختم کرسکتا ہے۔ تو میرے نزدیک اس کا علاج بھی یہی ہے کہ اونٹ کو مویشی خانے میں بھجوا دیا جائے۔

عنوان باب سے روایت کا تعلق سمجھ میں نہیں آیا۔

۱۴. باب: بَیْعِ الْحَطَبِ وَالْکَلَاءِ

باب: لکڑی اور گھاس کی فروخت

۲۱۔ حَدَّثَنَا مُعَلَّی بْنُ اَسَدٍ حَدَّثَنَا وُهَیْبٌ عَنْ هِشَامٍ عَنْ اَبِیْهِ عَنِ الزُّبَیْرِ بْنِ الْعَوَّامِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ لَاَنْ یَّاْخُذَ اَحَدُکُمْ اَحْبُلًا فَیَاْخُذَ حُزْمَةً مِنْ حَطَبٍ فَیَبِیْعَ فَیَکُفَّ اللّٰهُ بِهٖ وَجْهَهٗ خَیْرٌ مِنْ اَنْ یَّسْاَلَ النَّاسَ اُعْطِیَ اَمْ مُنِعَ.

زبیر بن العوامؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص رسی اٹھالے اور لکڑیوں کا گٹھا

بنائے، پھراس کو بیچے تا کہ اللہ تعالیٰ اس طرح اس کی عزت کو بچائے تو یہ بہتر ہے اس بات سے کہ لوگوں کے آگے سوال کرتا پھرے، کوئی اسے دے دے گا اور کوئی نہیں دے گا۔﴾

۲۲۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ أَبِي عُبَيْدٍ مَوْلَى عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ لَأَنْ يَحْتَطِبَ أَحَدُكُمْ حُزْمَةً عَلَى ظَهْرِهِ خَيْرٌ لَهُ مِنْ أَنْ يَسْأَلَ أَحَدًا فَيُعْطِيَهُ أَوْ يَمْنَعَهُ.

﴿حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ بات، کہ تم میں سے کوئی شخص لکڑی کا ایک گٹھا اپنی کمر پر لاد کر لائے اور اس کو ایندھن کے طور پر بیچے، بہتر ہے اس بات سے کہ دوسروں سے سوال کرے، کوئی اس کو دے یا نہ دے۔﴾

وضاحت:

ان حدیثوں کی تعلیم یہ ہے کہ آدمی کے لیے اپنی خودداری اور وقار کا تحفظ بہت ضروری ہے۔ جس طرح سے بن آئے آدمی اپنے ہاتھ کی کمائی کھائے تو یہ بہتر ہے اس بات سے کہ دوسروں کے آگے سوال کرتا پھرے۔ لکڑی کا گٹھا بنا کر بیچنا مثال کے طور پر بیان کیا ہے۔ اپنے ہاتھ کی کمائی کے لیے کوئی بھی کام، خواہ کتنا ہی حقیر کیوں نہ نظر آئے، کرے تا کہ اپنے پیٹ کی آگ بجھائے۔ آدمی دوسرے کے آگے سوال سے احتراز کر کے اپنی ناموس کو بچائے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے رزق کی راہ کھول دیتا ہے۔

یہ بات یاد رکھیے کہ دست سوال دراز کرنے جیسے دنیاوی حیلے بہانوں سے زیادہ برے دینی بہانے ہیں جو دین فروشی کرنے کے لیے اختیار کیے جاتے ہیں۔ افسوس ہے کہ خواہ مخواہ کو دین کے نام پر ڈھونگ رچایا جاتا ہے۔ اس سے بچنا چاہیے۔ جو کوئی اپنے ایمان کو محفوظ رکھنا چاہے گا اللہ تعالیٰ کی طرف سے گارنٹی ہے کہ اس کے لیے راہیں کھولی جائیں گی۔ یہ قرآن سے بھی ثابت ہے اور حدیث سے بھی واضح ہے۔

۲۳۔ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى أَخْبَرَنَا هِشَامٌ أَنَّ ابْنَ جُرَيْجٍ أَخْبَرَهُمْ قَالَ أَخْبَرَنِي ابْنُ شِهَابٍ عَنْ عَلِيِّ بْنِ حُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ عَنْ أَبِيهِ حُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ أَنَّهُ قَالَ أَصَبْتُ شَارِفًا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فِي مَغْنَمٍ يَوْمَ بَدْرٍ قَالَ وَ أَعْطَانِي رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ شَارِفًا أُخْرَى فَأَنَخْتُهُمَا يَوْمًا عِنْدَ بَابِ رَجُلٍ مِنَ الْأَنْصَارِ وَ أَنَا أُرِيدُ أَنْ أَحْمِلَ عَلَيْهِمَا إِذْخِرًا لِأَبِيعَهُ وَ مَعِي صَائِغٌ مِنْ بَنِي قَيْنُقَاعَ فَأَسْتَعِينَ بِهِ عَلَى وَلِيمَةِ فَاطِمَةَ وَ حَمْزَةُ بْنُ

عَبدالمُطَّلِبِ يَشرَبُ فِي ذَالِکَ البَيتِ مَعَهُ قَينَةٌ" فَقَالَتْ: اَلَا يَا حَمزَ لِلشُّرُفِ النِّوَاءِ، فَثَارَ اِلَيهِمَا حَمزَةُ بِالسَّيفِ فَجَبَّ اَسنِمَتَهُمَا وَ بَقَرَ خَوَاصِرَ هُمَا ثُمَّ اَخَذَ مِن اَكبَادِهِمَا قُلْتُ لِابْنِ شِهَابٍ وَ مِنَ السَّنَامِ قَالَ قَدْ جَبَّ اَسنِمَتَهُمَا فَذَهَبَ بِهَا قَالَ ابنُ شِهَابٍ قَالَ عَلِيٌّ" رَضِيَ اللّٰهُ عَنهُ فَنَظَرْتُ اِلٰى مَنظَرٍ اَفظَعَنِي فَاَتَيتُ نَبِيَّ اللّٰهِ ﷺ وَ عِندَهُ زَيدُ بنُ حَارِثَةَ فَاَخبَرتُهُ الخَبَرَ فَخَرَجَ وَ مَعَهُ زَيدٌ" فَانطَلَقتُ مَعَهُ فَدَخَلَ عَلٰى حَمزَةَ فَتَغَيَّظَ عَلَيهِ فَرَفَعَ حَمزَةُ بَصَرَهُ وَ قَالَ هَل اَنتُم اِلَّا عَبِيدٌ" لِاٰبَائِي فَرَجَعَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يُقَهقِرُ حَتّٰى خَرَجَ عَنهُم وَ ذٰلِکَ قَبلَ تَحرِيمِ الخَمرِ.

﴿حضرت علیؓ سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ بدر کے مال غنیمت میں سے مجھے ایک جوان اونٹنی ملی تھی اور ایک اونٹنی مجھے آنحضرت ﷺ نے دی تھی۔ میں نے دونوں اونٹنیوں کو ایک انصاری شخص کے دروازے پر بٹھایا۔ میرا ارادہ تھا کہ میں ان پر اذخر لادکر لاؤں اور اس کو بیچوں۔ میرے ساتھ بنی قینقاع کا ایک سنار بھی تھا۔ میں چاہتا تھا کہ اس کی مدد حاصل کروں اور اذخر بیچ کر حضرت فاطمہؓ کے ساتھ شادی کا ولیمہ کروں۔ اس وقت حمزہ بن عبدالمطلب اس گھر میں مے نوشی کر رہے تھے اور ساتھ گانے والی ایک عورت بھی تھی۔ اس نے یہ مصرع گایا کہ اے حمزہ اٹھو فربہ جوان اونٹنیوں کے لیے، تو حمزہ تلوار لے کر اٹھے اور اونٹنیوں کے کوہان کاٹ ڈالے اور ان کے پیٹ پھاڑ ڈالے اور کلیجیاں نکال لیں۔ ابن جریج نے ابن شہاب سے پوچھا کہ کوہانوں میں سے کیا لیا، تو انہوں نے کہا کہ کوہان تو وہ کاٹ کر لے گئے۔ ابن شہاب کہتے ہیں، حضرت علیؓ نے کہا: میں نے اس منظر کو دیکھا تو مجھے بڑی وحشت ہوئی اور میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ کے پاس زید بن حارثہ بھی تھے۔ تمام روداد سنائی تو نبی ﷺ نکلے۔ ان کے ساتھ زید بھی تھے۔ میں بھی آپ کے ساتھ ہو لیا۔ آپ حمزہ کے پاس گئے تو ان پر غصہ کا اظہار کیا۔ حمزہ نے سر اٹھایا اور کہا تم ہو کیا؟ میرے باپ دادا کے غلام! یہ حالت دیکھ کر رسول اللہ ﷺ الٹے پاؤں وہاں سے تشریف لے گئے۔ یہ واقعہ تحریم خمر سے پہلے کا ہے۔﴾

وضاحت:

اذخر ایک خاص قسم کی خوشبودار گھاس تھی۔ دوسرے مصارف کے علاوہ سنار بھی اس سے کام لیتے تھے۔ حضرت

علیؓ کا ارادہ تھا کہ دو اونٹنیوں پر گھاس لاد کر لاؤں گا اور اس کو سنار کے پاس بیچ کر اپنی شادی کا ولیمہ کروں گا۔ انہوں نے اونٹنیاں ایک دروازے پر بٹھائیں۔ اس گھر میں اس وقت حضرت حمزہؓ مے نوشی میں مصروف تھے اور، جیسا کہ وضاحت ہے، اس وقت تک شراب حرام نہیں ہوئی تھی۔ شراب کے نشے میں یہ واقعہ ہو گیا کہ انہوں نے اونٹنیاں ذبح کر ڈالیں اور ان کی کلیجیاں نکال لیں۔ شراب ہے ہی ایسی چیز کہ آدمی اس کے نشے میں عقل سے عاری ہو جاتا ہے۔ حضرت علیؓ نے آنحضرت ﷺ سے اس کی شکایت کی۔ آپ موقع پر تشریف لے گئے اور حمزہ پر غصہ کا اظہار بھی کیا کہ یہ تم نے کیا کر ڈالا۔ حمزہ نشہ میں تو تھے ہی، انہوں نے کہہ دیا کہ تم میرے باپ دادا کے غلام ہی تو ہو۔ آنحضرت ﷺ نے جب یہ دیکھا کہ نشے میں ان کی یہ حالت ہو رہی ہے تو چپ چاپ لوٹ آئے۔ یہ بھی بہت اچھی تعلیم ہے کہ ایسے وقت میں کچھ کرنا اپنی ہی فضیحت کروانا ہوتا ہے۔ لہٰذا موقع کو ٹال دینا چاہیے۔

اتنی اہم اور تاریخی روایت سے امام صاحب نے بس یہ بات ثابت کی ہے کہ گھاس پھوس کو فروخت کرنا جائز ہے۔

۱۵. باب: اَلْقَطَائِعِ

باب: جاگیر کے بارے میں

۲۴۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ قَالَ سَمِعْتُ اَنَسًا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ اَرَادَ النَّبِيُّ ﷺ اَنْ يُقْطِعَ مِنَ الْبَحْرَيْنِ فَقَالَتِ الْاَنْصَارُ حَتّٰى تُقْطِعَ لِاِخْوَانِنَا مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ مِثْلَ الَّذِيْ تُقْطِعُ لَنَا، قَالَ سَتَرَوْنَ بَعْدِيْ اَثَرَةً فَاصْبِرُوْا حَتّٰى تَلْقَوْنِيْ۔

﴿حضرت انسؓ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ارادہ فرمایا کہ بحرین کے علاقہ میں کچھ جاگیریں (انصار کو) دے دیں۔ انصار نے مشورہ دیا کہ حضور! آپ اس وقت تک ایسا نہ کریں جب تک کہ آپ ہمارے مہاجر بھائیوں کو بھی ایسی ہی جاگیریں نہ دے دیں۔ آپ نے فرمایا: میرے بعد تم عنقریب دیکھو گے کہ دوسرے لوگ تم پر مقدم رکھے گئے تو مجھ سے ملنے تک صبر کیے رہنا۔﴾

وضاحت:

کسی کو اس کی خدمات کی بنا پر جاگیر حکومت کی طرف سے دی جاتی ہے۔ یہ ہر زمانے میں ہوتا رہا ہے۔ آج کل ہمارے ہاں اس کا جتنا زور ہے اس کی مثال تاریخوں میں ملنی مشکل ہے۔ بہترین زمینیں اور پلاٹ تقسیم ہو رہے ہیں اور اسی پر ملک کی ساری سیاست کا دارومدار ہے۔ لیکن دیکھیے کیا جذبات تھے اس زمانے میں! انصار نے کہا کہ حضور! یہ آپ اس وقت تک نہ کریں جب تک کہ ہمارے مہاجر بھائیوں کو بھی ایسی ہی جاگیریں نہ دے دیں۔ سبحان اللہ! انصار کا وہ جذبہ جو مہاجرین کے خیر مقدم میں ظاہر ہوا تھا کیا کم تھا کہ بعد کی فتوحات کے دور میں بھی انہوں نے مہاجرین کا خیال رکھا۔ روایت سے واضح ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ انصار کے اس جذبہ سے بہت متاثر ہوئے اور فرمایا آج تو تم دوسروں کو اپنے پر ترجیح

دے رہے ہو لیکن ایک زمانہ آئے گا کہ لوگ دوسروں پر اپنے کو ترجیح دیں گے۔ ایسا زمانہ آئے تو تم اس رنگ میں نہ رنگ جانا بلکہ صبر کرنا۔ حوض کوثر پر مجھ سے ملو گے تو شاد ہو جاؤ گے۔

۱۶۔ باب: كِتَابَةِ الْقَطَائِعِ

باب: جاگیر، مقطعوں کی سند لکھ دینے کے بارے میں

وَقَالَ اللَّيْثُ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ دَعَا النَّبِيُّ ﷺ الْأَنْصَارَ لِيُقْطِعَ لَهُمْ بِالْبَحْرَيْنِ فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ إِنْ فَعَلْتَ فَاكْتُبْ لِإِخْوَانِنَا مِنْ قُرَيْشٍ بِمِثْلِهَا فَلَمْ يَكُنْ ذَالِكَ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ إِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ بَعْدِي أَثَرَةً فَاصْبِرُوا حَتَّى تَلْقَوْنِي.

﴿حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے انصار کو بلایا کہ بحرین میں ان کو جاگیریں دیں۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اگر آپ دیتے ہیں تو ہمارے بھائی قریش کو بھی ویسی ہی جاگیروں کی سند لکھ دیجئے لیکن آپ کے پاس ایسے حالات نہیں تھے۔ آپؐ نے فرمایا تم میرے بعد دیکھو گے کہ دوسرے لوگ تم پر مقدم رکھے گئے تو تم مجھ سے ملنے تک صبر کیے رہنا۔﴾

وضاحت:

یہ وہی روایت ہے لیکن دو ٹکڑے اس میں زیادہ ہیں۔ ایک یہ کہ آپ نے اپنے حکم نامہ کو تحریر کرنا چاہا۔ یہ اس لیے کہ ریکارڈ رہے۔ دوسرے یہ کہ آنحضرت ﷺ کے پاس انصار کی خواہش پوری کرنے کا امکان نہیں تھا۔ اس لیے کہ غالباً زمین زیادہ نہیں رہی ہوگی۔ حدیث سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ بحرین کی زمینوں کی حیثیت کیا تھی؟ وہاں کے باشندے ذمی قرار پائے تھے یا بحرین مفتوح علاقہ قرار پایا تھا، یہ سب معاملات مبہم ہیں۔[1]

۱۷۔ باب: حَلَبِ الْإِبِلِ عَلَى الْمَاءِ

باب: اس بارے میں کہ اونٹنیوں کو چشموں پر ہی دوہا جائے

۲۵۔ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُلَيْحٍ قَالَ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ هِلَالِ بْنِ عَلِيٍّ عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي عَمْرَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مِنْ حَقِّ

---

1. یاد رہے مذکورہ بحرین سے مراد آج کی امارت (جزیرہ) بحرین نہیں بلکہ عہد نبوی کے بحرین میں سعودی عرب کا شرقی صوبہ الاحساء شامل تھا جس میں الخُبر، دمام، ظہران، قطیف اور تیل کے مراکز ہیں۔

الْاِبِلِ اَنْ تُحْلَبَ عَلَى الْمَاءِ.

﴿ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ اونٹنیوں کا حق یہ ہے کہ ان کا دودھ چشموں ہی کے اوپر دوہا جائے۔﴾

وضاحت:

یہ اسی طرح کا حکم ہے جیسا کہ اس بات کی ممانعت کی گئی کہ رات کو فصل نہ کاٹی جائے یا رات کو باغ کا پھل نہ توڑا جائے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ لئیم اور کنجوس قسم کے لوگ نہیں چاہتے تھے کہ غریب اس میں سے حصہ پا جائیں۔ فرمایا کہ اونٹنیوں کو دوہنا ہے تو گھر میں بند کر کے نہ دوہا جائے بلکہ چشمہ پر پبلک لگائی جائے تا کہ غریب لوگ جمع ہو جائیں تو ان کو بھی کچھ مل جائے۔ ظاہر ہے کہ چشمہ ایک پبلک جگہ ہوتی ہے۔ اس سے ایک نتیجہ اور بھی نکلتا ہے وہ یہ کہ جن اموال کی زکوۃ مقرر کی جا سکتی ہے ان کا قاعدہ معلوم ہے۔ جو اموال اس قاعدہ کی زد میں نہیں آتے ان کی زکوۃ یہ ہے کہ وقت کے اوپر جو غریب آ جائے حسب توفیق اس کو کچھ دے دیجئے۔ یہاں ان کو دودھ دے دینا آپ کے اونٹوں کی زکوۃ ہوگی۔

گویا ایک تو وہ زکوۃ ہوگی جو حکومت کا محصل آ کر وصول کرے گا۔ دوسری وہ زکوۃ ہوگی جو برسر موقع غریبوں کو رواج کے مطابق دے دیں گے۔ غلے وغیرہ کی باقاعدہ زکوۃ نکالی جائے گی لیکن اگر کھیت کٹ رہا ہے یا پھل توڑے جا رہے ہیں اور کچھ غریب لوگ آ گئے تو اس وقت ان کو کچھ نہ کچھ دے دیا جائے گا اور یہ باقاعدہ زکوۃ کے علاوہ ہے۔ ہمارے دیار میں اس کا رواج تھا، اس کو فروغ دیا جانا چاہیے۔

١٨. بَابُ: الرَّجُلِ يَكُوْنُ لَهُ مَمَرٌّ" اَوْ شِرْبٌ" فِي حَائِطٍ اَوْفِي نَخْلٍ.

قَالَ النَّبِيُّ ﷺ مَنْ بَاعَ نَخْلًا بَعْدَ اَنْ تُؤَبَّرَ فَثَمَرَتُهَا لِلْبَائِعِ فَلِلْبَائِعِ الْمَمَرُّ وَالسَّقْيُ حَتّٰى يُرْفَعَ وَ كَذٰلِكَ رَبُّ الْعَرِيَّةِ.

باب: اس شخص کے بارے میں جس کو باغ میں سے گزرنے یا پانی دینے یا کھجور کا پھل لینے کا حق حاصل ہو۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جس نے کوئی نخلستان تابیر کے بعد بیچا تو اس کا پھل بائع کا ہوگا اور بائع کو باغ میں سے گزرنے کا اور پانی دینے کا حق حاصل ہے۔ اور اسی طریقہ سے عریہ کے مالک کا معاملہ بھی ہے۔

وضاحت:

تابیر کے معنی کھجور کے مادہ درخت کو گابھا لگانا ہے۔ عریہ کے معنی یہ ہیں کہ آپ نے باغ کا پھل بیچ دیا لیکن اپنے استعمال کے لیے کچھ درخت سودے سے مستثنیٰ کر لیے۔

۲۶۔ اَخْبَرَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ یُوْسُفَ حَدَّثَنِی اللَّیْثُ حَدَّثَنِی ابْنُ شِهَابٍ عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ عَنْ اَبِیْهِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ مَنِ ابْتَاعَ نَخْلًا بَعْدَ اَنْ تُؤَبَّرَ فَثَمَرَتُهَا لِلْبَائِعِ اِلَّا اَنْ یَشْتَرِطَ الْمُبْتَاعُ وَ مَنِ ابْتَاعَ عَبْدًا وَلَهٗ مَالٌ" فَمَالُهٗ لِلَّذِیْ بَاعَهٗ اِلَّا اَنْ یَشْتَرِطَ الْمُبْتَاعُ وَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنْ عُمَرَ فِی الْعَبْدِ.

﴿عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ سے سنا کہ جس نے کوئی نخلستان خرید ابعد اس کے کہ اس کو گابھا لگایا جا چکا تو اس کا پھل بیچنے والے کا ہوگا الا آنکہ خریدنے والے نے شرط لگا دی ہو۔ اور جس نے کوئی غلام خریدا اور اس کا کچھ مال بھی ہے تو مال اس شخص کا ہوگا جس نے اس کو بیچا الا آنکہ خریدنے والے نے شرط لگا دی ہو۔﴾

وضاحت:

یعنی عام قاعدہ تو یہی ہوگا کہ جس شخص نے گابھا لگایا اور باغ اس کے بعد بیچ دیا تو وہ پھل کا حق دار ہوگا۔ خریدار کو پھل اگلے سال ملے گا لیکن اگر خریدنے والے نے شرط لگا دی ہے تو معاملہ شرط کی بنیاد پر ہوگا۔ رہ گیا غلام تو وہ کسی چیز کا مالک نہیں ہوتا۔ اگر اس کے پاس مال ہے تو وہ سابق مالک کا ہے۔ ہاں اگر شرط یہ ہے کہ غلام کا مال نئے مالک کو ملے گا تو شرط کے مطابق معاملہ ہوگا۔

۲۷۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ یُوْسُفَ حَدَّثَنَا سُفْیَانُ عَنْ یَحْیٰی بْنِ سَعِیْدٍ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنْ زَیْدِ بْنِ ثَابِتٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ قَالَ رَخَّصَ النَّبِیُّ ﷺ اَنْ تُبَاعَ الْعَرَایَا بِخَرْصِهَا تَمْرًا.

﴿حضرت زید بن ثابتؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے اس بات کی اجازت دی کہ عرایا کی بیع تخمینہ کر کے خشک کھجور کے عوض ہو سکتی ہے۔﴾

وضاحت:

مطلب یہ کہ باغ کے کچھ درختوں کے تازہ پھل کے آپ خریدار بن سکتے ہیں اس شرط پر کہ درخت پر پھل کا تخمینہ لگایا

جائے اور اس کے بدلے خشک کھجور کی متعین مقدار دے دی جائے۔ عام حالات میں یہ بیع جائز نہیں ہے لیکن ضرورت کے لیے ایک خاص دائرہ میں خاص حد تک جائز کر دی گئی ہے۔ عام حالات میں اس کے ناجائز ہونے کی وجہ یہ ہے کہ کچی اور پکی فصل میں غرر اور ضرر کا اندیشہ ہے۔ کھجوروں میں عرایا کی صورت میں پانچ وسق تک کی مقدار جائز قرار دی گئی ہے۔ یہ بحثیں کتاب البیوع میں گزر چکی ہیں۔

۲۸۔ حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنْ عَطَاءٍ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِاللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا نَهَى النَّبِيُّ ﷺ عَنِ الْمُخَابَرَةِ وَالْمُحَاقَلَةِ وَ عَنِ الْمُزَابَنَةِ وَ عَنْ بَيْعِ الثَّمَرِ حَتّٰى يَبْدُوَ صَلَاحُهَا وَ اَنْ لَا تُبَاعَ اِلَّا بِالدِّيْنَارِ وَالدِّرْهَمِ اِلَّا الْعَرَايَا.

﴿حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے مخابرۃ، محاقلۃ اور مزابنہ سے نیز پھل کے بیچنے سے، جب تک کہ اس کی پختگی نہ ظاہر ہوئی ہو، منع فرمایا۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ درخت پر لگا ہوا پھل نہ بیچا جائے مگر روپیہ یا اشرفی کے بدل میں۔ البتہ عرایا میں آپ نے پھل کے عوض بیچنے کی اجازت دی۔﴾

۲۹۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ قَزَعَةَ اَخْبَرَنَا مَالِكٌ" عَنْ دَاوُدَ بْنِ حُصَيْنٍ عَنْ اَبِي سُفْيَانَ مَوْلَى اَبِي اَحْمَدَ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ رَخَّصَ النَّبِيُّ ﷺ فِي بَيْعِ الْعَرَايَا بِخَرْصِهَا مِنَ التَّمْرِ فِيْمَا دُوْنَ خَمْسَةِ اَوْسُقٍ اَوْ فِي خَمْسَةِ اَوْسُقٍ شَكَّ دَاوُدُ فِي ذَالِكَ.

﴿ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے عرایا کی بیع کی اجازت دی اتنی ہی کھجور کے بدل درخت پر اندازہ لگا کر جبکہ مقدار پانچ وسق سے کم یا پانچ وسق ہو۔ اس مقدار میں شک داؤد کو ہوا۔﴾

۳۰۔ حَدَّثَنَا زَكَرِيَّاءُ ابْنُ يَحْيَى اَخْبَرَنَا اَبُو اُسَامَةَ قَالَ اَخْبَرَنِي الْوَلِيْدُ بْنُ كَثِيْرٍ قَالَ اَخْبَرَنِي بُشَيْرُ بْنُ يَسَارٍ مَوْلَى بَنِي حَارِثَةَ اَنَّ رَافِعَ بْنَ خَدِيْجٍ وَ سَهْلَ بْنَ اَبِي حَثْمَةَ حَدَّثَاهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ نَهَى عَنِ الْمُزَابَنَةِ بَيْعِ الثَّمَرِ بِالتَّمْرِ اِلَّا اَصْحَابَ الْعَرَايَا فَاِنَّهُ اَذِنَ لَهُمْ قَالَ اَبُو عَبْدِاللّٰهِ وَ قَالَ ابْنُ اِسْحَاقَ حَدَّثَنِي بُشَيْرٌ" مِثْلَهُ.

﴿رافع بن خدیج اور سہل بن ابی حثمہ دونوں نے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے مزابنہ سے یعنی درخت پر لگی کھجور خشک کھجور کے بدل بیچنے سے منع فرمایا البتہ عرایا والوں کو اس کی اجازت دی۔﴾

وضاحت:۔ ان احادیث کے مضمون پر بحثیں پیچھے گزر چکی ہیں۔ ان کو وہاں ملاحظہ کیا جائے۔

کتاب الاستقراض

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب الاستقراض

باب فِي الْاِسْتِقْرَاضِ وَ اَدَاءِ الدُّيُوْنِ وَالْحَجْرِ وَالتَّفْلِيْسِ

باب: قرض لینے، قرضوں کی ادائیگی، حق استعمال ملکیت روک دینے اور دیوالیہ پن کے بارے میں

وضاحت:

حجر کے معنی یہ ہیں کہ کسی ملکیت سے اس کے مالک کو قانون کے تحت روک دیا جائے اور تفلیس کے معنی ہیں کہ قانونی طور پر آپ کسی کو دیوالیہ مان لیں۔

١. بابُ: مِنَ اشْتَرَىٰ بِالدَّيْنِ وَ لَيْسَ عِنْدَه' ثَمَنُه' اَوْلَيْسَ بِحَضْرَتِهِ.

باب: اس بارے میں کہ کسی شخص نے کوئی چیز قرض خریدی درآنحالیکہ اس کی قیمت نہ اس کے پاس نقد موجود ہے اور نہ غائب میں موجود ہے۔

وضاحت:

مطلب یہ ہے کہ آپ کے پاس پیسے نہیں اور اس کے بغیر ہی آپ نے کوئی چیز خرید لی۔ یہ ہوتا رہتا ہے کہ آپ کے پاس پیسہ نہیں ہوتا، دکان پر جیب خالی ہوتی ہے اور آپ خریداری کرتے ہیں۔ تنخواہ ملتی ہے تو چند دن میں ختم ہو جاتی ہے لیکن سارا مہینہ سودا آتا رہتا ہے۔ اس کے بغیر کام نہیں چلتا۔ امام صاحب یہ باب شاید اس لیے لائے ہیں کہ ایک روایت یوں ہے کہ جس کے پاس مال نہ ہو تو وہ کوئی چیز نہ خریدے لیکن یہ روایت جھوٹی ہے۔ خواہ مخواہ کو ایک غلط چیز کو مان کر انہیں یہ اہتمام کرنا پڑا ہے۔

لیس بحضرتہ۔ یہ عربی بہت شاندار ہے۔ معنی یہ ہیں کہ بروقت پاس کچھ موجود نہیں اور گھر پر بھی نہیں۔ میرے جیسا عربی جاننے والا یہ ترکیب استعمال نہیں کرسکتا، یہ بخاری ہی کی شان ہے۔ بروقت کا لفظ یاد رکھیے گا۔ میں نے اس کے بارے میں سوچا ہے، اس مفہوم کے لیے مجھے اس سے شاندار لفظ نہیں ملے۔

۱۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ اَخْبَرَنَا جَرِيْرٌ عَنِ الْمُغِيْرَةِ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ غَزَوْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ كَيْفَ تَرَى بَعِيْرَكَ اَتَبِيْعُنِيْهِ قُلْتُ نَعَمْ فَبِعْتُهُ اِيَّاهُ فَلَمَّا قَدِمَ الْمَدِيْنَةَ غَدَوْتُ اِلَيْهِ بِالْبَعِيْرِ، فَاَعْطَانِي ثَمَنَهُ۔

﴿جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نبی ﷺ کے ساتھ جہاد میں شریک ہوا تو آپ نے میرے اونٹ کے بارے میں پوچھا: تم اس کو کیسا پا رہے ہو، کیا تم اس کو میرے ہاتھ بیچو گے؟ میں نے کہا جی ہاں۔ تو میں نے وہ اونٹ آپ کو بیچ دیا۔ جب آپؐ مدینہ تشریف لائے تو میں آپ کی خدمت میں اونٹ لے کر حاضر ہوا تو آپ نے اس کی قیمت ادا کر دی۔﴾

وضاحت:

قیمت موجود نہیں تھی لیکن آنحضرت ﷺ نے اونٹ خرید لیا۔ ثابت ہو گیا کہ بروقت رقم نہ ہو تب بھی کوئی چیز خریدی جا سکتی ہے، یہی امام صاحب کا مطلب ہے اور ٹھیک ہے۔

یہ روایت بار بار گزر چکی ہے لیکن یہاں ان مختصر الفاظ میں اس کی صحیح اسپرٹ واضح نہیں ہو رہی ہے جبکہ پیچھے مفصل واقعہ بیان ہوا تھا۔

۲۔ حَدَّثَنَا مُعَلَّى بْنُ اَسَدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُالْوَاحِدِ حَدَّثَنَا الْاَعْمَشُ قَالَ تَذَاكَرْنَا عِنْدَ اِبْرَاهِيْمَ الرَّهْنَ فِي السَّلَمِ فَقَالَ حَدَّثَنِي الْاَسْوَدُ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ اشْتَرَى طَعَامًا مِنْ يَهُوْدِيٍّ اِلَى اَجَلٍ وَرَهَنَهُ دِرْعًا مِنْ حَدِيْدٍ.

﴿اعمش کہتے ہیں کہ ہم نے ابراہیم کے سامنے ذکر کیا کہ قرض کے معاملہ میں رہن ہو سکتا یا نہیں تو انہوں نے اسود کے حوالہ سے حضرت عائشہؓ کی حدیث بیان کی کہ نبی ﷺ نے ایک یہودی سے ایک معین مدت کے لیے غلہ خریدا اور اپنی لوہے کی زرہ اس کے پاس رہن رکھ دی۔﴾

وضاحت:

یہ روایت بھی جگہ جگہ آئی ہے اور اس کے متعلق میں اپنی رائے واضح کر چکا ہوں کہ جن معاملات میں قرآن مجید میں شرعی ضابطہ بیان ہو گیا ہے ان کے بارے میں کسی ایسی بات سے جو آنحضرت ﷺ نے بالکل ابتدائی زندگی میں کی ہے کوئی حجت قائم نہیں کی جا سکتی۔ ظاہر ہے کہ آپ کا ایک یہودی سے قرض لینا بالکل ابتدائی دور کی بات ہو گی جب سورہ بقرہ کے احکام ابھی نازل نہیں ہوئے تھے اور مسلمان بے حد تنگ دست تھے۔ یہ بات کہ آپ نے اپنی زرہ اس کے ہاں رہن رکھ

ں۔ یہ بھی اسی دور کی بات ہے۔ چند ہی سالوں کے بعد صورت حال بدل گئی۔ جنگوں کے نتیجہ میں مال غنیمت آنے لگا اور یہودیوں کا اثر بھی مدینہ میں ختم ہونے لگا۔ لہٰذا بعد کے اس دور میں اس واقعہ کے پیش آنے کا کوئی امکان نہیں ہے۔ قرآن مجید میں مسلمان اور مسلمان کے درمیان معاملہ کا جو اصول بیان ہوا ہے وہ یہ ہے کہ اگر آپ قرض کا لین دین کر رہے ہیں تو اس کو لکھ لیں اور اس پر دو گواہ کر لیں۔ آپ رہن نہیں رکھ سکتے۔ سورہ بقرہ میں فَرِهَانٌ "مَقْبُوضَةٌ" کی جو شکل بیان ہوئی ہے وہ بھی یہ ہے کہ سفر میں کوئی ضرورت پیش آ جائے تو کوئی چیز رکھ سکتے ہیں لیکن سفر کے خاتمے پر اس کو فوراً واپس کر دیں اور قرض کی دستاویز لکھ لیں۔ میں اس روایت کی تردید نہیں کرتا لیکن یہ ظاہر ہے کہ قرآن کا حکم بعد کا ہے اور آنحضرت ﷺ کا عمل پہلے کا ہے۔ لہٰذا یہ روایت رہن کے حق میں حجت نہیں ہو سکتی۔ اس معاملہ میں میری رائے ان فقہا سے بالکل الگ ہے جو رہن کو جائز سمجھتے ہیں۔ لیکن کس طریقہ سے وہ اس کو جائز سمجھتے ہیں جب کہ قرآن مجید میں آ گیا ہے کہ سوائے سفر کے یہ معاملہ نہیں ہو سکتا اور سفر کے ختم ہونے پر رہن واپس کرایا جائے گا۔ میرے نزدیک اس روایت سے رہن کا جواز پیدا کرنا قرآن کے خلاف ہے۔

٢. بَابُ مَنْ اَخَذَ اَمْوَالَ النَّاسِ يُرِيدُ اَدَائَهَا اَوْ اِتْلَافَهَا

باب: اس شخص کے بارے میں جو لوگوں کا مال ادا کرنے کی نیت سے لے یا جو ہضم کرنے کی نیت سے لے

٢۔ حَدَّثَنَا عَبْدُالْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ الْاُوَيْسِيُّ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ عَنْ ثَوْرِ بْنِ زَيْدٍ عَنْ اَبِي الْغَيْثِ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَنْ اَخَذَ اَمْوَالَ النَّاسِ يُرِيدُ اَدَاءَهَا اَدَّاهَا اللّٰهُ عَنْهُ، وَمَنْ اَخَذَ يُرِيدُ اِتْلَافَهَا اَتْلَفَهُ اللّٰهُ.

﴿حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا جو شخص لوگوں کا مال لے اور نیت اس کی ادا کرنے کی ہو تو اللہ تعالیٰ اس سے ادا کرا دے گا اور جو کوئی مال لے اور نیت اس کی غصب کرنے کی ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو ضائع کر دے گا۔﴾

وضاحت:

یہ حدیث بہت اچھی اور پر حکمت ہے اور یہ بھی ایک حقیقت۔ اللہ تعالیٰ کا معاملہ بندوں کے ساتھ ان کی نیت کے مطابق ہوتا ہے۔ اگر وہ نیک نیت رکھتے ہوں تو اللہ تعالیٰ ان کو نیت کا پھل دیتا اور اس کی تکمیل میں کامیابی دیتا ہے۔ جب کسی کی نیت میں فساد ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اس کی بدنیتی کے برے اثرات سے دو چار کر دیتا ہے۔ عموماً دیکھا گیا ہے

کہ غلط راہوں سے حاصل کردہ دولت میں برکت نہیں ہوتی اور وہ آدمی کو طرح طرح کی پریشانیوں اور نقصانات میں مبتلا کر دیتی ہے۔ اس کے برعکس ایک مخلص بندے کے مال کی برکت ہر کسی کو نظر آتی ہے۔

٣. بابُ اَدَاءِ الدُّيُونِ . وَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمَانَاتِ اِلٰى اَهْلِهَا الآيه. وَ اِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهِ، اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًا بَصِيْرًا.

باب: قرضوں کی ادائیگی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم امانتیں ان کے حق داروں کو ادا کرو اور اگر لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ فیصلہ کرو۔ کیا ہی خوب نصیحت ہے جو اللہ تعالیٰ تمہیں کر رہا ہے، بے شک اللہ سمیع اور بصیر ہے۔

٣۔ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ يُوْنُسَ حَدَّثَنَا اَبُوْ شِهَابٍ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ زَيْدِ ابْنِ وَهْبٍ عَنْ اَبِيْ ذَرٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ، فَلَمَّا اَبْصَرَ يَعْنِيْ اُحُدًا قَالَ مَا اُحِبُّ اَنَّهُ يُحَوَّلُ لِيْ ذَهَبًا يَمْكُثُ عِنْدِيْ مِنْهُ دِيْنَارٌ" فَوْقَ ثَلَاثٍ اِلَّا دِيْنَارٌ اُرْصِدُهُ لِدَيْنٍ ثُمَّ قَالَ اِنَّ الْاَكْثَرِيْنَ هُمُ الْاَقَلُّوْنَ، اِلَّا مَنْ قَالَ بِالْمَالِ هٰكَذَا وَ هٰكَذَا، وَ اَشَارَ اَبُوْ شِهَابٍ بَيْنَ يَدَيْهِ وَ عَنْ يَمِيْنِهِ وَ عَنْ شِمَالِهِ وَ قَلِيْلٌ" مَا هُمْ وَقَالَ مَكَانَكَ وَ تَقَدَّمَ غَيْرَ بَعِيْدٍ فَسَمِعْتُ صَوْتًا فَاَرَدْتُّ اَنْ آتِيَهُ، ثُمَّ ذَكَرْتُ قَوْلَهُ مَكَانَكَ حَتّٰى آتِيَكَ، فَلَمَّا جَاءَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ الَّذِيْ سَمِعْتُ اَوْ قَالَ الصَّوْتُ الَّذِيْ سَمِعْتُ قَالَ وَ هَلْ سَمِعْتَ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ اَتَانِيْ جِبْرِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَقَالَ مَنْ مَاتَ مِنْ اُمَّتِكَ لَا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ قُلْتُ وَ اِنْ فَعَلَ كَذَا وَ كَذَا قَالَ نَعَمْ.

﴿ حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ نبی ﷺ کے ساتھ سفر میں تھا تو جب آپ کو احد پہاڑ نظر آیا تو فرمایا کہ میری آرزو ہوتی ہے کہ احد میرے لیے سونا بن جائے اور پھر میرے پاس اس کا ایک دینار بھی تین دن سے زیادہ نہ رہے، سوائے اس دینار کے جو میں ادائے قرض کے لیے بچاؤں۔ پھر آپ نے فرمایا کہ کتنے زیادہ والے ہیں کہ بہت تھوڑے والے بن جائیں گے، سوائے ان کے جو اپنے مال کو یوں لٹائیں۔ ابوشہاب راوی نے اپنے ہاتھ سے سامنے، دائیں اور بائیں جانب اشارہ کر کے بتایا کہ اس طریقہ سے، اور ایسے لوگ تھوڑے سے ہیں۔ پھر نبی ﷺ نے فرمایا تم یہیں ٹھہرو اور آپ کچھ آگے چلے

گئے۔ پھر میں نے کچھ آواز سنی اور ارادہ کیا کہ آپ کے پاس جاؤں لیکن مجھے یاد آیا کہ آپ نے فرمایا تھا کہ اپنی جگہ پر ٹکے رہنا جب تک میں تمہارے پاس آنہ جاؤں۔ پھر جب آپ واپس آئے تو میں نے پوچھا یا رسول اللہ! میں نے سنا یا وہ آواز جو میں نے سنی کیا تھی؟ آپ نے فرمایا کیا واقعی تم نے آواز سنی تھی؟ میں نے کہا جی ہاں۔ آپ نے فرمایا جبریل علیہ السلام میرے پاس آئے تھے انہوں نے کہا کہ تمہاری امت کے لوگوں میں سے جو اس حال میں مرے گا کہ شرک کا شائبہ اس کے اندر نہیں ہوگا تو وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔ میں نے پوچھا اگر اس نے ایسا ایسا کیا ہو تب بھی؟ آپ نے فرمایا ہاں۔

۴۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ شَبِيبِ بْنِ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا أَبِي عَنْ يُونُسَ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ حَدَّثَنِي عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُتْبَةَ قَالَ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَوْ كَانَ لِي مِثْلُ أُحُدٍ ذَهَبًا مَا يَسُرُّنِي أَنْ لَا يَمُرَّ عَلَيَّ ثَلَاثٌ" وَ عِنْدِي مِنْهُ شَيْءٌ" إِلَّا شَيْءٌ" أَرْصِدُهُ لِدَيْنٍ رَوَاهُ صَالِحٌ" وَ عُقَيْلٌ" عَنِ الزُّهْرِيِّ.

﴿حضرت ابو ہریرہؓ نے کہا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اگر میرے پاس احد پہاڑ کے برابر سونا ہو تب بھی مجھ کو اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ تین دن گزر جائیں اور اس میں سے کچھ سونا میرے پاس رہے۔ ہاں، قرض کی ادائیگی کے لیے کچھ رکھ لوں تو اور بات ہے۔﴾

وضاحت:

یہ دونوں حدیثیں ایک ہی واقعہ سے متعلق ہیں جو پہلی روایت میں مفصل بیان ہوا ہے۔

اس روایت کے پہلے دو حصے جن میں کوہ احد کے سونا بننے کی خواہش تا کہ اس کو لوگوں میں بانٹا جائے اور پھر زیادہ اور کم مال والوں کا بیان ہوا ہے، لعل و گہر سے زیادہ قیمتی ہیں۔ ان سے آنحضرت ﷺ کی فیاضی کی صفت کا اظہار ہوتا ہے۔ حضورؐ کا اس تمنا کا اظہار کرنا کہ اگر کوہ احد سونے کا بن جائے تو میں چاہوں گا کہ اس کو لوگوں میں بانٹ دوں اور یہ کام میں تین دن کے اندر نمٹا دوں، آپ کی غربا پروری اور داد و دہش سے رغبت کی دلیل ہے جو ایک بلند کردار ہے۔ قرض کی ادائیگی کے معاملہ میں بھی حضورؐ بے حد حساس تھے۔ اسی لیے فرمایا کہ تقسیم کے بعد سونا میرے پاس اتنا ہی بچے جس سے میں قرض ادا کر سکوں۔ اس کے بعد آپ نے اس حقیقت کو بیان فرمایا کہ دنیا میں مال جمع کرنے والے آخرت میں خالی ہاتھ ہوں گے۔ ان کی کثرت مال قلت مال میں بدل جائے گی۔ ہاں، اگر وہ دنیا میں اپنی دولت پر مار گنج بن کر نہ بیٹھیں اور اس کو مستحقین میں دونوں ہاتھوں سے بانٹیں تو ان کا اجر بہت بڑا ہوگا اور وہ فی الواقع کثرت والے بن جائیں گے۔

روایت کا آخری حصہ اس اجمال کے ساتھ غلط فہمیاں پیدا کر سکتا ہے۔ قرآن مجید اور خود احادیث میں بھی یہ بات آئی ہے کہ اللہ تعالیٰ فلاں فلاں گناہوں کو معاف کر دے گا لیکن فلاں چیز معاف نہیں ہوگی۔ حقوق العباد میں چونکہ ایک فریق ثانی بھی ہوتا ہے اس لیے بندوں کی حق تلفیوں کی بہرحال پرسش ہوگی اور دوسرے فریق کا موقف سنے بغیر اور انصاف کیے بغیر معاملہ ختم نہیں ہوگا۔ قرآن میں یہ ضابطہ بھی بیان ہوا ہے کہ جو شخص زنا، قتل اور حقوق الوالدین اور حقوق العباد کی خلاف ورزی کا مرتکب ہو اور اپنے اسی عمل کو اوڑھنا بچھونا بنالے تو اس کی نجات نہیں ہوگی۔ لہٰذا اس حدیث کے آخری حصہ کی توجیہ یوں کی جائے گی کہ شرک کا شائبہ نہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ آدمی شرک کے تمام تضمنات سے پاک رہا ہو۔ علمی طور پر اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے اللہ کی ذات میں کسی کو شریک نہ بنایا ہو اور اس کی صفات میں اور اس کے حقوق میں کسی کو شریک نہ کیا ہو۔ جو شخص شرک سے اس حد تک واقف ہوگا وہ کسی برائی کو اوڑھنا بچھونا نہیں بنائے گا۔ اس سے اگر کوئی گناہ سرزد ہوگا تو وہ بے خیالی میں کیا گیا ہوگا جس کی تلافی اس کے لیے ممکن ہوتی ہے۔

۴. بَابُ اسْتِقْرَاضِ الْإِبِلِ

باب: اونٹ قرض پر لینے کے بارے میں

۵۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ أَخْبَرَنَا سَلَمَةُ بْنُ كُهَيْلٍ، قَالَ سَمِعْتُ أَبَا سَلَمَةَ بِمِنًى يُحَدِّثُ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَجُلًا تَقَاضَى رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ فَأَغْلَظَ لَهُ فَهَمَّ أَصْحَابُهُ فَقَالَ دَعُوهُ فَإِنَّ لِصَاحِبِ الْحَقِّ مَقَالًا وَاشْتَرُوا لَهُ بَعِيرًا فَأَعْطُوهُ إِيَّاهُ وَقَالُوا لَا نَجِدُ إِلَّا أَفْضَلَ مِنْ سِنِّهِ قَالَ اشْتَرُوهُ فَأَعْطُوهُ إِيَّاهُ فَإِنَّ خَيْرَكُمْ أَحْسَنُكُمْ قَضَاءً.

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی ﷺ سے اپنے قرض کا تقاضا کیا اور تقاضے میں سختی برتی تو نبی ﷺ کے اصحاب اس کی طرف لپکے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اس کو چھوڑو۔ جس کا حق ہوتا ہے اس کو کچھ کہنے کا بھی حق ہوتا ہے۔ اس کے لیے ایک اونٹ خریدو اور اس کو دے دو۔ لوگوں نے کہا جس عمر کا اس کا اونٹ ہے ہمیں اس سے زیادہ عمر کا اونٹ ہی ملتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اسی کا انتخاب کرلو اور اس کو دے دو کیونکہ تمہارے درمیان بہترین آدمی وہ ہے جو قرض کی ادائیگی کے لحاظ سے بہترین ہے۔

وضاحت:

اِشْتَرُوْهُ یہاں اخذ کرنے، چننے اور منتخب کرنے کے معنوں میں آیا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اگر اس کے اونٹ سے زیادہ عمر والا اونٹ ملتا ہے تو اس کو منتخب کرو اور اس کو دے دو۔ کیونکہ بہترین آدمی وہ ہے جو ادائیگی کرنے

میں بھی بہترین ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض کام ایسے ہوتے ہیں جن کی روشنی آدمی کے سارے کردار پر پڑتی ہے۔ اگر ایک شخص لین دین کے معاملہ میں صاف ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ زندگی کے اور شعبوں میں بھی اس کا کردار یہی ہوگا۔ وہ آسانی کے ساتھ شکست نہیں کھاتا۔ یاد رکھنا چاہیے کردار تنہا کسی ایک چیز سے نہیں بنتا۔ اعلیٰ کردار تو ایک مجموعہ ہوتا ہے اور اپنے ساتھ نیکیوں کے پورے کنبہ کو لاتا ہے۔ اس کا اظہار اگر ایک مخصوص معاملہ میں ہوا تو دوسرے کئی معاملات میں بھی وہ لازماً ظاہر ہوگا۔

اس روایت میں ایک جھگڑا ہے اور وہ ہے جانوروں کے قرض لینے دینے کے بارے میں۔ عاریت کا معاملہ تو اور ہے۔ آپ کہہ سکتے ہیں ذرا اپنا گھوڑا دے دیجیے، فلاں جگہ جانا ہے، شام تک لوٹا دوں گا۔ یا اپنی بکری چند دن کے لیے دے دیجیے، بچی کے دودھ کا مسئلہ ہے تو اس طرح کی بات عاریت ہے۔ لیکن یہ کہ دو بکریاں یا دو خچر قرض لیتا ہوں، وقت آنے پر دو دوسری بکریاں یا دو خچر واپس دے دوں گا تو یہ قرض کی شکل ہے۔ اس شکل میں نزاع پیدا ہو سکتی ہے کہ میرے جانور اعلیٰ درجہ کے تھے، آپ جو واپس دے رہے ہیں ادنیٰ ہیں۔ اس وجہ سے دوسرے فقہا کے برعکس احناف جانوروں کے قرض کو نہیں مانتے۔ وجہ غالباً یہی ہے کہ صحیح مماثلت کا پایا جانا ممکن نہیں ہے۔ آپ نے دو سالہ اونٹ لیا لیکن دو سالہ اونٹوں میں قدر و قیمت کے لحاظ سے بہت اختلاف ہو سکتا ہے۔ ممکن ہے سن کے اعتبار سے اونٹ میں بات چل جائے لیکن گھوڑے اور دوسرے جانوروں میں نہ چلے۔ اس وجہ سے مخاصمت اور نزاع برپا ہو سکتا ہے۔ اور اسلام کے اصولوں میں یہ بات ہے کہ جس چیز میں نزاع اور مخاصمت برپا ہونے کا اندیشہ ہو وہ اس کا سد باب کرنا چاہتا ہے۔ روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے واپس دینے کے لیے اونٹ خریدا۔ دوسری جگہ یہ ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ہمارے صدقے کے اونٹ آئیں گے تو پھر تمہیں دے دیں گے۔ تو جہاں اس معاملہ کا رواج ہو وہاں کے لوگ اس سے مانوس ہوں گے لیکن ہمارے معاشرہ میں شاید اس چیز کا امکان نہیں ہے کہ آپ کامیاب ہوں اور شاید اس وجہ سے احناف جانوروں کے قرض کے مخالف ہیں۔ حدیث کے بارے میں مجھے کوئی اشتباہ نہیں ہے اس لیے کہ روایت دوسرے طریقوں سے بھی آئی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ عرب میں اس طریقہ سے اونٹ کا بیوپار ہوتا رہا ہے۔ پس جہاں اس طریقہ کا رواج ہو اور نزاع اور مخاصمت کا امکان نہ ہو وہاں جانوروں کے قرض کا لین دین ٹھیک ہے۔ لیکن چونکہ یہ طریقہ ہر جگہ کامیاب نہیں ہو سکتا اس لیے احناف کی رائے اپنی جگہ پر صحیح ہے اور میں ان کی رائے کے ساتھ ہوں۔ حدیث کا محل اپنی جگہ ٹھیک ہے۔

٥۔ بَابُ: حُسْنِ التَّقَاضِي

باب: نرمی سے تقاضا کرنے کے بارے میں

٦۔ حَدَّثَنَا مُسْلِمٌ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَبْدِالْمَلِكِ عَنْ رِبْعِيٍّ عَنْ حُذَيْفَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ

سَمِعْتُ النَّبِیَّ ﷺ یَقُولُ مَاتَ رَجُلٌ " فَقِیلَ لَهُ قَالَ کُنْتُ اُبَایِعُ النَّاسَ، فَاَتَجَوَّزُ عَنِ الْمُوْسِرِ، وَ اُخَفِّفُ عَنِ الْمُعْسِرِ فَغُفِرَ لَهُ قَالَ اَبُو مَسْعُوْدٍ سَمِعْتُهُ مِنَ النَّبِیِّ ﷺ

﴿حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ایک شخص مرا تو اس سے پوچھا گیا۔ اس نے کہا کہ میں لوگوں سے لین دین کرتا تھا، جو لوگ کشادہ حال ہوتے ان سے درگزر کرتا اور جو لوگ تنگ دست ہوتے ان کا بوجھ ہلکا کر دیتا تھا، تو اس کے گناہ بخش دیے گئے۔ ابو مسعود کہتے ہیں کہ یہ روایت میں نے نبی ﷺ سے سنی ہے۔﴾

وضاحت:

اس روایت میں بہت کچھ حذف ہے۔ فَقِیلَ لَهُ اس شخص سے کہا گیا یا پوچھا گیا، کیا کہا گیا یا کیا پوچھا گیا؟ اسکا ذکر نہیں ہے۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص کو اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کیا گیا اور پوچھا گیا کہ دنیا میں کیا کر کے آئے ہو۔ اس نے جواب دیا کہ میں لوگوں سے لین دین کا معاملہ کرتا تھا تو جو خوش حال ہوتے تھے ان سے بھی نرم معاملہ کرتا تھا اور جو تنگ حال ہوتے تھے ان کو بھی مہلت دے دیتا یا ان کا بوجھ کم کر دیتا تھا۔ اس کی اس نیکی پر اس کی مغفرت کر دی گئی۔

روایت کے الفاظ سے یہ مضمون نکالا جا سکتا ہے۔ دوسری جگہ مکمل روایت بھی آئی ہے جس میں یہی مضمون بیان ہوا ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب وہ روایت موجود تھی، امام صاحب کے علم میں بھی تھی اور ان کے معیار پر بھی پوری اترتی تھی تو یہ ناتمام مجوبہ روایت لینے کے کیا معنی۔ یہاں اس روایت میں اتنا کچھ حذف ہے اور یہ ہے بھی حذف کے اصولوں کے خلاف جو کسی راوی کی کم علمی کے باعث ہو سکتا ہے۔ میرے نزدیک یہ کتاب کی ترتیب کا نقص ہے کہ امام صاحب نے یہ ناتمام روایت قبول کر لی۔

باقی رہ گئی یہ بات کہ مرنے والے کے اپنا عمل بتانے پر اس کو بخش دیا گیا، حالانکہ ابھی قیامت واقع نہیں ہوئی۔ ابھی عالم برزخ ہے تو یہ بات اس صنف میں داخل ہے کہ مستقبل میں پیش آنے والے بہت سارے واقعات کو آنحضرت ﷺ پر واقعہ کی شکل میں الہام کیا گیا تاکہ آپ ان واقعات سے آگاہ ہو جائیں۔ یہاں آپ کو دکھا دیا گیا کہ اس شخص کی مغفرت ہو گئی۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ کیا صرف اسی عمل پر اس شخص کی مغفرت ہو گئی تو اس کو یوں سمجھنا چاہیے کہ یہ نیکی ان نیکیوں میں سے ہے جو تنہا نہیں آتی بلکہ ان کا کنبہ ہوتا ہے۔ اصول یہ ہے کہ دنیا میں جو ذرہ برابر نیکی کرے گا قیامت کے روز اس کو دیکھے گا۔ اور جو ذرہ برابر برائی کرے گا وہ بھی دیکھ لے گا۔ نیکی اور بدی دونوں کا تول ہو گا اور اگر نیکی کا پلڑا بھاری ہو گیا تو نجات ہو جائے گی۔ جب دونوں پلڑے برابر سرابر ہوں تو ایک چھوٹی سی نیکی بھی توازن میں پلڑے کو بھاری کر سکتی ہے۔

گویا اس آدمی کی چھوٹی سی نیکی نے نیکی کے پلڑے کو بھاری کر دیا۔ یہ اچھی طرح سمجھ لیجئے کیونکہ یہ بڑا اہم مسئلہ ہے۔ اگر کہا جائے کہ اس عمل کے باعث اس کو نجات مل گئی تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس عمل نے اس کے پلڑے کو بھاری کر دیا اور یہ چھوٹا سا عمل اس میں فیصلہ کن عامل (Deciding Factor) بن گیا۔

٦. بابُ هَلْ يُعْطَى اَكْبَرَ مِنْ سِنِّهِ

باب: جس عمر کا جانور لیا گیا کیا اس سے بڑی عمر کا واپس دیا جا سکتا ہے؟

٧۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ عَنْ يَحْيٰى عَنْ سُفْيَانَ قَالَ حَدَّثَنِي سَلَمَةُ بْنُ كُهَيْلٍ عَنْ اَبِي سَلَمَةَ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَجُلًا اَتَى النَّبِيَّ ﷺ يَتَقَاضَاهُ بَعِيرًا، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ اَعْطُوهُ، فَقَالُوا مَا نَجِدُ اِلَّا سِنًّا اَفْضَلَ مِنْ سِنِّهِ فَقَالَ الرَّجُلُ اَوْفَيْتَنِي اَوْفَاكَ اللّٰهُ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ اَعْطُوهُ فَاِنَّ مِنْ خِيَارِ النَّاسِ اَحْسَنَهُمْ قَضَاءً.

﴿حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور تقاضا کیا کہ میرا اونٹ دو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس کو دے دو تو لوگوں نے کہا کہ ہم تو ایسا اونٹ نہیں پاتے جو اس کے اونٹ کے سن کا ہو بلکہ اس کے اونٹ کے سن (عمر) سے زیادہ کا اونٹ پاتے ہیں۔ تب وہ شخص کہنے لگا آپ نے میرا پورا حق دے دیا، اللہ تعالیٰ آپ کو پورا ثواب دے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہی اونٹ دے دو۔ اچھے وہی لوگ ہیں جو اچھی طرح قرض ادا کریں۔﴾

وضاحت:

عنوان باب میں مسئلہ زیر غور یہ تھا کہ جس عمر کا اونٹ قرض لیا گیا تھا تو کیا اس سے بڑی عمر کا اونٹ واپس دیا جا سکتا ہے یا نہیں۔ روایت میں یہ ہے کہ جب لوگوں نے کہا کہ اس سے بڑی عمر کا اونٹ ملتا ہے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا بڑی عمر ہی کا دے دو۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرض کی ادائیگی میں کوئی اپنی رضا سے فیاضانہ طور پر اصل سے زیادہ واپس کرے تو یہ ممنوع نہیں ہے۔ البتہ کسی چیز کی پابندی قبول کرنا یا عائد کرنا کہ اتنا دے رہا ہوں اور اتنا لوں گا، ربا کے حکم میں ہوگا۔

اس روایت کو راوی نے تو ذرا مروڑ کر پیش کیا ہے اور امام صاحب کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے یہ روایت لے لی ہے حالانکہ دوسری جگہ پر روایت واضح لفظوں میں موجود ہے۔ یہاں روایت میں ہے کہ لوگوں نے کہا اس کے اونٹ کے سن سے زیادہ سن کا اونٹ پاتے ہیں تو آدمی نے کہا آپ نے میرا پورا حق دے دیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو پورا ثواب دے۔ اس آدمی کا یہ قول یہاں قبل از وقت ہے۔ اس کا موقع تو اس وقت پیدا ہوا جب حضورؐ نے فرمایا کہ وہی بڑی عمر کا اونٹ اس کو دے دو۔

آنحضرت ﷺ کا ارشاد سن کر اس آدمی نے کہا ہوگا کہ آپ نے حق پورا دیا اللہ تعالیٰ آپ کو اجر پورا دے۔ یہ کتابت کی غلطی نہیں ہے، روایت کی غلطی ہے۔

۷. بَابُ حُسْنِ الْقَضَاءِ

باب: اچھی طرح سے قرض ادا کرنا

۸۔ حَدَّثَنَا اَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ سَلَمَةَ عَنْ اَبِي سَلَمَةَ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ لِرَجُلٍ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ سِنٌّ مِنَ الْاِبِلِ فَجَاءَهُ يَتَقَاضَاهُ فَقَالَ ﷺ اَعْطُوهُ فَطَلَبُوا سِنَّهُ فَلَمْ يَجِدُوا لَهُ اِلَّا سِنًّا فَوْقَهَا، فَقَالَ اَعْطُوهُ فَقَالَ اَوْفَيْتَنِي وَفَى اللّٰهُ بِكَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ اِنَّ خِيَارَكُمْ اَحْسَنُكُمْ قَضَاءً.

﴿حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص کا نبی ﷺ کے ذمہ ایک خاص سن کا اونٹ واجب ہوتا تھا۔ وہ تقاضا کرنے آیا تو نبی ﷺ نے فرمایا: اس کو اونٹ دے دو۔ لوگوں نے اس کے سن کا اونٹ تلاش کیا تو نہیں ملا بلکہ اس سے زیادہ سن کا اونٹ تھا تو نبی ﷺ نے فرمایا، وہی دے دو۔ اس شخص نے کہا: آپ نے میرا حق پورا کیا اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا اجر پورا دے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: تم میں بہترین آدمی وہ ہے جو قرض کی ادائیگی کے لحاظ سے بہترین ہے۔﴾

وضاحت:

یہ حدیث بالکل ٹھیک روایت ہوئی ہے۔ جب امام صاحب کے ذخیرے میں یہ واضح روایت موجود تھی تو ان کے لیے دوسرے راوی کی ایک ایسی روایت نقل کرنا مناسب نہ تھا جس میں الفاظ کی ترتیب تک درست نہیں ہے۔

۹۔ حَدَّثَنَا خَلَّادٌ حَدَّثَنَا مِسْعَرٌ حَدَّثَنَا مُحَارِبُ بْنُ دِثَارٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ اَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ وَهُوَ فِي الْمَسْجِدِ قَالَ مِسْعَرٌ اُرَاهُ قَالَ ضُحًى۔ فَقَالَ صَلِّ رَكْعَتَيْنِ وَكَانَ لِي عَلَيْهِ دَيْنٌ فَقَضَانِي وَزَادَنِي.

﴿حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت آپ مسجد میں تھے۔ مسعر کہتے ہیں کہ میں سمجھتا ہوں انہوں نے بتایا کہ چاشت کا وقت تھا، آپ نے فرمایا: دو رکعت نماز پڑھو۔ میرا کچھ قرض آپ پر نکلتا تھا تو آپ نے وہ ادا کیا اور مجھے کچھ زیادہ بھی دیا۔﴾

وضاحت:

یہ روایت مختلف شکلوں میں امام صاحب جگہ جگہ لا رہے ہیں اور ہر جگہ اس کا اتنا حصہ کاٹ لیتے ہیں کہ جتنا ان کے باب کے مضمون کو ثابت کرنے کے لیے درکار ہوتا ہے۔ یہ مختصر حدیث اصل میں سفر کے دوران نبی ﷺ کے اس سودے کی روایت کا حصہ ہے جس میں آپ نے جابرؓ سے ان کا اونٹ خریدا۔ آنحضرت ﷺ کا طریقہ تھا کہ اپنے صحابہ کے ساتھ مختلف شکلوں میں عنایت فرمایا کرتے تھے۔ آپ نے دیکھا کہ حضرت جابرؓ کا اونٹ چل نہیں رہا ہے تو آپ نے اس کو مارا تو وہ دوڑنے لگا۔ آپ نے چاہا کہ حضرت جابرؓ کی اس اونٹ سے جان چھڑا دیں۔ آپ نے ان سے پوچھا: بیچو گے؟ تو انہوں نے کہا: آپ کی نذر ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: نہیں، اس کو بیچو۔ پھر آپ نے اس اونٹ کو خرید لیا اور حضرت جابرؓ سے کہا کہ اس پر مدینہ تک سوار چلیں اور وہاں وہ اس کو لے لیں گے۔ سفر کے دوران آپ نے جابر سے ان کے گھریلو مسائل کے بارے میں معلومات حاصل کیں اور اندازہ لگایا کہ وہ خاصے تنگ دست ہیں۔ اس طریقہ سے آپ نے حضرت جابرؓ کی دلداری کے لیے یہ اونٹ خریدا۔ اس کے بعد مدینہ جا کر آپ نے حضرت بلالؓ سے کہا کہ جابر کو اتنی چاندی دے دو اور اس پر کچھ اضافہ کر دو۔ یہ اضافہ آنحضرت ﷺ کا تبرک تھا۔ امام صاحب نے اسی پر باب باندھا ہے 'حسن القضا'۔

اس روایت میں یہ ہے کہ حضرت جابرؓ جب اونٹ دینے کے لیے مسجد میں گئے تو نبی ﷺ نے فرمایا کہ دو رکعت نماز پڑھو۔ یہ نماز تحیۃ المسجد ہو گی۔ اگر جائز وقت ہو تو دو رکعت نماز پڑھی جا سکتی ہے۔ وقت جائز کا مطلب طلوع وغروب آفتاب کے علاوہ اوقات ہیں۔ میرے نزدیک نماز عصر کے بعد اور فجر کی نماز کے بعد بھی نوافل کے لیے جائز وقت ہوتا ہے۔

٨. بابُ اِذَا قَضٰی دُونَ حَقِّهِ اَوْ حَلَّلَهُ فَهُوَ جَائِزٌ.

باب: اس بارے میں کہ اگر کسی کے حق سے کم کا فیصلہ کیا جائے یا حق سے سبکدوش کیا جائے تو یہ جائز ہے۔

۱۰۱۔ حَدَّثَنَا عَبْدَانُ اَخْبَرَنَا عَبْدُاللّٰهِ اَخْبَرَنَا یُونُسُ عَنِ الزُّهْرِیِّ قَالَ حَدَّثَنِی ابْنُ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ جَابِرَبْنَ عَبْدِاللّٰهِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَخْبَرَهُ اَنَّ اَبَاهُ قُتِلَ یَوْمَ اُحُدٍ شَهِیدًا وَ عَلَیْهِ دَیْنٌ فَاشْتَدَّ الْغُرَمَاءُ فِی حُقُوقِهِمْ فَاَتَیْتُ النَّبِیَّ ﷺ فَسَاَلَهُمْ اَنْ یَقْبَلُوا تَمْرَ حَائِطِی وَ یُحَلِّلُوا اَبِی فَاَبَوْا فَلَمْ یُعْطِهِمِ النَّبِیُّ ﷺ حَائِطِی وَقَالَ سَنَغْدُو عَلَیْكَ فَغَدَا عَلَیْنَا حِینَ اَصْبَحَ فَطَافَ فِی النَّخْلِ وَ دَعَا فِی ثَمَرِهَا بِالْبَرَكَةِ فَجَدَدْتُهَا فَقَضَیْتُهُمْ وَ بَقِیَ لَنَا مِنْ تَمْرِهَا.

﴿ حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ ان کے والد احد کی جنگ میں شہادت پا گئے۔ ان کے ذمہ قرض

رہ گیا تو قرض خواہوں نے اپنے حقوق کی طلبی میں سختی کی۔ میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے قرض خواہوں سے کہا کہ ان کے باغ کا پھل قبول کر لیں اور ان کے والد کو قرض سے بری کر دیں۔ ان لوگوں نے انکار کر دیا تو نبی ﷺ نے ان کو میرا باغ نہیں دیا اور مجھ سے فرمایا کہ میں کل تمہارے پاس آؤں گا۔ صبح ہوئی تو آپ ہمارے ہاں تشریف لائے اور میرے پورے باغ کا چکر لگایا اور اس کے پھل میں برکت کی دعا کی۔ اس کے بعد میں نے پھل اتارا۔ اس سے میں نے قرض خواہوں کا سارا قرضہ بھی ادا کر دیا اور ہمارے لیے باغ کی کھجور بچ بھی رہی۔

وضاحت:

پہلے تو آنحضرت ﷺ نے یہ چاہا کہ قرض خواہ باغ کا پھل لے لیں اور قرض کا مطالبہ نہ کریں۔ لیکن وہ راضی نہ ہوئے۔ معلوم ہوتا ہے ان کو پھل کی مقدار کم محسوس ہوئی۔ اسی پر امام صاحب نے باب باندھا ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے کوشش کی کہ قرض خواہ کم پر راضی ہو جائیں لیکن جب وہ راضی نہ ہوئے تو آپ نے معاملہ اگلے دن پر چھوڑا۔ علی الصبح آپ نے پورے باغ میں چکر لگا کر پھل میں برکت کی دعا فرمائی اور جابر کو پھل توڑنے کا حکم دیا۔ پھل توڑا گیا تو سارا قرضہ بھی ادا ہو گیا اور ان کے گھر کے لیے کھجور بچ بھی رہی۔

روایت میں جو معاملہ بیان ہوا ہے اس میں قرض خواہوں نے اپنا حق کم کرنے کا فیصلہ قبول نہیں کیا۔ چنانچہ حضورؐ نے اس پر اصرار نہیں فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ معاملہ والوں کی رضامندی بھی ضروری ہے۔ اگر وہ راضی ہوں تو معاملہ درست ہوگا۔ باب کی عبارت سے یہ بات نہیں نکلتی۔

۹. باب اِذَا قَاصَّ اَوجَازَفَهٗ فِی الدَّینِ تَمرًا بِتَمرٍ او غَیرِہٖ

باب: اس بارے میں کہ قرض ادا کرنے میں اندازے سے یا یک مشت (Lumpsum) کھجور کے بدلے کھجور یا اس کے سوا کوئی اور چیز اسی چیز کے بدلے دینا جائز ہے۔

مجازفہ کے معنی الل ٹپ لینا ٹھیک نہیں۔ یک مشت ایک ڈھیر کہہ سکتے ہیں۔ ایک شکل تو یہ ہوتی ہے کہ جتنے من کھجور لی تھی اتنے ہی من تول کر واپس کی جائے۔ ایک یہ کہ تخمینہ لگا کر ایک ڈھیری ادا کر دی جائے۔ یہ شکل مجازفہ کہلائے گی۔ کھجور کے بدلے کھجور اور اناج کے بدلے اناج سب میں ایسا ہو سکتا ہے۔

۱۱۔ حَدَّثَنَا اِبْرَاهِیمُ بْنُ الْمُنْذِرِ حَدَّثَنَا اَنَس" عَنْ هِشَامٍ عَنْ وَهْبِ بْنِ كَيْسَانَ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّهُ اَخْبَرَهُ اَنَّ اَبَاهُ تُوُفِّیَ وَتَرَکَ عَلَيْهِ ثَلَاثِینَ وَسْقًا لِرَجُلٍ مِنَ الْيَهُودِ فَاسْتَنْظَرَهُ جَابِر" فَاَبٰی اَنْ يُنْظِرَهُ فَكَلَّمَ جَابِر" رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ لِيَشْفَعَ لَهُ اِلَيْهِ، فَجَاءَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ وَكَلَّمَ الْيَهُودِیَّ لِيَاْخُذَ ثَمَرَ نَخْلِهٖ بِالَّذِی لَهُ فَاَبٰی، فَدَخَلَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ النَّخْلَ فَمَشٰی فِيهَا ثُمَّ قَالَ لِجَابِرٍ جُدَّ لَهُ فَاَوْفِ لَهُ الَّذِی لَهُ فَجَدَّهُ بَعْدَ مَا رَجَعَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فَاَوْفَاهُ ثَلَاثِینَ وَسْقًا وَ فَضَلَتْ لَهُ سَبْعَةَ عَشَرَ وَسْقًا فَجَاءَ جَابِر" رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ لِيُخْبِرَهُ بِالَّذِی كَانَ فَوَجَدَهُ يُصَلِّی الْعَصْرَ فَلَمَّا انْصَرَفَ اَخْبَرَهُ بِالْفَضْلِ فَقَالَ اَخْبِرْ ذٰلِکَ ابْنَ الْخَطَّابِ فَذَهَبَ جَابِر" اِلٰی عُمَرَ فَاَخْبَرَهُ فَقَالَ لَهُ عُمَرُ لَقَدْ عَلِمْتُ حِينَ مَشٰی فِيهَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ لَيُبَارَكَنَّ فِيهَا.

﴿حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ ان کے والد شہید ہوئے تو تیس وسق کھجور ایک یہودی کا قرضہ چھوڑ گئے۔ جابرؓ نے اس یہودی سے مہلت مانگی تو اس نے مہلت دینے سے انکار کر دیا۔ جابرؓ نے رسول اللہ ﷺ سے بات کی کہ وہ یہودی سے سفارش کریں۔ رسول اللہ ﷺ آئے اور یہودی سے بات کی کہ اپنے قرض کے بدلے میں اس باغ کی کھجور لے لے تو اس نے انکار کیا۔ اس پر رسول اللہ ﷺ باغ میں داخل ہوئے اور اس کا چکر لگایا اور جابرؓ سے کہا کہ اس کا پھل توڑو اور اس کا قرض ادا کرو۔ جابرؓ نے رسول اللہ ﷺ کے لوٹ آنے کے بعد کھجور توڑی اور یہودی کے تیس وسق پورے دے دیے۔ ان کے پاس سترہ وسق کھجور بچ رہی۔ جابرؓ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے تاکہ جو واقعہ پیش آیا اس کی خبر دیں۔ انہوں نے آپ کو عصر کی نماز پڑھتے ہوئے پایا۔ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو جابر نے کھجور بچ رہنے کی خبر دی۔ آپ نے فرمایا کہ جا کر ابن خطاب کو اس کی خبر دو۔ جابرؓ عمرؓ کے پاس آئے اور اس کی خبر دی تو حضرت عمرؓ نے کہا جب رسول اللہ ﷺ نے باغ کا چکر لگایا تو میں اسی وقت جان گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ اس میں برکت دے گا۔﴾

وضاحت:

امام صاحب کو جب یہ مفصل روایت لانی تھی تو اوپر مجمل روایت کو نقل کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ اس روایت میں سارے مطالب موجود ہیں۔ یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جس سے جھگڑا تھا وہ یہودی تھا۔ تو یہودی کیوں راضی ہوتا؟ آنحضرت

ﷺ نے یہودی سے کہا کہ اپنے بتایا قرض کے بدلے باغ کی کھجور ساری کی ساری یک مشت لے لے۔ امام صاحب نے اسی پر باب باندھ دیا۔

١٠. بَابُ مَنِ اسْتَعَاذَ مِنَ الدَّيْنِ

باب: ان لوگوں کے بارے میں جنہوں نے قرض سے پناہ مانگی

١٢۔ حَدَّثَنَا إِسْمٰعِيلُ قَالَ حَدَّثَنِي أَخِي عَنْ سُلَيْمَانَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي عَتِيقٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ أَنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا أَخْبَرَتْهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يَدْعُو فِي الصَّلَاةِ وَيَقُولُ اللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُبِكَ مِنَ الْمَأْثَمِ وَالْمَغْرَمِ، فَقَالَ لَهُ قَائِلٌ " مَا أَكْثَرَ مَا تَسْتَعِيذُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ مِنَ الْمَغْرَمِ قَالَ إِنَّ الرَّجُلَ إِذَا غَرِمَ حَدَّثَ فَكَذَبَ وَوَعَدَ فَأَخْلَفَ.

﴿عروہ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ نے انہیں خبر دی کہ رسول اللہ ﷺ نماز میں دعا کیا کرتے تھے کہ اے رب میں تیری پناہ مانگتا ہوں گناہوں سے اور تاوانوں کے بوجھ سے۔ تو ایک کہنے والے نے کہا: یا رسول اللہ! آپ تاوان سے اتنی زیادہ پناہ مانگتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا کہ آدمی جب کسی تاوان میں پڑ جاتا ہے تو بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے اور وعدہ کرتا ہے تو اس کی خلاف ورزی کرتا ہے۔﴾

وضاحت:

تاوان یہ ہے کہ آدمی قرض دار ہو گیا محتاج ہو گیا یا مالی مشکلات میں پھنس گیا۔ ظاہر ہے کہ ہما شما کی طرح جو لوگ کاروبار کرتے ہیں ان کا سابقہ اس طرح کی صورت حال سے پڑتا ہے۔ جب کسی تاوان میں پڑ جاتے ہیں تو قرض خواہوں سے کہتے ہیں بس انتظام ہو جائے گا، اتنے دنوں میں کر دوں گا، لیکن وہ پورا نہیں کر پاتے اور وعدہ کی خلاف ورزی ہوتی ہے۔ وعدہ کی خلاف ورزی ہو اور آدمی قول کی صداقت سے محروم ہو جائے تو اس کے پاس بچا کیا؟ لہٰذا آپؐ نے فرمایا اس سبب سے میں تاوان سے پناہ مانگتا ہوں۔

١١. بَابُ الصَّلَاةِ عَلَى مَنْ تَرَكَ دَيْنًا

باب: اس شخص کی نماز جنازہ جو قرض چھوڑ کر مرا

١٣۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَدِيِّ بْنِ ثَابِتٍ عَنْ أَبِي حَازِمٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَنْ تَرَكَ مَالًا فَلِوَرَثَتِهِ، وَمَنْ تَرَكَ كَلًّا فَإِلَيْنَا.

﴿حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ جس نے کوئی مال چھوڑا تو وہ اس کے ورثا کا حق ہے اور جس نے کوئی بار چھوڑا تو وہ ہمارے لیے ہے۔﴾

وضاحت:

یہاں روایت میں بات بہت مختصر کردی ہے۔ باب الدین کے تحت جو روایت آئی ہے اس میں یہ ہے کہ نبی ﷺ قرض داروں کے متعلق معلوم کرتے تھے۔ اگر انہوں نے قرض چھوڑا ہوتا لیکن اس کی ادائیگی کے لیے کچھ نہ چھوڑا ہوتا، تو نماز و آپ نہیں پڑھاتے تھے اور صحابہ سے کہہ دیتے تھے کہ تم پڑھ لو۔ یعنی نماز تو پڑھی جاتی لیکن حضور خود نہیں پڑھاتے تھے۔ اس کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ قرض کی سنگینی کا لوگوں کو احساس دلایا جائے اور قرض کے معاملہ میں وہ بے حس نہ ہو جائیں بلکہ فکرمند رہیں کہ دنیا سے جائیں تو قرض ان کے ذمہ نہ ہو۔ بعد میں جب فتوحات کا زمانہ آ گیا تب آپ نے بیت المال کے ذمہ کردیا کہ اگر کسی شخص نے قرض چھوڑا ہے اور اس کی ادائیگی کے لیے کچھ نہیں چھوڑا تو اس کی طرف سے بیت المال ادا کرے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ جس کے قرض کی ادائیگی کا کوئی سامان نہیں ہے تو اس کا قرض بیت المال کے ذمہ ہے اور یہ بات ہونی چاہیے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہو سکتا کہ لوگ قرض لے کر فضول خرچیاں کریں اور یہ توقع رکھیں کہ جب مریں گے تو بیت المال ادا کردے گا۔ اچھے معاشرہ میں لوگوں کو یہ احساس ہوتا ہے کہ کوئی صاحب مال نہ رکھتے ہوں تو خواہ مخواہ بادشاہ نہ بنیں۔ اگر کوئی ایسا کرے تو انہیں کوئی قرض نہیں دے گا۔ پھر یہ بات بھی ہے کہ اگر کوئی اس طریقہ کی جسارت کرے تو حکومت اس پر نظر رکھے اور بیت المال میں غریبوں کے لیے جو سہولت رکھی اس سے انہیں محروم نہ کرے۔ حکومت ہوا کرے کہ لوگ اس اجازت سے بے جا فائدہ نہ اٹھائیں۔

۱۴۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا أَبُو عَامِرٍ حَدَّثَنَا فُلَيْحٌ عَنْ هِلَالِ بْنِ عَلِيٍّ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي عَمْرَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ مَا مِنْ مُؤْمِنٍ إِلَّا وَأَنَا أَوْلَى بِهِ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ، اِقْرَءُوْا إِنْ شِئْتُمْ: النَّبِيُّ أَوْلَى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ فَأَيُّمَا مُؤْمِنٍ مَاتَ وَتَرَكَ مَالًا فَلْيَرِثْهُ عَصَبَتُهُ مَنْ كَانُوْا وَمَنْ تَرَكَ دَيْنًا أَوْ ضَيَاعًا فَلْيَأْتِنِي فَأَنَا مَوْلَاهُ.

﴿حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ کوئی مومن ایسا نہیں جس سے مجھ کو سب سے قریب رشتہ نہ ہو، دنیا اور آخرت دونوں میں۔ تم چاہو تو یہ آیت پڑھ لو کہ پیغمبر کا حق مومنوں پر خود ان کے مقابل میں اولیٰ ہے۔ پھر جو کوئی مومن مر جائے اور مال چھوڑ جائے تو اس کے اہل خاندان کو ملے گا جو اس کے وارث ہوں اور جو کوئی قرضہ، بال بچے چھوڑ جائے تو وہ میرے پاس آئے، میں اس کا بندوبست کرنے والا ہوں گا۔﴾

وضاحت:

مطلب یہ ہے کہ جو باتیں فطری ہیں، جو باتیں شریعت میں طے ہیں، جو حقوق طے ہیں، جو وراثتیں طے ہیں وہ سب اپنی جگہ مسلم ہیں۔ لیکن حق کے لحاظ سے دنیا اور آخرت میں سب سے بڑا حق نبی ﷺ کا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جو حکم آپؐ دیں اس میں ہماری فلاح ہے اور جس بات سے روکیں تو رکنے ہی میں ہماری نجات ہے۔ بات سمجھانے کی خاطر آپ نے سورہ احزاب کی آیت کی طرف توجہ دلائی۔ پھر فرمایا کہ جو مومن مرے اس کے مال کے وارث اس کے ورثا ہوں گے اور جو قرض چھوڑے یا بال بچوں کے لیے کچھ نہ چھوڑے تو میں ان کا سرپرست ہوں۔

۱۲. بَابُ مَطْلُ الْغَنِيِّ ظُلْمٌ

باب: مال دار کا اپنے قرض خواہ سے ٹال مٹول کرنا ظلم ہے

۱۵۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا عَبْدُالاَعْلَى عَنْ مَعْمَرٍ عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ اَخِي وَهْبِ بْنِ مُنَبِّهٍ اَنَّهُ سَمِعَ اَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ مَطْلُ الْغَنِيِّ ظُلْمٌ.

﴿حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مالدار کا ٹال مٹول کرنا ظلم ہے۔﴾

وضاحت:

مطلب یہ ہے کہ جس کسی نے کسی سے قرض لیا ہے اور پھر مالدار ہوتے ہوئے ادا کرنے میں ٹال مٹول کر رہا ہے تو یہ چیز ظلم ہے۔ ظلم کا مفہوم دوسرے لفظوں میں جرم ہے۔ جب یہ ظلم ہے، حق تلفی ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ قابل دراندازی عدالت ہے۔ مظلوم قاضی کے ہاں مرافعہ کر سکتا ہے۔ قاضی یہ تحقیق کرے گا کہ قرضدار واقعی ٹال مٹول سے کام لے رہا ہے یا دیوالیہ ہو چکا ہے۔ قاضی اپنی تحقیق کے مطابق فیصلہ کرے گا۔ اس سے یہ معلوم ہو گیا کہ اگر کوئی شخص قرض کی ادائیگی پر قادر ہونے کے باوجود ٹال مٹول کرتا ہے تو یہ معمولی نہیں بلکہ سنگین معاملہ ہوتا ہے۔ اس پہلو سے امام صاحب یہ روایت لائے ہیں۔

۱۳. بَابُ لِصَاحِبِ الْحَقِّ مَقَالٌ وَيُذْكَرُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ لَيُّ الْوَاجِدِ يُحِلُّ عُقُوبَتَهُ وَعِرْضَهُ قَالَ سُفْيَانُ عِرْضُهُ يَقُولُ مَطَلْتَنِي وَعُقُوبَتُهُ الْحَبْسُ.

باب: جس کا کچھ نکلتا ہو اس کو کچھ کہنے کا بھی حق ہے اور نبی کریم ﷺ سے یہ بات بھی مذکور ہے کہ جو شخص یافت رکھتے ہوئے ٹال مٹول کرتا ہے اس کی عقوبت بھی جائز ہے اور

اس کی آبرو کو داغدار کرنا بھی۔ سفیان کہتے ہیں کہ آبرو حلال ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ کہہ سکتا ہے کہ تم نے میرے ساتھ ٹال مٹول کی اور سزا سے مراد قید کرنا ہے۔

وضاحت:

مطلب یہ ہے کہ جس کا کچھ حق نکلتا ہو، اگر وہ حق کو روکنے والے سے گفتگو میں تلخ ہو جائے تو اس کے لیے اس کا حق تسلیم کر لیا گیا ہے۔ اس پر امام صاحب نے ایک نوٹ دیا ہے جس کی حیثیت ایک تعلیق کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ سے یہ بات مذکور ہے کہ جو شخص یافت رکھتے ہوئے ٹال مٹول کرے تو اس کی عقوبت بھی جائز ہے اور اس کی آبرو کو داغدار کرنا بھی۔ یعنی اس کی تحزیر بھی ہو سکتی ہے اور اس کے خلاف مرافعہ بھی ہو سکتا ہے، عرضہ سے میرے نزدیک یہی مطلب نکلتا ہے۔ لَیٌّ کے معنی ٹال مٹول کے ہیں اور واجد سے مراد غنی، یعنی جس کے پاس مال ہے۔ اس کے بعد سفیان کی شرح ہے، وہ عرضہ کا مطلب یہ بتاتے ہیں کہ وہ اس سے کہہ سکتا ہے کہ مطلتنی یعنی تم نے میرے ساتھ ٹال مٹول کیا۔ میرے نزدیک یہ تشریح کرنے کا ان کو کوئی حق نہیں ہے۔ البتہ عقوبتہ سے مراد قید کر لینا ٹھیک ہے۔

۱۲۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيٰى عَنْ شُعْبَةَ عَنْ سَلَمَةَ عَنْ اَبِىْ سَلَمَةَ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ اَتَى النَّبِىَّ ﷺ رَجُلٌ يَتَقَاضَاهُ فَاَغْلَظَ لَهٗ فَهَمَّ بِهٖ اَصْحَابُهٗ فَقَالَ دَعُوْهُ فَاِنَّ لِصَاحِبِ الْحَقِّ مَقَالًا.

﴿حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کے پاس ایک شخص اپنے حق کا مطالبہ لے کر آیا۔ اس نے تقاضا کرنے میں آپ کے ساتھ کچھ درشت انداز اختیار کیا تو صحابہؓ نے چاہا کہ اس کی گوشمالی کریں۔ آپ نے فرمایا جانے دو۔ جس کا کچھ حق نکلتا ہے اس کو کچھ کہنے کا حق بھی ہے۔﴾

وضاحت:

یہ روایت اوپر گزر چکی ہے۔ یہ پیغمبر ﷺ ہی کی شان ہے کہ وہ یہ بات کہہ سکتے ہیں کہ جس کا کچھ حق نکلتا ہے وہ کچھ کہنے کا حقدار بھی ہے۔ ہم تو یہاں تک کیسے پہنچ سکتے ہیں۔

۱۶۔ بَابٌ اِذَا وَجَدَ مَالَهٗ عِنْدَ مُفْلِسٍ فِى الْبَيْعِ وَالْقَرْضِ وَالْوَدِيْعَةِ فَهُوَ اَحَقُّ بِهٖ

وَقَالَ الْحَسَنُ اِذَا اَفْلَسَ وَتَبَيَّنَ لَمْ يَجُزْ عِتْقُهٗ وَلَا بَيْعُهٗ وَلَا شِرَاؤُهٗ، وَقَالَ سَعِيْدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ قَضٰى عُثْمَانُ مَنِ اقْتَضٰى مِنْ حَقِّهٖ قَبْلَ اَنْ يُفْلِسَ فَهُوَ لَهٗ، وَمَنْ عَرَفَ مَتَاعَهٗ بِعَيْنِهٖ، فَهُوَ اَحَقُّ بِهٖ.

باب: اگر کوئی شخص اپنا مال کسی مفلس یعنی دیوالیے کے پاس پاتا ہے تو خواہ وہ بیع کی نوعیت کا ہو یا قرض کی نوعیت کا یا امانت کا، وہ اس کا زیادہ حق دار ہے۔

حسن کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص دیوالیہ قرار دے دیا گیا اور اس کا دیوالیہ ہونا واضح ہو گیا تو اس کے لیے یہ جائز نہیں کہ اپنے غلام کو آزاد کرے یا بیع کرے یا کوئی چیز خریدے۔ سعید ابن المسیب کہتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ کا فیصلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی ایسے شخص کے پاس کہ جس کو دیوالیہ قرار دے دیا گیا ہو، اپنی کوئی امانت یا متاع جس کو وہ پہچانتا ہو، پاتا ہے تو وہ اس کو لینے کا زیادہ حق دار ہے۔

وضاحت:

مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص تاجر یا کاروباری ہے اور کسی چکر میں پھنس گیا ہے اور اس کی یافت اور ادائگیوں میں بڑا فرق پیدا ہو گیا ہے تو اس کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اس کا نتیجہ یہ ہو سکتا ہے کہ بہت سارے لوگوں کے حقوق تلف ہو جائیں تو اس کو کچھ سہارا دینا پڑتا ہے۔ اور جو لوگ اس کے ساتھ معاملہ کر رہے تھے ان کو بھی سنبھالا دینا پڑتا ہے۔ معاشرہ میں گرتے ہوئے کو سنبھالنا حکومت کی ایک ذمہ داری ہے۔ اس طرح کے اشخاص یا اداروں کے متعلق دیوالیہ قرار دینے کا ایک قانون ہے۔ دیوالیہ قرار دے کر آزادانہ تصرفات کو روک دیا جاتا ہے اور اس پر قدغن عائد کر دی جاتی ہے تاکہ دوسروں کے حقوق کو جس حد تک بھی ممکن ہو تحفظ دیا جائے۔ بعض اوقات عدالت خود ایک شخص کو دیوالیہ قرار دے دیتی ہے اور بعض دفعہ اس کے لیے کوئی شخص از خود درخواست کرتا ہے تاکہ جس حد تک قانون مدد دے سکتا ہے وہ اس کو ملے۔ وہ اپنی مجبوریوں کا اظہار کر دیتا ہے کہ میں اب ادائگیوں کا اہل نہیں ہوں۔ اس زمانے میں بڑی بڑی چالاکیاں بھی اس ضمن میں ہوتی ہیں اور جو قرضے لیے جاتے ہیں ان کو ہڑپ کرنے کا ایک طریقہ چل نکلا ہے۔ بہرحال یہ معاملہ قابل مداخلت عدالت ہے۔ اگر کوئی شخص دیوالیہ قرار دے دیا گیا ہے، قطع نظر اس سے کہ اس نے از خود درخواست دی ہے یا عدالت نے اس کو قرار دیا ہے تو اس کے پاس جو کچھ ہے اور جن لوگوں نے اس سے لینا ہے، ان تمام معاملات میں عدالت کو دخل دینا پڑتا ہے۔ میں اس قانون کا ماہر نہیں ہوں لیکن دیوالیہ قرار دینے سے مقصود کسی کو ذلیل کرنا نہیں ہے بلکہ ہر ایک کی کچھ نہ کچھ مدد کرنا ہے، جس کے ذمہ کچھ ہے اس کی بھی اور جن کا کچھ نکلتا ہے ان کی بھی۔

امام بخاری کے نزدیک اگر کوئی شخص اپنا مال، خواہ اس کی نوعیت بیع کی ہو یا قرض کی یا ودیعت کی، کسی دیوالیہ کے پاس پاتا ہے تو وہ اس کو دے دیا جائے گا۔ دوسرے فقہا ودیعت کے معاملہ میں تو مانتے ہیں کہ اس کو دے دی جائے گی لیکن بیع اور قرض کے معاملہ میں نہیں مانتے۔ مجھے امام صاحب کی یہ بات معقول معلوم ہوتی ہے۔ ان چیزوں کے متعلق معقول رویہ یہ ہے کہ جو کچھ دیوالیے کے پاس مال ہے اس کو اس طرح تقسیم کیا جائے کہ سب کی اشک شوئی ہو جائے۔ عند مفلس کے معنی

یہ ہوں گے کہ وہ شخص جس کو عدالت نے دیوالیہ قرار دیا ہو ہم کو اور آپ کو اس کا فیصلہ کرنے کا حق نہیں ہے۔ حسن کہتے ہیں کہ اگر کوئی دیوالیہ ہو جائے اور اسکا دیوالیہ ہونا طے ہے یعنی عدالت نے بھی کہہ دیا ہے تو اس کا غلام کو آزاد کرنا، اور کسی چیز کا بیچنا اور خریدنا جائز نہیں ہے۔ فقہا کا یہ نظریہ مبنی ہے اس بات پر کہ غلام بھی مال ہے۔ میرے نزدیک یہ زبردستی ہے کہ غلام اور لونڈی کو مال مطلق سمجھ کر معاملہ کیا جائے۔ لہذا دیوالیہ شخص غلام کو آزاد کر سکتا ہے۔ باقی رہ گیا بیع اور شرا تو اس کو روک سکتے ہیں اس لیے کہ اگر اس کی اجازت دیں گے تو اپنا سب مال ٹھکانے لگا کر وہ سب کو محروم کر سکتا ہے یا یہ کہ کوئی چیز جو کسی کام کی نہ ہو خرید کر خود کو محفوظ کر سکتا ہے۔ سعید بن المسیب کہتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ کا فیصلہ یہ ہے کہ جس شخص نے اپنا حق لے لیا قبل اس کے کہ وہ مفلس قرار پائے وہ اسکا ہوگا۔ یہ بات ٹھیک ہے۔ اس لیے کہ دیوالیہ قرار پانے سے پہلے جو لے لیا گیا اس کو آپ بعد میں حساب میں شامل نہیں کر سکتے۔ آخر میں ہے کہ ومن عرف متاعه' بعینه فهو احق به۔ 'زیادہ حقدار ہے' کا مطلب یہ ہے کہ اس نے اپنے کسی مال کو بعینہٖ پہچان لیا ہے تو اس کے حق کو مقدم رکھیں گے لیکن یہ کہ وہ قبضہ نہیں کر سکتا اس لیے کہ دیوالیہ قرار دے دینے کے بعد قبضہ کرنے کا حق نہیں رہتا۔ پھر تو سب کا مال مشترک ہوتا ہے۔ البتہ فیصلہ کرنے میں مال کی بعینہٖ موجودگی کو عدالت مدنظر رکھے گی اور کوشش کرے گی کہ وہ چیز اس کے اصل مالک کو دے دی جائے۔ دیوالیہ پن کے مسائل میں فقہا کا اتنا اختلاف ہے کہ پڑھ کر میرا سر چکرا گیا۔ میں نے لونڈی اور غلام کو تو بچا لیا کہ یہ میرے ذوق کی چیز تھی، باقی ودیعت کا معاملہ تھا تو اس میں میری سمجھ میں یہ بات آئی کہ وہ تو امانت ہے۔ یہ تمام باتیں حدیث نہیں بلکہ باب کے تحت نوٹس ہیں۔ حدیث آگے آرہی ہے۔

۱۷۔ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ یُوْنُسَ حَدَّثَنَا زُهَیْر" حَدَّثَنَا یَحْیَی بْنُ سَعِیْدٍ قَالَ اَخْبَرَنِی اَبُوْبَکْرِ ابْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ اَنَّ عُمَرَ بْنَ عَبْدِالْعَزِیْزِ اَخْبَرَهُ اَنَّ اَبَابَکْرِ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ هِشَامٍ اَخْبَرَهُ اَنَّهُ سَمِعَ اَبَاهُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ یَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَوْ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ مَنْ اَدْرَکَ مَالَهُ بِعَیْنِهِ عِنْدَ رَجُلٍ اَوْ اِنْسَانٍ قَدْ اَفْلَسَ فَهُوَ اَحَقُّ بِهِ مِنْ غَیْرِهِ۔

﴿حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ جس نے اپنا مال بعینہٖ کسی شخص کے پاس پایا جو دیوالیہ ہو گیا ہے تو وہ دوسروں کی نسبت اس کا زیادہ حقدار ہے۔﴾

وضاحت:

میرے نزدیک اس کا مطلب یہی ہے کہ تحقیق کرنے والی عدالت یہ ملحوظ رکھے گی کہ مال اس کا ہے اور حتی الوسع اگر گنجائش نکلتی ہے تو اس کو حق دار قرار دے گی۔

۱۵ . باب: مَنْ اَخَّرَ الْغَرِيمَ اِلَى الْغَدِ اَوْ نَحْوِهِ وَلَمْ يَرَ ذٰلِکَ مَطْلًا وَقَالَ جَابِرٌ اشْتَدَّ الْغُرَمَاءُ فِي حُقُوقِهِمْ فِي دَيْنِ اَبِي فَسَاَلَهُمُ النَّبِيُّ ﷺ اَنْ يَقْبَلُوا ثَمَرَ حَائِطِي فَاَبَوْا فَلَمْ يُعْطِهِمِ الْحَائِطَ، وَلَمْ يَكْسِرْهُ لَهُمْ وَقَالَ سَاَغْدُو عَلَيْکَ غَدًا فَغَدَا عَلَيْنَا حِينَ اَصْبَحَ فَدَعَا فِي ثَمَرِهَا بِالْبَرَكَةِ فَقَضَيْتُهُمْ.

باب: کسی نے قرض خواہ کو ایک آدھ دن کے لیے ٹالا تو یہ مطل (ٹال مٹول) میں شمار نہیں ہوگا۔ حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ میرے باپ کے ذمہ قرض کے معاملہ میں قرض خواہوں نے اپنے حقوق کے لیے بڑی سختی کی تو نبی ﷺ نے ان سے کہا کہ وہ میرے باغ کا پھل قبول کرلیں تو انہوں نے انکار کیا۔ نبی ﷺ نے نہ ان کو باغ دیا اور نہ اس میں کوئی کمی بیشی کی اور کہا کہ میں صبح کو آؤں گا۔ دوسرے دن آپ تشریف لائے اور باغ کے پھل کے لیے برکت کی دعا کی تو میں نے ان کا قرض ادا کردیا۔

وضاحت:

اوپر ذکر آیا ہے کہ 'مطل الغنی ظلم' یعنی جو صاحب مال ہے اس کی طرف سے ٹال مٹول بہت بڑا ظلم ہے۔ ظلم کہنے سے یہ بات نکلتی ہے کہ اگر اس کی تعزیر کی جائے تو عدالت کرسکتی ہے۔ اب یہ باب باندھا ہے کہ اگر کوئی شخص ایک آدھ دن کے لیے ٹال مٹول کرے تو یہ ظلم نہیں ہوگا اور اس ذیل میں ایک حوالہ بھی دیا ہے کہ جابر بن عبداللہؓ کے باپ کے قرض خواہوں نے ان سے سختی کے ساتھ تقاضا کیا تو نبی ﷺ نے ان کو حضرت جابرؓ کے باغ کا پھل قبول کرنے کو کہا لیکن انہوں نے انکار کردیا۔ دوسرے دن آنحضرت ﷺ حضرت جابرؓ کے باغ میں گئے اور برکت کی دعا کی۔ اس کے بعد حضرت جابرؓ نے پھل تڑوایا اور قرض خواہوں کا قرض چکا دیا اور دوسری روایت میں اتنا بھی ہے کہ بہت پھل ان کے پاس بچ بھی رہا۔ امام صاحب کا مطلب اس کا حوالہ دینے سے صرف یہ ہے کہ اس میں آنحضرت ﷺ نے ایک دن کے لیے ٹالا تھا تو یہ مطل میں شامل نہیں ہوگا۔ ظاہر ہے کہ کوئی بھی ایک آدھ دن کے ٹالنے کو مطل نہیں سمجھتا۔ ٹال مٹول کا ایک خاص مطلب ہے جس کو سب سمجھتے ہیں۔

وَلَمْ يَكْسِرْهُ لَهُمْ کا ترجمہ بعض لوگوں نے پھل اتروانے کا کیا ہے۔ لیکن "کسر" کا لفظ اس کے لیے کسی طریقہ سے بھی موزوں نہیں ہے۔ میرے نزدیک یہ ہے کہ نہ تو ان کو آپ نے باغ دیا اور نہ ہی مقدار میں کمی بیشی کرکے اس معاملہ کو ختم کیا بلکہ معاملہ اگلے دن تک ملتوی کردیا۔

١٦. بَابُ مَنْ بَاعَ مَالَ الْمُفْلِسِ اَوِ الْمُعْدِمِ فَقَسَمَهُ بَيْنَ الْغُرَمَاءِ اَوْ اَعْطَاهُ حَتّٰى يُنْفِقَ عَلٰى نَفْسِهٖ.

باب: اس شخص کے بارے میں جو دیوالیہ یا محتاج کا مال بیچ کر قرض خواہوں کے درمیان تقسیم کر دے یا اسی کو دے دے تا کہ وہ اپنے اوپر خرچ کرے۔

١٨۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ" حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ حَدَّثَنَا حُسَيْنُ الْمُعَلِّمُ حَدَّثَنَا عَطَاءُ بْنُ اَبِي رَبَاحٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ اَعْتَقَ رَجُلٌ" غُلَامًا لَهُ عَنْ دُبُرٍ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ مَنْ يَشْتَرِيهِ مِنِّي؟ فَاشْتَرَاهُ نُعَيْمُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ فَاَخَذَ ثَمَنَهُ فَدَفَعَهُ اِلَيْهِ.

﴿حضرت جابرؓ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنے مرنے کے بعد اپنے غلام کو آزاد کرنے کی وصیت کر دی تو نبی ﷺ نے پوچھا کہ کون اس کو مجھ سے خریدتا ہے تو اس کو نعیم بن عبداللہ نے خرید لیا۔ نبی ﷺ نے اس کی قیمت اس شخص کو دے دی۔﴾

وضاحت:

اَعْتَقَ عَنْ دُبُرٍ کا مطلب یہ ہے کہ مالک نے اعلان کر دیا کہ اس کے مرنے کے بعد غلام آزاد ہے۔ ایسے غلام کو اصطلاح میں مدبر کہتے ہیں۔

جب تک دوسری تمام روایات کی روشنی میں نہ سمجھیں یہاں اس روایت کا مطلب سمجھ میں نہیں آتا۔ یہ بہت بڑی مصیبت ہے۔ آنحضرت ﷺ اپنے صحابہ کا حال جانتے تھے۔ آپؐ کو علم تھا کہ ان حضرت کے پاس ہے کچھ نہیں اور غلام کو مدبر کر چکے ہیں۔ تو آپ نے غلام کو بیچ دیا یعنی اس کے مدبر ہونے کی حیثیت کو ختم کر دیا اور رقم ان کو دے دی کہ اپنے اوپر خرچ کریں اور کوئی قرض ہے تو ادا کر دیں۔ فدفعه اليه کے معنی یہ ہیں کہ مال ان کو دے دیا۔ اس سے یہ بات نکلتی ہے کہ جب تک مدبر آزاد نہ ہوا ہو، اس کے بارے میں مدبر کرنے والا اپنی رائے بدل سکتا ہے اور کہہ سکتا ہے کہ اب میرے حالات اس کی اجازت نہیں دیتے۔ جب آنحضرت ﷺ نے ایسا کیا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ وعدہ ایسا نہیں ہے کہ ٹل نہ سکے۔ یہ غلامی کا ایک مسئلہ ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ ہم ان مصیبتوں سے بری ہو گئے اور اب دنیا کا غلامی کی طرف پلٹنے کا کوئی امکان نہیں ہے۔

۱۷. بَابُ: إِذَا أَقْرَضَهُ إِلَى أَجَلٍ مُسَمًّى أَوْ أَجَّلَهُ فِي الْبَيْعِ قَالَ ابْنُ عُمَرَ فِي الْقَرْضِ إِلَى أَجَلٍ لَا بَأْسَ بِهِ، وَإِنْ أُعْطِيَ أَفْضَلَ مِنْ دَرَاهِمِهِ مَالَمْ يَشْتَرِطْ وَقَالَ عَطَاءٌ" وَ عَمْرُو بْنُ دِينَارٍ هُوَ إِلَى أَجَلِهِ فِي الْقَرْضِ. وَقَالَ اللَّيْثُ حَدَّثَنِي جَعْفَرُ بْنُ رَبِيعَةَ عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ هُرْمُزَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ أَنَّهُ ذَكَرَ رَجُلًا مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ سَأَلَ بَعْضَ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَنْ يُسْلِفَهُ، فَدَفَعَهَا إِلَيْهِ إِلَى أَجَلٍ مُسَمًّى فَذَكَرَ الْحَدِيثَ.

باب: آدمی کوئی قرض دے دے ایک معین مدت کے لیے یا اس کو بیع کے بارے میں موجل کردے تو اس بارے میں کیا ہوگا۔ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ ایک معین مدت کے قرض دینے میں کوئی حرج نہیں ہے اور اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے کہ کسی شخص کے دیے ہوئے درہموں سے اچھے درہم واپس ملیں اگر شرط نہ کی ہو۔ عطاء اور عمرو بن دینار کہتے ہیں کہ وہ اپنی مدت کا پابند رہے گا اور ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بنی اسرائیل کے ایک شخص کا ذکر فرمایا کہ اس نے بنی اسرائیل کے ایک دوسرے شخص سے ایک معین مدت کے لیے قرض مانگا تو اس نے دے دیا۔ پھر آپ نے پوری حدیث سنائی۔

وضاحت:

اگر کوئی شخص قرض دے اور اس کو موجل کردے یعنی جو قرض دیا تھا اس کی واپسی کی مدت ٹھہرادے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ یہ بات ٹھیک ہے اور ہر عاقل کے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور اس میں بھی کوئی حرج نہیں کہ قرض لینے والا واپس کرتے وقت اپنی طرف سے کچھ زیادہ دے۔ بحث اس وقت پیدا ہوتی ہے جب قرض دینے والا شرط لگا دے کہ اتنا دے رہا ہوں اور اتنی مدت کے بعد اتنا واپس لوں گا۔ یہ ربا ہو جائے گا۔ اس زمانے میں درہم چاندی کے سکے تھے۔ ان میں بعض زیادہ گھس جاتے تو ان کی قیمت کم ہو جاتی۔ اس پس منظر میں قرض کی واپسی پر جھگڑے بھی پیدا ہو جاتے تھے۔ ابن عمر کا فتویٰ یہ تھا کہ قرض لینے والا اپنی خوشی سے اچھے درہم واپس کردے تو اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ البتہ اگر کوئی شرط ہوگی، زبانی یا تحریری، تو وہ ربا ہوگا۔

حضرت ابوہریرہؓ نے ایک اسرائیلی کا قصہ بیان کیا کہ اس نے ایک دوسرے اسرائیلی سے قرض لیا۔ اگر یہ واقعہ ایک مسلمان کا ہوتا تب بھی درست تھا۔ لیکن یہ بات ہے کہ سابقہ امتوں کے تمام احکام اس امت پر جاری نہیں ہو سکتے سوائے اس کے کہ آنحضرت ﷺ نے یا قرآن نے اس کو بیان کیا ہو۔ صرف تورات میں پڑھ کر ہم اس پر عمل نہیں کر سکتے۔ اس روایت میں سقم یہ ہے کہ وہ پوری حدیث نقل نہیں ہوئی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کتاب پر نظرثانی نہ ہو سکی اور روایت نقل ہونے سے رہ گئی۔

۱۸. بَابُ : الشَّفَاعَةِ فِي وَضْعِ الدَّيْنِ

باب: قرض میں کمی کرنے کے لیے سفارش کے بارے میں

۱۹۔ حَدَّثَنَا مُوسَى حَدَّثَنَا اَبُو عَوَانَةَ عَنْ مُغِيْرَةَ عَنْ عَامِرٍ عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ اُصِيبَ عَبْدُاللّٰهِ وَتَرَكَ عِيَالًا وَ دَيْنًا فَطَلَبْتُ اِلَى اَصْحَابِ الدَّيْنِ اَنْ يَضَعُوْا بَعْضًا مِنْ دَيْنِهِ فَاَبَوْا فَاَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ فَاسْتَشْفَعْتُ بِهِ عَلَيْهِمْ فَاَبَوْا فَقَالَ صَنِّفْ تَمْرَكَ كُلَّ شَيْءٍ مِنْهُ عَلَى حِدَتِهِ، عِذْقَ ابْنِ زَيْدٍ عَلَى حِدَةٍ، وَاللِّيْنَ عَلَى حِدَةٍ وَالْعَجْوَةَ عَلَى حِدَةٍ، ثُمَّ اَحْضِرْهُمْ حَتَّى آتِيَكَ فَفَعَلْتُ، ثُمَّ جَاءَ ﷺ فَقَعَدَ عَلَيْهِ وَكَالَ لِكُلِّ رَجُلٍ حَتَّى اسْتَوْفَى وَبَقِيَ التَّمْرُ كَمَا هُوَ كَاَنَّهُ لَمْ يُمَسَّ وَ غَزَوْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ عَلَى نَاصِحٍ لَنَا فَاَزْحَفَ الْجَمَلُ فَتَخَلَّفَ عَلَيَّ فَوَكَزَهُ النَّبِيُّ ﷺ مِنْ خَلْفِهِ، قَالَ بِعْنِيهِ وَلَكَ ظَهْرُهُ اِلَى الْمَدِيْنَةِ، فَلَمَّا دَنَوْنَا اسْتَاْذَنْتُ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّي حَدِيْثُ عَهْدٍ بِعُرْسٍ قَالَ ﷺ فَمَا تَزَوَّجْتَ بِكْرًا اَمْ ثَيِّبًا قُلْتُ ثَيِّبًا اُصِيبَ عَبْدُاللّٰهِ وَتَرَكَ جَوَارِيَ صِغَارًا، فَتَزَوَّجْتُ ثَيِّبًا تُعَلِّمُهُنَّ وَتُؤَدِّبُهُنَّ، ثُمَّ قَالَ ائْتِ اَهْلَكَ، فَقَدِمْتُ فَاَخْبَرْتُ خَالِي بِبَيْعِ الْجَمَلِ فَلَامَنِي، فَاَخْبَرْتُهُ بِاِعْيَاءِ الْجَمَلِ، وَبِالَّذِي كَانَ مِنَ النَّبِيِّ ﷺ وَوَكْزِهِ اِيَّاهُ فَلَمَّا قَدِمَ النَّبِيُّ ﷺ غَدَوْتُ اِلَيْهِ بِالْجَمَلِ فَاَعْطَانِي ثَمَنَ الْجَمَلِ وَالْجَمَلَ وَ سَهْمِي مَعَ الْقَوْمِ.

حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ عبداللہ (ان کے والد) کی وفات ہوگئی اور انہوں نے بہت سے عیال اور قرض چھوڑا۔ میں نے قرض خواہوں سے چاہا کہ وہ لوگ ان کا قرض ذرا کم کر دیں تو انہوں نے انکار کر دیا۔ میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور چاہا کہ آپ ان لوگوں سے میرے بارے میں سفارش کریں لیکن اس سفارش کو ماننے سے بھی انہوں نے انکار کر دیا۔ اس پر نبی ﷺ نے فرمایا تم اپنی کھجوروں کی قسمیں الگ الگ کرو، عذق ابن زید الگ، لین الگ اور عجوہ الگ، پھر ان لوگوں کو بلاؤ یہاں تک کہ میں آؤں۔ میں نے ایسا ہی کیا پھر رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور اس پر بیٹھ گئے۔ اور ہر ایک کا مطلوبہ کھجور ماپ دیا یہاں تک کہ پورا کر دیا اور کھجور بچ رہا گویا کہ اس کو ہاتھ نہیں لگایا تھا۔ اور (جابرؓ) کہتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کے زمانے میں آپ کی معیت میں ایک اونٹ پر جہاد کیا۔ کہتے ہیں کہ اونٹ تھک گیا اور پیچھے رہ گیا۔ نبی ﷺ

نے اس کو پیچھے سے کوڑے لگائے اور فرمایا کہ اسے میرے ہاتھ بیچ دو اور اجازت رہے گی کہ مدینہ تک تم اس پر سوار رہو۔ کہتے ہیں کہ جب میں (مدینہ سے) قریب ہوا تو میں نے آگے جانے کی اجازت چاہی اور بتایا کہ یارسول اللہ میں نے نئی نئی شادی کی ہے۔ آپ نے پوچھا کہ کنواری سے کی ہے یا شوہر آشنا سے تو میں نے کہا شوہر آشنا سے کی ہے۔ عبداللہ کی شہادت ہوئی تو انہوں نے چھوٹی چھوٹی لڑکیاں چھوڑیں۔ لہٰذا میں نے شادی ایک شوہر آشنا سے کی کہ انہیں کچھ تہذیب سکھائے اور کنگھی چوٹی سکھائے۔ آپ نے مجھے اجازت دے دی کہ اہل خانہ کے پاس جاؤں کہتے ہیں کہ میں آیا اور اپنے ماموں کو خبر دی کہ میں نے اونٹ بیچ دیا ہے تو انہوں نے بڑی ملامت کی چنانچہ میں نے اونٹ کے تھک جانے اور نبی ﷺ نے جو کچھ کیا اس کا اور اسے کوڑے لگانے کا واقعہ سنا دیا۔ جابرؓ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ جب آئے تو میں ان کی خدمت میں اونٹ لے کر حاضر ہوا۔ آپ نے مجھے اونٹ کی قیمت دی اور اونٹ بھی دے دیا اور غنیمت میں سے دوسرے لوگوں کے حصہ کی طرح میرا حصہ بھی دے دیا۔

وضاحت:

باب یہ ہے کہ قرض دار کے حق میں سفارش کرنا تا کہ قرض دینے والا قرض میں کچھ کمی کر دے۔ حضرت جابر بن عبداللہؓ کی اس روایت کو امام صاحب پہلے بھی کئی شکلوں میں لائے ہیں۔ حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ ان کے والد عبداللہ شہید ہوئے اور اپنے پیچھے عیال اور قرض چھوڑ گئے تو حضرت جابرؓ نے قرض خواہوں سے قرض میں کمی کی درخواست کی اور ان کے انکار پر آنحضرت ﷺ سے گزارش کی کہ وہ قرض میں کمی کی سفارش کریں لیکن آنحضرت ﷺ کی شفاعت بھی انہوں نے نہ مانی۔ واقعہ یہ ہے کہ بڑے لعین لوگ تھے کہ آنحضرتؐ کا کہنا بھی نہ مانا۔ باب کے تحت بات تو یہیں ختم ہو جاتی ہے لیکن امام صاحب نے آگے ایک دوسری روایت بھی اس میں شامل کر دی ہے جو اس سے بالکل الگ ہے۔

یہ دوسری روایت بھی حضرت جابرؓ ہی کی ہے اور اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنے صحابہ کے بارے میں معلومات حاصل کرتے رہتے۔ جب حضرت جابرؓ نے بتایا کہ انہوں نے نئی نئی شادی کی ہے تو آنحضرت ﷺ نے کرید اکہ کنواری سے کی ہے یا ثیبہ سے۔ حضرت جابرؓ نے بتایا کہ ثیبہ سے اور یہ اس لیے کی ہے کہ ان کی چھوٹی چھوٹی بہنیں ہیں اور وہ ان کو آداب سکھائے گی اور مہذب بنائے گی۔ نبی ﷺ نے یہ سوال ان کے باطن کو ابھارنے کے لیے کیا کہ جو ہر جو چھپے ہوئے ہیں وہ خلق کے سامنے آجائیں۔ آپ نے مدینہ پہنچ کر حضرت جابرؓ کو ان کا اونٹ بھی دے دیا اور اس کی قیمت بھی اور غزوہ میں جو مال غنیمت ملا تھا اس میں سے حصہ بھی دے دیا۔ روایات میں آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ دینے کے لیے ایسے مواقع تلاش کرتے کہ کسی کے دل پر شاق بھی نہ گزرے اور لینے والا آسانی کے ساتھ قبول بھی کر لے۔ صحابہؓ کے جوہر

کو لنے کے مواقع بھی آپ خود ہی پیدا کرتے۔

یہ تعلیم وتربیت کے وہ مقامات ہیں کہ واقعہ ہے کہ ان باتوں کو پیغمبر ہی جانتا ہے۔

١٩ . بابُ: ما يُنهٰى عَنْ اِضَاعَةِ المَالِ وَقَوْلِ اللّٰهِ تعالٰى وَاللّٰهُ لا يُحِبُّ الفَسَادَ وَلا يُصْلِحُ عَمَلَ المُفْسِدِينَ وَقَالَ فِي قولِهِ اَصَلٰوتُكَ تَأْمُرُكَ اَنْ نَتْرُكَ ما يَعْبُدُ آباؤُنَا اَوْ اَنْ نَفْعَلَ فِيْ اَمْوَالِنَا ما نَشَاءُ، وَقَالَ: وَلا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ اَمْوَالَكُمْ وَالحَجْرِ فِي ذٰلِكَ وَمَا يُنْهٰى عَنِ الْخِدَاعِ.

باب: اس بارے میں کہ مال کو ضائع کرنے سے روکا گیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا (سورہ بقرہ) اور یہ کہ مفسدوں کے عمل کو کارآمد نہیں بناتا (سورہ یونس) اور اللہ تعالیٰ نے اپنے قول میں فرمایا کہ کیا تمہاری نماز یہ حکم دیتی ہے کہ ہم ان بتوں کو جن کو باپ دادا پوجتے آئے ہیں چھوڑ دیں اور اپنے مال میں من مانا تصرف کرنا چھوڑ دیں (سورہ ہود) اور فرمایا کہ تم اپنے مال بے وقوفوں کے حوالے مت کرو۔ نیز اس بارے میں پابندی لگانے کا اور دھوکا دینے کی ممانعت کا بیان۔

وضاحت:

حجر کے معنی پابندی کے ہیں۔ ایک شخص اگر دیوالیہ ہو جائے تو قاضی اس پر پابندی عاید کر کے اس کو اپنے مال میں تصرف کرنے سے روک سکتا ہے تا کہ اس طرح اولیاء کے حقوق کنٹرول میں رہیں اور کسی بے وقوفی سے مال ضائع نہ ہو جائے۔ ایسے شخص کو حجر کیا جا سکتا ہے۔ یعنی پابند کیا جا سکتا ہے۔

٢٠۔ حَدَّثَنَا اَبُو نُعَيمٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ دِيْنَارٍ سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَجُلٌ لِلنَّبِيِّ ﷺ اِنِّيْ اُخْدَعُ فِي الْبُيُوعِ فَقَالَ اِذَا بَايَعْتَ فَقُلْ لَا خِلَابَةَ فَكَانَ الرَّجُلُ يَقُولُهُ.

﴿حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ میں لین دین میں بہت دھوکا کھا جاتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ جب تم لین دین کرو تو کہہ دیا کرو کہ لا خلابۃ کوئی دھوکا نہیں ہوگا) تو یہ شخص اس طرح کہتا تھا۔﴾

وضاحت:۔

سوال یہ ہے کہ لا خلابۃ کوئی ضابطہ ہے کہ جس کو پڑھ کر کوئی شخص دھوکہ کھانے سے بچ جاتا ہے۔ میرے نزدیک یہ خیار فی البیع کی ایک شکل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب آپ نے کہہ دیا کہ لاخلابۃ تو گو کہ آپ نے چیز لے لی لیکن یاد رہے کہ اگر اس میں کوئی خرابی معلوم ہوئی یا دھوکہ معلوم ہوا تو بعد میں آپ کو واپس کرنے کا حق ہے۔ یہ وہی چیز ہے جو بیع خیار میں ہوتی ہے یعنی بیع حتمی نہیں ہے بلکہ خیار کے ساتھ مشروط ہے۔ اب یہ ہے کہ خیار کی شکل مختلف چیزوں میں مختلف ہوگی۔ ایک مکان آپ خریدیں گے تو ظاہر ہے کہ ایک دو دن نہیں بلکہ ایک دو مہینے میں اندازہ ہوگا کہ کیسا ہے، پڑوس کیسا ہے وغیرہ۔ ایک بکری کے لیے دو تین دن اندازہ لگانے کے لیے کافی ہیں کہ دودھ ہے کہ نہیں یا یوں ہی تھن پھلا دیا گیا تھا۔ بکری کے معاملہ میں حکم بھی ہے کہ جو دودھ استعمال کیا تھا اس کے بدلے میں اتنے دانے دے دیے جائیں اور اسی پر دوسری چیزوں کے بارے میں قیاس کیا جا سکتا ہے کہ بدلہ کیا ہوگا۔ بہر حال یہ سب کچھ معروف پر ہوگا۔ لا خلابۃ کہنے کا مطلب یہ ہوگا کہ اگر کوئی دھوکہ ثابت ہوا تو مال واپس کر دیا جائے گا۔

۲۱۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ مَنْصُورٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ وَرَّادٍ مَوْلَى الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ إِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَيْكُمْ عُقُوقَ الْأُمَّهَاتِ وَوَأْدَ الْبَنَاتِ، وَمَنَعَ وَهَاتِ، وَكَرِهَ لَكُمْ قِيلَ وَقَالَ، وَكَثْرَةَ السُّؤَالِ وَإِضَاعَةَ الْمَالِ.

﴿مغیرہ بن شعبہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ماؤں کی حق تلفی، لڑکیوں کے زندہ دفن کرنے اور منع وھات کو تم پر حرام کیا ہے اور قیل وقال، کثرت سوال اور اضاعت مال کو تمہارے لیے ناپسند فرمایا ہے۔﴾

وضاحت:

امام صاحب اس روایت کو اضاعت مال کے باب میں لائے ہیں۔ مضمون یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مال میں اسراف یا فضول خرچی کو ناپسند فرمایا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مال زندگی کا نظام قائم رکھنے کا ذریعہ ہوتا ہے۔ اس کو ضائع کر کے آدمی اپنے لیے مصائب ومشکلات کو دعوت دیتا ہے۔ لیکن حدیث دوسرے کئی اہم مضامین پر بھی مشتمل ہے۔

جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے ان میں ماں کی حق تلفی اور اس سے تعلق توڑنا سرفہرست ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بعد بندوں کے حقوق میں والدین اور والدین میں بھی ماں کا حق مقدم ہے۔ قرآن مجید اور حدیث میں ماں کا حق باپ کے حق سے تین گنا زیادہ بتایا گیا ہے۔ لہٰذا اگر کوئی نالائق اولاد ماں کی بے قدری کرتی ہے تو اس کا گناہ بھی بہت بڑا ہے۔ معصوم بچیوں کو زندہ درگور کر کے مار ڈالنا بعض عربوں کے ہاں ایک قبیح رسم تھی۔ وہ غیرت کا مظاہرہ کرتے ہوئے یا مالی مشکلات سے بچنے کے لیے بچیوں کے ساتھ یہ وحشیانہ سلوک کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو بھی بڑے گناہوں میں شمار کیا ہے۔ منع وھات ترکیب کے لحاظ سے منعہ وھات ہونا چاہیے۔ یعنی ایک ہاتھ سے تو روکا اور

دوسرے ہاتھ سے مانگنا۔ مراد واجب طریقہ سے اپنی ادائیگی نہ کرنا لیکن دوسروں کا مال جائز و ناجائز طریقوں سے حاصل کرنا ہے۔ ایسا کرنا حرام ہے۔

قیل وقال سے مراد بے مقصد بحث ومناظرہ میں الجھنا اور اعتراضات پیدا کرنا ہے۔ کثرت سوال کا مقصد بھی اصل معاملہ کو وضاحتوں میں الجھا دینا ہوتا ہے جس سے دینی امور گرفت سے نکل جاتے ہیں۔ یہودیوں نے اسی کثرت سوال کے باعث اپنے لیے شریعت کو مشکل بنا لیا تھا۔ یہ تمام باتیں بھی اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں۔

۲۰. بابُ: اَلْعَبْدُ رَاعٍ فِي مَالِ سَيِّدِهِ وَلَا يَعْمَلُ اِلَّا بِاِذْنِهِ

باب: اس بارے میں کہ غلام اپنے آقا کے مال کا نگران ہے اور اس میں کوئی تصرف وہ اس کے اذن کے بغیر نہیں کرسکتا۔

۲۲۔ حَدَّثَنَا اَبُو الْيَمَانِ اَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ" عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ اَخْبَرَنِي سَالِمُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ: كُلُّكُمْ رَاعٍ وَمَسْئُولٌ" عَنْ رَعِيَّتِهِ فَالْاِمَامُ رَاعٍ وَهُوَ مَسْئُولٌ" عَنْ رَعِيَّتِهِ وَالرَّجُلُ فِي اَهْلِهِ رَاعٍ وَهُوَ مَسْئُولٌ" عَنْ رَعِيَّتِهِ وَالْمَرْاَةُ فِي بَيْتِ زَوْجِهَا رَاعِيَةٌ" وَهِيَ مَسْئُولَةٌ" عَنْ رَعِيَّتِهَا وَالْخَادِمُ فِي مَالِ سَيِّدِهِ رَاعٍ وَهُوَ مَسْئُولٌ" عَنْ رَعِيَّتِهِ، قَالَ فَسَمِعْتُ هٰؤُلَاءِ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ وَاَحْسِبُ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ وَالرَّجُلُ فِي مَالِ اَبِيهِ رَاعٍ، وَهُوَ مَسْئُولٌ" عَنْ رَعِيَّتِهِ، فَكُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ" عَنْ رَعِيَّتِهِ.

﴿حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ تم میں سے ہر ایک چرواہا بنایا گیا ہے اور ہر ایک اپنے گلے کے بارے میں مسئول ہے۔ امام راعی ہے اور وہ اپنے رعایا کے بارے میں مسئول ہوگا۔ اور ہر آدمی اپنے گھر والوں کا راعی ہے اور وہ اپنی رعیت کے بارے میں مسئول ہو گا۔ عورت اپنے خاوند کے گھر میں حکومت رکھتی ہے اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ اور خادم اپنے آقا کے مال میں حکومت رکھتا ہے اور وہ بھی اس کے متعلق مسئول ہوگا۔ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ ان لوگوں کا ذکر تو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا اور میرا گمان یہ ہے کہ نبی ﷺ نے یوں بھی فرمایا کہ بیٹا اپنے باپ کے مال میں اختیار رکھتا ہے اور وہ اس کی ذمہ داری میں مسئول ہوگا۔ غرض تم میں سے ہر ایک حاکم ہے اور ہر ایک سے اس کی رعایا کے بارے میں باز پرس ہوتا ہے۔﴾

وضاحت:

راعی چرواہے کو کہتے ہیں اور رعیت اس کے گلے کو جس کو چرانے اور جس کی حفاظت کی ذمہ داری اس پر ڈالی گئی ہو۔ اس حدیث میں راعی سے مراد ہر وہ شخص ہے جس کی سپردگی میں کوئی چیز دی جاتی ہے یا جس کو کوئی ذمہ داری سونپی جاتی ہے۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص بھی ذمہ دار بنایا جاتا ہے تو وہ اپنی ذمہ داری میں مسئول ہوگا۔ اس سے باز پرس کی جائے گی کہ اس نے اپنی ذمہ داری نبھائی یا نہیں۔

ایک حکمران پورے ملک کا سربراہ ہوتا ہے اور ملک کے تمام باشندے اس کے کنٹرول میں ہوتے ہیں۔ لہذا حکمران کی ذمہ داری کا دائرہ سب سے وسیع ہوتا ہے۔ اس سے اس بات کی باز پرس ہوگی کہ اس نے عوام الناس کی بہبود اور ان کی مشکلات کو دور کرنے کے لیے کیا اقدامات کیے۔ ان کو انصاف ملا یا نہیں۔ ملکی وسائل پر کنٹرول کس کا رہا۔ عوام کو ان سے بہرہ مند ہونے کا موقع دیا گیا یا نہیں۔ حکمران کا طرز حکمرانی ظالمانہ تھا یا مشفقانہ۔ حکمران اور اس کی مملکت کی طرح ایک چھوٹی ریاست گھر کی ہوتی ہے جس میں شوہر گھر کا سربراہ ہوتا ہے اور بیوی بچے اس کی ذمہ داری میں دیے جاتے ہیں۔ یہاں شوہر سے باز پرس ہوگی کہ اس نے بیوی بچوں کے حقوق کیسے ادا کیے۔ ان کے مطالبات ہی پورے کرتا رہا یا بھی نیکی اور حق کی بات بھی ان کے کانوں میں ڈالنے کی کوشش کی۔ اس نے ان کے لیے جو وسائل رزق فراہم کیے وہ جائز ذرائع سے حاصل کیے گئے یا ناجائز ذرائع سے۔ شوہر کی عدم موجودگی میں بیوی گھر کی مالکہ ہوتی ہے لہذا اس دائرہ میں اس سے بھی باز پرس ہوگی۔ علیٰ ہذا القیاس اگر نوکر یا خادم پر گھر والے اعتماد کرتے ہیں اور تصرف کے لیے مال اس کے حوالہ کرتے ہیں تو وہ بھی مسئول ہوگا کہ اس نے مالک کی مرضی کے مطابق کام کیا یا نہیں۔

حدیث میں اصول یہ بتایا ہے کہ تم میں سے ہر ایک ذمہ دار بنایا گیا ہے اور اس کی ذمہ داری کے باب میں اس سے حساب لیا جائے گا۔ لہذا جن افراد کے نام حدیث میں بیان ہوئے ہیں صرف وہی مراد نہیں لیے جائیں گے بلکہ اس دائرہ کو آپ جتنی وسعت دینا چاہیں دے سکتے ہیں۔ چنانچہ ایک کارخانے کا مالک اپنے کارکنوں کے بارے میں، ایک دفتر کا انچارج اپنی اور ماتحتوں کی ڈیوٹی کے بارے میں، ایک مزدور اپنی ذمہ داری کے بارے میں مسئول ہوگا۔

ابن عمرؓ حدیث کے پہلے حصہ کے متعلق بتاتے ہیں کہ میں نے اس کو رسول اللہ ﷺ سے سنا۔ باقی حصہ کے بارے میں فرمایا کہ میرا گمان ہے کہ نبی ﷺ نے یوں بھی فرمایا۔ انہوں نے یہ فرق اس لیے واضح کیا کہ رسول اللہ ﷺ سے سننے کا شرف الگ ہے اگرچہ باقی باتیں بھی مسلمات میں سے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اگر والد اپنے بیٹے کو کوئی ذمہ داری سونپتا اور اپنا مال اس کے تصرف میں دیتا ہے تو بیٹا اس بنا پر تو غیر مسئول نہیں ہوسکتا کہ وہ والد کی صلبی اولاد ہے۔

كتاب فى الخصومات

کتاب فی الخصومات

اختلافی معاملات کے بارے میں کتاب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۱. باب: مَا يُذْكَرُ فِي الْأَشْخَاصِ وَالْخُصُومَةِ بَيْنَ الْمُسْلِمِ وَالْيَهُودِ

باب: اشخاص کے بارے میں اور مسلمان اور یہودی کے درمیان جھگڑا ہونے کے بارے میں

۱۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ عَبْدُالْمَلِكِ بْنُ مَيْسَرَةَ أَخْبَرَنِي قَالَ سَمِعْتُ النَّزَّالَ سَمِعْتُ عَبْدَاللَّهِ يَقُولُ سَمِعْتُ رَجُلًا قَرَأَ آيَةً، سَمِعْتُ مِنَ النَّبِيِّ ﷺ خِلَافَهَا فَأَخَذْتُ بِيَدِهِ فَأَتَيْتُ بِهِ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ كِلَاكُمَا مُحْسِنٌ" قَالَ شُعْبَةُ أَظُنُّهُ قَالَ لَا تَخْتَلِفُوا فَإِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمُ اخْتَلَفُوا فَهَلَكُوا.

﴿راوی کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ سے سنا، وہ کہتے تھے کہ میں نے ایک شخص کو ایک آیت اس کے خلاف پڑھتے سنا جس طرح میں نے نبی ﷺ سے سنا تھا تو میں اس کا ہاتھ پکڑ کر رسول اللہ ﷺ کے پاس لے آیا۔ آپ نے فرمایا تم دونوں ٹھیک ہو۔ شعبہ کہتے ہیں کہ میرا گمان یہ ہے کہ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اس طرح کے معاملات میں اختلاف نہ کرو اس لیے کہ تم سے پہلے جو قومیں گزری ہیں وہ اس طرح کے اختلاف کے سبب ہلاک ہوگئیں۔﴾

وضاحت:

محدثین کے نزدیک حضرت عبداللہؓ سے مراد حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک شخص کو میں نے قرآن کی ایک آیت اس طریقہ سے پڑھتے سنا جو اس طریقہ سے مختلف تھا جو میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا تھا۔ یہاں شخص کا نام نہیں بتایا اور شارحین حضرت عمرؓ کا نام لیتے ہیں جو قابل قیاس ہے کیونکہ ان دونوں کی زندگیاں قریش میں گزریں

اور وہ اس محاورے سے اچھی طرح واقف تھے جس پر قرآن نازل ہوا۔ تاہم میں شخصیت سے تعرض نہیں کرنا چاہتا۔ عبداللہ کہتے ہیں کہ وہ جب اس شخص کو پکڑ کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لے گئے تو آپ نے فرمایا تم دونوں ٹھیک ہو، یعنی ان کی بھی تصویب کر دی اور اس شخص کی بھی۔

یہ قرأت کا مسئلہ ہے۔ ہمارے نزدیک سیدنا عثمانؓ نے اپنے دورِ خلافت میں وقت کے تمام جلیل القدر صحابہ کی موجودگی میں ان تمام قرأتوں پر جن کے بارے میں اختلافات تھے غور و بحث کر کے قرأت قریش پر جو رائج قرأت تھی اس پر اتفاق کیا۔ اور یہ بات نص سے ثابت ہے کہ قرآن مجید قریش کی قرأت پر نازل ہوا ہے۔ اور مزید سیدنا عثمانؓ نے یہ کہا کہ قرآن مجید کے نسخے اس قرأت پر، جس کو قرأت عامہ کہتے ہیں نقل کروا کے تمام مراکز حکومت میں جاری کروا دیے تو صحابہؓ کا جس قرأت پر اجماع ہے اس کے مقابل میں کسی دوسری قرأت کو کیا اہمیت دی جا سکتی ہے۔ اس وقت متواتر قرأت عامہ قرأت حفص کی شکل میں ہے اس لیے اب کسی دوسری قرأت کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ بلکہ اس کو بطور تبرک کے بھی نہیں سننا چاہیے۔ سیدنا عثمانؓ کے اس اہتمام کے ساتھ قرأت کے معاملہ کو طے کر دینے کے بعد اور نبی ﷺ کی اس ہدایت کے بعد کہ علیکم بسنتی و سنت الخلفاء الراشدین (میری سنت اور خلفائے راشدین کی سنت کو لازم پکڑو)، اب کسی اور قرأت کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہے۔

اگر اس روایت کو آپ اہمیت دیں تو آپ کو یہ ماننا پڑے گا کہ آنحضرت ﷺ نے ایک خاص وقت تک ایک ضرورت کے تحت اس اختلاف کو گوارا کیا اور یہ کہ معنی کے کسی اختلاف کا کوئی مظنہ نہ رہا ہوگا۔ یہ تاویل میں نے اس ہدایت کے لیے ایک موقع عمل پیدا کرنے کے لیے کی ہے لیکن یہ قضیہ سیدنا عثمانؓ کے زمانے میں پیدا ہوا تو اسی وقت طے ہو گیا۔

باقی رہی یہ بات کہ باہم اختلاف نہ کرو کیونکہ جن قوموں نے دین میں اختلاف پیدا کیے تو وہ ہلاک ہو گئیں، تو یہ ایک حقیقت ہے۔ تفرقہ امت کو کمزور کرنے والی بیماری ہے جس سے حتی الامکان اجتناب کرنا ضروری ہے۔

۲۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ قَزَعَةَ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ وَ عَبْدِالرَّحْمٰنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ اسْتَبَّ رَجُلَانِ رَجُلٌ " مِنَ الْمُسْلِمِينَ، وَ رَجُلٌ " مِنَ الْيَهُودِ قَالَ الْمُسْلِمُ وَالَّذِي اصْطَفَى مُحَمَّدًا عَلَى الْعَالَمِينَ، فَقَالَ الْيَهُودِيُّ وَالَّذِي اصْطَفَى مُوسَى عَلَى الْعَالَمِينَ فَرَفَعَ الْمُسْلِمُ يَدَهُ عِنْدَ ذٰلِكَ فَلَطَمَ وَجْهَ الْيَهُودِيِّ، فَذَهَبَ الْيَهُودِيُّ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَأَخْبَرَهُ بِمَا كَانَ مِنْ أَمْرِهِ وَ أَمْرِ الْمُسْلِمِ، فَدَعَا النَّبِيُّ ﷺ الْمُسْلِمَ فَسَأَلَهُ عَنْ ذٰلِكَ فَأَخْبَرَهُ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ لَا تُخَيِّرُونِي عَلَى مُوسَى، فَإِنَّ النَّاسَ يَصْعَقُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَأَصْعَقُ مَعَهُمْ فَأَكُونُ أَوَّلَ مَنْ يُفِيقُ، فَإِذَا مُوسَى بَاطِشٌ " جَانِبَ الْعَرْشِ

فَلَا أَدْرِیْ أَكَانَ فِیْمَنْ صَعِقَ فَأَفَاقَ قَبْلِیْ أَوْ كَانَ مِمَّنْ اسْتَثْنَى اللّٰهُ.

﴿حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ دو آدمی لڑ پڑے، ایک مسلمان اور ایک یہودی۔ مسلمان نے کہا کہ قسم اس کی کہ جس نے محمد ﷺ کو تمام عالم پر فضیلت بخشی تو یہودی نے کہا کہ قسم اس کی جس نے موسیٰ کو تمام عالم پر برگزیدہ کیا۔ مسلمان نے اپنا ہاتھ اٹھایا اور ایک تھپڑ یہودی کے چہرہ پر رسید کر دیا۔ یہودی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس واقعہ کی، جو اس کے اور مسلمان کے درمیان ہوا تھا، خبر دی۔ نبی ﷺ نے اس مسلمان کو بلایا اور اس کے بارے میں سوال کیا تو اس نے واقعہ بتا دیا۔ تو نبی ﷺ نے فرمایا تم لوگ موسیٰ پر مجھے ترجیح نہ دیا کرو کیونکہ لوگ قیامت کے دن بے ہوش ہو جائیں گے اور میں بھی بے ہوش ہو جاؤں گا۔ تو میں سب سے پہلا ہوں گا جس کو ہوش آئے گا تو دیکھوں گا کہ موسیٰ عرش کا پایہ پکڑے کھڑے ہیں۔ اب یہ مجھے خبر نہیں کہ موسیٰ بے ہوش ہونے والوں میں تھے اور مجھ سے پہلے ہوش میں آئے یا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بے ہوش ہونے سے بچا لیا۔﴾

وضاحت:

جہاں تک انبیاء کی انبیاء کے اوپر ترجیح دینے کا تعلق ہے تو قرآن مجید میں تفصیل کے ساتھ بیان ہوا ہے کہ آپ کسی ایک کو دوسرے پر مطلق ترجیح نہیں دے سکتے بلکہ اللہ تعالیٰ نے جو خاص امتیاز کسی کا بیان کیا ہے تو اس پہلو سے آپ کہہ سکتے ہیں۔ قرآن مجید میں بیان ہوا ہے کہ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ تو واضح کر دیا ہے کہ ہم نے بعض انبیاء کو بعض پر فضیلت دی اور حضرت موسیٰ کو کس اعتبار سے فضیلت دی تو واضح کر دیا کہ كَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا اور حضرت عیسیٰ کے بارے میں ارشاد ہے کہ اَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ۔ حضرت موسیٰ کی فضیلت کہ اللہ نے ان سے کلام کیا قرآن میں بیان ہوئی ہے۔ اس کے مقابل میں اس حدیث میں جو فضیلت بیان ہوئی ہے، بہت خطرناک قسم کی فضیلت ہو جائے گی۔ نیز یہ بات بھی ہے کہ جہاں تک ہوش اور بے ہوش ہونے کا تعلق ہے تو حضرت موسیٰ اس سے کہیں چھوٹے واقعہ میں بے ہوش ہو چکے تھے جب اللہ تعالیٰ نے اپنی تجلی پہاڑ پر ڈالی تھی، اور اس کو حضرت موسیٰ پر نہیں ڈالا گیا تھا۔ اب یہ کہ قیامت میں جہاں آنحضرت ﷺ اور دوسرے تمام انسان بے ہوش ہو جائیں گے وہاں حضرت موسیٰ کھڑے پایہ عرش پکڑے ہوں گے، تو یہ بات سمجھ میں نہیں آتی۔

تفضیل انبیاء کی بحث میں ہمارے علماء کا مذہب متفق علیہ طور پر غلط ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ لوگ آنحضرت ﷺ

کی مطلق فضیلت ہی کے قائل ہیں۔ وہ اس کی توجیہ یوں کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ پر یہ حقیقت اس وقت تک منکشف نہیں تھی کہ انا سید ابن آدم (میں اولاد آدم کا سردار ہوں) اس لیے آپ نے یہ فرمادیا۔ ظاہر ہے کہ یہ بات بھی قرآن کے خلاف ہے اس لیے کہ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ والی آیت یہ بتاتی ہے کہ انبیاء میں سے بکل تو نہ سہی، لیکن اکثر کو کسی نہ کسی پہلو سے ایک دوسرے کے اوپر فضیلت حاصل ہے۔ آنحضرت ﷺ کی یہ فضیلت کیا کم ہے کہ آپ خاتم الانبیاء اور خاتم الرسل ہیں۔ آپ کی شریعت قیامت تک کے لیے ہے۔ اور کسی خاص قوم کے لیے نہیں بلکہ تمام عالم کے لیے ہے۔ لیکن ہمارے علمائے ایک طرف آنحضرت ﷺ کی مطلق ترجیح کے قائل ہیں اور دوسری طرف ابن شہاب کی اس روایت کے قائل ہیں کہ ہوش اور بے ہوش ہونے کے معاملہ میں حضرت موسیٰ زیادہ قوی تھے۔

ہمارے اور آپ کے لیے صحیح مسلک یہ ہے کہ مطلق فضیلت کا دعویٰ کسی کے لیے بھی نہ کریں۔ آنحضرت ﷺ کو جن اعتبارات سے فضیلت حاصل ہے اور دوسرے انبیاء کو جن اعتبارات سے فضیلت حاصل ہے سب کا یکساں احترام کریں اس لیے کہ انبیاء کسی اور کے ہوں نہ ہوں سب ہمارے انبیاء ہیں۔ ہم اس معاملہ میں یہودیوں اور عیسائیوں کی تقلید نہ کریں۔ یہ روایت صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہودیوں سے آئی ہے اور شیعوں کے ذریعہ ہمارے ہاں داخل ہوگئی ہے۔

۳۔ حَدَّثَنَا مُوْسٰی ابْنُ اِسْمٰعِيْلَ حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ" حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ يَحْيٰی عَنْ اَبِيْهِ عَنْ اَبِیْ سَعِيْدِ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ بَيْنَمَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ جَالِسٌ " جَاءَ يَهُوْدِیٌّ "، فَقَالَ يَا اَبَا الْقَاسِمِ ضَرَبَ وَجْهِیْ رَجُلٌ" مِنْ اَصْحَابِکَ فَقَالَ مَنْ قَالَ رَجُلٌ" مِنَ الْاَنْصَارِ قَالَ ادْعُوْهُ فَقَالَ اَضَرَبْتَهٗ قَالَ سَمِعْتُهٗ بِالسُّوْقِ يَحْلِفُ وَالَّذِیْ اصْطَفٰی مُوْسٰی عَلَی الْبَشَرِ، قُلْتُ اَیْ خَبِيْثُ عَلٰی مُحَمَّدٍ ﷺ فَاَخَذَتْنِیْ غَضْبَةٌ ضَرَبْتُ وَجْهَهٗ، فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ لَا تُخَيِّرُوْا بَيْنَ الْاَنْبِيَاءِ فَاِنَّ النَّاسَ يَصْعَقُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَاَكُوْنُ اَوَّلَ مَنْ تَنْشَقُّ عَنْهُ الْاَرْضُ فَاِذَا اَنَا بِمُوْسٰی آخِذٌ" بِقَائِمَةٍ مِنْ قَوَائِمِ الْعَرْشِ، فَلَا اَدْرِیْ اَكَانَ فِيْمَنْ صَعِقَ، اَمْ حُوْسِبَ بِصَعْقَةِ الْاُوْلٰی.

(ابو سعید خدری سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ ایسا ہوا کہ آنحضرت ﷺ بیٹھے تھے کہ ایک یہودی آیا اور کہنے لگا اے ابوالقاسم تمہارے ایک صحابی نے میرے منہ پر تھپڑ مارا ہے۔ آپ نے پوچھا کس نے تو اس نے کہا ایک انصاری نے۔ آپ نے ان کو بلایا اور پوچھا کیا تو نے اس کو مارا ہے۔ وہ کہنے لگا کہ میں نے اس کو بازار میں قسم کھاتے سنا کہ قسم اس کی جس نے موسیٰ کو سب آدمیوں پر بزرگی دی تو میں نے کہا اے خبیث کیا

محمد ﷺ پر بھی اور مجھ کو غصہ آ گیا اور میں نے تھپڑ مار دیا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا انبیاء کو ایک دوسرے پر بزرگی نہ دیا کرو۔ قیامت کے دن سب لوگوں کو غش آ جائے گا اور سب سے پہلے میرے اوپر کی زمین شق کر دی جائے گی باہر نکلوں گا تو دیکھوں گا کہ موسیٰ عرش کا ایک پایہ تھامے ہوئے ہیں۔ اب معلوم نہیں وہ بے ہوش ہونے والوں میں تھے یا ان کی پہلی بے ہوشی ہی ان کے حق میں محسوب کر لی گئی۔ ﴾

وضاحت:

یہ وہی اوپر والی روایت ہے لیکن الفاظ کا کچھ فرق ہے۔ مسلمان اس یہودی سے کہتا ہے کہ کیا تو محمد ﷺ پر بھی موسیٰ کو ترجیح دیتا ہے۔ وہ بیان کرتا ہے کہ اس بات پر مجھے غصہ آ گیا اور میں نے اس کے منہ پر تھپڑ دے مارا۔ تو نبی ﷺ نے فرمایا انبیاء کو ایک دوسرے پر فضیلت مت دو۔ ظاہر ہے کہ اس کا مطلب مطلق فضیلت ہے۔ اس کو اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ مطلق فضیلت سے منع کیا گیا ہے۔ خاص خصوصیات کے حوالے سے، مثلاً یہ کہ ہمارے نبی ﷺ خاتم الانبیاء ہیں، خاتم الرسل ہیں۔ اس میں آپ ان کو دوسرے انبیاء پر ترجیح دے سکتے ہیں۔

حضور فرماتے ہیں کہ قیامت آنے پر سب بے ہوش ہو جائیں گے تو سب سے پہلے میرے اوپر سے زمین پھٹے گی اور میں برآمد ہوں گا تو مجھے پتہ نہیں ہوگا کہ موسیٰ بھی بے ہوش ہونے والوں میں تھے یا دنیا میں پہلی بے ہوشی پر ان کا حساب ختم کر دیا گیا۔ پہلی بے ہوشی سے مراد موسیٰ کی اس وقت کی بے ہوشی ہے جب اللہ تعالیٰ نے پہاڑ پر تجلی ڈالی تھی تو وہ بے ہوش ہو گئے تھے۔ اس روایت پر میرے وہی شبہات ہیں جو پچھلی روایت میں میں نے بیان کر دیے ہیں۔

۴۔ حَدَّثَنَا مُوْسٰی حَدَّثَنَا هَمَّام" عَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ يَهُوْدِيًّا رَضَّ رَاسَ جَارِيَةٍ بَيْنَ حَجَرَيْنِ قِيْلَ مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِكِ اَفُلَان" اَفُلَان" حَتّٰى سُمِّيَ الْيَهُوْدِيُّ فَاَوْمَتْ بِرَاْسِهَا فَاُخِذَ الْيَهُوْدِيُّ فَاعْتَرَفَ فَاَمَرَ بِهِ النَّبِيُّ ﷺ فَرُضَّ رَاْسُهُ بَيْنَ حَجَرَيْنِ.

﴿حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ایک یہودی نے ایک لڑکی کا سر دو پتھروں کے درمیان کچل دیا۔ پوچھا گیا یہ کس نے کیا۔ فلاں نے یا فلاں نے۔ جب یہودی کا نام لیا گیا تو لڑکی نے سر کے اشارہ سے ہاں کہا۔ تو یہودی پکڑا گیا اور اس نے جرم کا اعتراف بھی کر لیا تو نبی ﷺ کے حکم پر دو پتھروں کے درمیان اس کا سر کچل دیا گیا۔ ﴾

وضاحت:۔

عام طور پر شوافع اور مالکیہ، معمولی فرق کے ساتھ، یہ مانتے ہیں کہ جس طریقہ سے مجرم جرم کرے گا اسی طریقہ سے اس کو سزا بھی دی جائے گی۔ اس کے برعکس احناف کا معروف مسلک یہ ہے کہ قصاص کے لیے جو کارروائی کی جائے گی اس کا ذریعہ تلوار بنے گی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص نے ڈبو کے مارا ہے، گھونسے سے مارا ہے یا گلا گھونٹ کے مارا ہے تو جہاں تک Total Punishment کا تعلق ہے ایک سزا دی جائے گی۔ پھانسی دے دی جائے گی یا تلوار سے مار دیا جائے گا۔ امام محمد اور امام یوسف کے درمیان اس معاملہ میں تھوڑا فرق ہے لیکن عام اصول یہی ہے۔ اب یہ ایک فقہی بحث ہے کہ اس مذہب کی بنیاد کیا ہے تو ایک روایت نقل کرتے ہیں کہ لا قصاص الا بحدید۔ دوسرے فقہا اس کو کمزور قرار دیتے ہیں۔ لیکن میرے نزدیک احناف کا مذہب اس روایت پر نہیں بلکہ ان کے مذہب کی بنیاد اس چیز پر ہے کہ صحیح عدل کا تقاضا اس کے بغیر پورا نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ فرض کر لیجئے کہ ایک شخص نے پانی میں ڈبو کر مارا ہے تو کس طریقہ سے اس نے ڈبویا اور کتنی دیر میں اس کو ختم کر دیا۔ اب دوسرا شخص اس کو سزا کے طور پر ڈبوئے تو ممکن ہے کہ کئی بار کے ڈبونے کے باوجود بھی ایک سخت جان آدمی سلامت نکل آئے۔ تب اس شکل میں کیا ہوگا۔ دوسری پیچیدہ شکلیں بھی پیدا ہو سکتی ہیں۔ اب یہ ہے کہ اس مسئلہ میں صحیح طریقہ کیا ہوگا۔ صحیح عدل کا تقاضا تو اس طرح سے پورا ہو سکتا ہے کہ جب کسی نے مارا ہے، جس طریقہ سے بھی مارا ہے جب مار دیا ہے تو خاتمہ مرنے پر ہوا ہے لہٰذا اب اس کی سزا ایسی ہونی چاہیے اور اس کے لیے ایک قاعدہ ہونا چاہیے۔ جو قاعدہ معروف ہے وہ یہ کہ سعودی حکومت تلوار سے ختم کر دیتی ہے اور آپ لوگوں کے ہاں پھانسی دی جاتی ہے۔ میرے نزدیک عدل کے پہلو سے ممکن طریقہ یہی ہے۔ دوسرے طریقہ میں بڑے جھگڑے پیدا ہو سکتے ہیں۔

یہ بات بھی ہے کہ سزائیں جتنی ہیں ان کو اختیار کرنے میں کیا طریقہ ہوگا۔ جو لوگ مظلوم کے ساتھ ہیں کیا ان کو اختیار دے دیا جائے گا کہ یہ سزا دے لو۔ لوگ یہ مانتے ہیں کہ یہی طریقہ ہوگا۔ لیکن اس میں بھی عدل کا تقاضہ پورا نہیں ہوتا بلکہ ظلم کا بڑا امکان ہے۔ میرے نزدیک دیت کا جو قانون اسلام میں ہے اور اعضاء کی دیت بھی متعین ہے تو مظلوم کے حامیوں سے صلح کی بات کی جائے گی۔ اگر وہ دیت لینے پر راضی ہو گئے تو فبہا اور اگر نہیں تو حکومت اپنی نگرانی میں اس شکل میں جو تاوان ہوگا دلوا سکتی ہے اور یہ بھی کہ سزا بھی دی جا سکتی ہے۔ اعضا کی دیت میں ٹانگ بھی کٹوا سکتی ہے دانت بھی تڑوا سکتی ہے اور آنکھ بھی پھوڑ سکتی ہے۔ لیکن بہر حال یہ سب قاضی کی نگرانی میں ہوگا۔ قصاص کے معاملہ میں یہ خاص باتیں ملحوظ رکھنی چاہئیں۔

اس لڑکی کے معاملہ میں ایک تو یہ بات ہے کہ سزا جس کو دی گئی ہے وہ یہودی ہے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ اس کی شریعت

کے مطابق یہ سزا دی گئی ہو۔ کئی معاملات میں ایسا ہوا لیکن آپ اس روایت کو دلیل نہیں بنا سکتے۔ ہمارے ہاں یہی طریقہ ہو گا کہ کسی نے کسی کو ہلاک کیا ہے تو اس کو سزا دے دی جائے گی۔ الجروح قصاص کا حکم ہے تو قصاص میں دیت بھی شامل ہے اور آپ اس کی دیت بھی دے سکتے ہیں۔ لیکن کوئی اس پر مصر ہے کہ آنکھ ہی پھوڑی جائے تب تو مجبوری ہے اور اس شکل میں صرف قاضی کی نگرانی میں یہ کام ہوگا تاکہ انصاف کا حق ادا ہو۔

باقی رہ گئی احناف کی رائے تو یہ بین الاقوامی ذہن کے مطابق ہے، عقلیت پر مبنی ہے اور فطرت کے قانون سے ہم آہنگ ہے۔

۲. بَابُ: مَنْ رَدَّ أَمْرَ السَّفِيهِ وَالضَّعِيفِ الْعَقْلِ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ حَجَرَ عَلَيْهِ الْإِمَامُ، وَيُذْكَرُ عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ رَدَّ عَلَى الْمُتَصَدِّقِ قَبْلَ النَّهْيِ ثُمَّ نَهَاهُ. وَقَالَ مَالِكٌ" إِذَا كَانَ لِرَجُلٍ عَلَى رَجُلٍ مَالٌ" وَلَهُ عَبْدٌ" لَا شَيْءَ لَهُ غَيْرُهُ فَأَعْتَقَهُ لَمْ يَجُزْ عِتْقُهُ وَمَنْ بَاعَ عَلَى الضَّعِيفِ وَنَحْوِهِ فَدَفَعَ ثَمَنَهُ إِلَيْهِ وَأَمَرَهُ بِالْإِصْلَاحِ وَالْقِيَامِ بِشَأْنِهِ فَإِنْ أَفْسَدَ بَعْدُ مَنَعَهُ لِأَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهَى عَنْ إِضَاعَةِ الْمَالِ، وَقَالَ لِلَّذِي يُخْدَعُ فِي الْبَيْعِ إِذَا بَايَعْتَ فَقُلْ لَا خِلَابَةَ وَلَمْ يَأْخُذِ النَّبِيُّ ﷺ مَالَهُ.

یہ باب اس بارے میں ہے کہ جس نے سفیہ کو یا ضعیف العقل کے کسی اقدام کو خود ہی رد کر دیا۔ اگرچہ حاکم نے اس کے اوپر کوئی پابندی عاید نہیں کی تو یہ جائز ہے۔

اور حضرت جابر روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے صدقہ کرنے والے کے صدقہ کو منع کرنے سے پہلے باطل کر دیا اور پھر اس کو منع کر دیا۔ اور امام مالک کہتے ہیں کہ اگر کسی شخص کے ذمہ کچھ مال باقی ہے اور اس کا ایک غلام ہے جس کے سوا اس کے پاس کوئی اور چیز نہیں ہے اور وہ اس کو آزاد کر دے تو اس کا آزاد کرنا جائز نہیں ہے۔ اور جس نے کسی ضعیف یا کمزور کے مال کو بیچ دیا اور اس کے بعد اس کی قیمت اس کے حالات کی اصلاح کے لیے اس کے حوالہ کر دی کہ اس کو یوں بہتر طریقہ پر استعمال کرو تو ایسا کرنا جائز ہے۔ اس کے باوجود اگر وہ مال برباد کرے تو اس کو پابند کیا جا سکتا ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے مال کو برباد کرنے سے منع کیا ہے اور جو شخص معاملہ کرتے وقت بیع میں دھوکا کھا جاتا تھا نبی ﷺ نے اس کو تعلیم دی کہ لاخلابہ کہہ دیا

کرو لیکن اس کا مال نہیں لے لیا۔

وضاحت:

اس باب میں کچھ تعلیقات ہیں جن کی نوعیت نوٹس کی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس باب میں جو روایت نقل ہوگی اس سے ان ان مسائل کا استنباط کیا جائے گا۔

پہلا نوٹ یہ ہے کہ کسی شخص نے کسی بے وقوف یا کسی ضعیف العقل کے کسی اقدام کو خود ہی رد کر دیا اگرچہ امام نے اس پر پابندی عائد نہیں کی تھی تو وہ ایسا کر سکتا ہے۔ امام سے مطلب حاکم یا حکومت ہے یعنی حکومت نے تو پابندی عاید نہیں کی لیکن کسی نے ایسا کر دیا تو یہ درست ہے۔ میرے نزدیک اس شخص کے اولیا بھی ایسا کر سکتے ہیں جیسا کہ قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے۔ حکومت پابندی عاید کر دے تو پھر یہ قانونی چیز ہو جاتی ہے۔

احناف اس کو نہیں مانتے۔ ان کے ہاں سفیہ کے اوپر اس طریقہ کی رکاوٹ نہیں ہے۔ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی۔ میرے نزدیک اس معاملہ میں امام ابو حنیفہ کے مسلک کے بیان کرنے میں کچھ غلطی ہوئی ہے۔

باب میں دوسری تعلیق حضرت جابرؓ کی روایت ہے اور یہ اس مدبر کے واقعہ سے متعلق ہے جس کو آنحضرت ﷺ نے باطل کر دیا تھا۔ لیکن یہ آنحضرت ﷺ کا معاملہ ہے اور امام صاحب نے اس کو یہاں لا کر غلط کیا ہے۔ امام صاحب کا مطلب یہ ہے کہ اس معاملہ میں متصدق کے اوپر پابندی عاید کر دی گئی حالانکہ اس سے پہلے عدالتی فیصلہ نہیں ہوا۔ سوال یہ ہے کہ یہاں عدالت کہاں تھی، آنحضرت ﷺ خود ہی عدالت تھے اور پھر اس کے بعد روک بھی دیا۔ اس روایت میں آتا ہے کہ نبی ﷺ نے کہا تم نے غلام کو آزاد کر دیا تو یہ ٹھیک نہیں کیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس شخص کا آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ آنحضرت ﷺ نے غلام کو نیلام کر دیا اور رقم اس شخص کے حوالے کر دی اور کہا کہ اس طریقہ سے خرچ کرو۔ اس سے امام صاحب نے یہ نکالا ہے کہ قبل اس کے حکومت کا کوئی نوٹس ہو رسول اللہ ﷺ نے روک دیا حالانکہ حکومت حضور ﷺ خود ہی تھے اور روکا نہیں تھا بلکہ مشفقانہ ایک رہنمائی دی تھی کہ یوں کرو۔ امام صاحب کا یہ نوٹ بالکل غیر متعلق ہے اس لیے کہ آنحضرت ﷺ نے جو کچھ کیا تھا وہ خیر خواہی کا ایک مشورہ تھا۔

کسی کمزور یا ضعیف کے مال کو بیچ کر قیمت اس کے حوالے کر دینا اور مشورہ دینا کہ بہتر طور پر خرچ کرو یہ سب نیکی کے کام ہیں۔ ہر بزرگ کو چاہیے کہ چھوٹوں کے معاملہ میں اس طریقہ کا مشورہ دے کہ یہ فضول خرچی نہ کرو، یہ نیکی کرو تو اس میں سوچ کر خرچ کرو۔

باب میں تیسرا نوٹ امام مالک کا قول ہے جو اسی مدبر غلام والی روایت پر مبنی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس کے ذمہ

پڑ قرض ہو اس کو بہت صدقہ خیرات کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ نیکی کا اچھا مشورہ ہے لیکن حجر کے تحت یہ چیز نہیں آتی۔

جو شخص اپنی کم عقلی کے باعث لوگوں سے معاملہ کرتے وقت دھوکا کھا جاتا تھا تو نبی ﷺ نے اس کو تعلیم دی کہ معاملہ کے وقت لا خلابۃ کہا کرو۔ اس کے باوجود آنحضرت ﷺ نے اس کے مال پر قبضہ نہیں کیا۔ اس سے تو احناف کے مسلک کی تائید ہوتی ہے۔ احناف سفیہ کے مال پر قبضہ کے قائل نہیں ہیں۔

لا خلابۃ کوئی منتر کا کلمہ نہیں ہے بلکہ اس سے بیع خیار کا حق نکل آتا ہے، جیسا کہ پہلے وضاحت ہو چکی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مال تو میں لے جاتا ہوں لیکن بعد میں کوئی خرابی ظاہر ہوئی یا دھوکہ معلوم ہوا تو مال واپس کرنے کا حق ہوگا۔

۵۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمٰعِيلَ حَدَّثَنَا عَبْدُالْعَزِيزِ بْنُ مُسْلِمٍ حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ دِينَارٍ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ كَانَ رَجُلٌ "يُخْدَعُ فِي الْبَيْعِ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا بَايَعْتَ فَقُلْ لَا خِلَابَةَ فَكَانَ يَقُولُهُ.

﴿حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ ایک شخص کو خرید و فروخت میں دھوکا دیا جاتا تھا تو آنحضرت ﷺ نے اس سے فرمایا کہ خرید و فروخت کے وقت یوں کہہ دیا کرو کہ دھوکے کا کام نہیں ہوگا تو وہ کہہ دیتا تھا۔﴾

وضاحت:

اس حدیث کی وضاحت اوپر ہو چکی ہے۔

۶۔ حَدَّثَنَا عَاصِمُ ابْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَجُلًا أَعْتَقَ عَبْدًا لَهُ لَيْسَ لَهُ مَالٌ" غَيْرُهُ فَرَدَّهُ النَّبِيُّ ﷺ فَابْتَاعَهُ مِنْهُ نُعَيْمُ بْنُ النَّحَّامِ

﴿حضرت جابر کہتے ہیں کہ ایک شخص نے ایک غلام آزاد کر دیا اور اس کے پاس اس کے سوا اور کوئی مال نہ تھا تو آنحضرت ﷺ نے اس کی آزادی رد کر دی اور نعیم بن نحام نے اس کو اس سے خریدا۔﴾

وضاحت:

اس حدیث کی وضاحت اوپر ہو چکی ہے۔

٣. باب: كَلَامِ الْخُصُومِ بَعْضِهِمْ فِي بَعْضٍ

باب: اس بارے میں کہ معاملہ کے دو فریق ایک دوسرے کے بارے میں کس حد تک کچھ کہہ سکتے ہیں۔

مطلب یہ کہ تنازع پیدا ہوا تو جھگڑا ہوگا تو تو میں میں ہوگی تو آخر اس کے حدود کیا ہوں گے۔

٧۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ" اَخْبَرَنَا اَبُو مُعَاوِيَةَ عَنِ الاَعْمَشِ عَنْ شَقِيقٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ حَلَفَ عَلَى يَمِينٍ وَهُوَ فِيهَا فَاجِر" لِيَقْتَطِعَ بِهَا مَالَ امْرِئٍ مُسْلِمٍ، لَقِيَ اللّٰهَ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانُ قَالَ. فَقَالَ الاَشْعَثُ فِيَّ وَاللّٰهِ كَانَ ذٰلِكَ كَانَ بَيْنِي وَبَيْنَ رَجُلٍ مِنَ الْيَهُودِ اَرْض" فَجَحَدَنِي فَقَدَّمْتُهُ اِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ لِي رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ اَلَكَ بَيِّنَةٌ قُلْتُ لَا قَالَ فَقَالَ لِلْيَهُودِيِّ اُحْلِفْ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ اِذًا يَحْلِفَ وَيَذْهَبَ بِمَالِي فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى: اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِاللّٰهِ وَ اَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا اِلٰى آخِرِ الْآيَةِ.

﴿عبداللہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے کوئی جھوٹی قسم اس لیے کھائی کہ کسی مسلمان کا مال ہڑپ کرے تو اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملے گا کہ اللہ تعالیٰ اس پر غضبناک ہوگا۔ اشعث کہتے ہیں کہ یہ بات میرے بارے میں ہے کہ میرے اور ایک یہودی کے درمیان ایک زمین کا قضیہ تھا۔ وہ مجھے زمین دینے سے انکار کرتا تھا تو میں اس کو نبی ﷺ کے پاس لے گیا۔ آنحضرت ﷺ نے مجھ سے پوچھا تمہارے پاس کوئی دلیل ہے تو میں نے جواب دیا کہ نہیں ہے۔ آپ نے یہودی سے کہا کہ تم قسم کھاؤ۔ اس پر میں نے کہا کہ یا رسول اللہ قسم تو وہ کھالے گا اور میرا مال لے اڑے گا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری کہ اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِاللّٰهِ وَ اَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا. آخر آیت تک﴾۔

وضاحت:

فقہ کا مشہور اصول ہے کہ اگر کوئی مقدمہ ہے تو مدعی پر ذمہ داری ہے کہ وہ دلیل پیش کرے اور اگر اس کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے تو مدعی علیہ سے قسم لی جائے گی۔ مدعی کوئی دعویٰ اپنی قسم سے نہیں ثابت کرسکتا۔ اگر وہ کوئی ثبوت پیش نہیں کرسکا اور مدعی علیہ قسم کھالے تو بہرحال مقدمہ کا فیصلہ کرنے والی چیز یہ قسم ہوگی۔ اس روایت سے ایک بات اور بھی معلوم ہوتی ہے کہ اگر

فریق ثانی کے متعلق معلوم ہو کہ لغو اور لاطائل آدمی ہے، بے اعتبار ہے، تو مدعی اس کی قسم کو پیشگی رد کر سکتا ہے۔

روایت کا یہ ٹکڑا کہ یہ آیت اِنَّ الَّذِیْنَ یَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِاللّٰهِ وَ اَیْمَانِهِمْ ...... آخر آیت تک، اس وقت نازل ہوئی تو آیت اپنا موقع ومحل رکھتی ہے۔ اس میں حکم ہوتا ہے تو بہتوں پر منطبق ہوتا ہے۔ آپ پر بھی منطبق ہوتا ہے تو یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس میں میرا معاملہ بھی موجود ہے۔ لیکن یہ کہنا ٹھیک نہیں ہے کہ آیت میرے ہی بارے میں نازل ہوئی ہے۔ جتنی روایتوں میں اس طرح کے الفاظ آتے ہیں کہ فی انزل یا فانزل اللہ تو مطلب یہ لیجئے کہ راوی یہ کہنا چاہتے ہیں یہ آیت میرے بارے میں بھی اپنا حکم رکھتی ہے۔

۸۔ حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ عُمَرَ اَخْبَرَنَا یُوْنُسُ عَنِ الزُّهْرِیِّ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ كَعْبٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّهُ تَقَاضٰی ابْنَ اَبِیْ حَدْرَدٍ دَیْنًا كَانَ لَهُ عَلَیْهِ فِی الْمَسْجِدِ فَارْتَفَعَتْ اَصْوَاتُهُمَا حَتّٰی سَمِعَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَهُوَ فِیْ بَیْتِهٖ فَخَرَجَ اِلَیْهِمَا حَتّٰی كَشَفَ سِجْفَ حُجْرَتِهٖ فَنَادٰی یَا كَعْبُ قَالَ لَبَّیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ ضَعْ مِنْ دَیْنِكَ هٰذَا فَاَوْمَاَ اِلَیْهِ اَیِ الشَّطْرَ قَالَ لَقَدْ فَعَلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ قُمْ فَاقْضِهٖ۔

﴿کعب بن مالک کہتے ہیں کہ انہوں نے ابن ابی حدرد سے مسجد میں قرض کا تقاضا کیا جو اس کے ذمہ تھا تو دونوں کی آوازیں اتنی بلند ہوگئیں کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے حجرہ میں سن لیا۔ آپ ان کی طرف نکلے اور حجرہ کا پردہ اٹھا کر آواز دی 'اے کعب' تو کعب نے جواب دیا حاضر ہوں یا رسول اللہ۔ آپ نے فرمایا اپنے قرض میں سے اتنا قرض کم کر دو۔ آپ نے نصف کم کرنے کا اشارہ کیا تو کعب نے کہا میں نے چھوڑ دیا یا رسول اللہ۔ آپ نے ابن ابی حدرد سے فرمایا چل اٹھ، اس کا قرض ادا کر۔﴾

وضاحت:

واقعہ یہ ہے کہ یہ ہے سمع وطاعت۔ کعب بن مالک اپنے حق کے لیے مجبور رہے تھے آنحضرت ﷺ نے مداخلت کی اور معاملہ کو ختم کرنے کے لیے کعب کو آدھا قرض چھوڑنے کو کہا تو حضرت کعب نے کہا منظور ہے یا رسول اللہ۔ اب یہ باتیں کہاں۔

۹۔ حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ یُوْسُفَ اَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَیْرِ عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدِالْقَارِیِّ اَنَّهُ قَالَ سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ یَقُوْلُ سَمِعْتُ

هِشَامَ بْنَ حَكِيْمِ بْنِ حِزَامٍ يَقْرَأُ سُوْرَةَ الْفُرْقَانِ عَلٰى غَيْرِ مَا أَقْرَؤُهَا، وَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ أَقْرَأَنِيْهَا، وَكِدْتُ أَنْ أَعْجَلَ عَلَيْهِ، ثُمَّ أَمْهَلْتُهُ حَتّٰى انْصَرَفَ، ثُمَّ لَبَّبْتُهُ بِرِدَائِهٖ، فَجِئْتُ بِهٖ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَقُلْتُ إِنِّيْ سَمِعْتُ هٰذَا يَقْرَأُ، عَلٰى غَيْرِ مَا أَقْرَأْتَنِيْهَا فَقَالَ لِيْ أَرْسِلْهُ ثُمَّ قَالَ لَهُ اقْرَأْ فَقَرَأَ قَالَ هٰكَذَا أُنْزِلَتْ ثُمَّ قَالَ لِي اقْرَأْ فَقَرَأْتُ فَقَالَ هٰكَذَا أُنْزِلَتْ إِنَّ الْقُرْآنَ أُنْزِلَ عَلٰى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ فَاقْرَؤُوْا مِنْهُ مَا تَيَسَّرَ.

﴿عبدالرحمٰن بن عبدالقاری کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرؓ کو سنا۔ آپ فرماتے تھے کہ میں نے هشام بن حکیم بن حزام کو سورہ فرقان پڑھتے ہوئے سنا، اس سے مختلف طریقہ پر جس پر میں پڑھتا تھا اور مجھے رسول اللہ ﷺ نے پڑھایا تھا۔ قریب تھا کہ میں اس پر جھپٹ پڑوں لیکن صبر کیے رہا اور جب وہ پڑھ چکے تو ان کے گلے میں چادر ڈال کر ان کو گھسیٹا اور آنحضرت ﷺ کے پاس لے آیا۔ میں نے کہا کہ میں نے ان کو سورہ فرقان پڑھتے سنا اس سے مختلف طریقہ پر جس پر آپ نے مجھے پڑھایا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے کہا اس کو چھوڑ دو۔ پھر فرمایا کہ پڑھو تو ہشام نے پڑھی۔ آپ نے فرمایا اسی طرح نازل ہوئی ہے۔ پھر مجھ سے فرمایا کہ تم پڑھو تو میں نے پڑھی، فرمایا اسی طرح نازل ہوئی ہے۔ سات حرفوں پر قرآن نازل ہوا ہے تو تم پڑھو جو میسر آ جائے۔﴾

وضاحت:

اس سے اوپر روایت گزری ہے اس میں نام زہری بیان کیا ہے اور یہاں ابن شہاب ہے۔ یہ چیزیں بھی بڑی مغالطہ انگیز ہوتی ہیں اس لیے کہ ہر شخص اتنا متنبہ نہیں ہوتا۔ لوگوں کا نام متعین طریقہ سے لینا چاہیے تاکہ معلوم ہو کہ کون راوی ہے۔ کیا اس سے یہ شبہ نہیں ہوتا کہ ناموں میں گھپلا محض روایت کو باور کرانے کے لیے کیا جا رہا ہے۔ یہ میں نے اس لیے بتا دیا ہے کہ یہ روایت بہت خطرناک ہے۔ شیعہ حضرات نے قرآن مجید کو بازیچۂ اطفال بنانے کے لیے جو روایتیں گھڑی ہیں ان میں ابن شہاب کی یہ روایت بھی ہے۔

اس روایت میں پہلا سوال یہ ہے کہ ان القرآن انزل علی سبعة احرف کا مطلب کیا ہے۔ شارحین نے ایک نہیں، دو نہیں، بلکہ پورے دس قول اس کی توجیہ میں نقل کیے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ توفیق بھی دی کہ کہتے ہیں کہ کوئی قول بھی قابل قبول نہیں ہے۔ میں یہ اقوال نقل نہیں کر رہا، آپ لوگ شرحوں میں دیکھ لیں۔ اب اگر سبعة احرف کا یہ مطلب ہے کہ قرآن مجید کا ہر حرف سات طریقوں سے پڑھا جا سکتا ہے تو اس آسمان کے نیچے قرآن سمیت ایسی کوئی کتاب نہیں ہے

جس کو سات طریقوں سے پڑھا جا سکتا ہو۔ اگر آپ یہ کہیں کہ بعض الفاظ ہیں کہ سات طریقہ سے پڑھے جا سکتے ہیں تو یہ بات بھی نہیں ہے۔ اس لیے کہ قرأتوں کا جو اختلاف ابن جریر وغیرہ میں درج ہوا ہے، اور میں زندگی بھر اس فن کا مطالعہ کرتا رہا ہوں تو اس میں کسی لفظ کی قرأت مجھے تین سے زیادہ نہیں ملی۔ زیادہ تر دو قرأتیں ہیں جن میں اختلاف ہے۔ سات قرأتیں تو کجا کسی لفظ کی چار یا پانچ قرأتیں بھی نہیں ہیں۔

اگر سبعہ احرف کا مطلب یہ لیں کہ عرب کے سات بڑے قبائل کی زبان اس میں استعمال ہوئی ہے تو جملے کا ایک محل یہ ہو سکتا ہے کہ کوئی لفظ ایک قبیلہ کی زبان کا اور کوئی دوسرے قبیلہ کی زبان کا استعمال ہوا ہے۔ لیکن یہ بات قرآن مجید کے نص کے خلاف ہے۔ اس لیے کہ قرآن مجید میں ہے کہ ہم نے اس کو تمہاری زبان میں اتارا ہے۔ 'بلسانک' کا لفظ خاص ہے اور ظاہر ہے کہ خطاب آنحضرت ﷺ سے ہے تو معلوم ہوا کہ قرآن آنحضرت ﷺ کی زبان میں نازل ہوا ہے اور آپ کی زبان قریش کی زبان تھی۔ آنحضرت ﷺ نے اپنے قریش میں سے ہونے اور ان کی زبان بولنے پر فخر بھی کیا ہے اور اسی زبان میں قرآن نازل ہوا۔

روایت میں آخری ٹکڑا اِنَّ الْقُرْآنَ اُنْزِلَ عَلٰی سَبْعَةِ اَحْرُفٍ یہاں ابن شہاب نے ٹھونس دیا ہے۔ یہ ٹکڑا یہاں جوڑ دینے سے روایت بالکل دوسری ہو گئی ہے۔ لیکن اس ٹکڑے کا ایک محل ہے بشرطیکہ آپ اس کو یہاں سے ہٹائیں۔ اس کی توجیہ میں نے آیت ولقد اٰتینٰک سبعًا من المثانی والقرآن العظیم (الحجر:۸۷) کے تحت اپنی تفسیر تدبر قرآن میں کر دی ہے۔ میرے نزدیک قرآن مجید سات گروپوں یا سات ابواب میں ہے اور ہر گروپ میں سورتیں جوڑے جوڑے ہیں۔ ہر گروپ ایک یا ایک سے زاید مکی سورتوں سے شروع ہوتا ہے اور ایک یا ایک سے زاید مدنی سورتوں پر ختم ہوتا ہے۔ تمام گروپوں میں تعلیمات کی نوعیت بدلتی جاتی ہے۔ ہر گروپ کا ایک عمود یعنی مرکزی مضمون ہے۔ کسی گروپ کا مرکزی مضمون توحید ہے تو کسی کا رسالت اور کہیں قیامت کا مضمون ہے تو کہیں تاریخ انبیاء کا۔ مفسرین سبعًا من المثانی کی تاویل سورہ فاتحہ سے کرتے ہیں لیکن سورہ فاتحہ میں چھ آیتیں ہیں، ساتویں اختلافی ہے۔ دوسرے یہ کہ مثانی کے معنی اگر آپ یہ کرتے ہیں کہ بار بار دہرائی جانے والی تو مثانی کے یہ معنی ہوں تب! مثانی تو قرآن میں واحد بھی استعمال ہوا ہے اور جمع کی [illegible] میں بھی استعمال ہوا ہے اور یہ دو دو کے معنی میں ہے۔

میری توجیہ کی روشنی میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا ان القرآن انزل علی سبعة احرف تو مطلب یہ تھا کہ قرآن مجید سات اسلوبوں پر نازل ہوا ہے۔ حرف کا لفظ اسلوب کے معنی میں بھی آ سکتا ہے، عبارت کے معنی میں بھی آ سکتا ہے۔ اس طرح بات ٹھیک ہو جاتی ہے۔ لیکن اس کا محل الگ ہو گا اور ابن شہاب نے اس کو یہاں جوڑ دیا ہے، قرآن مجید سے متعلق انتشار برپا کرنے کے لیے۔ ابن شہاب کے بارے میں خود شارحین حدیث بھی کہتے ہیں کہ روایت میں مختلف

ٹکڑوں کو اس طرح جوڑ دیتا ہے کہ کہاں کی روایت ہوتی ہے اور کہاں لے آتا ہے۔ اس طرح کی پیوند کاری اس روایت میں بھی کی گئی ہے۔

پیچھے جو روایت گزری ہے اس میں عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت عمرؓ کی تکرار بیان ہوئی ہے اور اس روایت میں ہشام بن حکیم بن حزامؓ اور حضرت عمرؓ کے مابین قرأت کا جھگڑا بتایا گیا ہے۔ حیرت ہے کہ یہ تینوں صحابہ مکی ہیں جہاں قریش ہی کی زبان تمام علاقائی لہجوں پر حاوی تھی۔ لہٰذا ان تینوں صحابہ کا محاورہ ایک ہی تھا۔ جب قرآن نے خود بتا دیا کہ یہ لغت قریش پر نازل ہوا ہے تو ان صحابہ کے قرآن کو ایک دوسرے سے مختلف طور پر پڑھنے کی حاجت کیا تھی۔ اور اگر یہ لغت قریش سے ہٹ کر تلاوت کر رہے تھے تو آپ نے کلا کما محسن (تم دونوں نے خوب پڑھا ہے) کے الفاظ سے ایک ایسا موقف کیوں اختیار کیا جس سے غلط فہمیاں جنم لے سکتی تھیں۔ دونوں روایتوں میں حضرت عمرؓ کی شخصیت کو مجروح کرنے کی کوشش واضح طور پر نظر آتی ہے۔ گویا ایک غصیلا شخص بلاوجہ ہر شخص کے درپے ہو جاتا ہے۔ یہ شیعہ کی ہمیشہ سے کوشش رہی ہے کہ حضرت عمرؓ کو غلط روپ میں پیش کیا جائے۔

روایات کے مطابق سیدنا عثمانؓ کے دور خلافت میں بعض الفاظ میں قرأت کا اختلاف ہوا۔ مرکز میں رپورٹ ہوئی۔ خلیفہ راشد نے ان لوگوں کو جو قرأتوں سے واقف تھے جمع کر کے نص قرآن کی روشنی میں قریش کی قرأت پر صاد کیا اور اس قرأت پر تمام اختلافات کو رفع کیا۔ اس قرأت پر مصاحف کی نقلیں کروا کر تمام مراکز میں بھجوا دیں۔ یہی قرأت عامۃ المسلمین کی قرأت ہے اور مجمع علیہ ہے۔ یہی قرأت بعد میں قرأت حفص کہلائی۔

اب اگر کوئی قرأت اس کے علاوہ رائج ہو گئی ہے تو وہ قرأت شاذ ہے جس پر قرآن کا پڑھنا جائز نہیں ہے۔ قرآن مجید کوئی بازیچۂ اطفال نہیں ہے کہ آپ کہیں کہ یہ لفظ یوں بھی پڑھا جا سکتا ہے اور یوں بھی پڑھا جا سکتا ہے۔ اس لیے موجودہ زمانے کے ابلیسوں نے جو نئی قرأتوں پر قرآن کا چھاپنا شروع کیا ہے وہ ایک بہت بڑا فتنہ ہے۔ اللہ کرے کہ ہمارے ملک میں ایسی حکومت قائم ہو جائے کہ جتنے قرآن دوسری قرأتوں پر ہیں سب کو سوختہ کرا دے۔ میں وصیت کرتا ہوں کہ آپ اس طرح کا کوئی قرآن بھی اپنے ہاتھوں میں نہ لیں۔

۴. بابُ: اِخْرَاجِ اَهْلِ الْمَعَاصِی والْخُصُومِ مِنَ الْبُيُوتِ بَعْدَ الْمَعْرِفَةِ وَقَدْ اَخْرَجَ عُمَرُ اُخْتَ اَبِی بَكْرٍ حِيْنَ نَاحَتْ.

باب: اس بارے میں کہ مجرموں اور شریروں کو پہچان لینے کے بعد گھروں سے نکالا

جائے اور حضرت عمرؓ نے حضرت ابو بکرؓ کی بہن کو، جبکہ وہ نوحہ کرنے لگیں، نکلوا دیا۔

وضاحت:

روایت کو یہاں امام صاحب نے بطور تعلیق نوٹ کیا ہے، اس کی رو سے حضرت ابو بکرؓ کی جب وفات ہوئی تو ان کی بہن ان کے گھر میں آ کر نوحہ کرنے لگیں۔ حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا تو انہیں باہر نکلوا دیا۔ نوحہ سے مطلب وہ نوحہ ہے جو شیعہ حضرات کرتے ہیں۔ جاہلیت میں میت پر نوحہ کرنے کا اہتمام کیا جاتا تھا، عورتیں سر اور چھاتی پیٹتی تھیں اور خاص طریقہ پر بین کرتی تھیں اور وہ بین بڑا دلدوز ہوتا تھا۔ اسلام نے نوحہ کرنے کی ممانعت کر دی۔ اس بات سے انکار نہیں ہو سکتا کہ سیدنا ابو بکرؓ کی ہمشیرہ پرانے زمانے کی خاتون تھیں اور ضروری نہیں کہ انہیں معلوم ہو کہ اسلام میں نوحہ منع ہے۔ اس روایت میں مزید یہ بھی بتایا گیا ہے کہ سیدہ عائشہؓ نے اس نوحہ کا اہتمام کیا تھا۔ سیدہ عائشہؓ کے بارے میں یہ بات تصور بھی نہیں کی جا سکتی کہ اس طریقہ کے نوحہ کا انتظام وہ کریں گی۔ روایت منقطع ہے اور اس پر سب محدثین متفق ہیں۔ معلوم نہیں کہ امام صاحب نے ایک بے سروپا روایت یہاں کیوں دی ہے۔

۱۰۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ اَبِی عَدِیٍّ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ سَعْدِ بْنِ اِبْرَاهِيمَ عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ عَنْ اَبِی هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: لَقَدْ هَمَمْتُ اَنْ آمُرَ بِالصَّلَاةِ فَتُقَامَ، ثُمَّ اُخَالِفَ اِلٰى مَنَازِلِ قَوْمٍ لَا يَشْهَدُوْنَ الصَّلَاةَ فَاُحَرِّقَ عَلَيْهِمْ.

﴿حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ میں نے ارادہ کیا کہ میں لوگوں کو حکم دوں تو نماز قائم کی جائے اور میں خود ان لوگوں کی طرف نکلوں جو نماز میں حاضر نہیں ہوتے اور ان سمیت گھروں کو آگ لگا دوں۔﴾

وضاحت:

آنحضرت ﷺ نے ان لوگوں پر اپنے قہر و غضب کا اظہار فرمایا ہے جو نماز کا وقت ہونے پر اذان سنتے ہیں لیکن اپنے مشاغل کو ترک کر کے مسجد میں پہنچ کر نماز باجماعت ادا نہیں کرتے۔ آپ نے فرمایا کہ میرا ارادہ ہوا کہ لوگوں کو نماز قائم کرنے یعنی نماز کے لیے صفیں بنانے کا حکم دوں۔ جب وہ ایسا کر لیں تو میں گھروں میں بیٹھ رہنے والوں کے گھروں کو آگ لگا دوں جس سے وہ لوگ بھی جل جائیں۔

اس روایت کا باب سے کوئی تعلق نہیں ہے اور باب میں تعلیق کے طور پر جو ہدایت دی گئی ہے وہ منقطع ہے۔ امام

صاحب کے اپنے معیار پر کوئی روایت ہوتی اور وہ اس کا حوالہ دیتے تو ان کا موقف ثابت ہوتا۔

٥. بابُ: دَعْوَى الْوَصِيِّ لِلْمَيِّتِ

باب: جس کو وصیت کی گئی ہو وہ میت کے حق کے لیے دعویٰ کر سکتا ہے

١١۔ حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّ عَبْدَ بْنَ زَمْعَةَ وَسَعْدَ بْنَ اَبِي وَقَّاصٍ اخْتَصَمَا اِلَى النَّبِيِّ ﷺ فِي ابْنِ اَمَةِ زَمْعَةَ، فَقَالَ سَعْدٌ "يَا رَسُولَ اللّٰهِ اَوْصَانِي اَخِي اِذَا قَدِمْتُ اَنْ اَنْظُرَ ابْنَ اَمَةِ زَمْعَةَ، فَاَقْبِضَهُ فَاِنَّهُ ابْنِي وَقَالَ عَبْدُ بْنُ زَمْعَةَ اَخِي وَابْنُ اَمَةِ اَبِي وُلِدَ عَلَى فِرَاشِ اَبِي، فَرَاَى النَّبِيُّ ﷺ شَبَهًا بَيِّنًا، فَقَالَ هُوَ لَكَ يَا عَبْدُ بْنَ زَمْعَةَ، اَلْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ، وَاحْتَجِبِي مِنْهُ يَا سَوْدَةُ.

﴿عبد بن زمعہ اور سعد بن ابی وقاص دونوں نے آنحضرت ﷺ کے سامنے زمعہ کی لونڈی کے بیٹے کے بارے میں مقدمہ پیش کیا۔ سعد نے کہا یا رسول اللہ میرے بھائی نے مجھے وصیت کی ہے کہ جب میں (مکہ) آؤں تو زمعہ کی لونڈی کے بیٹے کو نگاہ میں رکھوں اور اس کو قبضہ میں لوں کیونکہ وہ میرا بیٹا ہے۔ عبد بن زمعہ نے کہا وہ میرا بھائی ہے اور میرے باپ کی لونڈی کا بیٹا ہے۔ میرے باپ کے بستر پر پیدا ہوا ہے۔ نبی ﷺ نے بچے کے اندر بین طریقہ پر مشابہت دیکھی اور فیصلہ دیا کہ اے عبد بن زمعہ یہ تیرا ہے، بیٹا جس کے ہاں پیدا ہوا اس کا ہوگا۔ لیکن آپ نے حضرت سودہؓ سے کہہ دیا کہ تم اس سے پردہ کرو۔﴾

وضاحت:

یہ روایت اوپر دو بار زیر بحث آچکی ہے۔ بچے کی واضح مشابہت حضرت سعدؓ کے بھائی کے ساتھ تھی لیکن لونڈی زمعہ کی تھی اور بچہ بھی انہی کے گھر پیدا ہوا اس لیے حضور نے بچہ عبد بن زمعہ کے حوالہ کر دیا۔ البتہ ام المومنین سودہ بنت زمعہ کو اس لڑکے سے پردہ کرنے کا حکم دیا۔ آپ نے قیافہ کی رو سے اس کو ان کا بھائی تسلیم نہیں کیا۔ دوسری طرف آپ نے اپنے فیصلہ کی بنیاد قیافہ پر نہیں رکھی مشابہت تو صاف تھی لیکن آپ نے اس اصول کو سامنے رکھا کہ الولد للفراش، لڑکا اس کا ہے جس کے بستر پر پیدا ہوا ہے۔ باقی رہ گیا کہ کیا قیافہ وغیرہ مقدمات کے فیصلہ کی بنیاد بن سکتے ہیں تو اس میں بڑے جھگڑے پیدا ہو سکتے ہیں۔ میرے نزدیک اصول ہی اصل چیز ہے، قیافہ کوئی چیز نہیں اور اصول ہی کی بنیاد پر فیصلہ ہونا چاہیے۔

٦. بَابُ : التَّوَثُّقِ مِمَّنْ تُخْشٰى مَعَرَّتُهٗ، وَ قَيَّدَ ابْنُ عَبَّاسٍ عِكْرِمَةَ عَلٰى تَعْلِيمِ الْقُرْآنِ وَالسُّنَنِ وَالْفَرَائِضِ

باب: اس بارے میں کہ ایک آدمی کی طرف سے خطرے کا ڈر ہو تو اس کو پابند کیا جاسکتا ہے اور ابن عباسؓ نے عکرمہ کو قرآن کی تعلیم، سنت کی تعلیم اور فرائض کی تعلیم کے لیے قید کیا۔

وضاحت:

اگر کسی کی طرف سے یہ خطرہ ہو کہ تاخت کر دے گا تو اس کو پابند کیا جاسکتا ہے، قید کیا جاسکتا ہے۔ ایک شخص تو وہ ہوتا ہے جس کا جرم ثابت ہوتا ہے۔ اس کو تو قانون کے تحت سزا دی جائے گی اور دوسرا شخص وہ ہے جس کی طرف سے کوئی اندیشہ پایا جاتا ہو تو حفاظت عامہ کی خاطر اس کی حرکت پر پابندی لگائی جاسکتی ہے، قید کیا جاسکتا ہے۔ آپ لوگ پبلک سیفٹی قوانین کی مخالفت کرتے ہیں لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس کی گنجائش نکلتی ہے۔

اس باب میں امام صاحب نے نوٹ کے طور پر حوالہ دیا ہے کہ ابن عباسؓ نے عکرمہ کو قرآن وسنت اور فرائض کی تعلیم کے لیے قید کیا تھا۔ ابن عباسؓ ان کے پاؤں میں بیڑی ڈال دیا کرتے تھے کہ وہ گھر پر رہیں اور تعلیم حاصل کریں۔ اس سے امام صاحب نے توثق کی دلیل نکال لی یعنی جیل وغیرہ کا ضابطہ انہوں نے یہاں سے نکالا ہے۔

عکرمہ کے نام سے ذہن میں یہ خیال آتا ہے کہ یہ عکرمہ بن ابی جہل ہوں گے لیکن یہ اور عکرمہ ہیں۔ یہ ایک بربر غلام تھے اور ان کے آقا نے ان کو حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو تحفہ میں دے دیا تھا۔ اور یہی ہیں کہ جو تفسیر، فقہ اور فرائض وغیرہ میں ابن عباسؓ کے شاگرد ہیں۔ ان کو آزاد کر کے ابن عباسؓ نے اپنی تربیت میں لے لیا اور ذہین آدمی پایا تو تعلیم دی۔ طالب علم تو طالب علم ہی ہوتا ہے، یہ بتاتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ باہر نکلتے تو میرے پاؤں میں بیڑیاں ڈال دیا کرتے کہ بھاگ نہ جاؤں۔ پھر انہوں نے اپنا یہ مقام بنایا کہ کہا کرتے تھے کہ میں دروازے پر فتوے دیا کرتا جب کہ ابن عباسؓ گھر کے اندر رہتے تھے۔

١٢۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا يَقُولُ بَعَثَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ خَيْلًا قِبَلَ نَجْدٍ، فَجَاءَتْ بِرَجُلٍ مِنْ بَنِي حَنِيفَةَ يُقَالُ لَهُ ثُمَامَةُ بْنُ أُثَالٍ سَيِّدُ أَهْلِ الْيَمَامَةِ، فَرَبَطُوهُ بِسَارِيَةٍ مِنْ سَوَارِي الْمَسْجِدِ فَخَرَجَ إِلَيْهِ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ

قَالَ مَا عِنْدَکَ یَا ثُمَامَةُ قَالَ عِنْدِی یَا مُحَمَّدُ خَیْرٌ " فَذَکَرَ الْحَدِیثَ قَالَ اَطْلِقُوا ثُمَامَةَ.

﴿حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے نجد کی طرف ایک دستہ بھیجا تو وہ لوگ بنوحنیفہ کے ایک آدمی کو پکڑ لائے۔ وہ اہل یمامہ کا سردار ثمامہ بن اثال تھا۔ لوگوں نے اس کو مسجد کے ایک ستون کے ساتھ باندھ دیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ اس کی طرف نکلے اور پوچھا اے ثمامہ اب تمہارے مزاج کا کیا حال ہے، اس نے کہا اے محمد، میرے پاس تو اب خیر ہی خیر ہے۔ پھر انہوں نے پوری حدیث بیان کی۔ پھر نبی ﷺ نے حکم دیا کہ ثمامہ کو آزاد کر دو۔﴾

وضاحت:

امام صاحب نے اوپر جو باب باندھا تھا اس کے مضمون کو ثابت کرنے کے لیے تو اس روایت سے ان کا استدلال ٹھیک معلوم ہوتا ہے۔ ثمامہ جیسے آدمیوں کو باندھا اور قید کیا جا سکتا ہے۔ ایک فوجی دستہ اس کو گرفتار کر کے لایا تھا اور وہ مسلمانوں کے مخالف قبیلہ کا لیڈر بھی تھا۔ لیکن باب میں تعلیق عکرمہ کی نقل ہوئی ہے۔ ابن عباسؓ نے عکرمہ کو باندھا ہو گا تو اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ انہوں نے دیکھا ہو گا کہ بہت گھومتے پھرتے ہیں، باندھ دیا ہو گا کہ کچھ پڑھ لکھ لیں۔ تو عکرمہ اور ثمامہ دونوں کے باندھنے میں آسمان وزمین کی نسبت ہے۔ عکرمہ کا باندھنا اور نوعیت کا ہے، ثمامہ کا باندھنا ایک خطرناک آدمی کا باندھنا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ثمامہ سے پوچھا ما عندک یا ثمامة! یہ اسلوب معنی خیز ہے۔ اگر صرف حال پوچھنا ہوتا تو آپ کیف حالک یا اس طرح کا کوئی لفظ فرماتے۔ یہاں اس سوال کا مطلب یہ ہے کہ اب مزاج کا کیا حال ہے، طبیعت درست ہوئی کہ نہیں۔ اس نے جواب دیا کہ ما عندی یا محمد خیر یعنی حضور بالکل ٹھیک ہے۔ اب میری طرف سے کوئی خطرہ نہ رکھیے۔ یعنی حضور ﷺ نے پوچھا مزاج ٹھنڈا پڑا، اس نے کہا بالکل، میں نے کان پکڑے، اب اس کو اردو میں ادا کرنا مشکل ہے۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے فرمایا ثمامہ کو چھوڑ دو، ظاہر ہے چھوڑ دینے کا اعلان آنحضرت ﷺ نے فرمایا تو اس لیے کہ اب اس سے کوئی خطرہ نہ تھا۔

یہاں یہ روایت مختصر ہے۔ دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ دو تین دن ثمامہ کے پاس آتے اور اس کے عزائم کا جائزہ لیتے رہے۔ جب معلوم ہوا کہ اس کا دماغ اب ٹھکانے آ گیا ہے تو اس کو آزاد کرنے کا حکم دیا۔

ثمامہ کے واقعہ سے سیفٹی ایکٹ جیسے قوانین کا جواز نکلتا ہے جن کے تحت مولانا مودودی، میاں طفیل محمد اور ہم بھی ایک بار بیس مہینے کی اور دوبارہ دس مہینے کی جیل کاٹ چکے ہیں۔ سیفٹی ایکٹ میں جرم کو عدالت میں ثابت نہیں کیا جاتا بلکہ کسی

جابر نے جس اللہ کے بندے کو چاہا جیل بھیج دیا۔ ظاہر ہے کہ اس دور کی حکومتوں کو خطرات لاحق ہو سکتے تھے تو مولانا مودودی صاحب، امین احسن اور میاں طفیل محمد صاحب کی طرف سے لاحق ہو سکتے تھے۔

۷۔ بابُ : الرَّبْطِ وَالحَبْسِ فِی الحَرَمِ وَاشْتَرٰی نَافِعُ بْنُ عَبْدِ الحَارِثِ دَارًا لِلسِّجْنِ بِمَکَّةَ، مِنْ صَفْوَانَ بْنِ اُمَیَّةَ، عَلٰی اَنَّ عُمَرَ اِنْ رَضِیَ فَالْبَیْعُ بَیْعُهُ وَ اِنْ لَمْ یَرْضَ عُمَرُ فَلِصَفْوَانَ اَرْبَعُمِائَةٍ وَ سَجَنَ ابْنُ الزُّبَیْرِ بِمَکَّةَ.

باب: حرم میں روکنے اور قید کرنے کے بارے میں اور نافع بن عبدالحارث نے مکہ میں صفوان بن امیہ سے قید خانہ بنانے کے لیے ایک گھر خریدا تھا اس شرط پر کہ اگر حضرت عمرؓ نے منظور کر لیا تب تو اس کی بیع ہو جائے گی ورنہ صفوان کو چار سو دے دیے جائیں گے اور عبداللہ بن زبیر کا قید خانہ مکہ میں تھا۔

وضاحت:

اس باب میں دو تعلیقات ہیں۔ امام صاحب ان کے تحت آگے جو روایات لائیں گے یا لانا چاہتے ہیں باب میں ان کا اشارہ کر دیتے ہیں۔ اگر وہ روایتیں دوسرے راویوں نے موصول کر دیں تب ان کی مزید وضاحت ہو جائے گی اور اگر نہیں تو انہی اشارات پر اکتفا کرنی پڑے گی۔

باب میں مجرموں کو حرم میں باندھنے یا قید کرنے کا ذکر ہے تو ایک زمانے میں بیت اللہ میں یہ کام بھی ہوا ہے۔ مجرم کو کسی کھمبے سے باندھ دیتے تھے۔ اسی ضرورت کے تحت قید خانہ بنانے کی تحریک ہوئی ہوگی۔

باب میں جو تعلیق ہے اس کی کسی نے وضاحت نہیں کی۔ لیکن اس سے یہ معلوم ہوا ہے کہ قید خانے کے لیے مکان نافع بن عبدالحارث نے صفوان سے خریدا تو قید خانہ کا آغاز حضرت عمرؓ کے وقت سے ہوا۔ تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عباسیوں کے دور تک قید خانہ کے سسٹم نے کوئی ترقی نہیں کی تھی۔ قیدیوں کے کھانے پینے کا کوئی انتظام نہیں تھا۔ شام کو کچھ وقت کے لیے ان کو چھوڑ دیا جاتا تھا کہ کہیں سے کچھ کھا پی لیں۔ بڑے شریف قیدی ہوتے تھے کہ واپس آ کر قید خانے میں پڑ جاتے تھے۔

۱۳۔ حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ یُوسُفَ حَدَّثَنَا اللَّیْثُ قَالَ حَدَّثَنِی سَعِیدُ بْنُ اَبِی سَعِیدٍ سَمِعَ

اَبَاهُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ بَعَثَ النَّبِيُّ ﷺ خَيْلًا قِبَلَ نَجْدٍ فَجَاءَ تْ بِرَجُلٍ مِنْ بَنِي حَنِيْفَةَ يُقَالُ لَهُ ثُمَامَةُ بْنُ اُثَالٍ فَرَبَطُوهُ بِسَارِيَةٍ مِنْ سَوَارِيِ الْمَسْجِدِ.

﴿سعید بن ابی سعید کہتے ہیں کہ انہوں نے حضرت ابو ہریرہؓ سے سنا کہ نبی ﷺ نے ایک فوجی دستہ نجد کی طرف بھیجا تو وہ لوگ بنو حنیفہ کے ایک آدمی کو پکڑ لائے جس کا نام ثمامہ بن اثال تھا اور اس کو مسجد کے کھمبوں میں سے ایک کھمبے سے باندھ دیا گیا۔﴾

وضاحت:

یہ روایت اوپر گزر چکی ہے۔ اس کی وضاحت وہاں ملاحظہ فرمائی جائے۔

٨. باب: الْمُلَازَمَةِ

باب: ملازمت کے بارے میں

ملازمت کے معنی نوکری کے نہیں بلکہ کسی کے پیچھے پڑ جانے کے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ آپ نے کسی سے کچھ لینا ہے تو آپ اس کا کچھ تعاقب کر سکتے ہیں، کچھ اس کے پیچھے پڑ سکتے ہیں۔ اس باب میں بتایا جائے گا کہ اس طرح کی صورت حال میں کسی کا پیچھا کرنا جائز ہے اور اس کی حد کیا ہو گی۔ بہت سے مسائل میں اور اسلام میں ان کے ارتقاء کے لیے یہ معلومات ضروری ہیں۔ اوپر آپ نے دیکھا قید خانے کا سسٹم کس طرح وجود میں آیا۔ معلوم ہوا کہ اصولی طور پر یہ چیزیں دین میں موجود تھیں اور اس میں اصلاح آپ کر سکتے ہیں۔ ان چیزوں کے لیے جزئیات تو ضروری ہوں گی۔ علیٰ ھذا القیاس اب یہ ملازمت کے باب میں دیکھ لیجیے کہ کوئی شخص کسی کا کسی خاص مقصد سے تعاقب کر سکتا ہے کہ نہیں کر سکتا۔

١٢۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ حَدَّثَنِي جَعْفَرُ بْنُ رَبِيعَةَ، وَقَالَ غَيْرُهُ حَدَّثَنِي اللَّيْثُ، قَالَ حَدَّثَنِي جَعْفَرُ بْنُ رَبِيعَةَ عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ هُرْمُزَ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ الْاَنْصَارِيِّ عَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّهُ كَانَ لَهُ عَلَى عَبْدِاللّٰهِ بْنِ اَبِي حَدْرَدٍ الْاَسْلَمِيِّ دَيْنٌ" فَلَقِيَهُ فَلَزِمَهُ فَتَكَلَّمَا حَتَّى ارْتَفَعَتْ اَصْوَاتُهُمَا فَمَرَّبِهِمَا النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ يَا كَعْبُ وَ اَشَارَ بِيَدِهِ كَاَنَّهُ يَقُولُ النِّصْفَ فَاَخَذَ نِصْفَ مَا عَلَيْهِ وَتَرَكَ نِصْفًا.

﴿کعب بن مالکؓ کہتے ہیں کہ ان کا قرض عبداللہ بن ابی حدرد اسلمی پر آتا تھا۔ وہ ان سے ملے تو ان سے چمٹ گئے۔ پھر دونوں نے باتیں کیں یہاں تک کہ دونوں کی آوازیں بلند ہو گئیں۔ آنحضرت ﷺ ان کے

پاس سے گزرے اور کہا کہ اے کعب، اور ہاتھ سے اشارہ کیا جس سے معلوم ہوتا تھا آدھا قرض معاف کر دو تو کعب نے آدھا قرض وصول کیا اور آدھا چھوڑ دیا۔

وضاحت:

یہ روایت الفاظ کے معمولی فرق کے ساتھ اوپر گزر چکی ہے جہاں اس کی وضاحت بھی کر دی گئی ہے۔ یہاں ایک اور بات کی طرف توجہ دلانا ضروری ہے وہ یہ کہ اشارہ کی زبان بھی ایک زبان ہے اور اس میں شبہ نہیں کہ اشارہ کی زبان بہت موثر زبان ہے۔ اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اشارے سے بڑے بڑے قانونی فیصلے بھی ہو سکتے ہیں۔ یہاں حقوق کا ایک بہت اہم مسئلہ تھا اور آنحضرت ﷺ نے اشارہ سے اس کو حل کرا دیا۔ اس سے بڑا مسئلہ اس لڑکی کا تھا جس کا سر ایک یہودی نے کچل دیا تھا۔ اس سے پوچھا گیا کہ کیا اسی یہودی نے جرم کیا تو اس نے سر کے اشارہ سے ہاں کہی۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے مجرم یہودی کو اسی طریقہ سے سزا دی جس طرح اس نے لڑکی کا سر کچلا تھا۔ یہ روایت پیچھے گزر چکی ہے۔ معلوم ہوا کہ اشارہ قول ہو سکتا ہے۔ اب اس سے جو مسئلے نکلتے ہیں ان میں بہت سے پیچیدہ بھی ہو سکتے ہیں۔

۹. باب: التَّقَاضِی

باب: تقاضا کرنے کے بارے میں

۱۵۔ حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ جَرِيرِ بْنِ حَازِمٍ أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ اَبِی الضُّحٰی عَنْ مَسْرُوقٍ عَنْ خَبَّابٍ، قَالَ كُنْتُ قَيْنًا فِي الْجَاهِلِيَّةِ، وَ كَانَ لِي عَلَى الْعَاصِ بْنِ وَائِلٍ دَرَاهِمُ فَأَتَيْتُهُ أَتَقَاضَاهُ فَقَالَ لَا اَقْضِيکَ حَتّٰی تَكْفُرَ بِمُحَمَّدٍ فَقُلْتُ لَا وَاللّٰهِ لَا اَكْفُرُ بِمُحَمَّدٍ ﷺ حَتّٰى يُمِيتَکَ اللّٰهُ ثُمَّ يَبْعَثَکَ، قَالَ فَدَعْنِی حَتّٰى اَمُوتَ، ثُمَّ اُبْعَثَ فَأُوتٰى مَالًا وَوَلَدًا ثُمَّ اَقْضِيَکَ فَنَزَلَتْ اَفَرَاَيْتَ الَّذِی كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا وَقَالَ لَاُوتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا الْآيَةَ.

خباب کہتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں میں لوہار تھا اور عاص بن وائل پر میرے کچھ درہم آتے تھے۔ میں تقاضا کے لیے اس کے پاس آیا تو اس نے کہا کہ میں اس وقت تک تمہارے پیسے نہیں دینے کا جب تک تم محمد (ﷺ) کا انکار نہ کرو گے تو میں نے کہا قسم اللہ کی میں محمد ﷺ کا انکار نہیں کرنے کا، اس وقت تک جب تک کہ اللہ تجھے موت نہ دے اور پھر موت کے بعد تجھے اٹھا نہ لے۔ اس نے کہا کہ پھر مجھے چھوڑ دو یہاں تک کہ میں مروں اور پھر اٹھایا جاؤں یہاں تک کہ مجھے مال اور اولاد ملے تب میں تمہارا قرض ادا کروں گا۔ وہ کہتے

ہیں کہ پھر یہ آیت اتری اَفَرَاَیْتَ الَّذِیْ کَفَرَ بِاٰیٰتِنَا ...... الآیۃ۔

وضاحت:

یہ جو حضرت خباب نے کہا کہ میں اس وقت تک انکار نہیں کرنے کا جب تک کہ اللہ تعالیٰ تجھ کو موت دے اور پھر اٹھائے تو یہ تعلیق بالمحال کر دی، یعنی نہ یہ ہونے کا اور نہ میں انکار کرنے کا۔

یہاں جو آیت نقل کی ہے اور اس کے بارے میں کہا کہ یہ اس موقع پر نازل ہوئی یہ اسی طرح کی غلطی ہے کہ بجائے اس کے یوں کہیں کہ اس آیت کے اندر ان مشرکین کے ذہن کی طرف بھی اشارہ ہے، یہ کہا کہ اس بارے میں یہ آیت اتری ہے۔ مفسرین یہی مطلب لیتے ہیں۔ حضرت خباب کا جو مسئلہ ہے اس آیت کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ تو مشرکین کا کہنا تھا کہ ہماری ٹھاٹھ کی زندگی شاہد ہے کہ اللہ ہم سے خوش ہے اور تم جوتیاں چٹخاتے پھرتے ہو۔ اگر مرنے کے بعد زندہ ہونا ہی ہے تو ہمیں امید ہے کہ اس سے زیادہ مال اور اولاد ہمیں ملے گا۔

كتاب فى اللقطة

بسم اللہ الرحمن الرحیم

كتاب فى اللقطة

گری پڑی چیز کے بارے میں کتاب

۱. باب: وَإِذَا أَخْبَرَهُ رَبُّ اللُّقَطَةِ بِالعَلَامَةِ دَفَعَ إِلَيْهِ

باب: اور اگر ایسی چیز کا مالک ٹھیک نشانی بتادے تو چیز اس کو دے دی جائے گی

۱۔ حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ" حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سَلَمَةَ سَمِعْتُ سُوَيْدَ بْنَ غَفَلَةَ قَالَ لَقِيتُ أُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فَقَالَ أَخَذْتُ صُرَّةً مِائَةَ دِينَارٍ فَأَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ عَرِّفْهَا حَوْلًا، فَعَرَّفْتُهَا حَوْلًا فَلَمْ أَجِدْ مَنْ يَعْرِفُهَا، ثُمَّ أَتَيْتُهُ فَقَالَ عَرِّفْهَا حَوْلًا، فَعَرَّفْتُهَا فَلَمْ أَجِدْ، ثُمَّ أَتَيْتُهُ ثَلَاثًا، فَقَالَ احْفَظْ وِعَاءَ هَا وَعَدَدَهَا وَوِكَاءَ هَا فَإِنْ جَاءَ صَاحِبُهَا وَإِلَّا فَاسْتَمْتِعْ بِهَا فَاسْتَمْتَعْتُ، فَلَقِيتُهُ بَعْدُ بِمَكَّةَ فَقَالَ لَا أَدْرِي ثَلَاثَةَ أَحْوَالٍ أَوْ حَوْلًا وَاحِدًا.

﴿سوید بن غفلۃ کہتے ہیں کہ میں ابی ابن کعب سے ملا تو انہوں نے کہا میں نے ایک تھیلی اٹھائی، اس میں سو دینار تھے پھر میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا سال بھر تک لوگوں سے پوچھتا رہ۔ میں سال بھر تک دریافت کرتا رہا تو کوئی شخص ایسا نہیں پایا جو اس کو پہچانتا ہو۔ پھر میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آیا تو آپ نے فرمایا ایک سال پوچھتا رہ، میں پوچھتا رہا لیکن کسی کو نہیں پایا۔ پھر میں تیسری بار آپ کے پاس آیا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھیلی پہچان لے، اس کی رقم گن لے، اور اس کا بندھن پہچان رکھ، پھر اس کا مالک آجائے تو بہتر ورنہ تو اس کو کام میں لا۔ پس میں اس کو کام میں لایا۔ شعبہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں سلمہ سے مکہ میں ملا تو کہنے لگے کہ مجھے یاد نہیں کہ تین برس تک پہنچوانے کو کہا تھا یا ایک برس تک۔﴾

وضاحت:

حضرت ابی بن کعبؓ فرماتے ہیں کہ ثم اتیتہ ثلثا یعنی میں تیسری بار آیا تو آپ نے فرمایا کہ تھیلی پہچان لے،

اس کی رقم گن لے اور اس کا بندھن پہچان رکھ، پھر اس کا مالک آ جائے تو بہتر ورنہ تو اس کو کام میں لا۔ اب اس تیسری بار پوچھنے کے بعد کتنی مدت کا انتظار کرے، یہ اس حدیث سے نہیں معلوم ہوتا۔ راوی کے پوچھنے پر سلمہ کہتے ہیں کہ مجھے یاد نہیں کہ تین برس تک بتلانے کو کہا یا ایک برس تک۔ اب بات کہاں سے کہاں پہنچ گئی۔ دوسری جگہ روایتوں میں ہے کہ ایک سال تک پوچھتا رہے گا۔ بحث ساری اس وجہ سے پیدا ہوتی ہے کہ گمشدہ مال بہر حال ضائع تو نہیں ہونا چاہیے اور اس کے جائز ہونے کے لیے بہر حال کوئی دلیل ہونی چاہیے۔ تو شریعت نے اس کو اس شرط کے ساتھ جائز کر دیا ہے کہ کوئی اس سے فائدہ اٹھانا چاہے تو اٹھا سکتا ہے۔ شرط یہ ہے کہ ایک سال تک اعلان کرتا رہے گا اور اگر کوئی آتا ہے اور نشانی بتاتا ہے تو اس کے حوالہ کر دے گا ورنہ ایک سال بعد اپنے استعمال میں لا سکتا ہے۔

میری رائے یہ ہے کہ آج کل رقم وغیرہ کو بیت المال میں جمع کرا دینا چاہیے۔ وہ اشتہار دیتے رہیں کہ فلاں بٹوہ یا پرس وغیرہ ملا ہے جس کا ہے نشانی بتا کر لے جائیں ورنہ وہ بیت المال کا حق ہے۔ روایت سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ آسانی کے ساتھ رقم ہضم نہیں کی جا سکتی لیکن یہ بھی مدنظر ہے کہ ضائع ہونے بھی نہ پائے۔

۲. باب: ضَالَّةِ الابِلِ

باب: بھٹکے اونٹ کے بارے میں

۲۔ حَدَّثَنَا عَمْرُو ابْنُ عَبَّاسٍ حَدَّثَنَا عَبْدُالرَّحْمٰنِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ رَبِيعَةَ حَدَّثَنِي يَزِيدُ مَوْلَى الْمُنْبَعِثِ عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ جَاءَ اَعْرَابِيٌّ النَّبِيَّ ﷺ فَسَأَلَهُ عَمَّا يَلْتَقِطُهُ فَقَالَ عَرِّفْهَا سَنَةً ثُمَّ احْفَظْ عِفَاصَهَا وَوِكَاءَهَا، فَإِنْ جَاءَ اَحَدٌ يُخْبِرُكَ بِهَا وَ إِلَّا فَاسْتَنْفِقْهَا قَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ فَضَالَّةُ الْغَنَمِ قَالَ لَكَ اَوْلِاَخِيكَ اَوْ لِلذِّئْبِ قَالَ ضَالَّةُ الابِلِ، فَتَمَعَّرَ وَجْهُ النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ مَالَكَ وَلَهَا مَعَهَا حِذَاؤُهَا وَسِقَاؤُهَا تَرِدُ الْمَاءَ وَتَأْكُلُ الشَّجَرَ.

﴿زید بن خالد الجہنی سے روایت ہے کہ ایک بدو نبی ﷺ کی خدمت میں آیا تو اس نے لقطہ کے متعلق سوال کیا۔ آپ نے فرمایا ایک سال تک اس کی پہچان کرو اور پھر اس کی تھیلی اور بندھن کو پہچان رکھو اگر کوئی آئے اور ٹھیک پتہ دے تو اس کے حوالے کر دو ورنہ اس کو اپنے خرچ میں لاؤ۔ اس نے کہا کہ یا رسول اللہ بھٹکی ہوئی بکری کا کیا حکم ہے۔ آپ نے فرمایا وہ تیرے لیے ہے یا تیرے کسی بھائی کے لیے یا بھیڑیے کے لیے۔ اس نے کہا کھویا ہوا اونٹ تو آپ کا چہرہ تمتما اٹھا۔ آپ نے فرمایا اس کا زاد و راحلہ اور اس کا مشک اس کے ساتھ ہے۔ پانی پی لیتا ہے اور پتے کھا لیتا ہے۔﴾

وضاحت:

بدو نے پہلے سوال کیا گری پڑی چیز کے بارے میں تو آپ نے جواب دیا کہ اس کی تھیلی اور بندھن کو پہچان رکھو۔ مطلب یہ کہ کوئی اسے پوچھے تو پہچان کروائے اور پوچھے کہ کیسی چیز ہے، کپڑا کیسا ہے، بندھن کیا ہے وغیرہ۔ اگر وہ ٹھیک پتہ دے دے تو چیز اس کے حوالے کردی جائے گی ورنہ ایک سال تک پوچھ گچھ کرتا رہے گا اور کوئی مالک نہ ملے تو اپنے خرچہ میں لائے گا۔ یہاں مدت واضح طور پر ایک سال بیان کی ہے۔ پھر بدو نے جنگلی ہوئی بکری کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا وہ تیرے لیے ہے یا تیرے بھائی کے لیے یا بھیڑیے کے لیے۔ اس قول کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ ذبح کرو اور کھاؤ اور کھلاؤ ورنہ بھیڑیا کھالے گا۔ لیکن یہ بات ٹھیک معلوم ہوتی ہے کہ پہچان کروانے کا ضابطہ یہاں بھی ہونا چاہیے۔ دوسرے لوگوں نے بھی اس کو مانا ہے۔ بکری کے بارے میں ایک سال کی مدت رکھ سکتے ہیں۔ کچھ نہ کچھ نفع تو اس دوران میں دے گی۔ اس کے بعد اس کو اپنے مصرف میں لاسکتے ہیں یا کسی غریب کو دے سکتے ہیں۔

آخر میں بدو نے پوچھا کہ حضور اونٹ کسی کا مل جائے تو آنحضرت ﷺ کا چہرہ تمتا اٹھا۔ مطلب یہ کہ یہ صاحب غیر ضروری سوالات کیے جارہے ہیں۔ آپ نے فرمایا تمہیں اس کی زحمت اٹھانے کی ضرورت نہیں ہے جنگل کی جھاڑیوں میں چرے گا پانی پی لے گا یہاں تک کہ اس کا مالک اس کو پالے گا۔

٣. باب: ضَالَّةِ الْغَنَمِ

باب: کھوئی ہوئی بکری کے بارے میں

٣۔ حَدَّثَنَا اِسْمٰعِيلُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ حَدَّثَنِي سُلَيْمَانُ عَنْ يَحْيٰى عَنْ يَزِيْدَ مَوْلَى الْمُنْبَعِثِ اَنَّهُ سَمِعَ زَيْدَ بْنَ خَالِدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَقُوْلُ سُئِلَ النَّبِيُّ ﷺ عَنِ اللُّقَطَةِ فَزَعَمَ اَنَّهُ قَالَ اعْرِفْ عِفَاصَهَا وَوِكَاءَ هَا ثُمَّ عَرِّفْهَا سَنَةً، يَقُوْلُ يَزِيْدُ اِنْ لَّمْ تُعْتَرَفِ اسْتَنْفَقَ بِهَا صَاحِبُهَا، وَكَانَتْ وَدِيْعَةً عِنْدَهُ قَالَ يَحْيٰى فَهٰذَا الَّذِي لَا اَدْرِي اَفِي حَدِيْثِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ هُوَ اَمْ شَيْءٌ مِنْ عِنْدِهِ ثُمَّ قَالَ كَيْفَ تَرٰى فِي ضَالَّةِ الْغَنَمِ، قَالَ النَّبِيُّ ﷺ خُذْهَا فَاِنَّمَا هِيَ لَكَ اَوْلِاَخِيْكَ اَوْ لِلذِّئْبِ، قَالَ يَزِيْدُ وَهِيَ تُعَرَّفُ اَيْضًا، ثُمَّ قَالَ كَيْفَ تَرٰى فِي ضَالَّةِ الْاِبِلِ قَالَ فَقَالَ دَعْهَا فَاِنَّ مَعَهَا حِذَاءَ هَا وَسِقَاءَ هَا تَرِدُ الْمَاءَ وَتَاْكُلُ الشَّجَرَ حَتّٰى يَجِدَهَا رَبُّهَا.

(یزید کہتے ہیں کہ انہوں نے زید بن خالد کو کہتے سنا کہ نبی کریم ﷺ سے لقطہ کے بارے میں پوچھا گیا تو ان کو گمان ہوا کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کی تھیلی اور بندھن پہچان رکھ اور ایک سال تک لوگوں سے پوچھتا رہ۔ یزید کہتے ہیں کہ اگر وہ پہچانا نہ جائے تو جس کو ملا وہ خرچ کرسکتا ہے اور یہ اس کے پاس ودیعت ہوگا۔ یحییٰ

کہتے ہیں کہ میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ آنحضرت ﷺ کی بات کا حصہ ہے یا یزید نے اپنے پاس سے بیان کی ہے۔ پھر پوچھا کہ بھولی بھٹکی بکری کے بارے میں کیا حکم ہے۔ آپ نے فرمایا وہ تم کو ملے یا تمہارے بھائی کو یا بھیڑیے کو وہ اس کی ہے۔ یزید نے کہا کہ بکری کے لیے بھی اسی طرح پوچھنا چاہیے۔ پھر پوچھا کہ بھولے بھٹکے اونٹ کا کیا حکم ہے تو نبی ﷺ نے فرمایا اس کو چھوڑو اس کا زادو راحلہ اس کے ساتھ ہے اور اس کا پانی کا مشکیزہ اس کے ساتھ ہے، چشمہ پر پہنچ جائے گا جھاڑیاں کھائے گا یہاں تک کہ اس کا مالک اس کو پالے گا۔

وضاحت:

فلزعم کے معنی ہوں گے میں قطعی طور پر یہ بات نہیں کہہ سکتا غالباً آپ نے یہ فرمایا تھیلی اور بندھن پہچان رکھو اور پھر ایک سال تک اس کے بارے میں پوچھتے رہو۔ یحییٰ کہتے ہیں کہ یہ بات کہ اگر وہ چیز پہچانی نہ جائے تو پانے والا اس کو خرچ کر سکتا ہے اور وہ اس کے پاس ودیعت ہوگی تو یہ آنحضرت ﷺ کی حدیث کا ٹکڑا ہے یا یزید نے اپنے پاس سے کہی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ بات انہوں نے اپنے پاس سے ہی کہی ہے۔ مال اس کے پاس ودیعت ہوگا یعنی امانت تو یہ بات ناقابل تصور ہے۔ اس لیے کہ گمشدہ چیز کے بارے میں کس طرح سے کہا جا سکتا ہے کہ یہ امانت ہے۔ امانت کا ضابطہ الگ ہے اور لقطہ کا ضابطہ الگ ہے۔ دونوں ایک کیسے ہو سکتے ہیں۔ راوی نے اپنا فتویٰ بھی ملا دیا ہے اور یہ کوئی نئی چیز نہیں ہے۔ کئی جگہ راویوں نے یہ کیا ہے۔ پھر انہوں نے بکری کے بارے میں پوچھا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا وہ تیرے لیے ہے یا تیرے بھائی کے لیے یا بھیڑیے کے لیے۔ مطلب یہ کہ اس کو قبضہ میں کرنا چاہیے تاکہ ضائع نہ جائے۔ یزید کہتے ہیں کہ بکری کا بھی تعارف کرایا جائے گا۔ اگرچہ یہ بات ہے تو راوی کی لیکن درست ہے۔ آج کل جو طریقہ ہے وہ شریعت کے مطابق ہے۔ بھٹکے ہوئے جانوروں کے لیے کانجی ہاؤس بنے ہوئے ہیں۔ وہاں آپ ان جانوروں کو داخل کرا دیجئے اور ان کا جو ضابطہ ہے وہ ٹھیک ہے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری اس کے مخالف ہیں۔ آگے ان کی رائے آرہی ہے کہ جانور سرکار کے حوالے نہیں کیا جائے گا۔ میرے نزدیک امام بخاری کی رائے ٹھیک طریقہ سے نقل نہیں ہوئی ہے۔ اب چونکہ رائے امیر المومنین فی الحدیث کی ہے تو اس کی توجیہ میں یہ کرتا ہوں کہ ان کے کہنے کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ ضروری نہیں کہ جانور سرکار ہی کے حوالے کیے جائیں بلکہ لوگ اپنے طور پر بھی اس مسئلہ کو حل کر سکتے ہیں اور وہ چاہیں تو سرکار کے بھی حوالے کر سکتے ہیں۔ لوگوں نے یہ سمجھا کہ امام صاحب سرکار کے حوالے کرنے کے قائل نہیں ہیں۔

اونٹ کے بارے میں پوچھا گیا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ چھوڑو اس کو، چشمہ کا پانی پی لے گا، جھاڑیاں کھا لے گا یہاں تک کہ اس کا مالک اس کو پالے گا۔ یعنی اونٹ ایسی چیز نہیں کہ کوئی آسانی سے اس کو نگل لے۔ میرے نزدیک پبلک کا اگر کوئی نقصان ہوتا ہے، کھیتوں میں وہ گھس جاتا ہے، جس کا امکان وہاں تو کم ہی تھا لیکن یہاں تو سرسبز کھیت ہیں تو ایسے جانوروں کو پکڑ کر کانجی ہاؤس میں دے دیا جائے۔

۴. باب: اِذَا لَمْ يُوجَدْ صَاحِبُ اللُّقَطَةِ بَعْدَ سَنَةٍ فَهِيَ لِمَنْ وَجَدَهَا.

باب: اس بارے میں کہ جس کا گمشدہ مال ہے وہ ایک سال بعد بھی نہ آئے تو وہ اس کے لیے ہے جس نے اس کو پایا ہے۔

۴۔ حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ اَخْبَرَنَا مَالِكٌ" عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ اَبِي عَبْدِالرَّحْمٰنِ عَنْ يَزِيدَ مَولَى الْمُنْبَعِثِ عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ" اِلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَسَاَلَهُ عَنِ اللُّقَطَةِ، فَقَالَ اعْرِفْ عِفَاصَهَا وَوِكَاءَهَا ثُمَّ عَرِّفْهَا سَنَةً فَاِنْ جَاءَ صَاحِبُهَا وَ اِلَّا فَشَانَكَ بِهَا قَالَ فَضَالَّةُ الْغَنَمِ قَالَ هِيَ لَكَ اَوْ لِاَخِيكَ اَوْ لِلذِّئْبِ قَالَ فَضَالَّةُ الْاِبِلِ قَالَ مَالَكَ وَلَهَا مَعَهَا سِقَاؤُهَا وَحِذَاؤُهَا تَرِدُ الْمَاءَ وَتَاْكُلُ الشَّجَرَ حَتّٰى يَلْقَاهَا رَبُّهَا.

﴿زید بن خالدؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص آنحضرت ﷺ کے پاس آیا اور لقطہ یعنی پڑی ہوئی چیز کے بارے میں پوچھا۔ آپ نے فرمایا کہ اس کی تھیلی اور بندھن کو پہچان رکھ پھر سال بھر تک لوگوں سے دریافت کرتا رہ۔ اگر اس کا مالک آ جائے تو بہتر ورنہ تیرا اختیار ہے۔ اس نے پوچھا گمشدہ بکری ملے تو کیا کروں۔ آپ نے فرمایا وہ تیری ہے یا تیرے بھائی کی یا بھیڑیے کی۔ اس نے پوچھا تو کسی کا گمشدہ اونٹ ملے تو کیا حکم ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اونٹ سے تجھے کیا کام۔ اس کے ساتھ موزہ ہے مشک ہے وہ پانی پی لیتا ہے پتے کھالیتا ہے یہاں تک کہ اس کا مالک اس کو پالے۔﴾

وضاحت:

یہ وہی روایت ہے جو اوپر گزر چکی ہے۔ ایک ہی باب میں تمام نکات بیان کر کے امام صاحب روایت نقل کر دیتے تو بار بار کی تکرار نہ ہوتی۔

۵. باب: اِذَا وَجَدَ خَشَبَةً فِي الْبَحْرِ اَوْ سَوطًا اَو نَحْوَهُ وَقَالَ اللَّيْثُ

حَدَّثَنِي جَعْفَرُ بْنُ رَبِيعَةَ عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ هُرْمُزَ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ اَنَّهُ ذَكَرَ رَجُلًا مِنْ بَنِي اِسْرَائِيلَ وَسَاقَ الْحَدِيثَ فَخَرَجَ يَنْظُرُ لَعَلَّ مَرْكَبًا قَدْ جَاءَ بِمَالِهِ فَاِذَا هُوَ بِالْخَشَبَةِ فَاَخَذَهَا لِاَهْلِهِ حَطَبًا فَلَمَّا نَشَرَهَا وَجَدَ الْمَالَ وَالصَّحِيفَةَ.

باب: اس بارے میں کہ دریا میں کوئی لکڑی یا میدان میں کوئی کوڑا یا اس طرح کی کوئی چیز گری پڑی مل جائے تو کیا حکم ہے۔

عبدالرحمٰن بن ھرمز حضرت ابو ہریرہؓ سے اور وہ آنحضرت ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے بنی اسرائیل کے ایک مرد کا ذکر کیا اور حدیث کو بیان کیا۔ پھر وہ شخص یہ دیکھنے کے لیے نکلا کہ شاید کوئی جہاز آیا ہو اور اس کا روپیہ لایا ہو تو اس نے دیکھا کہ ایک لکڑی تیر رہی ہے۔ وہ اس کو اٹھا لایا کہ گھر والے جلانے کے لیے استعمال کر لیں۔ جب اس کو چیرا تو اس میں سے روپیہ نکلا اور خط ملا۔

وضاحت:

اس باب میں جو روایت ہے وہ کتاب الکفالۃ فی القرض میں گزر چکی ہے۔ وہ روایت یوں ہے کہ ایک یہودی نے دوسرے یہودی سے ایک ہزار اشرفیاں ایک معین مدت پر واپسی کے وعدہ پر قرض لیں اور کسی سمندری سفر پر چلا گیا۔ اپنا کام پورا کر کے چاہا کہ جہاز پر سوار ہو کر اپنے وعدہ پر پہنچ جائے اور قرض ادا کر دے لیکن کوئی جہاز نہ ملا۔ تو اس نے یہ کیا کہ ایک لکڑی کو چیر کر اس میں ہزار اشرفیاں اور خط رکھ کر بند کر دیا اور دریا میں ڈال دیا۔ جس نے قرض دیا تھا وہ دریا پر آیا اس خیال سے کہ شاید کوئی جہاز آتا ہو اور میرا مال مجھے ملے لیکن کوئی جہاز نہیں آیا۔ اتنے میں کیا دیکھتا ہے کہ ایک لکڑی تیر رہی ہے تو وہ اس نے اٹھا لی اور گھر لے آیا کہ جلانے کے کام آسکے گی۔ جب اس کو چیرا تو اس میں ہزار اشرفیاں اور خط ملا۔ وہاں میں نے اس روایت کو رد کر دیا تھا کہ اس روایت کو عقل سے اور نقل سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہاں امام صاحب نے اس پر باب باندھ دیا ہے۔ اس لیے باب پر رائے دینا بھی ضروری ہو گیا ہے۔ یہ بات تو ٹھیک ہے کہ کوئی گری پڑی چیز ہو یا لکڑی ہو تو آپ اس کو جلانے کے لیے اٹھا سکتے ہیں۔ لیکن دریا آج کل باربرداری کا بڑا ذریعہ بھی ہیں۔ اوپر پہاڑوں پر درختوں کی لکڑی کاٹ کر دریاؤں میں بہا دیتے ہیں۔ نیچے لکڑی کی منڈیاں ہوتی ہیں۔ وہاں کے تاجر اپنا مال پہچان کر لے لیتے ہیں اگر اس طریقہ سے ہر تیرنے والی لکڑی کو نکال لینے کی اجازت دے دی جائے تو بڑی مشکل پیش آئے گی۔ یہ لقطہ کے حکم میں نہیں ہوتے۔ جس روایت پر امام صاحب نے اپنے موقف کی بنیاد رکھی ہے وہ ایک اسرائیلی قصہ ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ اسرائیلی روایات میں حضرت ابو ہریرہؓ کا نام اس لیے لے لیتے ہیں کہ وہ کثیر الروایت ہیں۔ کسی دوسرے کا نام ہو تو لوگ باور نہیں کریں گے۔ سوال یہ ہے کہ اس قصہ کے نقل کرنے میں فائدہ کیا ہے۔

٦۔ باب: اِذَا وَجَدَ تَمْرَةً فِي الطَّرِيقِ

باب: اس بارے میں کہ آدمی راہ میں گری پڑی کھجور پائے تو کیا حکم ہے

۵۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ طَلْحَةَ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ مَرَّ النَّبِيُّ ﷺ بِتَمْرَةٍ فِي الطَّرِيقِ قَالَ لَوْلَا أَنِّي أَخَافُ أَنْ تَكُونَ مِنَ الصَّدَقَةِ لَأَكَلْتُهَا وَقَالَ

يَحْيَى حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنِي مَنْصُورٌ " وَقَالَ زَائِدَةُ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ طَلْحَةَ حَدَّثَنَا أَنَسٌ " وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُاللَّهِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ " عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ إِنِّي لَأَنْقَلِبُ إِلَى أَهْلِي فَأَجِدُ التَّمْرَةَ سَاقِطَةً عَلَى فِرَاشِي فَأَرْفَعُهَا لِآكُلَهَا ثُمَّ أَخْشَى أَنْ تَكُونَ صَدَقَةً فَأُلْقِيهَا.

﴿حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ گزرے تو راستہ میں ایک کھجور نظر پڑی تو آپ نے فرمایا کہ اگر مجھے یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ یہ صدقہ میں سے ہوگا تو میں اس کو کھالیتا۔ اور حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ میں گھر آتا ہوں تو اپنے بستر پر کھجور پڑی ہوئی پاتا ہوں تو اس کو اٹھاتا ہوں کہ کھالوں، پھر ڈرتا ہوں کہ صدقہ کی نہ ہو تو اس کو میں پھینک دیتا ہوں۔﴾

وضاحت:

اس روایت کے دوسرے حصے میں، جو حضرت ابوہریرہؓ سے منقول ہے، یہ الفاظ ہیں کہ میں اپنے بستر پر کھجور پڑی ہوئی پاتا ہوں۔ اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ آنحضرت ﷺ کے پاس صدقہ کا مال آتا اور غریبوں اور ناداروں میں تقسیم ہوتا رہتا تھا۔ لہذا اس طریقہ سے کوئی کھجور پڑی ہوئی نظر آئے تو شبہ کے لیے معقول وجہ تھی کہ وہ صدقہ کی ہوگی۔ شبہ کرنے کے لیے کوئی بنیاد ہونی چاہیے۔ لیکن راستے میں کہیں گری ہوئی کھجور پائیں تو یہ گمان کیوں ہو کہ وہ صدقہ کی ہوگی۔ حضرت انسؓ میں یہ بات ہے کہ کبھی وہ بات کو اس طرح بیان کر دیتے ہیں کہ ابہام رہ جاتا ہے۔ کھجور کہیں ملے، یہ شک کر لینا کہ صدقے کی ہے اس کے لیے کوئی مظنہ نہیں ہے۔ معقول شبہ ہو تو اس پر عمل کرنا چاہیے۔ اتنی احتیاط کرنا، میرے خیال میں تکلف ہے جبکہ آنحضرت ﷺ نے دین کے بارے میں فرمایا ہے کہ الدین یسر (دین آسان ہے) اور یہ بات بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت کو ضائع کیوں ہونے دیا جائے۔ اس سے فائدہ اٹھانا چاہیے اور فائدہ اٹھانے کے لیے یہ معلوم ہونا چاہیے کہ کوئی چیز ناجائز طریقے سے تو نہیں آ رہی ہے۔ آنحضرت ﷺ کا طریقہ تو بہت سہل تھا۔ آپ باہر سے تشریف لائے، پوچھا کھانے کو کچھ ہے؟ جواب ملا کہ کچھ بھی نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ بات نہیں ہے کہ میں نے دیکھا ہے کہ ہانڈی میں گوشت پک رہا ہے تو انہوں نے کہا کہ وہ بریرہ کا ہے اور اس کو صدقہ میں ملا ہے۔ آپ نے فرمایا لها صدقة ولنا هدية (صدقہ تو وہ اس کے لیے ہے، ہمارے لیے تو ہدیہ ہے) کیا نورانی علم ہے!

آنحضرت ﷺ کے پاس صدقے کا جو مال آتا تھا آپ اپنے کو اس کا حقدار نہیں سمجھتے تھے۔ آپ دنیا کو کھلانے والے تھے، خود صدقہ کیوں کھاتے لیکن آپ کے عمل سے یہ بات نکال لینا کہ تمام بنی ہاشم کے لیے صدقہ جائز نہیں ہے، غلط ہے۔ یہ لوگوں کی ایجاد ہے۔ صدقہ فقراء کا حق ہے، چاہے وہ بنی ہاشم میں سے ہوں یا دوسرے لوگوں میں سے۔ اصل میں بات یہ تھی کہ یہود کے ہاں تمام اموال زکوۃ اور صدقات کے مالک بنی لاوی بن گئے جو حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد تھے۔ آنحضرت ﷺ نے صدقات کے غلط استعمال سے امت کو بچانے کے لیے اپنے آپ کو ان سے بالکل الگ کر لیا۔

آپ نے یہ چاہا کہ بنی لاوی کی طرح لوگ یہ نہ سمجھ لیں کہ آپ کے گھر والوں کو ہی دینا ثواب ہے۔ یہ میری رائے ہے۔ صدقہ کے متعلق یہ جو کہا جاتا کہ وہ میل ہے اس وجہ سے آنحضرت ﷺ نے اپنے لیے حرام کرلیا، یہ حقیقت میں اللہ کی راہ میں دیے گئے بہترین مال کی توہین ہے۔ علاوہ ازیں کیا یہ بات نہیں ہے کہ یہ بات کہنے سے کہ یہ میل ہے، غریبوں کی توہین ہو جاتی ہے۔ صدقہ غریبوں کا حق ہے، قرآن نے اس کو حق بھی کہا ہے۔ حق معلوم للسائل والمحروم۔ حق معلوم کا مطلب کیا ہے؟ جس طریقہ سے بیٹے کا حق ہوتا ہے، وہ خیرات تو نہیں ہوتا۔ اسی طریقہ سے آپ کے مال میں، جب آپ کچھ بچا لیتے ہیں، تو فقراء و مساکین کا حق ہے۔ یہ میرا نظریہ ہے اور مدلل ہے۔

۷. باب: كَيفَ تُعَرَّفُ لُقَطَةُ اَهْلِ مَكَّةَ

وَقَالَ طَاوُس" عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنهُمَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لَا يَلتَقِطُ لُقَطَتَهَا اِلَّا مَنْ عَرَّفَهَا. وَقَالَ خَالِد" عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لَا تُلْتَقَطُ لُقَطَتُهَا اِلَّا لِمُعَرِّفٍ. وَقَالَ اَحمَدُ بْنُ سَعْدٍ حَدَّثَنَا رَوح" حَدَّثَنَا زَكَرِيَّاءُ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ دِينَارٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنهُمَا اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لَا يُعْضَدُ عِضَاهُهَا وَلَا يُنَفَّرُ صَيْدُهَا وَلَا تَحِلُّ لُقَطَتُهَا اِلَّا لِمُنْشِدٍ وَلَا يُختَلَى خَلَاهَا فَقَالَ عَبَّاس" يَا رَسُولَ اللّٰهِ اِلَّا الاِذْخِرَ فَقَالَ اِلَّا الاِذْخِرَ.

باب: اس بارے میں کہ اہل مکہ کے لقطہ کی شناخت کیسے کرائی جائے گی

ابن عباسؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ مکہ میں کوئی کسی کی گری پڑی چیز نہیں اٹھائے گا مگر وہ جو اس کو پہنچوادے اور عکرمہ ابن عباسؓ سے اور وہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ مکہ کا لقطہ پہنچوانے والے کے سوا کوئی نہ اٹھائے۔ عکرمہ ابن عباسؓ سے اور وہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مکہ کی جھاڑیاں نہیں کاٹی جائیں گی اور اس کے شکار کو نہیں بدکایا جائے گا اور اس کا لقطہ کوئی نہیں اٹھائے گا مگر وہ جو اس کا تعارف کرائے اور اس کی گھاس نہیں کاٹی جائے گی۔ اس پر حضرت عباسؓ نے کہا اذخر کی اجازت دے دیجئے یا رسول اللہ! تو آپ نے فرمایا الا الاذخر (اذخر مستثنیٰ ہوگا)

وضاحت:

اس روایت میں وہ احکام جمع ہو گئے ہیں جو حرم اور اس کی حدود کے اندر ملحوظ رکھنے ضروری ہیں۔ اس علاقہ کی جھاڑیاں بھی محترم ہیں اور جانور بھی۔ یہ جائز نہیں کہ آپ جھاڑیوں یا درختوں کو کاٹ دیں اور اگر کوئی جانور کسی درخت کے سائے میں یا کسی چٹان کی اوٹ میں پناہ لیے ہوئے ہو تو آپ اس کو بدکا کر لوگوں کے سامنے لے آئیں تا کہ وہ اس کا شکار کر سکیں۔

جب حضور نے یہ ارشاد فرمایا کہ حدود حرم میں گھاس بھی نہیں کاٹی جائے گی تو اس پر حضرت عباس بن عبدالمطلب بولے کہ یا رسول اللہ اذخر گھاس کو مستثنیٰ قرار دے دیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ گھاس عام ضرورت کی چیز تھی تو حضور نے ان کی اس بات سے اتفاق فرمایا۔

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے یہ حکم بھی دیا کہ حرم کی حدود میں کوئی گری پڑی چیز نظر آئے تو اس کو نہ اٹھایا جائے۔ صرف اسی شخص کو اٹھانے کی اجازت ہے جو اس کا اعلان کرنے والا اور تعارف کرانے والا ہو۔ اس میں بدرجہ اولیٰ وہ لوگ مراد ہوں گے جو اس اعلان پر مامور کیے گئے ہوں۔ اس سے وہ اجازت از خود ختم ہو گئی جو عام لقطہ کے بارے میں ہے کہ سال بھر تک اعلان کرنے کے بعد لقطہ پانے والا حقدار ہو گا کہ اس چیز سے خود فائدہ اٹھا لے۔ اگر یہ مفہوم نہ لیا جائے تو پھر اس کلام کا کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔

مسئلہ یہ نکلا کہ مکہ کا لقطہ کسی حالت میں آپ کے لیے جائز نہیں ہو گا۔ اس کا تعارف کرا دیجئے اور پھر بھی مالک نہیں ملا تو حرم کے بیت المال میں داخل کرا دیجئے۔ آپ اس سے خود فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔

اس معاملہ میں فقہا کی رائے مختلف ہے۔ مالکیہ اور احناف کا مسلک یہ ہے کہ عام لقطہ کے جو احکام ہیں وہی حرم کے لقطہ کے بھی ہیں۔ شوافع یہ کہتے ہیں کہ جو اٹھائے اس پر ذمہ داری ہے کہ وہ مالک تک پہنچائے اور اگر کوئی طالب نہیں آئے گا تو اٹھانے والا اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ میرے نزدیک اس صورت میں لقطہ کو حرم کے بیت المال میں جمع کرا دیا جائے گا۔ امام بخاریؒ اگرچہ اس کے مخالف ہیں مگر ان کی رائے میرے نزدیک غلط سمجھی گئی ہے۔ ان کا مطلب یہ نہیں کہ بیت المال میں نہیں جا سکتا بلکہ یہ ہو گا کہ ضروری نہیں کہ بیت المال ہی میں جائے۔ پھر حکومت مدعی بن جائے گی کہ تم نے داخل کیوں نہ کیا۔

۲۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مُوسٰى حَدَّثَنَا الْوَلِيْدُ بْنُ مُسْلِمٍ حَدَّثَنَا الْاَوْزَاعِیُّ قَالَ حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ كَثِيْرٍ قَالَ حَدَّثَنِي اَبُوسَلَمَةَ بْنُ عَبْدِالرَّحْمٰنِ قَالَ حَدَّثَنِي اَبُوهُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ لَمَّا فَتَحَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ ﷺ مَكَّةَ قَامَ فِي النَّاسِ فَحَمِدَاللّٰهَ وَ اَثْنٰى عَلَيْهِ، ثُمَّ قَالَ: اِنَّ اللّٰهَ حَبَسَ عَنْ مَكَّةَ الْفِيلَ وَسَلَّطَ عَلَيْهَا رَسُوْلَهٗ وَالْمُؤْمِنِيْنَ فَاِنَّهَا لَا تَحِلُّ لِاَحَدٍ كَانَ قَبْلِي وَ اِنَّهَا اُحِلَّتْ لِي سَاعَةً مِنْ نَهَارٍ وَ اِنَّهَا لَا تَحِلُّ لِاَحَدٍ بَعْدِي، فَلَا يُنَفَّرُ صَيْدُهَا، وَلَا يُخْتَلٰى شَوْكُهَا وَلَا تَحِلُّ سَاقِطَتُهَا اِلَّا لِمُنْشِدٍ وَمَنْ قُتِلَ لَهٗ قَتِيلٌ" فَهُوَ بِخَيْرِ النَّظَرَيْنِ اِمَّا اَنْ يُفْدٰى وَ اِمَّا اَنْ يُقِيدَ، فَقَالَ

الْعَبَّاسُ اِلَّا الْاِذْخِرَ فَاِنَّا نَجْعَلُهُ لِقُبُوْرِنَا وَبُيُوْتِنَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِلَّا الْاِذْخِرَ، فَقَامَ اَبُو شَاهٍ رَجُلٌ" مِنْ اَهْلِ الْيَمَنِ فَقَالَ اكْتُبُوْا لِيْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اكْتُبُوْا لِاَبِيْ شَاهٍ، قُلْتُ لِلْاَوْزَاعِيِّ مَا قَوْلُهُ اكْتُبُوْا لِيْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، قَالَ هٰذِهِ الْخُطْبَةَ الَّتِيْ سَمِعَهَا مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ.

﴿حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کے لیے مکہ فتح کرا دیا تو آپ خطبہ دینے کے لیے اٹھے۔ اللہ کی حمد و ثنا کی، پھر فرمایا کہ اللہ نے مکہ سے اہل فیل کو روک دیا اور اس پر اپنے رسول کو اور مومنین کو مسلط کر دیا۔ یاد رکھو کہ یہ مجھ سے پہلے کسی کے لیے جائز نہیں ہوا اور میرے لیے بھی یہ صرف دن کی ایک ساعت کے لیے جائز ہوا، اور میرے بعد کسی کے لیے بھی جائز نہیں ہوگا۔ یاد رکھو کہ نہ اس کے شکار کو چھیڑا جائے اور نہ اس کی جھاڑیاں کاٹی جائیں اور یہاں کی گری پڑی چیز صرف اس کے لیے جائز ہے جو اس کا اعلان کرنے کے لیے اٹھاتا ہے اور جس کا کوئی آدمی قتل ہو جائے تو اس کے لیے دو شکلوں میں سے ایک شکل ہے، یا تو فدیہ لے لے یا قصاص۔ حضرت عباسؓ نے کہا یا رسول اللہ اذخر گھاس کو مستثنیٰ ہونا چاہیے اس لیے کہ ہم اس کو قبروں میں اور گھروں میں بچھاتے ہیں۔ اس پر آپ نے فرمایا الا الاذخر۔ پھر اہل یمن میں سے ایک شخص ابو شاہ کھڑا ہوا اور کہا یا رسول اللہ یہ مجھ کو لکھوا دیجئے۔ آپ نے فرمایا ابو شاہ کے لیے لکھ دو۔ میں نے امام اوزاعی سے پوچھا کہ اس کا کیا مطلب ہے کہ میرے لیے لکھوا دیجئے۔ انہوں نے کہا یعنی یہ خطبہ جو رسول اللہ ﷺ سے سنا تھا۔﴾

وضاحت:

اس خطبہ کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ فتح مکہ کے فوری بعد نہیں دیا گیا تھا بلکہ قتل کا ایک واقعہ ہوا تھا۔ تو اس کے بعد دیا گیا تھا۔ لیکن اس سے کوئی فرق پیدا نہیں ہوتا، ایک ہی سلسلہ کی بات ہے۔ دوسرے یہ کہ لفظ فیل ہے یا قتل ہے تو ہمارے نزدیک یہ ہے کہ واضح طور پر اصحاب فیل کو مکہ سے روک دیا تھا، لہٰذا وہی لفظ مراد ہے۔ لا تحل کا مطلب یہ ہے کہ اس میں تلوار اٹھانا جائز نہیں ہے۔ حرم دار الامن ہے۔ یہ کسی کے لیے نہ پہلے جائز تھا اور نہ بعد میں ہوگا۔ آنحضرت ﷺ کے لیے بھی صرف کچھ وقت کے لیے جائز ہوا تھا۔ اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر کوئی شکل ویسی ہی پیدا ہو جائے کہ ہر وقت خطرہ ہے تب کیا ہوگا۔ تو حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حملہ آور کے لیے جائز نہیں رہا البتہ ہمارے اور آپ کے لیے اس کا دفاع جائز ہوگا۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ دفاعی طور پر کوئی کارروائی کرنے میں حرم رکاوٹ نہیں ہے البتہ کوئی اقدام اس کی حرمت کے

منافی نہ ہو۔ حرم کے احترام کا تقاضا یہ بھی ہے کہ اس میں شکار کو مامون ہونا چاہیے۔ آپ اس کو چھیڑ نہیں سکتے اور اس کی جھاڑیاں اور اس کے کانٹے بھی نہیں کاٹے جائیں گے۔ اور اس کی گری پڑی چیز اٹھانا جائز نہیں ہے مگر اس کے لیے جو اس کے آگاہ کرنے کی ذمہ داری لے۔ اس کی وضاحت اوپر ہو چکی ہے۔ گری پڑی چیز اٹھانا جائز نہیں الا المنشد (صرف اس کے لیے جائز ہے جو خبر کردے) تو اس حصر کا فائدہ کیا ہے؟ اس میں نفی کس بات کی ہوگی۔ اس بات کی کہ اس شخص کے لیے لقطہ کو اٹھانا کسی شکل میں جائز نہیں کہ اگر اس کا طالب نہیں ملا تو وہ اس کو برت لے، تب حصر کا فائدہ ہوگا۔ ورنہ گری پڑی چیز وہیں پڑی رہنے دی جائے گی۔ مالکیہ اور احناف کا مذہب میرے نزدیک کمزور ہے۔ شوافع اس کا کوئی حل نہیں بتاتے۔ میری رائے یہ ہے کہ اول تو کوئی اٹھائے نہیں اور اگر اٹھالیتا ہے تو اس کا فرض ہے کہ جب منادی کر کے تھک جائے تو حرم کی انتظامیہ کے حوالے کردے۔ آخر میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ یاد رکھو جس کا کوئی آدمی قتل ہو جائے تو دو معاملوں میں سے ایک کا اختیار اس کو ہے۔ چاہے تو فدیہ لے یا چاہے تو قصاص۔ جہاں تک فدیہ کا تعلق ہے میری رائے یہ ہے کہ یہ مقتول کے ورثا کی مرضی پر ہے۔ جن کی رائے یہ ہے کہ فدیہ کے لیے مجبور کیا جا سکتا ہے، تو یہ غلط ہے۔ اس زمانے میں فدیہ سو اونٹ تھے۔ اس زمانے میں سو اونٹ رکھا گیا تو فشار ہو جائے گا۔ اس زمانے میں ایک زحمت یہ بھی ہے کہ عاقلہ موجود نہیں ہے۔ عرب میں عاقلہ کا وجود تھا۔ آدمی کے درجہ بدرجہ قریبی اعزہ کو عاقلہ کہتے تھے۔ دیت جتنی ہوتی تھی عاقلہ پر پڑتی تھی اور اس طریقہ سے اس مسئلہ کا حل بھی تھا اور یوں بھی عاقلہ ہر وقت بیدار رہتی تھی کہ ہمارا کوئی شریر آدمی کوئی حرکت نہ کر بیٹھے۔ اب عاقلہ آپ پیدا نہیں کر سکتے، کون یہ ٹھیکہ وصول لے گا۔ دیت کے معاملہ میں اس دور میں یہ ایک قابل غور مسئلہ ہے۔

٨. باب: لَا تُحْتَلَبُ مَاشِيَةُ اَحَدٍ بِغَيْرِ اِذْنٍ

باب: اس بارے میں کہ کسی کے جانور کا دودھ بغیر اجازت کے نہ دوہا جائے

۷۔ حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ اَخْبَرَنَا مَالِكٌ" عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لَا يَحْلُبَنَّ اَحَدٌ" مَاشِيَةَ اُمْرِئٍ بِغَيْرِ اِذْنِهِ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تُؤْتَى مَشْرُبَتُهُ فَتُكْسَرَ خِزَانَتُهُ فَيُنْتَقَلَ طَعَامُهُ فَاِنَّمَا تَخْزُنُ لَهُمْ ضُرُوعُ مَوَاشِيهِمْ اَطْعِمَاتِهِمْ فَلَا يَحْلُبَنَّ اَحَدٌ" مَاشِيَةَ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِهِ.

﴿حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی بھی کسی دوسرے کے جانور کو اس کے اذن کے بغیر نہ دوہے۔ کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرتا ہے کہ کوئی اس کے غلہ کے ذخیرہ میں گھس جائے پھر اس کے تھیلوں کو توڑ کر ان سے غلہ منتقل کرلے تو یاد رکھو اسی طریقہ سے لوگوں کے مویشیوں کے تھن ان کی غذا کے ذخیرے ہیں تو جائز نہیں ہے کہ تم میں سے کوئی کسی کے مویشی کو بلا اجازت دوہ لے۔﴾

وضاحت:

یہ چیز وہاں عرب میں پیش آسکتی تھی۔ صحرا میں بکریوں کا دودھ دوہ لیا اور پی لیا۔ اور یہی ان کا ایک طرح کا ہوٹل تھا۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام مالک کا مسلک یہ ہے کہ وہ اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے۔ وہ ان روایات سے فائدہ اٹھاتے ہیں جن میں کہا گیا ہے کہ تین مرتبہ آواز دو اگر کوئی چرواہا نہیں ہے تو دودھ دوہ کر پی لو۔ امام بخاری اس کے خلاف ہیں اور ان کا مذہب ٹھیک ہے۔ اس لیے کہ جب یہ حدیث موجود ہے تو پھر ان روایتوں کی کوئی ذمہ داری تو نہیں ہے۔

٩. باب: إِذَا جَاءَ صَاحِبُ اللُّقَطَةِ بَعْدَ سَنَةٍ رَدَّهَا عَلَيْهِ لِأَنَّهَا وَدِيعَةٌ عِنْدَهُ.

باب: اس بارے میں کہ گری پڑی چیز کا مالک سال گزرنے کے بعد آئے تب بھی چیز پانے والے کو لوٹانا پڑے گا کیونکہ وہ اس کے پاس امانت تھی

٨۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا إِسْمٰعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ أَبِي عَبْدِالرَّحْمٰنِ عَنْ يَزِيدَ مَوْلَى الْمُنْبَعِثِ عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ عَنِ اللُّقَطَةِ قَالَ عَرِّفْهَا سَنَةً ثُمَّ اعْرِفْ وِكَاءَهَا وَعِفَاصَهَا، ثُمَّ اسْتَنْفِقْ بِهَا، فَإِنْ جَاءَ رَبُّهَا فَأَدِّهَا إِلَيْهِ، قَالُوا يَا رَسُولَ اللّٰهِ فَضَالَّةُ الْغَنَمِ، قَالَ خُذْهَا، فَإِنَّمَا هِيَ لَكَ أَوْ لِأَخِيكَ أَوْ لِلذِّئْبِ، قَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ فَضَالَّةُ الْإِبِلِ قَالَ فَغَضِبَ رَسُولُ اللّٰهِ حَتّٰى احْمَرَّتْ وَجْنَتَاهُ، أَوِ احْمَرَّ وَجْهُهُ ثُمَّ قَالَ مَالَكَ وَلَهَا مَعَهَا حِذَاؤُهَا وَسِقَاؤُهَا حَتّٰى يَلْقَاهَا رَبُّهَا.

﴿زید بن خالد جہنی سے روایت ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت ﷺ سے لقطہ کے بارے میں پوچھا۔ آپ نے فرمایا ایک سال تک اس کا تعارف کراتا رہ، پھر اس کا بندھن اور تھیلی پہچان رکھ۔ اس کے بعد اس کو خرچ کر ڈال۔ اگر اس کا مالک آجائے تو ادا کر دے۔ لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ بھولی بھٹکی بکری کو کیا کریں۔ آپ نے فرمایا اس کو پکڑ لو، وہ تیری ہے یا تیرے بھائی کی یا بھیڑیے کی۔ اس نے کہا یا رسول اللہ اور بھولا بھٹکا اونٹ ہو تو؟ یہ سن کر آپ غصے ہو گئے یہاں تک کہ آپ کے دونوں گال سرخ ہو گئے یا چہرہ سرخ ہو گیا۔ آپ نے فرمایا اونٹ سے تجھ کو کیا کام، اس کے ساتھ اس کا موزہ ہے، مشکیزہ ہے اس کا مالک جب آئے گا اس کو لے لے گا۔﴾

وضاحت:

امام صاحب نے باب باندھا ہے کہ جب لقطہ کا مالک ایک سال بعد آئے تو پانے والا اس کو لوٹا دے گا کیونکہ وہ اس کے پاس امانت تھی۔ میرے نزدیک اس اونٹ کی کوئی کل سیدھی نہیں ہے۔ امانت میں اور لقطہ میں آسمان اور زمین کا فرق ہے۔ ایک شخص اپنی مملوکہ شے، جو ہو سکتا ہے اس کو محبوب بھی ہو جان بوجھ کر ایک دوسرے شخص کے حوالے کرتا ہے جس پر اس کو اعتماد بھی ہے۔ یہ ہوئی امانت۔ لقطہ یہ ہے کہ کوئی گری پڑی چیز آپ کے ہاتھ لگ گئی۔ آپ کے لیے یہی بہت ہے کہ ایک سال آپ اس کا تعارف کرائیں۔ اب یہ ہے کہ ایک سال گزرنے کے بعد جب یہ اجازت دی کہ ثم استنفق بھا پھر اس کو خرچ کر لو تو یہ کہنا کہ اس مدت کے بعد وہ آئے تو اس کو لوٹانا ضروری ہو، یہ بات تو بالکل انصاف کے خلاف ہے۔ جب پانے والے نے خرچ کر لیا تو اس نے وہ چیز خرچ کر لی جو اس کے لیے جائز تھی۔ البتہ ایک شکل ہے وہ یہ کہ آپ نے خرچ کر لیا اور ایک شخص اس کے بعد آیا اور آپ کے حالات ایسے ہیں کہ آپ دے سکتے ہیں تو دے دیں۔ یہ آپ کا احسان ہوگا۔ آپ کے اوپر ودیعت یا امانت کا بوجھ نہیں تھا۔ دوسرے یہ بات بھی ہے کہ حدیث میں کہیں ودیعت کا لفظ نہیں ہے۔ امام صاحب نے باب میں یہ لفظ استعمال کر دیا ہے اور تصور دیا ہے کہ اس مال کی حیثیت امانت کی ہے۔ روایت میں ایسا نہیں ہے۔ میری رائے یہی ہے کہ سال گزرنے کے بعد اگر وہ مالک کو لوٹا دے تو اس کا احسان ہے، یہ اس کی ذمہ داری نہیں ہے۔ میرے نزدیک امام صاحب نے باب غلط باندھا ہے اور ان کا فتویٰ بھی صحیح نہیں۔

١٠. باب: هَلْ يَأْخُذُ اللُّقَطَةَ وَلَا يَدَعُهَا تَضِيعُ حَتَّى لَا يَأْخُذَهَا مَنْ لَا يَسْتَحِقُّ.

باب: اس بارے میں کہ کیا گری پڑی چیز کا اٹھا لینا بہتر ہے تا کہ ایسا نہ ہو کہ وہ ضائع ہو جائے یا کوئی غیر مستحق اس کو پالے۔

٩۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ كُهَيْلٍ قَالَ سَمِعْتُ سُوَيْدَ بْنَ غَفَلَةَ قَالَ كُنْتُ مَعَ سَلْمَانَ بْنِ رَبِيعَةَ وَ زَيْدِ بْنِ صُوحَانَ فِي غَزَاةٍ فَوَجَدْتُ سَوْطًا فَقَالَ لِي أَلْقِهِ قُلْتُ لَا، وَلَكِنْ إِنْ وَجَدْتُ صَاحِبَهُ وَ إِلَّا اسْتَمْتَعْتُ بِهِ فَلَمَّا رَجَعْنَا حَجَجْنَا فَمَرَرْتُ بِالْمَدِينَةِ فَسَأَلْتُ أُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَقَالَ وَجَدْتُ صُرَّةً عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ فِيهَا مِائَةُ دِينَارٍ فَأَتَيْتُ بِهَا النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ عَرِّفْهَا حَوْلًا فَعَرَّفْتُهَا حَوْلًا، ثُمَّ أَتَيْتُ فَقَالَ عَرِّفْهَا حَوْلًا فَعَرَّفْتُهَا حَوْلًا ثُمَّ أَتَيْتُهُ فَقَالَ عَرِّفْهَا حَوْلًا فَعَرَّفْتُهَا حَوْلًا ثُمَّ أَتَيْتُهُ الرَّابِعَةَ فَقَالَ اعْرِفْ عِدَّتَهَا وَوِكَاءَهَا وَ

وِعَاءَ هَا فَإِنْ جَاءَ صَاحِبُهَا وَ إِلَّا اسْتَمْتِعْ بِهَا.

﴿سوید بن غفلۃ کہتے ہیں کہ میں ایک لڑائی میں سلمان بن ربیعہ اور زید بن صوحان کے ساتھ تھا۔ میں نے ایک کوڑا دیکھا تو اس کو اٹھالیا۔ مجھ سے انہوں نے کہا کہ پھینک دو میں نے کہا نہیں پھینکتا۔ اگر اس کے مالک کو پایا تو اس کو دے دوں گا ورنہ اپنے کام میں لاؤں گا۔ جب ہم غزوہ سے لوٹے تو حج کیا۔ پھر مدینہ میں گزر رہا تھا کہ ابی بن کعبؓ ملے۔ میں نے ان سے اس بارے میں پوچھا۔ انہوں نے کہا کہ نبی ﷺ کے زمانے میں مجھے ایک تھیلی ملی تھی۔ میں اس کو لے کر آپ کے پاس آیا۔ آپ نے فرمایا ایک سال تک اس کو متعارف کراؤ۔ میں ایک سال تک پوچھتا رہا۔ پھر آپؐ کے پاس آیا تو آپؐ نے فرمایا ایک سال اور پوچھتا رہ۔ میں نے ایک سال اور ایسا ہی کیا پھر آپؐ کے پاس آیا تو آپ نے فرمایا ایک سال اور پوچھتا رہ۔ میں نے ایک سال اور ایسا ہی کیا اور چوتھی بار آپ کے پاس آیا تو آپ نے فرمایا اس کی گنتی اور بندھن اور تھیلی خیال میں رکھ۔ اگر اس کا مالک آئے تو خیر ورنہ خرچ کر ڈال۔﴾

وضاحت:

اس ضمن میں ایک روایت پہلے گزر چکی ہے۔ وہاں بھی یہ تھا اور یہاں بھی اگلی روایت میں آ رہا ہے کہ راوی کہتے ہیں کہ مجھے یاد نہیں تین سال بتلانے کو کہا تھا یا ایک سال۔ سوال یہ ہے کہ کیا یہ بھولنے کی بات ہے۔ اصل معاملہ یہ ہے کہ کیا گری پڑی چیز کو اٹھالینا بہتر ہے یا نہ اٹھانا بہتر ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کسی غریب کا مال ہو اور اس طریقہ سے اٹھالینے سے اس تک پہنچ جائے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کسی مسلمان کا مال ہے اور نہ اٹھانے سے کسی شرابی کبابی کے ہاتھ لگ جائے۔ مال ایک قیمتی چیز ہے اس کو چھوڑنا درست نہیں ہے۔ سوید بن غفلہ نے ٹھیک کیا کہ کوڑا اٹھالیا۔ جن صاحب نے کہا کہ مت اٹھاؤ، پھینک دو، ان کی رائے درست نہیں ہے۔ گرا پڑا مال اٹھالینا چاہیے اور معروف روایت کے مطابق ایک سال تک تعارف کرایا جائے اور اس مدت تک کوئی نہیں آیا تو اٹھانے والا استعمال کرنے میں حق بجانب ہے۔ واپس کرنے کی ذمہ داری اس پر نہیں ہے اگر کرے گا تو نیکی ہے۔

۱۰۔ حَدَّثَنَا عَبْدَانُ قَالَ اَخْبَرَنِي اَبِي عَنْ شُعْبَةَ عَنْ سَلَمَةَ بِهٰذَا قَالَ فَلَقِيْتُهُ بَعْدُ بِمَكَّةَ، فَقَالَ لَا اَدْرِي اَثَلَاثَةَ اَحْوَالٍ اَوْ حَوْلًا وَاحِدًا.

﴿شعبہ یہی حدیث سلمہ سے روایت کرتے ہیں۔ شعبہ کہتے ہیں پھر میں سلمہ سے مکہ میں ملا تو وہ کہنے لگے میں نہیں جانتا تین سال تک بتلانے کا ذکر کیا تھا یا ایک سال تک۔﴾

وضاحت:

یہ وہی اوپر والی بات ہے۔ ایک ذی ہوش آدمی نہیں بھول سکتا اس لیے یہ روایت مشکوک ہے۔ معروف روایت یہی ہے کہ ایک سال تک تعارف کرایا جائے گا۔

۱۱. باب: مَنْ عَرَّفَ اللُّقَطَةَ وَلَمْ يَدْفَعْهَا إِلَى السُّلْطَانِ

باب: اس بارے میں کہ جس نے لقطہ کا تعارف تو کرا دیا لیکن حکومت کے حوالے نہیں کیا

۱۱۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ رَبِيعَةَ عَنْ يَزِيدَ مَوْلَى الْمُنْبَعِثِ عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ أَعْرَابِيًّا سَأَلَ النَّبِيَّ ﷺ عَنِ اللُّقَطَةِ قَالَ عَرِّفْهَا سَنَةً فَإِنْ جَاءَ أَحَدٌ يُخْبِرُكَ بِعِفَاصِهَا وَوِكَائِهَا وَ إِلَّا فَاسْتَنْفِقْ بِهَا، وَسَأَلَهُ عَنْ ضَالَّةِ الْإِبِلِ فَتَمَعَّرَ وَجْهُهُ وَقَالَ مَالَكَ وَلَهَا مَعَهَا سِقَاؤُهَا وَحِذَاؤُهَا تَرِدُ الْمَاءَ وَتَأْكُلُ الشَّجَرَ دَعْهَا حَتَّى يَجِدَهَا رَبُّهَا، وَسَأَلَهُ عَنْ ضَالَّةِ الْغَنَمِ فَقَالَ هِيَ لَكَ أَوْ لِأَخِيكَ أَوْ لِلذِّئْبِ.

﴿ زید بن خالدؓ سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک اعرابی نے نبی ﷺ سے گری پڑی چیز کے بارے میں پوچھا۔ آپ نے فرمایا ایک سال تک پوچھتا رہ، پھر اگر کوئی آئے اور اس کی تھیلی اور بندھن کے بارے میں ٹھیک ٹھیک بتائے تو اس کے حوالے کر دے ورنہ خرچ کر ڈال۔ اور اس نے بھولے بھٹکے اونٹ کے بارے میں پوچھا، آپ کا چہرہ متغیر ہو گیا، آپ نے فرمایا اونٹ سے تجھے کیا واسطہ، اس کا زادو راحلہ اس کے ساتھ ہے، پانی پی لیتا ہے، درخت کے پتے کھا لیتا ہے۔ اس کا مالک جب آئے گا اس کو لے لیگا۔ پھر اس نے بھٹکی بکری کو پوچھا تو آپ نے فرمایا وہ تیری ہے یا تیرے بھائی کی یا بھیڑیے کی۔ ﴾

وضاحت:

ایک سال تک لقطہ اٹھانے والے کی ذمہ داری ہے کہ پوچھتا رہے۔ اس کے بعد اس کو اجازت ہے کہ اس کو خرچ کر لے۔ خرچ کرنے کے بعد ودیعت یا امانت کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

۱۲. باب: ایک باب

۱۲۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ أَخْبَرَنَا النَّضْرُ أَخْبَرَنَا إِسْرَائِيلُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ قَالَ أَخْبَرَنِي الْبَرَاءُ عَنْ أَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا حَدَّثَنَا عَبْدُاللَّهِ ابْنُ رَجَاءٍ حَدَّثَنَا إِسْرَائِيلُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنِ الْبَرَاءِ عَنْ أَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ انْطَلَقْتُ فَإِذَا أَنَا بِرَاعِي غَنَمٍ يَسُوقُ غَنَمَهُ فَقُلْتُ لِمَنْ أَنْتَ قَالَ لِرَجُلٍ مِنْ قُرَيْشٍ فَسَمَّاهُ فَعَرَفْتُهُ، فَقُلْتُ هَلْ فِي غَنَمِكَ مِنْ لَبَنٍ، فَقَالَ نَعَمْ فَقُلْتُ

هَلْ اَنْتَ حَالِبٌ" لِي قَالَ نَعَمْ فَاَمَرْتُهُ فَاعْتَقَلَ شَاةً مِنْ غَنَمِهِ ثُمَّ اَمَرْتُهُ اَنْ يَنْفُضَ ضَرْعَهَا مِنَ الْغُبَارِ ثُمَّ اَمَرْتُهُ اَنْ يَنْفُضَ كَفَّيْهِ فَقَالَ هٰكَذَا ضَرَبَ اِحْدٰى كَفَّيْهِ بِالْاُخْرٰى فَحَلَبَ كُثْبَةً مِنْ لَبَنٍ وَقَدْ جَعَلْتُ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اِدَاوَةً عَلٰى فَمِهَا خِرْقَةٌ" فَصَبَبْتُ عَلَى اللَّبَنِ حَتّٰى بَرَدَ اَسْفَلُهُ، فَانْتَهَيْتُ اِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقُلْتُ اشْرَبْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَشَرِبَ حَتّٰى رَضِيْتُ.

﴿حضرت ابوبکرؓ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں چلا تو میں نے دیکھا کہ ایک چرواہا اپنی بکریوں کو ہانکے جا رہا ہے۔ میں نے پوچھا کس کے چرواہے ہو۔ اس نے جواب دیا کہ قریش کے ایک شخص کا اور اس کا نام لیا تو میں اس کو پہچان گیا۔ میں نے پوچھا کیا تمہاری بکریوں میں سے دودھ مل جائے گا۔ اس نے کہا جی ہاں۔ چنانچہ اس نے دودھ دوہنے کے لیے ریوڑ میں سے ایک بکری باندھ دی۔ میں نے کہا ذرا اس کے تھن سے غبار جھاڑ لے۔ پھر اس سے میں نے کہا کہ اپنے ہاتھ بھی جھاڑ لے تو اس نے ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ پر مار کر جھاڑ لیا اور ایک پیالہ بھر دودھ نچوڑا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کے لیے پانی کی ایک چھاگل رکھ لی تھی جس کے منہ پر کپڑا بندھا تھا تو میں نے پانی دودھ پر ڈالا اور وہ نیچے تک ٹھنڈا ہو گیا۔ میں نبی ﷺ کی خدمت میں گیا اور کہا یا رسول اللہ سے پی لیجئے تو آپ نے اتنا پیا کہ میرا دل خوش ہو گیا۔﴾

وضاحت:

یہ ہجرت کی روایت ہے اور دوران سفر کے ایک واقعہ کی روایت کرنے والے خود حضرت ابوبکرؓ ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ میں آنحضرت ﷺ کو سفر کے دوران کہیں بٹھا کر چلا کہ کچھ کھانے پینے کا بندوبست کروں۔ راستہ میں ایک چرواہا ملا تو میں نے اس سے دودھ طلب کیا اور بڑے اہتمام کے ساتھ بکری کو دوہنے کے لیے کہا۔ دودھ کو پانی ملا کر ٹھنڈا کیا اور پیالہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش کیا کہ نوش فرمائیں۔ آپ نے اتنا دودھ پیا کہ میں خوش ہو گیا۔ یعنی دودھ تو پیا آنحضرت ﷺ نے اور کلیجہ ٹھنڈا ہوا حضرت ابوبکرؓ کا۔ سبحان اللہ یہ سچی عقیدت و محبت ہے۔

روایت بہت شاندار اور ہماری تاریخ کا قیمتی سرمایہ ہے۔ لیکن نہ اوپر کے ابواب سے اس کا کوئی تعلق ہے اور نہ اوپر کے مضامین سے۔ اس باب کی کوئی عبارت بھی نہیں، گویا یہ روایت بلا عنوان درج کر دی گئی ہے۔

میری قطعی رائے یہی ہے کہ صحیح بخاری کی ترتیب و تہذیب نہیں ہو سکی اور اس کی روایت شروع ہو گئی۔ اس میں بے قاعدگیاں موجود ہیں جن سے ہمارے علماء نکتے نکالتے رہتے ہیں۔

كتاب في المظالم والغصب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

كتاب فی المظالم والغصب

مظالم اور جبری قبضہ کے بارے میں کتاب

وَقَوْلُ اللّٰهِ تَعَالٰى: وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ، اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ مُهْطِعِيْنَ مُقْنِعِيْ رُءُوْسِهِمْ، وَالْمُقْنِعُ وَالْمُقْمِحُ وَاحِدٌ"، وَقَالَ مُجَاهِدٌ": مُهْطِعِيْنَ مُدِيْمِي النَّظَرِ، وَيُقَالُ مُسْرِعِيْنَ لَا يَرْتَدُّ اِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ وَ اَفْئِدَتُهُمْ هَوَاءٌ" يَعْنِيْ جُوْفًا لَا عُقُوْلَ لَهُمْ وَ اَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَاْتِيْهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رَبَّنَا اَخِّرْنَا اِلٰى اَجَلٍ قَرِيْبٍ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ وَ نَتَّبِعِ الرُّسُلَ اَوَلَمْ تَكُوْنُوْا اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ مَالَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ وَّسَكَنْتُمْ فِيْ مَسٰكِنِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ وَتَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ وَضَرَبْنَا لَكُمُ الْاَمْثَالَ وَقَدْ مَكَرُوْا مَكْرَهُمْ وَعِنْدَاللّٰهِ مَكْرُهُمْ وَ اِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ" ذُوانْتِقَامٍ.

یہ کتاب اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے بارے میں بھی ہے کہ" اور ظالموں کے اعمال سے اللہ کو غافل نہ سمجھنا" اللہ ان کو اس دن تک مہلت دے رہا ہے جس دن آنکھیں پتھرا جائیں گی۔ سر اوپر کو اٹھائے دوڑتے ہوں گے، مقنع اور مقمح کے معنی ایک ہی ہیں اور مجاہد نے کہا مھطعین کے معنی برابر نظر ڈالنے والوں کے ہیں اور بعضوں نے کہا اس کے معنی جلدی بھاگنے والے کے ہیں۔ "ان کی نگاہ واپس نہ لوٹے گی اور دلوں کے چھکے چھوٹ جائیں گے"۔ یعنی عقل سے خالی ہو جائیں گے۔" اور ان لوگوں کو اس دن سے ڈرا جب ان پر عذاب اترے گا۔ اس دن نافرمان لوگ کہیں گے اے رب ہم کو تھوڑی مہلت اور دے تو ہم تیرا حکم مان لیں

گے اور رسولوں کی پیروی کریں گے۔ کیا تم نے پہلے یہ قسم نہیں کھائی تھی کہ ہم کو کبھی زوال نہیں ہونے کا اور تم نافرمانوں کے گھروں میں جا بسے تھے اور تم کو معلوم ہو گیا تھا کہ ہم نے ان سے کیا کیا اور ہم نے تم کو مثالیں بتا دیں۔ اور یہ بڑے داؤ کر رہے تھے اور اللہ کے پاس ان کا داؤ توڑ ہے، اور ان کے مکر ایسے ہیں کہ ان سے پہاڑ سرک جائیں گے۔ تو تم یہ مت سمجھو کہ اللہ اپنے وعدہ کے خلاف کرے گا جو اس نے رسولوں سے کیا۔ بے شک اللہ غالب ہے بدلہ لینے والا"۔

اس کتاب میں امام صاحب ایسی احادیث لانا چاہتے ہیں جو لوگوں کی ایک دوسرے پر ظلم اور زیادتی اور ان کے مال چھپانے کے بارے میں ہیں۔ نیز اس کتاب میں اہل شرک اور رسولوں کے مکذبین کے بارے میں احادیث پیش کی جائیں گی۔ جو آیت نقل کی گئی ہے وہ مشرکین کے انجام کے بارے میں ہے۔

۱۔ باب: قِصَاصِ الْمَظَالِمِ

باب: ظلم کا قصاص

۱۔ حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ أَخْبَرَنَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَبِي الْمُتَوَكِّلِ النَّاجِيِّ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ إِذَا خَلَصَ الْمُؤْمِنُونَ مِنَ النَّارِ حُبِسُوا بِقَنْطَرَةٍ بَيْنَ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ فَيَتَقَاصُّونَ مَظَالِمَ كَانَتْ بَيْنَهُمْ فِي الدُّنْيَا، حَتّٰى إِذَا نُقُّوا وَهُذِّبُوا، أُذِنَ لَهُمْ بِدُخُولِ الْجَنَّةِ ، فَوَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ ﷺ بِيَدِهِ، لَأَحَدُهُمْ بِمَسْكَنِهِ فِي الْجَنَّةِ، أَدَلُّ بِمَنْزِلِهِ كَانَ فِي الدُّنْيَا. وَقَالَ يُونُسُ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا شَيْبَانُ عَنْ قَتَادَةَ حَدَّثَنَا أَبُو الْمُتَوَكِّلِ.

﴿حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب ایمان دار لوگ دوزخ سے نجات پا کر نکل آئیں گے تو بہشت اور دوزخ کے درمیان ایک پل پر روک لیے جائیں گے اور دنیا میں جو ظلم انہوں نے ایک دوسرے پر کیا تھا آپس میں اس کا بدلہ چکائیں گے۔ جب وہ پاک اور ظلم کے گناہ سے صاف ہو جائیں گے تو ان کو بہشت میں داخل ہونے کی اجازت ملے گی۔ قسم اس کی جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے ہر شخص کو بہشت میں اپنی جائے سکونت دنیا میں اس کے مکان سے بڑھ کر معلوم رہے گی۔﴾

وضاحت:

اس روایت میں پہلے مرحلہ میں اہل ایمان کے دوزخ سے نجات پانے کا ذکر ہے۔ جب وہ جنت کی طرف بڑھنا چاہیں گے تو ایک رکاوٹ اور سامنے ہوگی۔ جنت اور دوزخ کے درمیان ایک پل ہوگا جب وہ اس کو عبور کرنا چاہیں گے تو ان کو روک لیا جائے گا اور حکم دیا جائے گا کہ وہ اس ظلم کا قصاص ایک دوسرے کو دیں جو انہوں نے دنیا میں آپس میں ڈھایا۔ اس طرح جب ان کا دامن ہر طرح کے ظلم و زیادتی اور گناہ وغیرہ سے صاف ہو جائے گا تو اگلے مرحلہ میں ان کو جنت میں داخلہ کی اجازت ملے گی۔ جنت میں ہر شخص کو اپنی قیام گاہ اس سے زیادہ وضاحت سے معلوم ہوگی جتنا وہ دنیا میں اپنے مکان کو پہچانتا ہے۔

اس روایت میں مومنین کا لفظ عام استعمال ہوا ہے، لیکن روایات سے یہ متعین نہیں ہوتا کہ یہ کون سے اہل ایمان ہیں۔ اگر تو ہر مومن کو دوزخ میں ڈال کر پہلے تپایا جاتا ہے تو غور کیجئے اس نشتر کی زد سے کون بچے گا۔ اگر آپ لفظ مومنین سے کچھ خاص لوگ مراد لیں تو قرینہ اس بات کا ہوسکتا ہے کہ یہ وہ لوگ ہوں گے جو دنیا میں بڑے جرائم کے مرتکب ہوئے۔ ایسے لوگوں کے ذاتی گناہ تو دوزخ کی آگ میں جلا کر ختم کر دیے جائیں گے لیکن بندوں کے حقوق سے متعلق گناہوں کے قصاص لینے کی خاطر ان کو روک لیا جائے گا۔ چنانچہ جب وہ اپنے معاملات کو نپٹا لیں گے تب ان کو جنت میں داخلہ کا اذن ملے گا۔

اگر صورت حال یہی ہے تو اس پر کئی سوالات پیدا ہوتے ہیں۔ اول تو پورا قرآن پڑھ جائیے اس میں ان لوگوں کے لیے جنت کا ذکر ملے گا جن کے نیکی کے پلڑے بھاری ہوں گے۔ اور ان لوگوں کو جہنم کے حوالہ کیے جانے کا ذکر ہے جن کے نیکی کے پلڑے ہلکے ہوں گے۔ قرآن ایسے لوگوں کے ذکر سے بالکل خالی ہے جن کو پہلے جہنم میں ڈال کر تپایا جائے گا اور جب ان کی برائیاں بھسم ہو جائیں گی تو ان کو دوزخ سے جنت میں منتقل کر دیا جائے۔ اس سلسلہ میں یہود کے ایک دعویٰ کا قرآن نے ضرور ذکر کیا ہے۔ وہ کہتے تھے کہ ان کو جہنم کی آگ بس چند دن تکلیف پہنچائے گی۔ اس کے بعد وہ جنت میں داخل کر دیے جائیں گے۔ قرآن نے اس عقیدہ کو دوٹوک انداز میں رد کیا ہے۔ اس کو بے پر کی اڑائی ہوئی خبر قرار دیا ہے اور پوچھا ہے کہ اس بارے میں خدا نے تم سے کوئی خصوصی عہد باندھا ہے جس کی خلاف ورزی وہ نہیں کرے گا۔ اگر یہ عقیدہ یہود کے لیے بے بنیاد تھا تو دوسرے لوگوں کے لیے کیوں کر درست ٹھہرے گا۔ اللہ کے قوانین مختلف قوموں کے لیے نہیں بدلتے۔

دوم، قیامت کے روز جو میزان عدل قائم ہوگی اس میں ہر شخص کے افعال واعمال کو تول کر معلوم کر لیا جائے گا کہ ان میں حق کتنا تھا اور باطل کتنا۔ اسی حساب کتاب کے نتیجہ میں لوگوں کے انجام کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔ اہل ایمان اور کفار دونوں کے لیے ایک ہی میزان ہوگی۔ کسی کے لیے الگ میزان نصب نہیں کی جائے گی۔

سوم، جس پل کا ذکر کیا گیا ہے وہ معروف پل صراط نہیں ہوسکتا۔ اس کا محل وقوع دوزخ کے اوپر ہوگا جبکہ یہ پل

دوزخ اور جنت کے درمیان ہے۔ روایت سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ یہ پل کس چیز کو عبور کرنے کے لیے بنایا جائے گا۔

ہمارے نزدیک احوال غیب کے یہ تمام واقعات جب تک قرآن سے ثابت نہ ہوں یا ان کے لیے اشارات اس میں نہ پائے جاتے ہوں تو ان کو روایات کی مدد سے ثابت کرنا درست نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

۲. باب: قَولِ اللّٰہِ تَعَالَی: اَلَا لَعْنَۃُ اللّٰہِ عَلَی الظَّالِمِینَ

باب: اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ سن لو ظالموں پر اللہ کی پھٹکار ہے

۲۔ حَدَّثَنَا مُوسٰی بْنُ اِسْمٰعِیلَ حَدَّثَنَا ھَمَّام" قَالَ اَخْبَرَنِی قَتَادَۃُ عَنْ صَفْوَانَ بْنِ مُحْرِزٍ الْمَازِنِی قَالَ بَیْنَمَا اَنَا اَمْشِی مَعَ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا آخِذ" بِیَدِہٖ، اِذْ عَرَضَ رَجُل" فَقَالَ: کَیْفَ سَمِعْتَ رَسُولَ اللّٰہِ ﷺ فِی النَّجْوٰی، فَقَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰہِ ﷺ یَقُولُ اِنَّ اللّٰہَ یُدْنِی الْمُؤْمِنَ فَیَضَعُ عَلَیْہِ کَنَفَہٗ وَ یَسْتُرُہٗ فَیَقُولُ اَتَعْرِفُ ذَنْبَ کَذَا اَتَعْرِفُ ذَنْبَ کَذَا، فَیَقُولُ نَعَمْ اَیْ رَبِّ، حَتّٰی اِذَا قَرَّرَہٗ بِذُنُوبِہٖ وَ رَاٰی فِی نَفْسِہٖ اَنَّہٗ ھَلَکَ قَالَ سَتَرْتُھَا عَلَیْکَ فِی الدُّنْیَا، وَ اَنَا اَغْفِرُھَا لَکَ الْیَوْمَ، فَیُعْطٰی کِتَابَ حَسَنَاتِہٖ. وَ اَمَّا الْکَافِرُ وَالْمُنَافِقُونَ فَیَقُولُ الْاَشْھَادُ ھٰٓؤُلَآءِ الَّذِیْنَ کَذَبُوا عَلٰی رَبِّھِمْ اَلَا لَعْنَۃُ اللّٰہِ عَلَی الظّٰلِمِیْنَ.

﴿صفوان بن محرز مازنی کہتے ہیں کہ ایک بار میں عبداللہ ابن عمرؓ کا ہاتھ تھامے جا رہا تھا کہ ایک شخص سامنے سے آیا۔ کہنے لگا آپ نے رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں کیا سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے سرگوشی کرے گا۔ ابن عمرؓ نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ مومن کو اپنے نزدیک بلا لے گا اور اپنا پردہ عزت اس پر ڈال دے گا اور اس کو چھپا لے گا۔ پھر پوچھے گا تجھ کو فلاں گناہ معلوم ہے۔ وہ کہے گا یا رب بے شک معلوم ہے۔ پھر پوچھے گا تجھے فلاں گناہ معلوم ہے وہ کہے گا یا رب مجھے معلوم ہے۔ جب سب گناہوں کا اس سے اقرار کرا لے گا اور مومن یہ سمجھے گا کہ اب وہ تباہ ہو چکا اس وقت اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں نے دنیا میں تیرے گناہ چھپائے رکھے اور آج تیرے لیے ان کو بخش دیتا ہوں۔ پھر نیکیوں کا ریکارڈ اس کے ہاتھ میں دیا جائے گا۔ لیکن کافر اور منافق پر تو کھلم کھلا گواہ بولیں گے کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب پر جھوٹ باندھا، سن رکھو، ظالموں پر اللہ کی پھٹکار ہے۔﴾

وضاحت:

انسان بے حد کمزور مخلوق ہے۔ وہ شیطان کے ورغلانے سے گناہ کا مرتکب ہو جاتا ہے۔ لیکن ایک بندہ مومن اور کافر کے رویہ میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ مومن اپنے گناہ پر شرمسار ہو کر اپنی اصلاح کے لیے سرگرم ہو جاتا ہے جبکہ کافر و منافق اپنے رویہ پر جاری رہتے ہیں۔ بلند بانگ دعوے کر کے اور جھوٹ بول کر لوگوں کی نظروں میں اپنا وقار قائم کرنے کی کوششوں میں لگ جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مومن کے رویہ کو، اس کے گناہ کرنے کے باوجود پسند کرتا ہے۔ وہ اس کے عیب کی پردہ پوشی کرتا ہے، دنیا میں اس کی عزت قائم رکھتا ہے۔ قیامت کے روز اس کی رحمت پورے جوبن پر ہوگی۔ گناہ گار بندہ مومن کو خدا کی رحمت گھیر لے گی۔ اللہ تعالیٰ بندے کے مختلف گناہوں کا ذکر کرے گا اور وہ ہر گناہ کا اعتراف کرتا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں نے دنیا میں تمہارے گناہوں پر پردہ ڈالے رکھا اور آج میں ان کو کالعدم کرتا ہوں۔ اس طرح مومن کی صرف نیکیاں ہی ریکارڈ میں رہ جائیں گی اور وہ ایک کامیاب وکامران انسان کی حیثیت سے جنت میں داخل ہوگا۔ اس کے برعکس کافر و منافق کا معاملہ جھوٹ پر مبنی ہوتا ہے۔ اس کو خدا کی پروا نہیں ہوتی۔ وہ برملا اس کی حکم عدولی کرتا ہے۔ دنیا میں اس کے گناہوں کا راز فاش ہوتا ہے۔ اس لیے لوگ اس کے کرتوتوں سے واقف ہو جاتے ہیں۔ قیامت کے روز ایسا آدمی جب جھوٹ موٹ اپنی صفائی میں بولنا چاہے گا تو اس کے جاننے والے اور اس کے ظلم سے متاثر ہونے والے لوگ چاروں طرف سے بول پڑیں گے کہ جھوٹوں پر خدا کی لعنت ہو۔ فی الواقع اللہ تعالیٰ اس آدمی پر لعنت کا فیصلہ فرمادے گا۔

۳. باب: لَا يَظْلِمُ الْمُسْلِمُ الْمُسْلِمَ وَلَا يُسْلِمُهُ

باب: مسلمان مسلمان پر ظلم نہ کرے اور نہ کسی کو ظلم کرنے دے

۳۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ اَنَّ سَالِمًا اَخْبَرَهُ اَنَّ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَخْبَرَهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ الْمُسْلِمُ اَخُوالْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهُ وَلَا يُسْلِمُهُ وَمَنْ كَانَ فِي حَاجَةِ اَخِيْهِ، كَانَ اللّٰهُ فِي حَاجَتِهِ، وَمَنْ فَرَّجَ عَنْ مُسْلِمٍ كُرْبَةً فَرَّجَ اللّٰهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرُبَاتِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ، وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.

﴿حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، نہ اس پر ظلم کرے اور نہ اس کو چھوڑے کہ اس پر کوئی ظلم کرے اور جو اپنے بھائی کی ضرورت پوری کرنے میں سرگرم رہے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی ضرورت پوری کرنے میں لگے گا۔ اور جو کوئی اپنے مسلمان بھائی کی کوئی ایک تکلیف بھی دور کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس سے قیامت کی آفات میں سے کوئی آفت دور کرے گا۔ اور جو کوئی کسی مسلمان کی

ستر پوشی کرے گا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی ستر پوشی کرے گا۔﴾

وضاحت:

یہ بہت ہی پاکیزہ حدیث ہے اور آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہے۔

اگر آپ اپنے کسی مسلمان بھائی کی ضرورت پوری کرنے میں لگیں گے تو اللہ تعالیٰ آپ کی ضرورت پوری کرے گا۔ اور جب آپ کی ضرورت پوری کرنے میں اللہ تعالیٰ سرگرم ہو تو پھر آپ کو اور کیا چاہیے۔ آپ کسی بھائی کی تکلیف دور کرنے کی سعی کریں گے تو اللہ تعالیٰ آپ کی آفت دور فرمائے گا۔ اور جو آفت دور ہوگی وہ دنیا کی آفت نہیں بلکہ فرمایا کہ قیامت کی آفات میں سے کوئی آفت دور کر دی جائے گی اور اسی طرح جو کسی کی ستر پوشی کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی ستر پوشی قیامت کے دن فرمائے گا۔ گویا بندہ مومن اپنے بھائی کے لیے جو مدد اور تعاون مہیا کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کے معاملہ میں وہی رویہ اختیار فرمائے گا۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کا معاملہ اپنے معیار پر اور آخرت میں ہوگا۔

دوسروں کی ستر پوشی میں اصل چیز یہ ہے کہ آدمی کے سامنے کوئی غلط بات کسی کی آئے تو حتی الوسع اس کو اپنے تک محدود رکھے اور اس کا اشتہار دینے کی کوشش نہ کرے۔ یہ چیز اس کے منافی نہیں ہے کہ آپ اس کو علیحدگی میں سمجھا دیں۔ اور اگر آپ اس کو سمجھا نہیں سکتے تو چھوڑ دیں اور ادھر ادھر سرگوشی نہ کریں۔ ستر پوشی کا تعلق پبلک سے ہے۔ البتہ ایک شکل اس سے مستثنیٰ ہے وہ یہ کہ کسی شخص سے متعلق اگر گواہی دینی ہے تو گواہی آپ کو ٹھیک ٹھیک دینی ہوگی کیونکہ وہ معاشرہ کا حق ہے اور اس کو آپ چھپا نہیں سکتے۔ قانون سے بچانے کی کوشش کرنا جائز نہیں ہے۔

اس حدیث کا ایک راوی ابن شہاب ہے۔ ابن شہاب کا اعتبار ایسی ہی احادیث روایت کرنے پر ہی قائم ہوا ہے۔ اگر وہ ایک ہی طرز کی شیعی فکر روایات بیان کرتا تو مظنون ہو جاتا۔ اس کی صحیح احادیث کی بنا پر ہمارے اکابر اس کے جال میں پھنسے۔

۴. باب: اَعِنْ اَخَاکَ ظَالِمًا اَوْ مَظْلُوْمًا

باب: اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ ظالم ہو یا مظلوم

۴۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ اَبِیْ شَیْبَۃَ حَدَّثَنَا هُشَیْمٌ" اَخْبَرَنَا عُبَیْدُاللّٰهِ بْنُ اَبِیْ بَكْرِ بْنِ اَنَسٍ وَ حُمَیْدٌ" الطَّوِیْلُ سَمِعَ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ یَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اُنْصُرْ اَخَاكَ ظَالِمًا اَوْ مَظْلُوْمًا.

﴿حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ ظالم ہو یا مظلوم﴾

۵۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اُنْصُرْ اَخَاكَ ظَالِمًا اَوْ مَظْلُوْمًا قَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰہِ هٰذَا نَنْصُرُهٗ مَظْلُوْمًا فَكَيْفَ نَنْصُرُهٗ ظَالِمًا قَالَ تَاْخُذُ فَوْقَ يَدَيْهِ.

﴿حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ ظالم ہو یا مظلوم۔ تو لوگوں نے کہا یا رسول اللہ یہ بات تو ٹھیک ہے کہ مظلوم ہو تو ہم مدد کریں لیکن ہم اس صورت میں کیسے مدد کر سکتے ہیں جب کہ وہ ظالم ہو۔ آپ نے جواب دیا اس کا ہاتھ پکڑو کہ ظلم نہ کرے۔﴾

وضاحت:

یہ حدیث بھی قیمتی ذخیرہ ہے اور یہی چیز ہے جس کو حکمت کہتے ہیں۔

هذا ننصره، یہ عربیت کا خاص اسلوب ہے۔ یعنی یہ بات تو ٹھیک ہے کہ مظلوم ہو تو مدد کریں لیکن ظالم کی مدد کیسے کریں۔ آپ نے فرمایا بہت آسان ہے۔ اس کا ہاتھ پکڑو کہ ظلم نہ کرے۔ یہ ظلم سے روکنا ہی اس کی مدد ہے۔

اوپر کی یہ دونوں روایتیں اصل میں ایک ہی روایت ہے اور دونوں حضرت انسؓ سے ہیں۔ لیکن پہلی روایت قطرہ ہے تو دوسری روایت علم کا دریا ہے۔ پہلی روایت کے الفاظ سے شدید قومی عصبیت کا مضمون بھی نکالا جا سکتا ہے لیکن اس دوسری روایت کے بعد اس کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔ یہ توجہ میں نے اس لیے دلادی ہے کہ راویوں میں بیان کا بہت فرق ہوتا ہے۔ ایک راوی نے صرف انصر اخاک ظالما او مظلوما نقل کیا ہے اور باقی بات کاٹ دی ہے۔ حضرت انسؓ نے جب بیان کیا ہوگا تو پوری بات بیان کی ہوگی۔ اتنی اعلیٰ بات وہ کیسے چھوڑ سکتے ہیں جب کہ ان معاملات میں وہ بہت قابل فخر آدمی ہیں۔ معلوم ہوا کہ بعد کے کسی راوی نے قطع برید کر دی ہے۔ روایات میں یہ مشکل بہت ہے۔ یہ میرا تجربہ ہے۔ یہ چیز حدیث کے طالب علم کے پیش نظر ہونی چاہیے اور تمام روایات کو سامنے رکھ کر حدیث پر غور کرنا چاہیے۔

۵. باب: نَصْرِ الْمَظْلُوْمِ

باب: مظلوم کی مدد کے بارے میں

۶۔ حَدَّثَنَا سَعِيْدُ بْنُ الرَّبِيْعِ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْاَشْعَثِ بْنِ سُلَيْمٍ قَالَ سَمِعْتُ مُعَاوِيَةَ بْنَ سُوَيْدٍ سَمِعْتُ الْبَرَاءَ بْنَ عَازِبٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْهُمَا قَالَ اَمَرَنَا النَّبِیُّ ﷺ بِسَبْعٍ، وَنَهَانَا عَنْ سَبْعٍ، فَذَكَرَ عِيَادَةَ الْمَرِيْضِ وَاتِّبَاعَ الْجَنَائِزِ، وَتَشْمِيْتَ الْعَاطِسِ، وَرَدَّ السَّلَامِ، وَنَصْرَ الْمَظْلُوْمِ،

وَاِجَابَةُ الدَّاعِي وَاِبْرَارُ الْمُقْسِمِ.

﴿اشعث بن سلیم راوی ہیں کہ میں نے براء بن عازب سے سنا کہ نبی ﷺ نے ہمیں سات باتوں کا حکم دیا اور سات سے روکا۔ پھر انہوں نے ان باتوں کا ذکر کیا: مریض کی عیادت، جنازے کے ساتھ جانا، چھینکنے والے کی تشمیت، اور سلام کا جواب دینا، مظلوم کی مدد، پکارنے والے کی آواز پر لبیک کہنا اور کوئی قسم کھا بیٹھا ہو تو اس کی قسم پوری کرا دینا۔﴾

وضاحت:

اتباع الجنائز کا حق یہ ہے کہ آپ جنازے کے ساتھ چلیں۔ بعض لوگوں کو دیکھا ہے کہ بہت مصروف ہوتے ہیں لیکن کام چھوڑ کر چند قدم ضرور جنازے کے ساتھ جاتے ہیں۔ چھینکنے والے کی تشمیت کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ کہے الحمدللہ تو آپ کہیں یرحمک اللہ۔ ایک سوال یہ ہے کہ وہ الحمدللہ نہیں کہتا تب کیا کیا جائے گا۔ میرا فتویٰ یہ ہے کہ آپ بھی نہ کہیں۔ جب وہ بدقسمت آدمی الحمدللہ نہیں کہتا تو ہم خواہ مخواہ کو اس کے پیچھے یرحمک اللہ کیوں لیے پھریں اور سلام کا جواب دینا لازم ہے۔ اسی طرح مظلوم کی مدد کرنا اور پکارنے والے کی پکار پر لبیک کہنا ضروری ہے۔ اجابۃ الداعی سے مراد کھانے کی دعوت نہیں بلکہ یہ ہے کہ مدد کے لیے کوئی پکارے تو آپ اس کو جواب دیں۔ آپ اگر کھانے کی دعوت سمجھتے ہیں تو الگ سے اس کی تاکید ہے۔ لیکن اجابت الداعی الگ چیز ہے۔ اور آخر میں اگر کوئی قسم کھا بیٹھے تو اس کی قسم پوری کرا دینا۔ ابرار کے معنی یہ ہوں گے کہ وہ اپنی قسم سے سعادت کے ساتھ عہدہ برا ہو۔ اگر اس کی قسم جائز اور کسی نیک مقصد کے لیے ہے تو آپ اس کی مدد کریں اور اگر کسی غلط مقصد کے لیے ہو تو اس کو چاہیے کہ اپنی قسم توڑ دے اور بعض حالتوں میں کفارہ دے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ معاشرہ میں معاہدات اور تمدن میں قسم کا بڑا مقام ہے اور عدالتوں میں بھی اس کی ضرورت پڑتی ہے۔ تو ناجائز قسم کے توڑنے پر کفارہ بھی ہونا چاہیے کہ آدمی اس کی اہمیت کو محسوس کرے۔

۷۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ حَدَّثَنَا اَبُو اُسَامَةَ عَنْ بُرَيْدٍ عَنْ اَبِي بُرْدَةَ عَنْ اَبِي مُوسٰى رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: الْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا، وَ شَبَّكَ بَيْنَ اَصَابِعِهِ.

﴿حضرت ابوموسیٰؓ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا ایک مومن دوسرے مومن کے لیے ایسا ہے جیسے عمارت کہ اس کی ایک اینٹ دوسری اینٹ کو تھامے ہوئے ہوتی ہے اور آپ نے انگلیاں ایک دوسری میں ڈال لیں۔﴾

وضاحت:-

یہ روایت بھی بہت اعلیٰ تعلیم پر مبنی ہے۔ جس طرح عمارت میں ایک اینٹ دوسری کی پشت پناہ ہوتی ہے اسی طرح معاشرہ میں ہر فرد کو یہی سمجھنا چاہیے کہ وہ اس کو جوڑنے کے لیے ہے۔ وہ اس کو اکھاڑنے کے درپے نہ ہو۔ آپ نے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر اس عمل کی قوت کو سمجھایا۔

٦. باب: الانْتِصَارِ مِنَ الظَّالِمِ، لِقَوْلِهِ جَلَّ ذِكْرُهُ: لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ، وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا، وَالَّذِيْنَ اِذَا اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ، قَالَ اِبْرَاهِيمُ كَانُوا يَكْرَهُونَ اَنْ يُسْتَذَلُّوا، فَاِذَا قَدَرُوا عَفَوْا.

یہ باب ظالم سے انتقام کے بارے میں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کسی کی برائی کے ذکر کو پسند نہیں کرتا مگر اس شخص کے لیے جس پر ظلم کیا گیا اور اللہ سمیع وعلیم ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''اور وہ لوگ کہ جب ان پر ظلم ہوتا ہے تو مناسب انتقام لیتے ہیں''۔ ابراہیم کہتے ہیں کہ لوگ اس بات کو برا سمجھتے تھے کہ وہ ذلیل کیے جائیں تو جب قدرت پا جاتے تو درگزر کرتے تھے۔

وضاحت:

پہلا حوالہ سورہ نساء کا ہے۔ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کی برائی کے ذکر کو پسند نہیں فرماتا۔ البتہ اگر کوئی مظلوم ہو تو وہ فریاد کر سکتا ہے اور جس نے اس پر ظلم کیا ہے اس کے متعلق مظلوم کو کہنے کا حق ہے۔ دوسرا حوالہ سورہ شوریٰ کا ہے۔ اس میں اہل ایمان کی صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ جب ان پر ظلم وتعدی ہوتی ہے تو وہ اس کا مناسب بدلہ اور انتقام لیتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ وہ ہر چھوٹی بڑی بات کو بہانہ بنا کر انتقام لینے کے لیے اٹھ کھڑے نہیں ہوتے بلکہ وہ بدلہ لیتے ہیں تو مخالف کی یعنی کھلی ہوئی زیادتی کا۔ پھر بدلہ لیتے بھی ہیں تو اینٹ کا جواب پتھر سے نہیں دیتے بلکہ اتنی کارروائی کرتے ہیں جو مخالف کی برائی کے ہم وزن ہو۔

ابراہیم نخعی کا جو قول امام صاحب نے نقل کیا ہے اس کو ثابت کرنے کے لیے یہ آیات دی ہیں۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ لوگ اس چیز کو ناپسند کرتے تھے کہ وہ ذلیل کیے جائیں۔ ہر غیرت مند انسان کو ایسا ہونا چاہیے کہ ذلت پر کبھی راضی نہ ہو۔ یہ کوئی خاکساری نہیں ہے اور نہ یہ تقویٰ ہے۔ ذلت کو ٹھکرا دینا چاہیے البتہ یہ ہے کہ قدرت رکھتے ہوئے کبھی ظلم نہیں کرنا چاہیے۔ اور جب انتقام لینے پر آدمی قادر ہو تو درگزر کرے۔ یہ بات بھی بڑی لاجواب اور اعلیٰ اخلاق سے تعلق رکھتی ہے۔

۷. باب: عَفْوِ الْمَظْلُومِ، لِقَوْلِهِ تَعَالَى: إِنْ تُبْدُوا خَيْرًا أَوْ تُخْفُوهُ أَوْ تَعْفُوا عَنْ سُوءٍ، فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيرًا، وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ" مِثْلُهَا، فَمَنْ عَفَا وَ أَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ إِنَّهُ لا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ، وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهِ فَأُولَئِكَ مَا عَلَيْهِم مِنْ سَبِيلٍ، إِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ يَظْلِمُونَ النَّاسَ، وَيَبْغُونَ فِي الأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ أُولَئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ" أَلِيمٌ"، وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ إِنَّ ذَالِكَ لَمِنْ عَزْمِ الأُمُورِ وَتَرَى الظَّالِمِينَ لَمَّا رَأَوُا الْعَذَابَ يَقُولُونَ هَلْ إِلَى مَرَدٍّ مِنْ سَبِيلٍ.

باب اس بارے میں کہ جس پر ظلم کیا گیا ہے وہ ظلم کو معاف کرے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''اگر تم کھلم کھلا نیکی کرو یا چھپا کر، یا برائی کو معاف کر دو تو اللہ تعالیٰ بھی معاف کرنے والا قدرت والا ہے''۔ ''اور کسی برائی کا بدلہ اس کے برابر کے عمل سے ہے۔ پس جس نے درگزر کی اور اصلاح کی تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے۔ اللہ ظلم کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اور جنہوں نے اپنے اوپر ظلم ہونے کے بعد بدلہ لیا تو ان کے اوپر کوئی الزام نہیں ہے۔ الزام ان پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے اور زمین میں بغیر کسی حق کے سرکشی کرتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن کے لیے دردناک عذاب ہوگا اور جس نے صبر

کیا اور معاف کیا تو بیشک یہ عزیمت کے اوصاف میں سے ہے"۔ "اور تو ظالموں کو دیکھے گا کہ جب وہ عذاب سے دوچار ہوں گے تو پوچھیں گے کہ اب دنیا کی طرف لوٹ جانے کی کوئی صورت ہے؟"

وضاحت:

ظلم کو معاف کرنا بڑی ہمت کا کام ہے۔ ذلت پر راضی ہونا الگ چیز ہے اور یہ الگ چیز ہے۔ اگر کسی شخص نے زیادتی کی ہے اور آپ اس سے انتقام لے سکتے ہیں لیکن نہیں لیتے بلکہ معاف کر دیتے ہیں تو یہ بڑی شرافت اور بہادری کا کام ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔

اس باب میں صرف چند آیات کا حوالہ ہے اور اس کے تحت کوئی روایت نہیں ہے۔

٨. باب: الظُّلْمُ ظُلُمَات" يَوْمَ الْقِيَامَةِ

باب: اس بارے میں کہ ظلم قیامت کے دن تاریکیوں میں سے ہوگا

٨۔ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ حَدَّثَنَا عَبْدُالعَزِيْزِ الْمَاجِشُوْنُ اَخْبَرَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ دِيْنَارٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ الظُّلْمُ ظُلُمَات" يَوْمَ الْقِيَامَةِ.

﴿حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ظلم قیامت کے دن اندھیرے ہوں گے۔﴾

وضاحت:

ہر ظلم اپنی نوعیت کے لحاظ سے الگ الگ تاریکیوں کی صورت میں نمودار ہوگا۔ اور ظالم کو قیامت کے دن تاریکیوں سے سابقہ پیش آئے گا۔ اس کی صحیح نوعیت کیا ہوگی یہ اللہ کو معلوم ہے۔

٩. باب: الاِتِّقَاءِ وَالحَذَرِ مِنْ دَعْوَةِ الْمَظْلُوْمِ

باب: مظلوم کی پکار سے بچنے کے بارے میں

٩۔ حَدَّثَنَا يَحْيَ بْنُ مُوسَى حَدَّثَنَا وَكِيْع" حَدَّثَنَا زَكَرِيَّاءُ بْنُ اِسْحٰقَ الْمَكِّيُّ عَنْ يَحْيَى بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ صَيْفِيٍّ عَنْ اَبِي مَعْبَدٍ مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ النَّبِيَّ

ﷺ بَعَثَ مُعَاذًا إِلَى الْيَمَنِ، فَقَالَ: اتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُومِ، فَإِنَّهَا لَيْسَ بَيْنَهَا وَ بَيْنَ اللّٰهِ حِجَابٌ".

﴿حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب نبی ﷺ نے حضرت معاذ کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجا تو ہدایت کی کہ مظلوم کی بددعا سے بچنا کیونکہ اس کے اور اللہ کے درمیان کوئی روک نہیں ہے۔﴾

وضاحت:

یہ بہت ہی قیمتی حدیث ہے۔ نبی ﷺ نے حضرت معاذؓ کو یمن کا گورنر مقرر کیا تو رخصت کرتے وقت ان کو نصیحت کی کہ کہیں تم مظلوم کی بددعا کی زد میں نہ آ جانا۔ ظاہر ہے کہ جو لوگ اسی کام پر مامور کیے جائیں کہ لوگوں کی دادرسی کریں اور لوگوں کو دوسروں کے ظلم سے بچائیں تو ان کو خود اس بات سے بدرجہ اولیٰ بچنا چاہیے کہ وہ کہیں کسی ظلم کا سبب نہ بن جائیں۔ جو لوگ حکومتی اقتدار اور اختیارات حاصل کر لیتے ہیں تو ان کے غلط استعمال سے اپنے کو بچائے رکھنا انہیں خاصا گراں گزرتا ہے۔ پھر معاشرے کے زور آور عناصر ان کا قرب حاصل کر کے من مانیاں کرتے اور کمزوروں پر ظلم ڈھاتے ہیں۔ آپ اپنے معاشرے اور حکومت ہی کے رویہ کو دیکھ لیجئے۔ کمزور ظلم کی چکی میں پس رہے ہیں اور کہیں ان کی شنوائی نہیں ہوتی۔ نبی ﷺ نے حضرت معاذ کو خبردار کیا کہ کمزوروں کی آہ اور بددعا سات آسمانوں پر اللہ تعالیٰ سنتا ہے اور کوئی ظالم اس کے برے نتائج سے بچ نہیں سکتا۔ حضور کی یہ ہدایت تمام زمانوں کے حکمرانوں اور ظالموں کے لیے ہے۔

١٠. بَاب: مَنْ كَانَتْ لَهُ مَظْلِمَةٌ عِنْدَ الرَّجُلِ فَحَلَّلَهَا لَهُ هَلْ يُبَيِّنُ مَظْلِمَتَهُ

باب: اس بارے میں کہ جس کسی کی کوئی زیادتی کسی شخص کے پاس ہو اور وہ اس معاملہ کو صاف کرا لے تو کیا اس صورت میں یہ ضروری ہے کہ وہ اپنی اس تعدی کو بیان بھی کرے

١٠۔ حَدَّثَنَا آدَمُ بْنُ أَبِي إِيَاسٍ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ حَدَّثَنَا سَعِيدٌ" الْمَقْبُرِيُّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ كَانَتْ لَهُ مَظْلِمَةٌ" لِأَحَدٍ مِنْ عِرْضِهِ أَوْ شَيْءٍ فَلْيَتَحَلَّلْهُ مِنْهُ الْيَوْمَ قَبْلَ أَنْ لَا يَكُونَ دِينَارٌ" وَلَا دِرْهَمٌ" إِنْ كَانَ لَهُ عَمَلٌ" صَالِحٌ" أُخِذَ مِنْهُ بِقَدْرِ مَظْلِمَتِهِ وَ إِنْ لَمْ تَكُنْ لَهُ حَسَنَاتٌ" أُخِذَ مِنْ سَيِّئَاتِ صَاحِبِهِ فَحُمِلَ عَلَيْهِ قَالَ أَبُو عَبْدِاللّٰهِ قَالَ إِسْمٰعِيلُ بْنُ أَبِي أُوَيْسٍ إِنَّمَا سُمِّيَ الْمَقْبُرِيَّ لِأَنَّهُ كَانَ نَزَلَ نَاحِيَةَ الْمَقَابِرِ قَالَ أَبُو عَبْدِاللّٰهِ وَ سَعِيدٌ" الْمَقْبُرِيُّ هُوَ مَوْلَى بَنِي لَيْثٍ وَهُوَ سَعِيدُ بْنُ أَبِي سَعِيدٍ وَ اسْمُ أَبِي سَعِيدٍ كَيْسَانُ.

﴿حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس کسی کی کسی کے اوپر کوئی تعدی ہو، خواہ اس

کی آبرو پر یا کسی اور چیز پر، تو چاہیے کہ آج ہی وہ اس سے اپنا معاملہ صاف کرا لے، اس وقت کے آنے سے پہلے جب کہ کسی کے پاس کوئی دینار ہوگا نہ کوئی درہم۔ اگر اس کا کوئی نیک عمل ہوگا تو وہ اس کے ظلم کے بقدر لے لیا جائے گا اور اگر اس کے پاس کوئی نیکی نہیں ہوگی تو اس کے حریف کی جو برائیاں ہوں گی وہ اس کے کھاتے میں ڈال دی جائیں گی۔ امام بخاری کہتے ہیں کہ سعید ایک آزاد کردہ غلام تھے۔ لوگ ان کو مقبری اس لیے کہتے کہ وہ مقبروں کے پاس رہا کرتے تھے۔ وہ بنی لیث کے غلام اور ابوسعید کیسان کے بیٹے تھے۔ ﴾

وضاحت:

کسی سے کوئی معاملہ ہو اور زیادتی کی ہو، کسی کی عزت و آبرو پر یا اس کے مال پر یا جان پر ہاتھ ڈالا ہو تو یہیں اس دنیا میں حساب کرا لیجئے ورنہ قیامت کے روز جب حساب ہوگا تو وہاں کوئی چیز کسی کے پاس ہوگی نہیں کہ معاملہ کا عوض دے سکیں، تو یہ ہوگا کہ آپ کی نیکی بقدر آپ کے ظلم کے اس کے حساب میں ڈال دی جائے گی، اور اگر کوئی نیکی نہ ہوئی تو اس کی برائیاں آپ کے کھاتے میں ڈال دی جائیں گی اور آپ پر مصیبت آ جائے گی۔

حدیث تو واضح ہے البتہ باب جو باندھا ہے اس میں یہ بات بھی ہے کہ معاملہ طے کرتے وقت کیا یہ ضروری ہے کہ اپنے ظلم کو بیان بھی کرے۔ میرے نزدیک یہ ہے کہ بعض صورتوں میں بیان کے بغیر بات نہیں بنتی لیکن بعض صورتوں میں بیان کرنے کا فائدہ نہیں بلکہ نقصان ہوگا۔ فرض کر لیجئے کہ آپ نے کسی کی غیبت کی ہے، برا بھلا کہا ہے لیکن اس کو پتہ نہیں ہے تو خواہ مخواہ کو یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ میں نے آپ کو گالی دی ہے۔ اس شکل میں صرف یہ ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ سے معافی مانگیں، اس کی تعیین کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن اگر آپ نے اس کا مال ہڑپ کیا ہے یا کوئی نقصان پہنچایا ہے تب ضروری ہے کہ تعیین کرے کہ فلاں موقع پر میں نے آپ کی جیب سے اتنے نوٹ اڑا لیے تھے۔ اب یہ ہے کہ دو شکلیں ہیں۔ اگر آپ کے پاس رقم ہے تو ادا کر دیں اور اگر ادا نہیں کر سکتے تو درخواست کریں کہ معاف کر دے اور اب یہ اس پر ہے کہ معاف کرے یا نہ کرے۔ اس کو حق ہے لیکن وضاحت کے بغیر یہاں بات نہیں بنے گی۔ باب میں امام صاحب نے هل یبین کہہ کر سوال کو چھوڑ دیا ہے۔ اس کی وجہ غالباً یہ ہوگی کہ اختلاف رہا ہوگا، بعض نے کہا ہوگا کہ تعیین ضروری ہے، بعض نے کہا ضروری نہیں ہے۔ روایت سے یہ بات معلوم نہیں ہوتی کہ کیا ہونا چاہیے۔ عقل عامہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ تعیین بعض حالات میں ضروری ہے اور یہ کہ معاملہ کو صاف کرانا ضروری ہے۔ میں لوگوں کی دو قسمیں کرتا ہوں۔ جو لوگ پبلک میں لیڈر بن کر آتے ہیں ان کے بخیے ادھیڑنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

ماضی میں مسلمان رعایا نے اپنے حکمرانوں کی غلطیوں سے برملا پردہ اٹھایا ہے اور ان کی کوتاہیوں کی باز پرس کی ہے۔ لیکن جو لوگ یہ حیثیت نہیں رکھتے تو بے شک ان کے معاملات میں زبان بند رکھنی چاہیے اور کبھی کسی کے بارے میں کوئی بات ہو

جائے اور اس کے علم میں آ جائے تو تعیین کر کے معافی مانگ لینی چاہیے لیکن اس کے علم میں نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ لینی چاہیے۔ حقوق کا اگر معاملہ ہے تو ادا کر سکتے ہوں تو ادا کرنا پڑے گا ورنہ معافی مانگنی پڑے گی اور وہ معاف کرے گا تب حساب صاف ہوگا۔

۱۱۔ باب: إِذَا حَلَّلَهُ مِنْ ظُلْمِهِ فَلَا رُجُوعَ فِيهِ

باب: اس بارے میں کہ جب مظلوم نے ظالم کو اس کے ظلم سے بری الذمہ قرار دے دیا تو پھر اس معاملہ میں رجوع جائز نہیں ہے۔

وضاحت:

ضمیر کا مرجع کوئی نہیں ہے۔ یہاں مفعول کو ظاہر کرنا چاہیے تھا۔ اگرچہ جو روایت دی ہے اس میں یہ ہے کہ اگر بیوی نے شوہر کو بری الذمہ قرار دے دیا تو اس میں رجوع جائز نہیں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر بیوی شوہر سے کہہ دیتی ہے کہ میں نے تم کو اپنی باری کی ذمہ داری سے سبکدوش کیا تو پھر وہ اپنے معاملہ میں رجوع نہیں کر سکتی۔ یہ امام صاحب کا موقف ہے۔

۱۱۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ" أَخْبَرَنَا عَبْدُاللّٰهِ أَخْبَرَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا، وَ إِنِ امْرَأَةٌ" خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوزًا أَوْ إِعْرَاضًا، قَالَتِ الرَّجُلُ يَكُونُ عِنْدَهُ الْمَرْأَةُ لَيْسَ بِمُسْتَكْثِرٍ مِنْهَا يُرِيدُ أَنْ يُفَارِقَهَا فَتَقُولُ أَجْعَلُكَ مِنْ شَأْنِي فِي حِلٍّ فَنَزَلَتْ هٰذِهِ الْآيَةُ فِي ذٰلِكَ.

﴿ہشام بن عروہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ آیت ''اگر ایک عورت کو اندیشہ ہو اپنے شوہر کی طرف سے کہ وہ بے پروائی برتے گا یا اعراض کرے گا'' کے بارے میں فرماتی ہیں کہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ آدمی کے پاس ایک بیوی ہوتی ہے جس سے وہ زیادہ تعلق نہیں رکھنا چاہتا بلکہ یہ چاہتا ہے کہ اس سے مفارقت حاصل کرلے تو ایسی حالت میں عورت یہ کہے کہ میں اپنے خاص معاملات میں اپنے متعلق ذمہ داری سے تم کو بری الذمہ کرتی ہوں، تو اس صورت حال کے لیے یہ آیت نازل ہوئی ہے۔﴾

وضاحت:

حدیث کا ترجمہ آسان نہیں ہے۔ میں نے محنت کر کے تیار کیا ہے۔

اگر کسی عورت کو اپنے شوہر کی طرف سے بے پروائی کا یا طلاق کا اندیشہ ہے تو قرآن کی تلقین یہی ہے کہ رشتۂ ازدواج کو منقطع کرنے کا راستہ نہیں کھولنا چاہیے۔ عورت کے لیے مناسب یہی ہے کہ کچھ رخصت دے کر کوشش یہی کرے کہ رشتہ قائم رہے۔ یہ مسئلہ ہے اور بالکل بدیہی چیز ہے۔ رشتہ ازدواج ایسی چیز نہیں جس پر آپ جب چاہیں قینچی چلا دیں۔ اس معاملہ میں جس طریقہ سے مردوں کو مختلف ہدایات دی گئی ہیں اسی طریقہ سے عورتوں کو ہدایات دی گئی ہیں اور یہ ہدایت اسی زمرے کی ہے۔ ہونا یہ چاہیے کہ ایثار کر کے کسی نہ کسی طریقہ سے تعلق کو قائم رکھنے کی کوشش کی جائے۔ فرض کر لیجئے کہ مرد اپنی پابندی کو نرم کروانا چاہتا ہے اور عورت اپنے حق کے معاملہ میں کوئی کمی کر دے تو یہ پسندیدہ ہے۔

باب کی عبارت یہ ہے کہ اذا حللہ من ظلمہ فلا رجوع فیہ اس حدیث کے حوالے سے ترجمہ یہ ہوگا کہ جب عورت شوہر کو کسی ذمہ داری سے بری الذمہ قرار دے دے تو پھر اس معاملہ میں اس کے لیے رجوع جائز نہیں ہوگا۔ سوال یہ ہے کہ حدیث سے یہ بات کہاں نکلتی ہے۔ قرآن مجید کی آیت کا جو حوالہ ہے یہ ہے کہ آپس میں کچھ لے دے کر اپنا مسئلہ حل کر لیں۔ یہ کہیں نہیں آیا کہ عورت نے کہہ دیا کہ میں اپنی باری سے بری الذمہ قرار دیتی ہوں تو پھر اس بارے میں رجوع نہیں کر سکتی۔ اگر آپ کہیں کہ اس طریقہ کے معاملات میں جب برأت دے دی گئی تو پھر اس کا مطالبہ نہیں کرنا چاہیے تو یہ بات قرآن کی آیت میں نہیں، حدیث میں بھی نہیں اور عقل کے بھی خلاف ہے۔ عورت اگر کچھ رعایتیں دے گی تو وہ بھی کچھ مصالح کو پیش نظر رکھ کر دے گی اور اگر ان مصالح کو کچھ نقصان پہنچ رہا ہے تو وہ مطالبہ کر سکتی ہے کہ میں نے تم کو یہ اجازت دے دی تھی لیکن تم نے فلاں بات نہیں کی۔ اس لیے اب میں اپنی اجازت واپس لیتی ہوں، تو یہ ہو سکتا ہے کیونکہ یہ چیز مشروط بشرائط ہے، اور چاہے الفاظ میں نہ ہو لیکن معاملہ میں مضمر ضرور ہے۔ اس میں حضرت سودہؓ کے واقعہ کو لانا بھی بالکل غلط ہے۔ اس کی نوعیت بالکل دوسری ہے اور یہ بات بھی ہے کہ حضرت سودہؓ آنحضرت ﷺ سے نسبت کے سوا کسی اور بات کی تمنا نہیں رکھتی تھیں۔

آیت سے اور حدیث سے صرف یہ بات نکلتی ہے کہ میاں بیوی کو چاہیے کہ رشتۂ ازدواج کو سہل چیز نہ سمجھیں اور اگر عورت کو ایثار کرنے کی ضرورت ہے تو وہ کرے اور اگر مرد کو ضرورت ہے تو وہ ایثار کرے۔

۱۲. باب: اِذَا اَذِنَ لَهٗ اَوْ اَحَلَّهٗ وَلَمْ يُبَيِّنْ كَمْ هُوَ

باب: اس بارے میں کہ جب اس نے اجازت دے دی یا برأت دے دی اور نہیں واضح کیا کہ وہ کتنی ہے۔

۱۲۔ حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ اَخْبَرَنَا مَالِكٌ " عَنْ اَبِيْ حَازِمِ بْنِ دِيْنَارٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ

السَّاعِدِیِّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اُتِیَ بِشَرَابٍ فَشَرِبَ مِنْهُ وَ عَنْ يَمِيْنِهٖ غُلَامٌ" وَ عَنْ يَسَارِهِ الْاَشْيَاخُ فَقَالَ لِلْغُلَامِ اَتَاْذَنُ لِيْ اَنْ اُعْطِيَ هٰؤُلَاءِ، فَقَالَ الْغُلَامُ: لَا وَاللّٰهِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَا اُوْثِرُ بِنَصِيْبِيْ مِنْكَ اَحَدًا، قَالَ فَتَلَّهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِيْ يَدِهٖ.

﴿سہل بن سعدؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پینے کی کوئی چیز پیش کی گئی تو آپ نے اس میں سے کچھ پیا۔ آپ کے دہنے ایک لڑکا بیٹھا تھا اور بائیں بزرگ لوگ تھے تو آپ نے لڑکے سے کہا تم مجھے اجازت دیتے ہو کہ میں ان لوگوں کو یہ پیالہ دے دوں تو لڑکے نے کہا نہیں، اللہ کی قسم یا رسول اللہ، میں اپنا حصہ جو آپ سے مجھے ملنے والا ہے کسی اور کو دینے والا نہیں ہوں، آخر رسول اللہ ﷺ نے وہ پیالہ اسی کے ہاتھ میں تھما دیا۔﴾

وضاحت:

یہ روایت تو بہت اچھی ہے لیکن امام صاحب نے جو باب باندھا ہے میری سمجھ اس سے ابا کر رہی ہے۔ باب یہ ہے کہ جب آدمی نے کسی کو اجازت دے دی یا بری الذمہ قرار دے دیا اور یہ نہیں بیان کیا کہ اجازت کتنی ہے تب کیا حکم ہو گا۔ یعنی فرض کر لیجیے کہ اس لڑکے نے اجازت دے دی ہوتی کہ جی ہاں، آپ ان بزرگوں کو دے دیجیے تو جائز تو ہو جاتا لیکن اس صورت میں کوئی بیان نہیں کیا کہ آپ اتنا پئیں اور آپ اتنا تو امام صاحب نے اس سے یہ نکالا کہ تعیین ضروری نہیں ہے۔ لیکن اگر لڑکے نے اپنا حق کئی آدمیوں کو مشترک طریقہ سے دے دیا ہوتا۔ تو یہ مسئلہ تو ملک مشاع کا ہوتا، برأت ذمہ کا مسئلہ تو نہیں ہوا۔ یہ تو مسئلہ اس باب کا ہے بھی نہیں۔ اگر مسئلہ ہے تو تو یہ ہے کہ ایک شخص نے اپنی ملکیت ایک جماعت کو دے دی، یہ بتائے بغیر کہ کس کا کتنا حصہ ہے۔ امام صاحب کہتے ہیں کہ یہ جائز ہے، بھلا اس میں کس کو شک ہے۔ لیکن چونکہ امام صاحب نے اس سے پہلے بھی باب لفظ تعیین کے ساتھ باندھا ہے اور یہ ان کا مسلک ہے تو یہاں ایک غیر متعلق باب میں اس کو داخل کر دیا جبکہ یہاں تعیین کا کوئی مسئلہ ہے ہی نہیں۔ اور نہ دفع مظنہ کا کوئی مسئلہ ہے۔ یہاں آپ کہہ سکتے ہیں کہ ملک مشاع کا مسئلہ پیدا ہوتا ہے تو یہ کہنا جائز ہے۔ آپ کوئی چیز کسی جماعت کو دے دیں یہ بتائے بغیر کہ کس کا کتنا حصہ ہے تو وہ اپنا معاملہ خود طے کریں گے۔ باب تو اس پر باندھنا چاہیے تھا کہ اگر کوئی شخص اپنی ملکیت کسی جماعت کے سپرد کر دے تو اس کے کیا احکام ہیں، تقسیم کس طریقہ پر ہوگی۔ یہاں باب کو حدیث سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ بات بھی ہے کہ تمام بحث مفروضہ کے اوپر ہے کہ اگر وہ لڑکا پیالہ اشیاخ کو دے دیتا تو جائز ہوتا لیکن اس شکل میں تعیین تو نہ ہوتی۔

پیچھے میں اپنا نقطہ نظر پیش کر چکا ہوں کہ ضروری نہیں کہ ہر حالت میں آپ وضاحت کریں، بعض صورتیں ایسی بھی

ہوتی ہیں جہاں وضاحت نہ کرنا ہی مناسب ہے۔

باب جو باندھا ہے اس میں ضمیریں آ رہی ہیں لیکن مرجع کوئی نہیں، لہ کا مرجع کون ہے حللہ میں مفعول کا مرجع کون ہے، یہ سب طے کرنا پڑے گا۔

۱۳. باب: اِثْمِ مَنْ ظَلَمَ شَيْئًا مِنَ الاَرْضِ

باب: اس شخص کا گناہ جو کسی کی زمین ہڑپ کرلے

۱۳۔ حَدَّثَنَا اَبُوالْيَمَانِ اَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ حَدَّثَنِي طَلْحَةُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ اَنَّ عَبْدَالرَّحْمٰنِ بْنَ عَمْرِو ابْنِ سَهْلٍ اَخْبَرَهُ اَنَّ سَعِيدَ بْنَ زَيْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ مَنْ ظَلَمَ مِنَ الاَرْضِ شَيْئًا طُوِّقَهُ مِنْ سَبْعِ اَرَضِينَ.

﴿سعید بن زیدؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ جس نے کسی کی زمین کا کوئی حصہ ہڑپ کیا تو اس کو طوق سات زمینوں میں سے باندھا جائے گا۔﴾

وضاحت:

من سبع ارضین کا جو مطلب سمجھ میں آتا ہے وہ یہ ہے کہ برابر برابر سات ٹکڑے بنا کر اس کے گلے میں طوق ڈال دیا جائے گا۔

یہ بات یاد رکھیے کہ یہاں روایت کا ایک جھول بھی ہے۔ اس روایت میں طوقہ آیا ہے۔ دوسری روایت میں خسف بہ ہے۔ اور الیٰ ہے۔ من نہیں ہے۔ اس طرح کے معاملات میں ایک بڑی الجھن یہ پیدا ہوتی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے تو ایک ہی بات فرمائی ہوگی اور یہ دونوں باتیں بہت مختلف ہو جاتی ہیں۔ روایت بالمعنی کی وجہ سے ایسا ہوا ہے۔ راوی کی سمجھ میں یہ بات نہیں آئی یا اس کے ذہن نے محفوظ نہیں رکھا کہ آپ نے کیا فرمایا تھا۔ طوقہ یا خسف بہ اور الیٰ یا من، معلوم ہوتا ہے کہ جس راوی نے جو کچھ سمجھا ہے وہ بیان کر دیا ہے۔ روایت بالمعنی سے فرق تو ہو جائے گا اس لیے کہ یہاں اگر طوقہ من سبع ارضین ہے تو مطلب یہ ہے کہ اس کے مثل سات حصہ زمین لے کر اس کے گلے میں ڈال دیا جائے گا اور اگر خسف بہ الی سبع ارضین ہے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ وہ دھنسا دیا جائے گا اس قطعہ زمین کے ساتھ سات طبقات زمین میں۔ ظاہر ہے دونوں کا الگ الگ مطلب ہے۔ اب اگر کوئی فقہی مسئلہ ہو تو روایت بالمعنی کی وجہ سے اس میں بڑی پیچیدگی پیدا ہو سکتی ہے۔ محدثین روایت بالمعنی میں شرط یہ لگاتے ہیں کہ راوی مطلب میں کوئی فرق نہ کر دے۔ لیکن اس شرط کے لگانے کا فائدہ کیا ہے اس لیے کہ جو کچھ اس کی سمجھ میں آئے گا وہ بیان کرے گا۔ اس کا علم اتنا ہو کہ فرق تو نہ

کرے اور اس کے باوجود الفاظ بدل دے، یہ کس طریقہ سے ممکن ہے۔ یہ تعلیق بالمحال ہے۔ روایت بالمعنی کا حامی تو میں بھی ہوں اور اس میں شبہ نہیں کہ اس کے بغیر کام بھی نہیں چل سکتا۔ اگر روایت باللفظ ہو تو اس کے لیے اہتمام وہ کرنا پڑتا جو قرآن کے لیے کیا گیا اور حدیث کے لیے یہ ممکن نہ تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ سارا ذخیرہ حدیث ختم ہو جاتا۔ روایت بالمعنی کی وجہ سے جو مشکلیں پیدا ہوتی ہیں ان کو دور کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ اس کے لیے بڑے علم اور ذہانت کی ضرورت ہے۔ اس کی وجہ سے اکثر روایات میں بہت سے امکانات پیدا ہو گئے ہیں۔ بعض جگہ مطلب کچھ کا کچھ ہو گیا جیسا کہ سیدہ عائشہؓ نے جن روایات میں حضرت ابو ہریرہؓ پر اعتراض کیا۔ العیاذ باللہ، آنحضرت ﷺ نے کیا فرمایا تھا اور ابو ہریرہؓ نے کیا بنا دیا۔ بات کہاں سے کہاں نکل گئی۔ اس کی مثالیں موجود ہیں۔ میں نے اپنی کتاب 'مبادی تدبر حدیث' میں ان مشکلات کی طرف بہت اجمال کے ساتھ اشارہ کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ علماء حضرات یوں ہی برہم ہوتے ہیں۔ تاہم یہ حقیقت ہے کہ اس میں مشکلیں بہت ہیں۔ اور یہ بھی ان مشکلوں میں سے ایک ہے۔ آنحضرت ﷺ نے ایک ہی بات فرمائی ہوگی۔ ایک صاحب نے یہ سمجھا کہ وہ اس کے ساتھ دھنسا دیا جائے گا۔ دوسرے نے سمجھا گلے میں طوق ڈال دیا جائے گا تو دونوں میں بڑا فرق ہے۔ میرا جواب یہ ہے کہ یہ فرق روایت بالمعنی کی وجہ سے ہے۔

۱۴۔ حَدَّثَنَا اَبُو مَعْمَرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُالْوَارِثِ حَدَّثَنَا حُسَيْنٌ" عَنْ يَحْيَى بْنِ اَبِي كَثِيرٍ قَالَ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ اِبْرَاهِيمَ اَنَّ اَبَا سَلَمَةَ حَدَّثَهُ اَنَّهُ كَانَتْ بَيْنَهُ وَ بَيْنَ اُنَاسٍ خُصُومَةٌ" فَذَكَرَ لِعَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا فَقَالَتْ يَا اَبَا سَلَمَةَ اجْتَنِبِ الْاَرْضَ فَاِنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ مَنْ ظَلَمَ قِيدَ شِبْرٍ مِنَ الْاَرْضِ طُوِّقَهُ مِنْ سَبْعِ اَرَضِينَ.

﴿محمد بن ابراہیم کہتے ہیں کہ ابوسلمہ نے ان سے بیان کیا کہ ان کے اور کچھ لوگوں کے درمیان قضیہ تھا تو انہوں نے سیدہ عائشہؓ سے ذکر کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ اے ابوسلمہ زمین کے معاملہ میں بچو کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ کسی نے ایک بالشت کے برابر بھی کسی کی زمین ہڑپ کی تو اس کو سات زمینوں میں سے طوق ڈالا جائے گا۔﴾

۱۵۔ حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ اِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ الْمُبَارَكِ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ عَنْ سَالِمٍ عَنْ اَبِيهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ مَنْ اَخَذَ مِنَ الْاَرْضِ شَيْئًا بِغَيْرِ حَقِّهِ خُسِفَ بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اِلَى سَبْعِ اَرَضِينَ قَالَ اَبُوعَبْدِاللّٰهِ، هٰذَا الْحَدِيثُ لَيْسَ بِخُرَاسَانَ، فِي كِتَابِ ابْنِ الْمُبَارَكِ اَمْلَاهُ عَلَيْهِمْ بِالْبَصْرَةِ.

﴿سالم اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ کسی نے کسی کی زمین میں سے بغیر کسی حق

کے ذرا بھی لیا تو اس کے ساتھ قیامت کے دن اس کو دھنسا دیا جائے گا سات زمینوں کے اندر۔ امام بخاری کہتے ہیں کہ یہ حدیث ابن المبارک کی کتاب میں خراسان کے نسخہ میں نہیں ہے یہ انہوں نے شاگردوں کو بصرہ میں لکھوائی تھی۔ ﴾

وضاحت:

یہاں الفاظ بدل گئے ہیں اور یہ ماننا پڑے گا کہ راوی نے جو سمجھا ہے وہ بیان کیا ہے۔ روایت بالمعنی میں یہ ہوتا ہے۔ اسی لیے لوگ شرط لگاتے ہیں کہ ایک تو راوی سمجھدار ہو، دوسرے یہ کہ معنی میں کوئی تبدیلی نہ کرے۔ آپ کو اتنے سمجھدار آدمی کہاں ملیں گے۔

ابوعبداللہ (امام بخاری) کہتے ہیں کہ یہ حدیث خراسان کے نسخوں میں نہیں ہے۔ وہ کتاب جو عبداللہ بن مبارک نے بصرہ میں املا کرائی اس میں یہ حدیث ہے۔ صحیح بخاری کے مختلف نسخوں میں اس طرح کا فرق ہے اور یہ فرق موطاء کے نسخوں میں بھی بہت ہے۔

۱۴. باب: اِذَا اَذِنَ اِنسَان" لِآخَرَ شَيئًا جَازَ

باب: اس بارے میں کہ جب ایک انسان نے کسی دوسرے انسان کو کسی بات کی اجازت دے دی تو وہ جائز ہے

وضاحت:

اس اجازت میں یہ شرط ہونی چاہیے کہ کام جائز ہو تب۔ اگر کام ناجائز ہو اور وہ اجازت دے بھی دے تو جائز نہیں ہو جائے گا۔

۱۶۔ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ جَبَلَةَ كُنَّا بِالْمَدِيْنَةِ فِي بَعْضِ اَهْلِ الْعِرَاقِ فَاَصَابَنَا سَنَةٌ، فَكَانَ ابْنُ الزُّبَيْرِ يَرْزُقُنَا التَّمْرَ فَكَانَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا يَمُرُّ بِنَا فَيَقُولُ اِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ نَهٰى عَنِ الْاِقْرَانِ اِلَّا اَنْ يَسْتَاذِنَ الرَّجُلُ مِنْكُمْ اَخَاهُ.

﴿شعبہ جبلہ سے روایت کرتے ہیں کہ ہم لوگ مدینہ میں اہل عراق کے ساتھ تھے کہ ہم کو بھوک کی تکلیف پہنچی تو ابن زبیرؓ ہم کو کھجوریں کھلایا کرتے تھے۔ عبداللہ بن عمرؓ ہم پر گزرتے تو کہتے کہ آنحضرت ﷺ نے اقران سے منع کیا ہے الا آنکہ اس کا بھائی اجازت دے دے۔ ﴾

وضاحت:

اقران یعنی ایک ہی بار دو دو کھجوریں کھانا۔ یہ بات تو ٹھیک ہے کہ دستر خوان پر آپ اگر بیٹھیں تو باوقار طریقہ پر کھانا پڑے گا۔ کھانے پر اور لوگ بھی بیٹھے ہیں تو سب لوازمات مشترک ہوتے ہیں اور کھانے کے آداب میں یہ ہے کہ بدیدہ پن نہیں ظاہر ہونا چاہیے، وقار کے ساتھ کھانا چاہیے۔ یہاں عبداللہ بن عمرؓ نے آداب سکھائے ہیں کہ دو دو یا چار چار کھجوریں منہ میں نہ ڈال لو۔ ہاں اگر دوسرے لوگ اجازت دیں تو آپ کھا سکتے ہیں۔ اس پر امام صاحب نے باب باندھ دیا کہ اگر لوگ اجازت دیں تو جائز ہے، یہ کیا بات ہوئی۔ آخر وقار کے ساتھ کھانا بھی ایک مسلمان کے اخلاق کا ایک حصہ ہے۔

۱۷۔ حَدَّثَنَا اَبُو النُّعْمَانِ حَدَّثَنَا اَبُو عَوَانَةَ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ اَبِی وَائِلٍ عَنْ اَبِی مَسْعُودٍ اَنَّ رَجُلًا مِنَ الْاَنْصَارِ يُقَالُ لَهُ اَبُوْ شُعَيْبٍ كَانَ لَهُ غُلَامٌ" لَحَّامٌ" فَقَالَ لَهُ اَبُو شُعَيْبٍ اصْنَعْ لِی طَعَامَ خَمْسَةٍ لَعَلِّی اَدْعُوا النَّبِیَّ ﷺ خَامِسَ خَمْسَةٍ وَ اَبْصَرَ فِی وَجْهِ النَّبِیِّ ﷺ الْجُوْعَ فَدَعَاهُ فَتَبِعَهُمْ رَجُلٌ" لَمْ يُدْعَ فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ اِنَّ هٰذَا قَدِاتَّبَعَنَا اَتَاْذَنُ لَهٗ قَالَ نَعَمْ.

﴿ابو مسعودؓ سے روایت ہے کہ انصار میں سے ایک شخص، جس کا نام ابو شعیب تھا، کا ایک غلام گوشت کا کام کرتا تھا۔ ابو شعیب نے اس سے کہا کہ پانچ آدمیوں کا کھانا تیار کرو تا کہ میں نبی ﷺ کو بلاؤں پانچ کے پانچویں کی حیثیت سے۔ میں نے نبی ﷺ کے چہرہ میں کچھ بھوک محسوس کی ہے۔ پھر انہوں نے آپ کو دعوت دی۔ آپ کے ساتھ ایک صاحب اور آ گئے جو بلائے نہیں گئے تھے تو نبی ﷺ نے فرمایا یہ صاحب ہمارے ساتھ آ گئے ہیں۔ آپ اجازت دیں تو شریک ہو جائیں تو انہوں نے کہا ہاں شریک ہو جائیں۔﴾

وضاحت:

خامس خمسۃ، پانچ کا پانچواں، یہ عربی کا اسلوب ہے یعنی کل پانچ آدمی۔ لحام یعنی گوشت والا۔ گوشت کاٹنے والا بھی ہو سکتا ہے اور پکانے والا بھی۔ دعوت تو پانچ آدمیوں کی تھی لیکن ایک صاحب بن بلائے ساتھ چلے آئے تو میزبان سے نبی ﷺ نے کھانے میں ان کی شرکت کی اجازت لی۔ یہ ان صاحب کی نالائقی تھی کہ وہ طفیلی بن کر ساتھ چل پڑے۔ چونکہ اصل دعوت نبی ﷺ کو تھی اس لیے آپ نے اپنی پوزیشن میزبان کے سامنے واضح کر دی کہ یہ صاحب دعوت کا سن کر ہمارے پیچھے ہو لیے۔ اب جو معاملہ آپ ان کے ساتھ کرنا چاہیں وہ کریں۔ اگر ان کو اجازت دیتے ہیں تو دعوت میں شریک ہو جائیں۔ میزبان نے ان صاحب کو بھی دعوت میں شامل کر لیا۔ اس حدیث سے دعوت کے بعض اسلامی آداب پر روشنی پڑتی ہے۔ مثلاً یہ کہ میزبان جن لوگوں کو بلائے انہی کو دعوت میں شامل ہونا چاہیے۔ بن بلائے مہمان بن جانا ایک نامعقول

بات ہے۔ دعوت میں کوئی شخص طفیلی بن کر شمولیت کی کوشش کرے تو دعوت کے اصل میہمان کو اپنی پوزیشن صاف کر دینی چاہیے کہ یہ شخص ان کا آدمی نہیں۔ اسلامی ہمدردی کا تقاضا ہے کہ میزبان اس شخص کو بے عزت نہ کرے بلکہ کھانا کھلا دے۔

۱۵. باب: قَوْلِ اللّٰهِ تعالٰی: وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ

باب: اللہ تعالیٰ کے قول الد الخصام کے بارے میں

۱۸۔ حَدَّثَنَا اَبُو عاصِمٍ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنِ ابْنِ اَبِي مُلَيْكَةَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ إِنَّ اَبْغَضَ الرِّجَالِ إِلَى اللّٰهِ الاَ لَدُّ الْخَصِمُ.

﴿نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ مبغوض وہ آدمی ہے جو ضدی اور جھگڑالو ہے۔﴾

وضاحت:

الد کے معنی ہٹ دھرم اور ضدی کے ہیں۔ خصم جھگڑالو کے معنی میں آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل سے نوازا ہے۔ عقل کا تقاضا ہے کہ وہ ہر معاملہ کو ٹھنڈے دل سے سوچے، اس کے حق میں یا خلاف جو دلائل ہوں ان کا تجزیہ کرے اور اس کے بعد کسی فیصلہ پر پہنچے۔ بعض لوگ اس قدر جذباتی ہوتے ہیں کہ وہ کسی بات پر غور کرنے کے لیے تیار ہی نہیں ہوتے۔ وہ دوسرے کے دلائل پر بھی کان نہیں دھرتے۔ ان کا اصرار اسی بات پر ہوتا ہے جو ان کے ذہنوں میں بیٹھی ہوئی ہوتی ہے۔ یہ الد الخصم لوگ ہیں۔ نبی ﷺ کو قریش اور یہود میں ایسے بہت سے لوگوں سے واسطہ پڑتا تھا۔ آپ حق کو پیش کر رہے ہوتے اور یہ لوگ جاہلانہ تعصب سے کام لیتے ہوئے ہر بات کی مخالفت پر کمر کس لیتے۔ ایسے ضدی اور جھگڑالو لوگوں کو اللہ کی نظروں میں مبغوض ترین قرار دیا ہے۔

۱۶. باب: اِثْمِ مَنْ خَاصَمَ فِي بَاطِلٍ وَهُوَ يَعْلَمُهُ

باب: اس شخص کے گناہ کے بارے میں جو جانتے بوجھتے ناحق جھگڑتا ہے

۱۹۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ صَالِحٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ اَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ اَنَّ زَيْنَبَ بِنْتَ اُمِّ سَلَمَةَ اَخْبَرَتْهُ اَنَّ اُمَّهَا اُمَّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ اَخْبَرَتْهَا عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ اَنَّهُ سَمِعَ خُصُومَةً بِبَابِ حُجْرَتِهِ فَخَرَجَ اِلَيْهِمْ فَقَالَ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ" وَ اِنَّهُ يَاْتِيْنِي الْخَصْمُ فَلَعَلَّ بَعْضَكُمْ اَنْ يَكُونَ اَبْلَغَ مِنْ بَعْضٍ فَاَحْسِبَ اَنَّهُ صَدَقَ فَاَقْضِيَ لَهُ بِذٰلِكَ، فَمَنْ قَضَيْتُ لَهُ بِحَقِّ مُسْلِمٍ فَاِنَّمَا هِيَ قِطْعَةٌ" مِنَ النَّارِ فَلْيَاْخُذْهَا اَوْ

فَلْيَتْرُكْهَا.

﴿زینب بنت ام سلمہؓ بیان کرتی ہیں کہ ان کی والدہ حضرت ام سلمہؓ نے ان کو خبر دی کہ رسول اللہ ﷺ نے سنا کہ آپ کے حجرہ کے دروازے پر کچھ جھگڑا شروع ہو گیا ہے۔ آپ لوگوں کی طرف نکلے۔ آپ نے فرمایا کہ دیکھو میں ایک بشر ہوں، میرے پاس کوئی فریق مقدمہ آتا ہے تو ہو سکتا ہے کہ تم میں سے کوئی دوسرے کے مقابلہ میں زیادہ فصیح و بلیغ ہو تو میں یہ گمان کر بیٹھوں کہ وہ سچ کہتا ہے اور اس کے حق میں فیصلہ دے دوں۔ تو جس کے حق میں کسی مسلم کے حق میں سے فیصلہ کر دوں تو یاد رکھو کہ اگر وہ غلط ہے تو وہ دوزخ کی آگ کا ایک ٹکڑا ہے۔ پس چاہے تو وہ لے لے یا چاہے تو چھوڑ دے۔﴾

وضاحت:

آنحضرت ﷺ کے کہنے کا مطلب یہ ہوا کہ میں غیب نہیں جانتا۔ بلکہ صورت واقعہ جس شکل میں پیش کی جاتی ہے اس کو سامنے رکھ کر فیصلہ دے دیتا ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ ایک شخص اپنی طلاقت لسانی سے اپنے مقدمہ میں مجھے قائل کر کے بازی جیت لے اور اس طریقہ سے کسی کا حق مار بیٹھے۔ تو جو کچھ وہ لے رہا ہے وہ دوزخ کی آگ کا ایک ٹکڑا ہے۔ دیکھ لیا آپ نے پیغمبر ﷺ اپنے بارے میں فرماتے ہیں کہ طلاقت لسانی سے مجھے دھوکہ دیا جا سکتا ہے اور میں غلط فیصلہ بھی کر سکتا ہوں تو جو شخص اس طرح کسی کا حق مار بیٹھتا ہے وہ اللہ کے ہاں خود ذمہ دار ہے۔ اس شخص کے لیے کوئی چیز اس لیے جائز نہیں ہو جائے گی کہ آنحضرت ﷺ کی عدالت سے اس کو ملی ہے۔ آنحضرت ﷺ بھی معاملات کا فیصلہ وحی کے ذریعہ نہیں بلکہ روداد مقدمہ پر کرتے تھے۔ یہ اس معاملہ میں امت کے تمام قاضیوں کے لیے اسوہ ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ آنحضرت ﷺ کو اس طرح کے تمام معاملات میں غیبی رہنمائی حاصل رہی ہو۔ یہ بات بھی ہے کہ اس معاملہ میں اگر یہ بات آنحضرت ﷺ نے واضح نہ کر دی ہوتی تو آپ ہمارے قاضیوں کے لیے نمونہ نہیں ہو سکتے تھے۔ ہمارے قاضیوں کے لیے آپ نمونہ اس شکل میں ہیں کہ یہ معلوم ہے کہ آپ کے فیصلے بھی روداد مقدمہ پر مبنی ہوتے تھے۔

۱۷. باب: إِذَا خَاصَمَ فَجَرَ

باب: اس بارے میں کہ جب جھگڑے تو بدزبانی کرتا ہے

۲۰۔ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ خَالِدٍ أَخْبَرَنَا مُحَمَّدٌ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ سُلَيْمَانَ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مُرَّةَ عَنْ مَسْرُوقٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ أَرْبَعٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ كَانَ

مُنَافِقًا اَوْ كَانَتْ فِيهِ خَصْلَةٌ مِنْ اَرْبَعَةٍ كَانَتْ فِيهِ خَصْلَةٌ مِنَ النِّفَاقِ حَتّٰى يَدَعَهَا: إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ، وَإِذَا وَعَدَ اَخْلَفَ، وَ إِذَا عَاهَدَ غَدَرَ، وَإِذَا خَاصَمَ فَجَرَ.

﴿آنحضرت ﷺ نے فرمایا چار باتیں ایسی ہیں جس کے اندر یہ ہوں گی وہ منافق ہے یا آپ نے فرمایا کہ چار میں سے اگر ایک خصلت بھی ہو تو اس میں نفاق کی ایک خصلت ہے، یہاں تک کہ وہ اس کو چھوڑ دے۔ جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو اس کی خلاف ورزی کرے، جب معاہدہ کرے تو بے وفائی کرے اور جب کسی سے کوئی جھگڑا ہو جائے تو گالم گلوچ پر اتر آئے۔﴾

وضاحت:

ہر چند کہ روایت میں منافق کی خصلتوں کے بیان میں لفظ 'اوٗ' استعمال ہوا ہے۔ لیکن بات وہی ٹھیک ہے کہ جس میں ان چار باتوں میں سے ایک بات بھی ہے تو اس میں نفاق کی ایک خصلت پائی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ اس خصلت سے باز آ جائے۔ یہ زیادہ منطقی ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ یہ بہت پاکیزہ باتیں ہیں۔ نفاق کا مطلب یہ ہے کہ منافق اپنے آپ کو مومن کہے گا اور سمجھے گا لوگ بھی اس کو ایسا ہی سمجھتے ہیں لیکن حقیقت میں وہ مومن نہیں بلکہ مومن کا بھگل بنائے ہوئے ہے۔

ایک سچا مومن جھوٹ نہیں بولتا کیونکہ امت مسلمہ تو مبعوث ہی حق کی شہادت دینے کے لیے ہوئی ہے۔ وہ کسی سے وعدہ کر کے یا کوئی معاہدہ کر کے اس کی خلاف ورزی نہیں کرتا کیونکہ اسے معلوم ہوتا ہے کہ وعدے کی مسئولیت ہونے والی ہے۔ اسی طرح وہ مخالفت کے اظہار میں بھی حدود کا لحاظ رکھتا ہے اور آپے سے باہر ہو کر گالی یا کسی ناروا بات کا سہارا نہیں لیتا۔

۱۸. باب: قِصَاصِ الْمَظْلُومِ إِذَا وَجَدَ مَالَ ظَالِمِهِ وَقَالَ ابْنُ سِيرِينَ يُقَاصُّهُ، وَقَرَأَ: وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُمْ بِهِ.

باب: اس بارے میں کہ کوئی مظلوم اگر کسی حق تلفی کرنے والے کا مال پا جائے تو بقدر اپنے مال کے قصاص لے سکتا ہے

اور ابن سیرین نے کہا کہ وہ اپنا حق برابر برابر لے سکتا ہے اور یہ آیت پڑھی کہ اگر تم قصاص لو تو اس کے بقدر لو جو تمہارے ساتھ زیادتی کی گئی۔

وضاحت:

اس سے معلوم ہوا کہ آدمی قصاص لے سکتا ہے لیکن اسی کے بقدر جتنا اس کا مال اس ظالم نے ہتھیایا تھا۔ یہ 'اسی کے بقدر' کا معاملہ بہت مشکل ہے اور واقعہ یہ ہے کہ اس معاملہ میں تولنا سونے کے تولنے سے بھی زیادہ مشکل ہے۔ تاہم

شریعت کا حکم یہی ہے۔

۲۱۔ حَدَّثَنَا اَبُوالْیَمَانِ اَخْبَرَنَا شُعَیْبٌ" عَنِ الزُّھْرِیِّ حَدَّثَنِی عُرْوَۃُ اَنَّ عَائِشَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھَا قَالَتْ جَاءَ تْ ھِنْدُ بِنْتُ عُتْبَۃَ بْنِ رَبِیعَۃَ فَقَالَتْ یَا رَسُولَ اللّٰہِ اِنَّ اَبَا سُفْیَانَ رَجُلٌ" مِسِّیکٌ"، فَھَلْ عَلَیَّ حَرَجٌ" اَنْ اُطْعِمَ مِنَ الَّذِی لَہٗ عِیَالَنَا فَقَالَ لَا حَرَجَ عَلَیْکَ اَنْ تُطْعِمِیھِم بِالْمَعْرُوفِ.

﴿حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ ہند بنت عتبہ آئیں اور کہا کہ یا رسول اللہ ابوسفیان بڑے کنجوس آدمی ہیں تو کیا اس میں کوئی قباحت ہے اگر میں ان کے مال میں سے کچھ ہمارے عیال پر بھی صرف کروں تو آپ نے فرمایا کوئی حرج نہیں اگر تم دستور کے مطابق خرچ کرو۔﴾

وضاحت:

معروف اور دستور کے مطابق ہونے کا تعلق کسی بات ترازو سے تو ہو نہیں سکتا۔ جب ہر عاقل آدمی یہ کہے کہ ہاں اتنا تو لینا چاہیے تو یہ معروف کے مطابق ہوگا۔ بیوی اپنے بخیل شوہر کے مال میں سے اتنا لے لے جتنا اس کا حق ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ علی ھذا القیاس عیال پر بھی خرچ کے لیے لے سکتی ہے۔ مسیک کا لفظ روایت میں ہے یعنی کنجوس مکھی چوس تو آپ نے فرمایا کہ ہاں بیوی دستور کے مطابق شوہر کے مال میں سے لے سکتی ہے۔ باب جو باندھا ہے اس کو دیکھ لیجئے کہ بات بنتی ہے کہ نہیں، قصاص المظلوم اذا وجد مال ظالمہ، کسی حق تلفی کرنے والے کا مال اگر کہیں پائے تو وہ اس میں سے لے سکتا ہے جہاں تک اس کا حق ہے۔ اس حد تک تو ٹھیک ہے۔ لیکن اگر اس کو زیادہ وسعت دے دی جائے تو بڑے جھگڑے پیدا ہو سکتے ہیں۔ اگر آپ کا کسی کے ذمہ کچھ باقی ہے اور آپ خود ہی لے لیں تو بڑی مشکلیں پیدا ہو سکتی ہیں۔ اس کے لیے قاضی کے ہاں چارہ جوئی کرنی پڑے گی۔ لیکن بیوی کا معاملہ اور ہے۔ اس کو عام کلیہ جاننے میں بڑے خطرے ہیں۔ احناف نے اس باب میں کہا ہے کہ اگر کسی نے کسی کا مال ظلماً لے لیا تو مال کے اصل مالک کو حق ہے کہ بعینہٖ اپنا مال یا اس کے برابر کوئی دوسرا مال لے سکتا ہو تو لے لے، وہ اس کے حق میں نہیں کہ کہ ظالم کا جو مال بھی پائے اسے حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ اپنا مال لینے میں بھی ظلم کا طریقہ نہ اختیار کرے۔ لیکن امام شافعی کی تعلیم یہ ہے کہ ظالم کا جو مال بھی مل جائے لے لے۔ میری رائے احناف کی رائے سے ذرا ترقی یافتہ ہے۔ میرے نزدیک یہ ہے کہ بیوی کا معاملہ الگ ہے اس کا شوہر کے مال میں حق ہے اور بچوں کا بھی حق ہے اور معروف کے مطابق بیوی کا شوہر کے مال میں سے لے لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن اگر کسی دوسرے کا معاملہ ہے تو جہاں اس کا مال پائے جیسا کہ شوافع کہتے ہیں کہ لے لے، تو یہ غلط ہے۔ اس میں بڑے قضیے ہیں۔ فرض کر لیجئے کہ آپ نے کسی کے کھلیان سے گندم اٹھالی کہ انہوں نے میری اتنی گندم لی تھی تو ایک جھگڑا پیدا ہو

سکتا ہے۔ نزاع کی شکل جہاں پیدا ہو سکتی ہو وہاں عدالت سے رجوع کرنا چاہیے ورنہ فتنے پیدا ہوں گے۔

۲۲۔ حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ قَالَ حَدَّثَنِي يَزِيدُ عَنْ أَبِي الْخَيْرِ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قُلْنَا لِلنَّبِيِّ ﷺ إِنَّكَ تَبْعَثُنَا فَنَنْزِلُ بِقَوْمٍ لَا يَقْرُونَا فَمَا تَرَى فِيهِ فَقَالَ لَنَا إِنْ نَزَلْتُمْ بِقَوْمٍ فَأَمَرَ لَكُمْ بِمَا يَنْبَغِي لِلضَّيْفِ فَاقْبَلُوا فَإِنْ لَمْ يَفْعَلُوا فَخُذُوا مِنْهُم حَقَّ الضَّيْفِ.

﴿عقبہ بن عامر سے روایت ہے کہ ہم نے نبی ﷺ سے پوچھا کہ حضور آپ ہمیں کسی مہم پر بھیجتے ہیں تو ہم کسی قبیلہ کے ہاں اترتے ہیں اور وہ میزبانی نہیں کرتے تو اس بارے میں کیا حکم ہے۔ آپ نے فرمایا تم کسی کے ہاں اترو اور وہ تمہاری اتنی مہمانی کریں جیسا کہ دستور ہے تو قبول کرلو ورنہ ان سے اپنی مہمانی کا حق وصول کرلو۔﴾

وضاحت:

میرے نزدیک یہ عام حکم نہیں ہے بلکہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو مسلمانوں کے مفتوحہ ملکوں میں کسی مقصد کے لیے مثلاً زکوٰۃ وصدقات وصول کرنے کے لیے جاتے تھے تو اس زمانے میں سرکاری طور پر میزبانی کا انتظام نہیں ہوتا تھا۔ یہی ایک طریقہ تھا کہ وہاں کے لوگ میزبانی کریں۔ اور کوئی شکل نہیں تھی۔ جب سرکاری انتظام ہوگیا تو اب اس کی ضرورت نہیں ہے۔ اسلام میں یہ حکم خاص اس وقت تک تھا جب تک مفتوحہ علاقوں میں سرکاری انتظام نہیں تھا۔ میرے نزدیک روایت ان قیود کے ساتھ ہے اور اس کے مقید کرنے کے دلائل ہیں۔ پوچھنے والے خود کہہ رہے ہیں کہ آپ ہمیں کسی کام پر یعنی سرکاری خدمت پر بھیجتے ہیں۔ روایت جس طریقہ سے نقل ہوئی ہے اس سے مغالطہ ہوتا ہے۔

۱۹. بَاب: مَا جَاءَ فِي السَّقَائِفِ وَجَلَسَ النَّبِيُّ ﷺ وَ أَصْحَابُهُ فِي سَقِيفَةِ بَنِي سَاعِدَةَ.

باب: چوہدریوں کے چوپالوں کے بارے میں کیا وارد ہے اور یہ کہ نبی ﷺ اور آپ کے صحابہ سقیفہ بنی ساعدہ میں بیٹھے۔

۲۳۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمَانَ قَالَ حَدَّثَنِي ابْنُ وَهْبٍ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ وَ أَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ أَخْبَرَهُ عَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ قَالَ حِينَ تَوَفَّى اللّٰهُ نَبِيَّهُ ﷺ إِنَّ الْأَنْصَارَ اجْتَمَعُوا فِي سَقِيفَةِ بَنِي سَاعِدَةَ

فَقُلْتُ لِاَبِی بَکْرٍ اَنْطَلِقْ بِنَا فَجِئْنَاهُمْ فِی سَقِیفَةِ بَنِی سَاعِدَةَ

﴿ابن عباسؓ نے حضرت عمرؓ کے واسطے سے خبر دی کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو وفات دی تو انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں مجتمع ہو گئے تو میں نے ابو بکرؓ سے کہا کہ آپ بھی ہمیں لے چلیے تو وہ انہیں لے کر سقیفہ بنی ساعدہ میں گئے۔﴾

وضاحت:

راوی نے اس روایت کو مختصر کر کے بالکل بے معنی کر دیا ہے اور مطلب اس سے صرف اتنا نکلتا ہے کہ کسی پنچایت کی جگہ پر جانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن حقیقت میں یہ واقعہ بہت اہم ہے کہ جب انصار وہاں جمع ہوئے تو معلوم ہوا کہ وہ اپنی حکومت بنانے کی باتیں کر رہے ہیں۔ حضرت ابو بکرؓ حضرت عمرؓ اور دوسرے لوگوں کے ہمراہ وہاں گئے۔ انصار عصبیت کے جذبہ کے تحت بھی جوش میں تو آ جاتے تھے لیکن ایمان کی روشنی موجود تھی اس لیے فوراً اصلاح قبول کر لیتے۔ حضرت ابو بکرؓ نے تقریر کی اس میں حضورؐ کے ایک قول کا حوالہ دیا۔ چونکہ آنحضرت ﷺ کو معلوم تھا کہ آپ کے بعد حکومت کا معاملہ باعث نزاع ہو سکتا ہے تو آپ نے الائمة من القریش کہہ کر یہ واضح کر دیا تھا کہ حکومت بنانے کی پوزیشن میں اس وقت پارٹی قریش ہی ہے دوسرے نہیں۔ اس طرح حضور کے ارشاد کا حوالہ دے کر حضرت ابو بکرؓ نے اس وقت جو ایک بہت بڑا فتنہ اٹھ سکتا تھا اس کو رفع کیا۔

۲۰. باب: لَا یَمْنَعُ جَارٌ'' جَارَهُ اَنْ یَغْرِزَ خَشَبَهُ فِی جِدَارِهِ

باب: کوئی پڑوسی اپنے پڑوسی کو اس بات سے نہ روکے کہ وہ اپنی کھونٹی اس کی دیوار میں گاڑے

۲۳۔ حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِکٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنِ الْاَعْرَجِ عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: لَا یَمْنَعُ جَارٌ'' جَارَهُ اَنْ یَغْرِزَ خَشَبَهُ فِی جِدَارِهِ، ثُمَّ یَقُولُ اَبُوهُرَیْرَةَ مَالِی اَرَاکُمْ عَنْهَا مُعْرِضِینَ وَاللّٰهِ لَاَرْمِیَنَّ بِهَا بَیْنَ اَکْتَافِکُمْ.

﴿حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کوئی پڑوسی اپنے پڑوسی کو اس بات سے نہ روکے کہ وہ اپنی لکڑی اس کی دیوار میں گاڑے۔ یہ فرما کر حضرت ابو ہریرہؓ کہا کرتے تھے کہ کیا ہو گیا ہے کہ تم لوگ میری باتوں سے اعراض کرتے ہو لیکن تمہارے اعراض کے باوجود اللہ کی قسم میں یہ باتیں تمہارے منہ

پر پھینک کر جاؤں گا۔﴾

وضاحت:

روایت کو اگر اسی معنی میں لیا جائے کہ کسی پڑوسی کو اپنی دیوار میں کوئی لکڑی، کوئی کھونٹی ٹھونکنے سے نہیں روک سکتے تو اس سے بڑے قضیے پیدا ہو سکتے ہیں۔ لیکن غور کرنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حدیث میں نہی کا حکم نہیں ہے بلکہ خبر کے اسلوب میں نہی کو بیان کیا ہے اور اس اسلوب میں نہی کمزور ہو جاتی ہے، یعنی وہ وہ ایک مشورہ ہے کہ یہ کرنا چاہیے، قطعی حکم نہیں ہوتا۔ تو ایک ایسے معاملہ میں جب کہ مقابل میں دوسرا حکم موجود ہے کہ کسی کو کسی کی ملکیت میں اس کے اذن کے بغیر کوئی اقدام نہیں کرنا چاہیے تب یہ ہے کہ دونوں کو سامنے رکھ کر فیصلہ کریں گے۔ صحیح طریقہ یہ ہے کہ پڑوس کو روکا نہ جائے لیکن یہ بات قطعی ہوگی کہ بغیر اذن کے پڑوسی کے لیے یہ جائز نہیں ہوگا کہ کسی کے مکان یا زمین میں کھونٹیاں گاڑنا شروع کر دے۔ ان دونوں کے ملانے سے بات بنے گی۔ اس معاملہ میں شوافع کا مذہب یہ ہے کہ یہ حکم واجب ہے، ہر حالت میں وہ کھونٹی گاڑ لے۔ احناف کہتے ہیں کہ نہیں جب دوسری بات موجود ہے تو بغیر پوچھے ایسا نہیں کرنا چاہیے۔

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ لوگوں کے اعراض کے علی الرغم تمام باتیں سنا کر جاؤں گا، معلوم ہوتا ہے ان کی زندگی ہی میں کثرت روایت پر کچھ لے دے ہوتی رہی ہے۔

۲۱. باب: صَبِّ الخَمْرِ فِي الطَّرِيقِ

باب: شراب گلیوں میں بہا دینے کے بارے میں

۴۵۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ" ابْنُ عَبْدِالرَّحِيمِ اَبُو يَحْيٰى اَخْبَرَنَا عَفَّانُ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ حَدَّثَنَا ثَابِتٌ" عَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ كُنْتُ سَاقِيَ الْقَوْمِ فِي مَنْزِلِ اَبِي طَلْحَةَ وَكَانَ خَمْرُهُمْ يَوْمَئِذٍ الْفَضِيخَ فَاَمَرَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ مُنَادِيًا يُنَادِي اَلَا اِنَّ الْخَمْرَ قَدْ حُرِّمَتْ قَالَ فَقَالَ لِي اَبُو طَلْحَةَ، اَخْرُجْ فَاَهْرِقْهَا، فَخَرَجْتُ فَهَرَقْتُهَا فَجَرَتْ فِي سِكَكِ الْمَدِينَةِ، فَقَالَ بَعْضُ الْقَوْمِ قَدْ قُتِلَ قَوْمٌ" وَهِيَ فِي بُطُونِهِمْ، فَاَنْزَلَ اللّٰهُ: لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَ عَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جُنَاحٌ" فِيمَا طَعِمُوا الْآيَةَ.

﴿حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ میں ابو طلحہؓ کے مکان میں لوگوں کو شراب پلایا کرتا تھا اور اس زمانے میں ان لوگوں کی شراب فضیخ تھی۔ اس دوران رسول اللہ ﷺ نے ایک منادی کرنے والے کو حکم دیا کہ وہ اعلان

کر دے کہ شراب حرام کر دی گئی ہے۔ تو ابو طلحہ نے مجھے حکم دیا کہ نکلو اور شراب کو بہا دو۔ میں نکلا اور شراب کو بہا دیا۔ تو وہ مدینہ کی گلیوں میں بہہ نکلی۔ بعض لوگوں نے کہا کہ ان لوگوں کی ہلاکت ہوئی جن کے پیٹوں میں ان کی موت کے وقت شراب رہی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری، ان لوگوں پر جو ایمان لائے اور عمل صالح کیے کوئی الزام نہیں ہے ان چیزوں کے کھانے کے بارے میں جو انہوں نے حکم حرمت سے پہلے کھائیں۔

وضاحت:

فضیخ کے معنی میں لوگوں نے اختلاف کیا ہے لیکن یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کھجور سے بننے والی شراب ہے۔ کلیہ یہ ہے کہ جو چیز بھی نشہ پیدا کرے وہ حرام ہے، چاہے وہ کھجور سے بنی ہو یا جو سے بنی ہو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ جو مسکر ہے وہ حرام ہے۔

یہ غالباً سنہ 2 ھ کا واقعہ ہے کہ شراب کی حرمت کا اعلان ہوا تو ابو طلحہ نے حضرت انس کو حکم دیا کہ شراب گلیوں میں بہا دو۔ دین کا نفاذ اس طریقہ سے ہوتا ہے۔ بنیاد، عقائد اور معاشرہ میں جو ہونی چاہیے، وہ قائم ہو جائے تو پھر جو حکم ہو اس پر اس طرح سے عمل ہوتا ہے کہ اعلان ہوا تو فوراً پینے پلانے والے سب اس سے دستکش ہو گئے۔ اور اگر یوں یہ بے تکے طریقہ پر کام کیا جائے تو واقعہ یہ ہے کہ شراب وغیرہ کا چسکا تو بہت خطرناک ہے، وہ چیزیں کہ جن میں کوئی مزاحمت نہیں ہوتی ان چیزوں کو بھی لوگوں سے منوانا ممکن نہیں ہے۔ لوگوں میں دین کا، رسالت کا، توحید کا شعور نہیں، قیامت کا عقیدہ نہیں اور ایسے میں آپ شریعت کے نفاذ کا جہاد شروع کریں گے تو واقعہ یہ ہے کہ آپ کو اس میں کامیابی نہیں ہوگی اور بالکل بے نتیجہ کام ہو گا۔ اس دور میں بنیاد قائم ہو چکی تھی تب آنحضرت ﷺ کا اعلان ہوا اور فوری عمل ہوا۔ اب آنحضرت ﷺ کے ساتھ بظاہر تعلق تو وہی ہے لیکن ظاہر ہے کہ وہ ایمان نہیں ہے اس لیے آپ کے احکام کی کیا وقعت پیدا ہو سکتی ہے اور کون قربانی دے سکتا ہے۔

نبی ﷺ نے حکم دیا تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو طلحہؓ کے علاوہ دوسرے سب لوگوں نے بھی شراب بہا دی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مدینہ کی گلیوں میں شراب بہہ پڑی۔ بعض لوگوں نے کہا وہ لوگ غارت ہوئے جن کی موت حرمت کے حکم سے پہلے ہوئی اور شراب ان کے پیٹوں میں رہی۔ ان لوگوں کو یہ مسئلہ نہیں معلوم تھا کہ کسی چیز کی حرمت سے پہلے اس کے کرنے میں کوئی الزام نہیں اور قرآن مجید کی اس آیت نے اس مسئلہ کو صاف کر دیا کہ جو لوگ ایمان اور عمل صالح اختیار کرنے والے ہیں ان پر ان چیزوں کے کھانے کے بارے میں کوئی گناہ نہیں ہے جو انہوں نے حکم حرمت سے پہلے کھائیں۔

اس حدیث میں کچھ قابل غور مسائل بھی ہیں۔ ابن حزم کا فتویٰ یہ ہے کہ شراب نجس نہیں ہے۔ اگر نجس ہوتی (بول و براز کی طرح) تو اس طریقہ سے بے تکلف گلیوں میں نہ بہائی جاتی۔ اس پر لوگوں نے بہت نکیر کی ہے کہ جب قرآن مجید میں ہے، انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطن، تو ابن حزم نے کیا بے تکی بات

کہہ دی کہ شراب نجس نہیں ہے۔ بظاہر تو لوگوں کا معارضہ قوی معلوم ہوتا ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ قوی نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ "انما المشرکون نجس" بھی آیا ہے تو کیا اگر مشرک چھو جائے تو آپ کے کپڑے پاک نہیں رہیں گے یا کھانے پینے کی چیزوں کو ہاتھ لگا دے تو ناپاک ہو جائیں گی۔ تو یہ جاننا پڑے گا کہ ان چیزوں کی نجاست عقلی ہے، یعنی شراب کا پینا تو حرام ہے لیکن اگر وہ چھو جائے، لگ جائے تو یہ حرام کے حکم میں نہیں ہے۔ آج کل شراب الکوحل کی شکل میں تو بہت جگہ استعمال ہوتی ہے اس کے متعلق آپ کیا فتویٰ دیں گے۔ امام ابوحنیفہ کے متعلق یہ مشہور ہے کہ وہ صرف انگور سے بنی ہوئی شراب کو اصل شراب قرار دیتے ہیں تو اس طریقہ سے معاملہ اور بھی نازک ہو جاتا ہے۔ بہرحال اس معاملہ میں امام ابوحنیفہ کا مذہب میرے نزدیک صحیح نہیں ہے۔ میں تو ہر مسکر کو حرام سمجھتا ہوں چاہے وہ اعظم گڑھ کی تاڑی ہی کیوں نہ ہو اور اگر مسکر ہے تو اس کی قلیل اور کثیر سب مقدار حرام ہے۔ یہ بات اصول کے مطابق ہے۔

۲۲. باب: اَفْنِيَةِ الدُّوْرِ وَالْجُلُوْسِ فِيْهَا وَالْجُلُوْسِ عَلَى الصُّعُدَاتِ

وَقَالَتْ عَائِشَةُ فَابْتَنَىٰ اَبُوْبَكْرٍ مَسْجِدًا بِفِنَاءِ دَارِهٖ يُصَلِّىْ فِيْهِ وَيَقْرَاُ الْقُرْآنَ فَيَتَقَصَّفُ عَلَيْهِ نِسَاءُ الْمُشْرِكِيْنَ وَ اَبْنَاؤُهُمْ يَعْجَبُوْنَ مِنْهُ وَالنَّبِىُّ ﷺ يَوْمَئِذٍ بِمَكَّةَ.

باب: گھروں کے صحنوں، جلو خانوں اور رستوں پر بیٹھنے کے بارے میں۔ اور حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ حضرت ابوبکرؓ نے اپنے گھر کے صحن میں ایک مسجد بنائی تھی اس میں وہ نماز پڑھتے اور قرآن کی تلاوت کرتے تھے۔ مشرکین کی عورتیں اور بچے ان کے اردگرد جمع ہو جاتے اور تعجب کرتے تھے اور آنحضرت ﷺ ان دنوں مکہ ہی میں تھے۔

وضاحت:

یہ روایت جو یہاں باب کا حصہ بنا کر بطور تعلیق نقل کی ہے، پیچھے باب جوار ابی بکر فی عھد النبی ﷺ و عقدہ میں پوری تفصیل سے گزر چکی ہے۔ حضرت ابوبکرؓ ہجرت کے ارادہ سے نکلے تھے۔ راستہ میں ابن الدغنہ ملا اور اس نے آپ کو روکا کہ آپ جیسا شخص ہجرت نہیں کر سکتا۔ میں آپ کو مکہ میں پناہ دیتا ہوں۔ کفار قریش کو اس نے بتایا تو انہوں نے کہا کہ ہمیں اعتراض نہیں ہے لیکن وہ باہر کوئی دعوت کا کام نہ کریں۔ حضرت ابوبکرؓ نے گھر کے صحن میں مسجد بنائی اور وہاں نماز پڑھتے اور قرآن مجید پڑھتے۔ محلّہ کی عورتیں اور بچوں کا گزر ہوتا تو وہ جمع ہو جاتے اور تعجب سے قرآن سنتے۔ کفار بہت گھبرائے کہ یہ تو ہماری عورتوں اور بچوں کو مسلمان بنا لیں گے۔ انہوں نے ابن الدغنہ سے کہا کہ اپنی پناہ واپس لے لو۔ حضرت ابوبکرؓ نے یہ کہہ کر پناہ واپس کر دی کہ ایسی پناہ مجھے قبول نہیں جس میں نماز اور قرآن پر پابندی ہو۔

محدثین کا عجیب حال ہے کہ پبلک لا، میونسپل لا، فوجی لا، زمینداری کا قانون سب ایک ہی لپیٹ میں لے آتے ہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ مکانوں وغیرہ سے متعلق جو آداب ہیں ان کے متعلق میونسپل لاء لا رہے ہیں اور اچھا ہوتا کہ اس طرح کے تمام ابواب ایک سلسلہ میں کر دیے جاتے۔ امام مسلم ایک عام قدر مشترک لے کر ساری روایتیں اس کے تحت بیان کر دیتے ہیں۔ امام بخاری وہ بھی نہیں کرتے۔ قانون کی الگ الگ اصناف کے لیے الگ الگ تبویب ہو، یہ بات نہیں ہے۔ اس روایت کا تعلق بھی میونسپل لاء سے ہے۔

۲۶۔ حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ فَضَالَةَ حَدَّثَنَا أَبُو عُمَرَ حَفْصُ بْنُ مَيْسَرَةَ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ عَطَاءِ ابْنِ يَسَارٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ إِيَّاكُمْ وَالْجُلُوسَ عَلَى الطُّرُقَاتِ فَقَالُوا مَالَنَا بُدٌّ إِنَّمَا هِيَ مَجَالِسُنَا نَتَحَدَّثُ فِيهَا قَالَ فَإِذَا أَبَيْتُمْ إِلَّا الْمَجَالِسَ فَأَعْطُوا الطَّرِيقَ حَقَّهَا، قَالُوا وَمَا حَقُّ الطَّرِيقِ، قَالَ: غَضُّ الْبَصَرِ، وَكَفُّ الأَذَى، وَرَدُّ السَّلَامِ، وَأَمْرٌ بِالْمَعْرُوفِ، وَنَهْيٌ عَنِ الْمُنْكَرِ.

﴿حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ راستوں پر بیٹھنے سے بچتے رہو تو لوگوں نے کہا اس سے مفر نہیں۔ یہی تو ہماری مجلسیں ہیں جن میں بیٹھ کر آپس میں باتیں کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا اگر تم راستوں پر بیٹھنا ضروری سمجھتے ہو تو راستہ کا حق ادا کرو۔ لوگوں نے پوچھا راستہ کا کیا حق ہے تو آپ نے فرمایا راستہ کا حق یہ ہے کہ نگاہ نیچی رکھو، تکلیف دہ چیزوں کو دور کرو، سلام کا جواب دو، نیکی کا حکم دو اور برائی سے روکو۔﴾

وضاحت:

اتنا اعلیٰ میونسپل لاء کیا دنیا میں کسی اور قوم کے پاس ہے؟ اول تو یہ کہ راستوں میں بیٹھو نہیں۔ لوگ راستہ کے کنارے بیٹھا کرتے تھے اور وہی ان کی چوپال ہوتی تھی۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ راستہ پر بیٹھنے کا حق یہ ہے کہ نگاہ نیچی رکھو یعنی عورتیں آ جا رہی ہیں تو ان کو مت گھورو۔ تکلیف دہ چیزوں کو راستہ سے دور کرو۔ خواہ یہ گندگی کی قسم کی ہو یا جھاڑ جھنکار پتھر وغیرہ۔ اور سلام کا جواب دو۔ اس زمانے میں تو کوئی سلام کرتا نہیں اور حکم سلام کا جواب دینے کا ہے۔ امر بالمعروف کوئی لمبے چوڑے وعظ کی ضرورت نہیں، چلتے پھرتے بھی نیکیوں کی ہدایت ہو سکتی ہے وہ کیجیے اور برائی دیکھیے تو اس سے منع کیجیے۔

۲۳. باب: الآبارِ عَلَى الطُّرقِ اِذا لَمْ يُتَاذَّبِهَا

باب: راستے میں کنواں کھودنے کے بارے میں بشرطیکہ اس سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے

وضاحت:

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ عین راستہ کے بیچ میں آپ کنواں کھود دیں۔ بلکہ کنارے کنارے ہو۔ اس زمانے میں کچے کنویں ہوتے تھے اور اس میں اترنے کے لیے سیڑھیاں بنادی جاتی تھیں۔ یہ خدمت خلق کے لیے ہوتے تھے۔

۲۷۔ حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ مُسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ سُمَيٍّ مَوْلَى اَبِي بَكْرٍ عَنْ اَبِي صَالِحٍ السَّمَّانِ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ بَيْنَا رَجُلٌ " بِطَرِيقٍ اشْتَدَّ عَلَيْهِ الْعَطَشُ فَوَجَدَ بِئْرًا فَنَزَلَ فِيهَا فَشَرِبَ ثُمَّ خَرَجَ، فَاِذَا كَلْبٌ " يَلْهَثُ يَاْكُلُ الثَّرَى مِنَ الْعَطَشِ، فَقَالَ الرَّجُلُ: لَقَدْ بَلَغَ هٰذَا الْكَلْبَ مِنَ الْعَطَشِ مِثْلُ الَّذِي كَانَ بَلَغَ مِنِّي، فَنَزَلَ الْبِئْرَ فَمَلَا خُفَّهُ مَاءً، فَسَقَى الْكَلْبَ، فَشَكَرَ اللّٰهُ لَهُ فَغَفَرَ لَهُ، قَالُوا يَا رَسُولَ اللّٰهِ وِ اِنَّ لَنَا فِي الْبَهَائِمِ لَاَجْرًا، فَقَالَ فِي كُلِّ ذَاتِ كَبِدٍ رَطْبَةٍ اَجْرٌ ".

﴿حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ایسا ہوا کہ ایک شخص کو راستہ میں پیاس لگی تو اس نے ایک کنواں دیکھا۔ وہ کنویں میں اترا اور اس نے پانی پیا۔ پھر نکلا تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک کتا ہانپ رہا ہے اور پیاس کی شدت سے مٹی چاٹ رہا ہے۔ آدمی نے دل میں کہا اس کو بھی اسی طرح کی پیاس لگی ہے جیسی کہ مجھے تھی تو وہ کنویں میں اترا اور اپنا موزہ پانی سے بھرا اور لا کر کتے کو پلا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی یہ نیکی قبول فرمائی اور اس کو بخش دیا۔ لوگوں نے پوچھا کہ یارسول اللہ کیا بہائم کی خدمت میں بھی ہمارے لیے اجر ہے۔ آپ نے فرمایا ہر زندہ جگر کی خدمت میں اجر ہے۔﴾

وضاحت:

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جس کو اللہ نے جگر دیا ہے اس کی تکلیف دور کرنے میں اجر ہے۔ اور کوئی معمولی اجر نہیں یہاں غفر لہ یعنی اس کی بخشش ہو جائے گی فرمایا ہے۔ اس حدیث کی وضاحت پیچھے ہو چکی ہے۔

اس میں یہ مسئلہ ہے کہ کیا چھوٹی چھوٹی نیکیوں پر اتنے بڑے بڑے اجر مل سکتے ہیں۔ اس چیز پر لوگوں کو اعتراض ہے۔ محدثین کے ہاں اصول ہے کہ وہ روایت قبول نہیں کی جائے گی کہ جس میں چھوٹے سے عمل پر اتنا بڑا اجر بیان ہوا ہو جو

قرین قیاس نہ ہو۔ روایت پر جرح میں یہ چیز بھی شامل ہے۔ میرے نزدیک اس کی توجیہ یہ ہے کہ اسلام میں اصول ہے کہ جس کی میزان بھاری ہوگی وہ جنت میں جائے گا اور جس کی میزان ہلکی رہی وہ دوزخی ہے، تو ہوسکتا ہے کہ کسی شخص کا وہ چھوٹا سا عمل اس کی میزان کو بھاری کردے۔ مطلب یہ ہے کہ ایسا آدمی جو نیکی کر رہا ہے اس کی میزان تو موجود ہے لیکن نوعیت یہ ہے کہ ادھر یا ادھر دونوں طرف کے پلڑوں کے بھاری ہونے کا امکان ہے۔ بعض مرتبہ یہ ہوتا ہے کہ کمی پڑتی ہے تو صرف تولے ماشے کی کمی پڑتی ہے اور اگر وہ رکھ دیا جائے تو میزان برابر ہوجائے یا ممکن ہے کہ جھک بھی جائے تو اس طرح سے توجیہ ہوجاتی ہے۔ گویا اس چھوٹے سے عمل نے میزان کو بھاری کردیا اور مغفرت کا باعث بنا۔

۲۴. باب: اِمَاطَةِ الأذى، وَقَالَ هَمَّام" عَنْ اَبِی هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ يُمِيطُ الاذى عَنِ الطَّرِيْقِ صَدَقَة".

باب: راستے سے تکلیف دہ چیز ہٹانے کے بارے میں اور ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا راستہ سے تکلیف دہ چیزیں ہٹانا صدقہ ہے۔

۲۵. باب: الغُرْفَةِ وَالعُلِيَّةِ المُشْرِفَةِ وَغَيْرِ المُشْرِفَةِ فِى السُّطُوحِ وَغَيْرِهَا.

باب: چھتوں پر بالاخانے اور بلند و نابلند بالاخانے وغیرہ بنانے کے بارے میں

وضاحت:

یہ بھی میونسپل قوانین ہیں۔ یہ نہیں کہ یوں ہی مکان بنتے چلے جائیں۔ آج کل بھی اکثر کالونیوں میں پابندی رکھی جاتی ہے کہ دیواروں کے بیچ میں اتنا فاصلہ ہونا چاہیے وغیرہ تو اسلام نے ان چیزوں کے بارے میں بہت پہلے احکام دیے ہیں۔

۲۸۔ حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ اُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ اَشْرَفَ النَّبِيُّ ﷺ عَلٰى اُطُمٍ مِنْ آطَامِ الْمَدِيْنَةِ ثُمَّ قَالَ هَلْ تَرَوْنَ مَا اَرَى مَوَاقِعَ الْفِتَنِ خِلَالَ بُيُوتِكُمْ كَمَوَاقِعِ الْقَطْرِ.

﴿حضرت اسامہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے مدینہ کے بلند مکانوں میں سے کسی مکان میں سے جھانکا تو آپؐ نے فرمایا کہ کیا تم وہ چیز دیکھ رہے ہو جو میں دیکھ رہا ہوں؟ فتنے برس رہے ہیں تمہارے گھروں پر جس طریقے سے کہ بارش برستی ہے۔﴾

وضاحت:

یہ حدیث باب الفتن کی ہے لیکن امام صاحب اس کو الغُرْفَةِ وَالعُلِيَّةِ المُشْرِفَةِ میں لائے ہیں۔ اس میں صرف یہ بات ہوگی کہ غرفہ چھت پر بھی ہوسکتا ہے البتہ دوسروں کے مکان میں جھانکنے کی گنجائش نہ ہو اور غیر المشرفة فی السطوح سے مطلب یہ ہے کہ مکان کی چھت سے کچھ نیچے بھی ہوسکتا ہے یہ بھی فی الجملہ بلند ہوگا۔

آنحضرت ﷺ نے یہ جو فرمایا کہ میں گھروں میں بلائیں اترنے کے مقاموں کو دیکھ رہا ہوں کہ بلائیں اس طرح اتر رہی ہیں جیسے بارش برستی ہے تو یہ نبی ﷺ کا مشاہدہ ہے جو کچھ وہ دیکھتے تھے وہ ہم نہیں دیکھ سکتے۔ ہماری آج کی بستیوں پر ہمیں کچھ نظر نہیں آتا لیکن واقعہ یہ ہے کہ کیا کیا آفتیں برس رہی ہیں اور فتنے جاگ اٹھے ہیں۔ اگر دیکھنے والی آنکھ ہو تو شاید بتا سکے، ہمارے پاس وہ آنکھ نہیں ہے جو نبی ﷺ کے پاس تھی۔

۲۹۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِي عُبَيْدُاللّٰهِ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ أَبِي ثَوْرٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ لَمْ أَزَلْ حَرِيصًا عَلَى أَنْ أَسْأَلَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ الْمَرْأَتَيْنِ مِنْ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ ﷺ اللَّتَيْنِ قَالَ اللّٰهُ لَهُمَا: إِنْ تَتُوبَا إِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا فَحَجَجْتُ مَعَهُ فَعَدَلَ وَعَدَلْتُ مَعَهُ بِالإِدَاوَةِ فَتَبَرَّزَ حَتَّى جَاءَ فَسَكَبْتُ عَلَى يَدَيْهِ مِنَ الإِدَاوَةِ فَتَوَضَّأَ فَقُلْتُ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ مَنِ الْمَرْأَتَانِ مِنْ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ ﷺ اللَّتَانِ قَالَ لَهُمَا: إِنْ تَتُوبَا إِلَى اللّٰهِ، فَقَالَ وَاعَجَبِي لَكَ يَا ابْنَ عَبَّاسٍ عَائِشَةُ وَ حَفْصَةُ، ثُمَّ اسْتَقْبَلَ عُمَرُ الْحَدِيثَ يَسُوقُهُ، فَقَالَ: إِنِّي كُنْتُ وَجَارٌ لِي مِنَ الأَنْصَارِ فِي بَنِي أُمَيَّةَ بْنِ زَيْدٍ، وَهِيَ مِنْ عَوَالِي الْمَدِينَةِ، وَكُنَّا نَتَنَاوَبُ النُّزُولَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فَيَنْزِلُ يَوْمًا وَأَنْزِلُ يَوْمًا، فَإِذَا نَزَلْتُ جِئْتُهُ مِنْ خَبَرِ ذَلِكَ الْيَوْمِ مِنَ الأَمْرِ وَغَيْرِهِ، وَإِذَا نَزَلَ فَعَلَ مِثْلَهُ، وَكُنَّا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ نَغْلِبُ النِّسَاءَ فَلَمَّا قَدِمْنَا عَلَى الأَنْصَارِ إِذَاهُمْ قَوْمٌ تَغْلِبُهُمْ نِسَاؤُهُمْ، فَطَفِقَ نِسَاؤُنَا يَأْخُذْنَ مِنْ أَدَبِ نِسَاءِ الأَنْصَارِ فَصِحْتُ عَلَى امْرَأَتِي فَرَاجَعَتْنِي فَأَنْكَرْتُ أَنْ تُرَاجِعَنِي فَقَالَتْ وَ لِمَ تُنْكِرُ أَنْ أُرَاجِعَكَ فَوَاللّٰهِ إِنَّ أَزْوَاجَ النَّبِيِّ ﷺ لَيُرَاجِعْنَهُ، وَ إِنَّ إِحْدَاهُنَّ لَتَهْجُرُهُ الْيَوْمَ حَتَّى اللَّيْلِ فَأَفْزَعَنِي فَقُلْتُ خَابَتْ مَنْ فَعَلَ مِنْهُنَّ بِعَظِيمٍ، ثُمَّ جَمَعْتُ عَلَيَّ ثِيَابِي فَدَخَلْتُ عَلَى حَفْصَةَ، فَقُلْتُ أَيْ حَفْصَةُ أَتُغَاضِبُ إِحْدَاكُنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ الْيَوْمَ حَتَّى اللَّيْلِ، فَقَالَتْ نَعَمْ، فَقُلْتُ

خابَتْ وَ خسِرَتْ، أفَتامَنُ اَنْ يَغضَبَ اللّٰهُ لِغضَبِ رَسُولِهِ ﷺ فَتهلِكِيْنَ لا تَسْتَكثِرِى عَلَى
رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ وَلا تُراجِعِيْهِ فِى شَيءٍ وَلا تهجُرِيهِ وَاسَالِيِنى مَا بَدالَكِ وَلا يَغُرَّنَّكِ اَنْ
كانَتْ جارَتُكَ هِيَ اَوْضَاَ مِنْكِ وَ اَحَبَّ اِلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ يُرِيدُ عائِشَةَ وَكُنَّا تحدَّثنا اَنَّ
غَسَّانَ تُنْعِلُ النِّعَالَ لِغَزْوِنا فَنَزَلَ صَاحِبِى يَوْمَ نَوْبَتِهِ فَرَجَعَ عِشاءً فَضَرَبَ بَابِى ضَرْبًا شَدِيدًا
وَقَالَ اَنَائِمٌ هُوَ فَفَزِعْتُ فَخَرَجْتُ اِلَيْهِ وَقَالَ حَدثَ اَمرٌ " عَظِيمٌ "، قُلْتُ ما هُوَ اَجاءَ تْ غَسَّانُ
قَالَ لا بَلْ اَعْظَمُ مِنْهُ وَ اَطوَلُ طَلَّقَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ نِسَاءَ هُ، قَالَ قَدْخابَتْ حَفْصَةُ وَخَسِرَتْ
كُنْتُ اَظُنُّ اَنَّ هٰذا يُوشِكُ اَنْ يَكُوْنَ فَجَمَعْتُ عَلَيَّ ثِيَابِى فَصَلَّيْتُ صَلاةَ الْفَجْرِ مَعَ النَّبِيِّ
ﷺ فَدَخَلَ مَشْرُبَةً لَهُ فَاعْتَزَلَ فِيهَا، فَدَخَلتُ عَلَى حَفْصَةَ، فَإِذَا هِيَ تَبْكِي، قُلْتُ ما يُبْكِيكِ
اَوَلَمْ اَكُنْ حَذَّرْتُكِ، اَطَلَّقَكُنَّ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ قَالَتْ لا اَدرِىْ هُوَ ذافِى الْمَشْرُبَةِ فَخَرَجْتُ
فَجِئْتُ الْمِنْبَرَ فَإِذَا حَوْلَهُ رَهطٌ " يَبْكِى بَعْضُهُمْ فَجَلَسْتُ مَعَهُمْ قَلِيلًا، ثُمَّ غَلَبَنِى ما اَجِدُ فَجِئْتُ
الْمَشْرُبَةَ الَّتِى هُوَ فِيهَا، فَقُلتُ لِغُلامٍ لَهُ اَسْوَدَ اسْتَاذِنْ لِعُمَرَ. فَدَخَلَ فَكَلَّمَ النَّبِيَّ ﷺ، ثُمَّ خَرَجَ
فَقَالَ ذَكَرْتُكَ لَهُ فَصَمَتَ، فَانْصَرَفْتُ حَتّٰى جَلَسْتُ مَعَ الرَّهْطِ الَّذِينَ عِنْدَ الْمِنبَرِ، ثُمَّ غَلَبَنِى
ما اَجِدُ فَجِئْتُ فَذَكَرَ مِثْلَهُ فَجَلَسْتُ مَعَ الرَّهْطِ الَّذِينَ عِنْدَ الْمِنبَرِ، ثُمَّ غَلَبَنِى ما اَجِدُ فَجِئْتُ
الْغُلامَ فَقُلْتُ اسْتَاذِنْ لِعُمَرَ فَذَكَرَ مِثْلَهُ، فَلَمَّا وَلَّيْتُ مُنْصَرِفًا فَإِذَ الْغُلامُ يَدْعُونِى، قَالَ اَذِنَ لَكَ
رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فَدَخَلْتُ عَلَيْهِ، فَإِذَا هُوَ مُضْطَجِعٌ " عَلَى رِمالِ حَصِيرٍ لَيْسَ بَيْنَهُ وَ بَيْنَهُ فِرَاشٌ "
قَدْ اَثَّرَ الرِّمالُ بِجَنْبِهِ مُتَّكِيءٌ " عَلَى وِسَادَةٍ مِنْ اَدَمٍ حَشْوُهَا لِيفٌ " فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ، ثُمَّ قُلْتُ وَ اَنَا
قائِمٌ " طَلَّقْتَ نِسَاءَ كَ فَرَفَعَ بَصَرَهُ اِلَيَّ، فَقَالَ لا، ثُمَّ قُلْتُ وَاَنَا قائِمٌ ": اَسْتَاْنِسُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ
لَوْ رَاَيْتَنِى وَكُنَّا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ نَغْلِبُ النِّسَاءَ، فَلَمَّا قَدِمْنَا عَلَى قَوْمٍ تَغْلِبُهُمْ نِسَاؤُهُمْ فَذَكَرَهُ
فَتَبَسَّمَ النَّبِيُّ ﷺ ثُمَّ قُلْتُ لَوْ رَاَيْتَنِى وَ دَخَلْتُ عَلَى حَفْصَةَ فَقُلْتُ لا يَغُرَّنَّكِ اَنْ كانَتْ
جارَتُكِ هِيَ اَوْضَاَ مِنْكِ وَ اَحَبَّ اِلَى النَّبِيِّ ﷺ يُرِيدُ عائِشَةَ فَتَبَسَّمَ اُخْرَى فَجَلَسْتُ حِيْنَ
رَاَيْتُهُ تَبَسَّمَ ثُمَّ رَفَعْتُ بَصَرِى فِى بَيْتِهِ فَوَاللّٰهِ ما رَاَيْتُ فِيهِ شَيْئًا يَرُدُّ الْبَصَرَ غَيْرَ اَهَبَةٍ ثَلاثَةٍ فَقُلْتُ
اُدْعُ اللّٰهَ فَلْيُوَسِّعْ عَلَى اُمَّتِكَ، فَإِنَّ فارِسَ وَالرُّومَ وُسِّعَ عَلَيْهِمْ وَ اُعْطُوا الدُّنْيا وَهُمْ لا يَعْبُدُوْنَ

اللّٰہ وَ کَانَ مُتَّکِئًا فَقَالَ اَوَفِی شَکٍّ اَنْتَ یَا ابْنَ الْخَطَّابِ اُولٰئِکَ قَوْمٌ" عُجِّلَتْ لَهُمْ طَيِّبَاتُهُمْ فِی الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اسْتَغْفِرْلِی فَاعْتَزَلَ النَّبِیُّ ﷺ مِنْ اَجْلِ ذٰلِکَ الْحَدِيْثِ حِيْنَ اَفْشَتْهُ حَفْصَةُ اِلٰی عَائِشَةَ وَكَانَ قَدْ قَالَ مَا اَنَا بِدَاخِلٍ عَلَيْهِنَّ شَهْرًا مِنْ شِدَّةِ مَوْجَدَتِهِ عَلَيْهِنَّ حِيْنَ عَاتَبَهُ اللّٰهُ، فَلَمَّا مَضَتْ تِسْعٌ" وَ عِشْرُوْنَ دَخَلَ عَلٰی عَائِشَةَ فَبَدَاَ بِهَا فَقَالَتْ لَهُ عَائِشَةُ اِنَّکَ اَقْسَمْتَ اَنْ لَا تَدْخُلَ عَلَيْنَا شَهْرًا وَاِنَّا اَصْبَحْنَا لِتِسْعٍ وَعِشْرِيْنَ لَيْلَةً اَعُدُّهَا عَدًّا فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ الشَّهْرُ تِسْعٌ" وَ عِشْرُوْنَ، وَكَانَ ذٰلِکَ الشَّهْرُ تِسْعٌ" وَ عِشْرُوْنَ قَالَتْ عَائِشَةُ فَاُنْزِلَتْ آيَةُ التَّخْيِيْرِ فَبَدَاَبِی اَوَّلَ امْرَاَةٍ فَقَالَ اِنِّی ذَاكِرٌ" لَکِ اَمْرًا وَلَا عَلَيْکِ اَنْ لَا تَعْجَلِی حَتّٰی تَسْتَامِرِی اَبَوَيْکِ قَالَتْ قَدْ اَعْلَمُ اَنَّ اَبَوَیَّ لَمْ يَكُوْنَا يَاْمُرَانِی بِفِرَاقِکَ، ثُمَّ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ قَالَ: يَا اَيُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِاَزْوَاجِکَ، اِلٰی قَوْلِهِ عَظِيْمًا، قُلْتُ اَفِی هٰذَا اَسْتَامِرُ اَبَوَیَّ، فَاِنِّی اُرِيْدُ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ، ثُمَّ خَيَّرَ نِسَاءَهُ فَقُلْنَ مِثْلَ مَا قَالَتْ عَائِشَةُ.

﴿ حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ مجھ کو ہمیشہ یہ خواہش رہی کہ حضرت عمرؓ سے ازواج النبی ﷺ میں سے ان دو کے بارے میں پوچھوں جن کے بارے میں یہ آیا ہے کہ تم دونوں اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرو تو بہتر ہے تمہارے دل تو مائل ہو ہی گئے ہیں۔ تو واقعہ یہ ہوا کہ میں نے ان کے ساتھ حج کیا تو وہ ایک ضرورت سے راستے سے ہٹ گئے تو میں بھی پانی کی چھاگل لیے ہوئے ان کے ساتھ مڑا۔ وہ ضرورت سے فارغ ہوئے اور آئے تو میں نے چھاگل سے ان کے ہاتھ پر پانی ڈالا اور انہوں نے وضو کیا۔ میں نے پوچھا کہ امیر المومنین ازواج النبی ﷺ میں سے وہ دو کون ہیں جن کے بارے میں اللہ نے حکم دیا کہ اگر تم اللہ کی طرف رجوع کرو تو یہ بہتر ہے۔ انہوں نے کہا کہ ابن عباس! تعجب ہے تم پر، وہ عائشہؓ اور حفصہؓ ہیں۔ پھر حضرت عمرؓ نے از سر نو بات لی اور اس کو آگے بڑھایا، انہوں نے کہا کہ میں اور میرا ایک انصاری پڑوسی، دونوں مدینہ کے بلند دیہات کے محلہ بنی امیہ بن زید میں رہا کرتے تھے اور ہم دونوں کا طریقہ یہ تھا کہ باری باری آنحضرت ﷺ کی مجلس میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ ایک دن وہ حاضر ہوتے اور دوسرے دن میں حاضر ہوتا تھا۔ تو جس دن میں وہاں مجلس میں ہوتا تھا تو اس دن کی ساری خبریں لے کر جاتا اور ان کو بتاتا اور جس دن وہ مجلس میں ہوتے تو اسی طرح وہ بھی کرتے۔ اور ہم قریش کے لوگ عورتوں کو اپنے دباؤ میں رکھتے تھے۔ تو جب ہم انصار

کے اندر مدینہ آئے تو ہم نے دیکھا کہ یہ لوگ ایسی قوم ہیں کہ ان کے اوپر ان کی عورتیں غالب ہیں تو ہماری عورتیں بھی ان کے طور طریقے اختیار کرنے لگیں۔ ایک روز ایسا ہوا کہ میں نے اپنی بیوی کو ڈانٹا تو اس نے فوراً مجھے جواب دیا تو یہ بات مجھے بری لگی۔ اس نے کہا کہ برا کیوں مناتے ہو اگر میں نے تمہاری بات کا جواب دیا ہے تو اللہ کی قسم، نبی ﷺ کی بیویاں ان کو تابڑ توڑ جواب دیتی ہیں اور ان میں سے کوئی کوئی ایسی بھی ہے جو دن سے لے کر رات تک آپ کو چھوڑے رہتی ہے۔ مجھے اس بات سے بڑی گھبراہٹ ہوئی اور میں نے کہا، نامراد ہوئی وہ جو ان میں سے ایسے عظیم جرم کی مرتکب ہوئی۔ پھر میں نے اپنے کپڑے پہنے اور حفصہؓ کے پاس گیا اور کہا اے حفصہ! بتاؤ کیا تم میں سے کوئی آنحضرت ﷺ سے دن سے لے کر رات تک روٹھے رہتی ہے تو اس نے کہا کہ ہاں۔ پھر میں نے کہا وہ نامراد ہوئی اور خسارے میں رہی۔ کیا تم اس بات سے بالکل نچنت ہو کہ رسول اللہ ﷺ کے غضب کے سبب سے تم پر اللہ کا غضب ہو اور تم ہلاکت میں پڑ جاؤ۔ دیکھو آنحضرت ﷺ سے زیادہ نہ مانگو اور جواب نہ دیا کرو اور آپ سے خفامت ہوا کرو۔ اگر تم کو کچھ چاہیے تو مجھ سے مانگو اور یہ بات بھی تم کو دھوکہ میں نہ ڈالے کہ تمہاری سوکن تم سے زیادہ خوبصورت اور آنحضرت ﷺ کی زیادہ چہیتی ہے، انہوں نے اس سے حضرت عائشہؓ کو مراد لیا۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ ہم دونوں آپس میں اس طرح کی یہ باتیں بھی کیا کرتے کہ غسان کے لوگ ہم پر چڑھائی کرنے کے لیے اپنے گھوڑوں کی نعلیں لگوا رہے ہیں۔ میرے ساتھی اپنی باری کے دن شہر گئے اور عشاء کے وقت لوٹے اور میرا دروازہ زور سے کھٹکھٹایا اور کہا کہ کیا وہ (عمرؓ) سو رہے ہیں۔ میں نے یہ سنا تو بڑا گھبرایا اور باہر نکلا تو انہوں نے کہا ایک عظیم واقعہ ہو گیا۔ میں نے پوچھا کیا ہوا؟ کیا غسان آ گئے تو اس نے کہا، نہیں اس سے بھی بڑا واقعہ ہوا ہے اور اس سے بھی لمبی بات ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اپنی ازواج کو طلاق دے دی ہے۔ میں نے کہا حفصہؓ کی قسمت پھوٹ گئی۔ مجھے گمان تھا کہ عنقریب یہ بات ہو کے رہے گی۔ پھر میں نے اپنے کپڑے سنبھالے اور فجر کی نماز نبی ﷺ کے ساتھ پڑھی۔ آپ اپنے مشربہ (بالاخانے) میں چلے گئے اور وہاں تنہا بیٹھ رہے۔ میں حفصہ کے پاس گیا دیکھا کہ وہ رو رہی ہے۔ میں نے کہا کیوں رو رہی ہو، کیا میں نے تم کو اس سے آگاہ نہیں کیا تھا۔ کیا آنحضرت ﷺ نے تم کو طلاق دے دی ہے۔ اس نے کہا مجھے نہیں معلوم وہ مشربہ میں ہیں۔ میں نکلا اور مسجد میں منبر کے پاس آ گیا تو میں نے دیکھا کہ وہاں کچھ لوگ بیٹھے ہوئے ہیں اور ان میں بعض رو

بھی رہے ہیں۔ تو میں تھوڑی دیر ان کے پاس بیٹھا۔ پھر میرے اوپر اس چیز نے زور پکڑا جو میں اپنے دل میں رکھتا تھا (یعنی معلوم کروں کہ کیا واقعہ ہے) تو میں مشربہ کے پاس آیا جس میں آنحضرت ﷺ تھے۔ میں نے ایک کالے غلام سے جو وہاں تھا کہا کہ عمرؓ کے لیے اجازت مانگ۔ وہ اندر گیا۔ آنحضرت ﷺ سے بات کی پھر باہر نکلا اور کہنے لگا کہ میں نے آپ کا ذکر کیا لیکن آنحضرت ﷺ خاموش رہے۔ میں لوٹ آیا اور منبر کے پاس جو لوگ بیٹھے تھے ان کے ساتھ بیٹھ گیا۔ پھر مجھ کو اس بات نے بے چین کیا جس کے لیے میں آیا تھا۔ اور میں غلام کے پاس گیا اور کہا کہ عمر کے لیے اجازت لے لیکن ویسا ہی معاملہ ہوا۔ آخر میں پیٹھ موڑ کر چلا تو اس وقت غلام نے مجھ کو پکارا اور کہا کہ آنحضرت ﷺ نے تم کو اجازت دی۔ یہ سن کر میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ آپ ایک کھری چٹائی پر لیٹے ہوئے ہیں اور آپ کے اور چٹائی کے درمیان کوئی چیز بچھی ہوئی نہیں ہے۔ میں نے دیکھا کہ چٹائی کی لائنوں کا نشان آپ کی کمر مبارک پر ہے۔ آپ ایک تکیہ پر جس میں کھجور کے پتے بھرے ہیں ٹیک لگائے ہوئے ہیں۔ میں نے سلام کیا اور کھڑے ہی کھڑے کہا کیا آپ نے ازواج کو طلاق دے دی ہے۔ آپ نے میری طرف نگاہ اٹھائی اور کہا کہ نہیں۔ پھر میں نے کہا، اور میں کھڑا بھانپ رہا تھا کہ موڈ کیسا ہے، میں نے کہا یا رسول اللہ ذرا ملاحظہ ہو ہم معشر قریش اپنی عورتوں پر حاوی تھے اور جب ایسے لوگوں میں آئے جن کی عورتیں ان پر غالب ہیں، اتنا میرا کہنا تھا کہ آپ مسکرائے، پھر میں نے کہا ذرا دیکھیے میں حفصہ کے پاس گیا تو میں نے کہا دیکھو کسی غلط فہمی میں نہ پڑو تمہاری سوکن تم سے زیادہ خوبصورت اور نبی ﷺ کو زیادہ محبوب ہے۔ میں نے حضرت عائشہؓ کو مراد لیا۔ تب بھی آپ مسکرا دیے۔ جب میں نے دیکھا کہ آپ مسکرا رہے ہیں تو میں بیٹھ گیا اور آنکھ اٹھا کر دیکھا تو کوئی چیز نہیں دیکھی سوائے بکریوں کی تین کھالوں کے جو ابھی کچی پڑی تھیں۔ تو میں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ سے دعا فرمایئے کہ آپ کی امت پر بھی فراخی بخشے۔ فارس و روم کے لیے اللہ نے فراخی دی اور ان کو دنیا ملی حالانکہ وہ اس کی عبادت نہیں کرتے۔ اس وقت نبی ﷺ ٹیک لگائے ہوئے تھے۔ آپؐ نے فرمایا کہ ابن خطاب کیا تم شک میں ہو، یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کی تمام لذتیں اسی دنیا کی زندگی میں دے دی گئی ہیں۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے لیے مغفرت فرمایئے۔ آنحضرت ﷺ نے تنہائی کا گوشہ اس بات کے سبب سے اختیار کر لیا تھا جس کا راز حضرت حفصہؓ نے حضرت عائشہؓ سے افشا کر دیا تھا اور اسی سلسلہ میں آپ نے عہد کیا تھا کہ

میں ان سے ایک مہینہ تک ملاقات نہیں کروں گا، اس غصہ کی وجہ سے جو آپ کو ان پر تھا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر عتاب کیا تھا پھر جب انتیس دن ہو گئے تو آپ حضرت عائشہؓ کے پاس گئے اور وہاں سے ازسرِ نو عائلی زندگی کا آغاز کیا تو ان سے حضرت عائشہؓ نے پوچھا کہ آپ نے تو قسم کھائی تھی کہ ایک مہینہ تک نہیں آئیں گے اور ابھی تو انتیس دن ہی ہوئے ہیں، میں گنتی رہی ہوں تو نبی ﷺ نے فرمایا کہ مہینہ بھی انتیس دن کا بھی ہوتا ہے اور وہ مہینہ تھا بھی انتیس دن کا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب آیت تخییر نازل ہوئی تو آپ نے سب سے پہلے مجھ ہی سے کہا کہ تم سے ایک بات کہہ رہا ہوں اور تم پر کوئی الزام نہیں ہوگا اگر تم جلدی نہ کرو یہاں تک کہ تم اپنے والدین سے مشورہ کر لو۔ کہتی ہیں کہ مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ میرے ماں باپ مجھے یہ حکم نہیں دے سکتے کہ میں آپ سے علیحدگی اختیار کروں تو پھر آپؐ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ **یا ایھا النبی قل لازواجک ...... عظیما** تک۔ میں نے کہا بس میں کیا اسی باب میں اپنے ماں باپ سے صلاح کروں، میں تو اللہ اور اس کے رسول اور آخرت کے گھر کو چاہتی ہوں۔ پھر آپ نے دوسری بیویوں کو بھی اختیار دیا تو سب نے حضرت عائشہؓ ہی کی طرح جواب دیا۔

وضاحت:

یہ ابن شہاب زہری کی روایت ہے اور ان کے طرز روایت کی نمائندہ ہے۔ ان کی یہ خصوصیت بیان ہوئی ہے کہ ایک روایت لاتے ہیں تو اس کے ساتھ ادھر ادھر کی تمام روایات جوڑ دیتے ہیں اور جوڑ کر ایک مرکب روایت بنا لیتے ہیں۔ محدثین خود کہتے ہیں کہ اس شخص میں یہ عیب ہے کہ اصلی روایت میں دوسری چیزیں جوڑ کر ایک داستان بنا دیتا ہے۔ میرا دعویٰ ہے، اور یہ کتب حدیث کے مطالعہ پر مبنی ہے، کہ ہر اس روایت میں، جس میں خاندان رسالت کو، حضرت ابوبکر صدیقؓ کو، حضرت عائشہؓ کو اور حضرت عمرؓ کو بدنام کرنے کا مواد موجود ہے، ابن شہاب زہری موجود ہے۔ یہ عظیم سانحہ ہے کہ ہمارے محدثین علماء حضرات کو اس کی طرف توجہ نہیں ہوتی۔ ہمارے مولانا شبلی بھی ان کو امام زہری لکھتے ہیں۔

خاص اس روایت کو دیکھئے۔ حضرت ابن عباسؓ کا استفسار صرف یہ ہے کہ آیت ان تتوبا الی اللّٰہ میں کن دو ازواج مطہرات کی طرف اشارہ ہے۔ اس کا دو لفظی جواب حضرت عمرؓ نے فوراً دے دیا کہ اس میں اشارہ عائشہؓ اور حفصہؓ کی طرف ہے۔ اس پر بات ختم ہو گئی۔ لیکن ابن شہاب کو محض اس جواب سے تسلی نہیں ہو سکتی تھی چنانچہ انہوں نے اس دور کی ازواج نبی کے الگ الگ واقعات یکجا کر دیے ہیں۔ اس طرح یہ روایت حدیث الفتن بن گئی ہے۔ اسلامی تاریخ کے جو فتنے آنحضرت ﷺ کے زمانے کے ہیں ان سب کی جڑیں اس میں موجود ہیں۔ انہوں نے واقعات کو اس طریقے سے بیان

کیا ہے کہ اس کے تمام پہلو جو بالکل معصومانہ ہیں وہ بدنما شکل میں ظاہر ہوں۔

پوری روایت دیکھئے تو کئی واقعات کو یکجا کر کے نبی ﷺ کی گھریلو زندگی کی پوری داستان بنائی گئی ہے۔ اس میں حضور کے قسم کھانے کا واقعہ بھی ہے، ایلا بھی ہے اور تخییر بھی، اور یہ بھی کہ کسی بیوی سے آپ نے کوئی راز کی بات کی اور انہوں نے اس راز کو افشا کر دیا۔

امام صاحب اس روایت کو جس باب میں لائے ہیں وہ بالا خانوں اور بیٹھک وغیرہ کے بارہ ہے۔ یہاں لفظ مشربہ استعمال ہوا ہے جس کا مطلب ہے پینے پلانے کی جگہ۔ جاہلیت میں یہ طریقہ تھا کہ مکان کے کسی حصہ میں بیٹھک بنا لیتے۔ جب احباب آتے تو ان کو پینے پلانے کا بندوبست اسی میں ہوتا، لوگ مل کر اودھم مچاتے، یہ کمرے جب چھت کے اوپر ہوتے تو علیہ کہلاتے اور اگر نیچے ہوتے تو ان کو مشربہ کہا جاتا۔ جب ایک نام پڑ جاتا ہے تو خواہ مقاصد بدل جائیں وہی نام چلتا ہے۔ اس لیے مشربہ کے لفظ سے کوئی غلط فہمی نہ ہونی چاہیے۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میری خواہش تھی کہ سورہ تحریم کی آیت ان تتوبا الی اللہ فقد صغت قلوبکما کی تفسیر میں حضرت عمرؓ سے دریافت کروں۔ جب میں ان کی امارت میں حج کو گیا تو مجھے سوال کرنے کا موقع مل گیا۔ وہ ضرورت کے لیے رستے سے ایک طرف مڑے تو میں نے پانی کا برتن لیا اور آگے بڑھ کر ان کے حوالے کیا۔ جب وہ استنجا سے فارغ ہوئے تو میں نے اپنا سوال پیش کیا۔ انہوں نے فرمایا یہ واقعہ عائشہ اور حفصہ کا ہے۔ یہاں بات تمام ہو گئی لیکن اس سے ابن شہاب کا کام نہیں چلتا۔ لہٰذا کہتے ہیں ثم استقبل عمر الحدیث یسوقہ۔ اس کا مطلب ہے حضرت عمر نے بات یوں اٹھائی، یہی ترجمہ ہو گا۔ استقبل الحدیث کے معنی ہیں پھر انہوں نے از سر نو سرگذشت لی اور بات آگے بڑھائی۔ قابل غور بات یہ ہے کہ جب حضرت عمرؓ اصل سوال کا جواب دے چکے تو وہ اس دور کے دوسرے واقعات کو، جو سوال سے غیر متعلق بھی ہیں، کیوں زیر بحث لائے۔ حضرت عمرؓ آئے ہیں استنجا کر کے، حج کے سفر میں ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ عرفات سے مزدلفہ جاتے ہوئے کہیں رکے ہوں گے۔ تو اس وقت اتنی طویل گفتگو کرنے کا ان کو موقع بھی نہیں مل سکتا تھا۔ اتنا کہہ دیا ہو گا کہ مراد عائشہؓ اور حفصہؓ ہیں۔ لیکن ابن شہاب کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ دوران حج حضرت عمرؓ کو اتنی فرصت تھی کہ انہوں نے نہ صرف اصل سوال بلکہ کتنے ہی غیر متعلق واقعات پوری تفصیل سے بیان کر دیے۔ ہے نا یہ تعجب کی بات!

ان تمام واقعات کے پس منظر کو اچھی طرح سمجھ لیجئے۔ یہ ہماری تاریخ کے بڑے اہم واقعات ہیں۔ ایک زمانے میں جو غالباً ۵ یا ۶ ہجری کا ہے، منافقین اور منافقات نے ایک مہم شروع کر دی تھی کہ آنحضرت ﷺ کی گھریلو زندگی کو تہہ و بالا کر دیں۔ منافقات جاتیں اور ازواج مطہرات سے بظاہر بہت دلداری کی باتیں کرتیں کہ آپ سرداروں کی بیٹیاں ہیں اور انہوں نے آپ کو قیدی بنا کر رکھا ہے۔ آپ کو کپڑا ملتا ہے نہ روٹی ملتی ہے اور نہ کوئی عیش و آرام ہے۔ یہ اگر آپ کو طلاق دے دیں تو بڑے بڑے سردار آپ کو پیغام دیں۔ اس طرح کی باتیں کی جاتیں تاکہ گھر کے اندر ایک بے اطمینانی کی فضا

پیدا کی جائے۔ تاریخ اور قرآن میں اس کے واضح اشارات ہیں۔ منافقین کی یہ بات بھی بیان ہوئی ہے کہ جب کھانے پر بلایا جاتا تو آتے اور بیٹھ کر گپیں ہانکنے لگتے۔ ظاہر ہے کہ یہ حضور ﷺ اور ازواج مطہرات کے لیے باعث اذیت ہوتا۔ قرآن نے امہات المومنین کو یہ ہدایت دی کہ جب یہ باتیں کریں تو بہت سادہ جواب دیں اس لیے کہ یہ کمینے لوگ ہیں۔ تمہاری باتوں سے غلط فائدہ اٹھائیں گے۔ یہ بات فطری ہے کہ جب تقریریں کی جائیں گی تو آدمی ہے، کچھ تو متاثر ہو گا اور اگر نہ بھی ہوگا تو متاثر ہونے کا اندیشہ تو ہوگا۔

اسی دوران اور دوسرے واقعات بھی جمع ہو گئے۔ آنحضرت ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات میں سے کسی سے ایک بات کہی اور اس سے متعلق یہ ہدایت کی کہ اس کو راز رکھنا، لیکن انہوں نے دوسری بیوی سے بات کر دی۔ ہو سکتا ہے کہ وہ سیدہ حفصہؓ اور سیدہ عائشہؓ ہی ہوں، لیکن ظاہر ہے کہ یہ دلیل ہے اس بات کی کہ دونوں سیدات میں بڑی اعتماد کی فضا تھی جو راز کی باتیں بھی ہوتی تھیں وہ ایک دوسرے پر ظاہر کر دیتی تھیں۔ ابن شہاب تو یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ رات دن ان کے درمیان ٹھنی رہتی تھی۔ رہ گیا یہ کہ واقعہ کیا تھا تو یہ گھٹیا منافقین ہی ہیں جو ماں باپ کے واقعات میں کھوج کرتے ہیں۔ کوئی بات بھی ہو سکتی ہے۔ ممکن ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یہ چاہا ہو کہ ایک رویہ اختیار کر کے جو چیز پیدا ہو سکتی ہے اس کو پہلے ہی ختم کر دیں۔ اس بناء پر آپؐ نے اپنی زوجہ محترمہ کو راز کھولنے سے روکا لیکن انہوں نے بر بنائے اعتماد بات دوسری زوجہ کو بتا دی۔ اب یہ بات کہ آنحضرت ﷺ نے اس پر ٹوکا ہے تو کوئی بھی شوہر بیوی کو ٹوک سکتا ہے۔ اس لیے کہ بیوی پر سب سے بڑا فرض جو عاید ہوتا ہے وہ شوہر کی رازداری ہے۔ آنحضرت ﷺ کو منافقین کی سب شرارتوں کا پتہ تھا اور آپ نے ٹوکا تو گویا متنبہ کیا کہ اندازہ ہو جائے کہ بات کیا ہے۔ دوسری بیوی نے بھی اس کا برا منایا تو وہ بھی ایک فطری بات تھی کہ مجھ ہی کو تو بتایا تھا، آخر اس میں اعتراض کیوں ہو۔ نفسیاتی طور پر وہ بھی ناخوش ہوئیں۔ واقعہ سورہ تحریم میں مختصراً بیان ہوا ہے لیکن اس کو روایات میں نہایت گھناؤنا بنا کر بیان کیا گیا ہے۔ ایک ناقابل بیان واقعہ بنایا گیا کہ اس کو حضرت حفصہؓ نے دیکھا تھا۔ نبی ﷺ نے ان سے کہا دیکھیے اس کا ذکر عائشہؓ سے نہ کرنا اور آپؐ نے حضرت ماریہ قبطیہ کے متعلق فیصلہ کیا کہ ان سے نہیں ملوں گا۔ یہ شان نزول بتاتے ہیں لم تحرم ما احل اللہ لک کی۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک بات کہی جس کا قرآن نے کوئی حوالہ نہیں دیا اور نہ کسی زوجہ محترمہ سے کسی کو معلوم ہوئی۔ بیوی صاحبہ نے اس کو بیان کر دیا۔ آنحضرت ﷺ نے اس پر ٹوکا تو بجائے اس کے کہ اپنی غلطی کا اعتراف کرتیں اس پر انہوں نے اپنی غیرت کا اظہار کیا اور یہ دلیل ہے اس بات کی کہ انہیں بھی اپنے شوہر پر اعتماد تھا۔ نہ یہ کوئی انصار کا اثر تھا اور نہ مہاجرین کا بلکہ ایک فطری چیز تھی جس کو ایک عورت محسوس کر سکتی ہے جب کہ اس کے نزدیک بات کی کوئی خاص اہمیت بھی نہ ہو۔ لیکن آنحضرت ﷺ نے اندازہ کیا کہ ذہنوں میں یہ چیز پیدا ہو رہی ہے اور آپؐ نے متنبہ فرما دیا اور بات رفت گزشت ہو گئی۔

اسی زمانے میں یہ ہوا کہ آنحضرت ﷺ کے پاؤں میں چوٹ آئی اور آپ زیادہ چل پھر نہیں سکتے تھے اور مشربہ

میں بیٹھے رہتے تھے۔ آنحضرت ﷺ کی تنہائی کو دیکھ کر منافقین نے یہ مشہور کر دیا کہ آپ ؐ نے اپنی ازواج کو طلاق دے دی ہے۔ مشربہ میں بیٹھنے کو منافقین نے غلط رنگ دے دیا۔ یہ بات کہ آنحضرت ﷺ نے علیحدگی اختیار کی تھی تو وہ تعلیم، تہذیب اور تربیت کے لیے تھی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ازواج مطہرات قرآن کی رو سے آنحضرت ﷺ کے دعوتی مشن میں شریک ہیں، جو آپ کے ذمہ تھا۔ خواتین کے اندر دین کی تبلیغ کا تو انھی کو ذریعہ بننا تھا اور اسلام میں ان کی ادنیٰ چیزوں پر بھی گرفت ہوتی تھی جو آپ نے کی۔ اس لیے آپ تنبیہ ہے کہ ان لوگوں کو احساس رہے کہ ذرہ برابر بھی کوئی اور بات کی تو آنحضرت ﷺ اس سے آگے بڑھ سکتے ہیں۔ اس طرح کی تنبیہ ہر معقول آدمی کرتا ہی ہے۔ نیز یہ مسئلہ بھی آنحضرت ﷺ کے سامنے تھا کہ ان منافقین کی جرأت بڑھتی جا رہی ہے تو آنحضرت ﷺ نے بہت صحیح پالیسی اختیار کی کہ ازواج سے ایلا کر لیا یعنی ان سے علیحدگی اختیار کر لی۔ جب ایک ماہ ختم ہوا آپ نے اپنی ازواج کو اختیار دے دیا کہ دین کا کام کرنا چاہتی ہو تو یہ کرو اور اگر دنیا مطلوب ہے تو میں تم کو اختیار دیتا ہوں تم آزاد ہو۔ ظاہر ہے کہ سب سیدات نے آنحضرت ﷺ ہی کو اختیار کرنا تھا۔ اس طریقہ سے منافقین کی حوصلہ شکنی ہو گئی کہ یہاں دال نہیں گلنے کی۔ ہم تو کہتے رہے کہ تم کو قیدی بنایا ہے لیکن کسی نے ہماری بات نہیں مانی اور سب نے انھی کو اختیار کیا۔ تو اس سے بڑی شہادت اور کوئی نہیں ہو سکتی تھی اس لیے آپ نے تخییر کی اور آپ نے جو ایک مہینے کی علیحدگی اختیار کی اس کے محرکات دوسرے تھے۔

باقی رہ گئی مدینہ کی عورتوں اور مکہ کی عورتوں والی بات تو یہ حقیقت ہے کہ اس طریقہ کا کوئی فرق نہیں تھا۔ مدینہ کی عورتیں تو کسانوں کی بیویاں تھیں، کوئی فیشن ایبل نہ تھیں۔ ریاست وغیرہ اگر تھی تو قریش میں تھی۔ البتہ ان کے بچے صحراؤں میں پلتے تھے اور دائیاں دودھ پلاتی تھیں۔ گویا اصل صورت حال یہ ہے کہ یہ سارے واقعات، علیحدگی کے عزلت گزینی کے، ایلا کے اور تخییر کے بلاشبہ ہوئے تو ایک ہی دور میں ہیں لیکن ان کو داستان بنانا یہ ابن شہاب کا کام ہے اور بنانے کا مقصد یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی گھریلو زندگی کے متعلق یہ تاثر دیا جائے کہ نہایت ہی پریشان زندگی تھی اور الجھنوں سے بھری تھی، ازواج کو کنٹرول نہیں کر سکے وغیرہ وغیرہ۔

روایت میں آیت کا جو حوالہ دیا ہے، **فقد صغت قلوبکما**، تو اس کا ترجمہ یہ نہیں ہے کہ "اگر تم توبہ کرو تو تمہارے لیے بہتر ہے اس لیے کہ تمہارے دل کج ہو گئے ہیں" بلکہ صحیح عربی کے لحاظ سے ترجمہ یہ ہو گا کہ "اگر تم توبہ کرو تو تمہارے شایان شان بھی ہے اس لیے کہ تمہارے دل تو اللہ کی طرف مائل ہی ہیں"۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ **صغو أ میل الی الشئی** کے لیے آتا ہے، **میل عن الشئی** کے لیے نہیں آتا، یعنی کسی چیز سے انحراف کے معنی میں نہیں آتا بلکہ کسی چیز کی طرف مائل ہونے کے لیے آتا ہے۔ مولانا حمید الدین فراہی نے اس کی صحیح تفسیر کر دی ہے۔ میرا مشورہ ہے کہ مولانا فراہی کی تفسیر سورہ تحریم کو آپ پڑھ لیں تو بات سمجھنے میں آسانی ہو گی ورنہ زحمت ہو گی۔

یہ اصل واقعات ہیں جو میں نے بیان کر دیے ہیں اور جو روایت سے بنایا گیا ہے وہ بھی واضح کر دیا ہے۔ ایک

دور کے بہت سارے واقعات کو ان لوگوں نے ایک جگہ بیان کر دیا ہے تو ان تمام پہلوؤں کو واضح طور پر سمجھنا ضروری ہے۔ مان تو سب لیجیے، تاویل وہ ہوگی جو میں نے کردی ہے۔

۳۰۔ حَدَّثَنَا ابْنُ سَلَامٍ حَدَّثَنَا الْفَزَارِيُّ عَنْ حُمَيْدٍ الطَّوِيلِ عَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ آلَى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ مِنْ نِسَائِهِ شَهْرًا وَ كَانَتِ انْفَكَّتْ قَدَمُهُ فَجَلَسَ فِي عُلِّيَّةٍ لَهُ فَجَاءَ عُمَرُ فَقَالَ اَطَلَّقْتَ نِسَائَكَ قَالَ لَا: وَلٰكِنِّي آلَيْتُ مِنْهُنَّ شَهْرًا، فَمَكَثَ تِسْعًا وَ عِشْرِينَ ثُمَّ نَزَلَ فَدَخَلَ عَلٰى نِسَائِهِ.

﴿حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی ازواج سے ایک مہینہ کے لیے ایلا کر لیا تھا اور آپؐ کے پاؤں کا ایک جوڑ اس دوران اکھڑ گیا تھا تو آپؐ اپنے بالاخانہ میں مقیم ہو گئے۔ وہیں حضرت عمرؓ آئے اور پوچھا کہ کیا آپ نے اپنی ازواج کو طلاق دے دی ہے۔ آپؐ نے فرمایا نہیں بلکہ میں نے ایک مہینہ کے لیے علیحدگی کا عہد کر لیا تھا تو وہاں آپ انتیس دن رہے۔ اس کے بعد وہاں سے اترے اور اپنی ازواج کے پاس گئے۔﴾

وضاحت:

اس روایت میں علیہ کا لفظ آیا جو بالاخانہ کے لیے آتا ہے۔ پچھلی روایت میں غرفۃ کا لفظ تھا۔ مکان کے سامنے اچھے کھاتے پیتے لوگ اپنی چھوٹی سی ایک بیٹھک بنا لیتے تھے اور زمانہ جاہلیت سے ہی اس کو مشربہ کہتے تھے۔ پھر یہ الفاظ عام ہو گئے اور ان کے درمیان امتیازی خصوصیت باقی نہیں رہی بلکہ یہ الفاظ ہر اس کمرہ کے لیے استعمال ہونے لگے جو بیٹھنے کے لیے ہو۔ آنحضرت ﷺ کا بھی ایک کمرہ تھا اور زکوۃ وغیرہ کا جو مال آتا تھا وہ بھی اسی میں رکھا جاتا تھا۔ اوپر والی روایت میں ذکر ہے کہ بکری کی تین کھالیں وہاں پڑی ہوئی تھیں۔ آنحضرت ﷺ کا ایک حبشی غلام اس پر نگرانی کرتا تھا اور حضرت بلالؓ بھی اس سے تعلق رکھتے تھے اور اسی میں سے کچھ لیتا دیتا ہوتا تھا۔ آنحضرت ﷺ کے پاس کبھی کچھ زیادہ مال نہیں رہا۔ وقت کے وقت جو کچھ آتا تقسیم کر دیا جاتا اور اتنا مال آتا بھی نہیں تھا۔ زیادہ مال کا دور فتوحات کے بعد آیا۔

میں یہ بتا چکا ہوں کہ ایک دور کے مختلف واقعات تھے جس کے پس منظر میں منافقین کی ریشہ دوانیاں تھیں جو آنحضرت ﷺ کی خانگی زندگی کو تلخ بنانے کے لیے انہوں نے شروع کر رکھی تھیں۔ اس زمانے میں یہ واقعہ بھی ہوا کہ آپ کے پاؤں میں چوٹ آ گئی۔ اس روایت میں اس کا ذکر ہے، اوپر والی روایت میں نہیں تھا۔ پاؤں کی چوٹ کی وجہ سے آپ وہاں بیٹھے تھے تو منافقین نے یہ مشہور کر دیا کہ آپؐ نے ازواج کو طلاق دے دی ہے۔ قرآن سے پتہ چلتا ہے کہ نبی ﷺ

نے کسی بیوی سے کوئی بات کہی اور تاکید کی کہ کسی سے نہ کہنا لیکن انہوں نے بتا دی۔ آنحضرت ﷺ نے جب پوچھا تو بجائے اس کے کہ توبہ واصلاح کرکے وہ آپؐ کو مطمئن کرنے کی کوشش کرتیں انہوں نے پوچھا کہ آپؐ کو کس نے بتایا۔ ہو سکتا ہے یہی بات بنیاد بنی ہو کہ آپؐ ازواج کو کچھ تنبیہ فرمادیں۔ چنانچہ آپؐ اپنی ازواج سے علیحدگی اختیار کرکے ایک خاص کمرے میں رہنے لگے اس پر منافقین کو یہ کہنے کا موقع ملا کہ آپؐ نے تمام ازواج کو طلاق دے دی ہے۔ یہی خبر جب حضرت عمرؓ نے سنی تو وہ حقیقت معلوم کرنے کے لیے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپؐ نے فرمایا کہ میں نے اپنی بیویوں سے ایک ماہ تک نہ ملنے کی قسم کھائی ہے، ان کو طلاق نہیں دی۔ چنانچہ حضور ۲۹ دن کے بعد گھر تشریف لائے۔ سب سے پہلے حضرت عائشہؓ کے ہاں گئے تو انہوں نے ازراہ مذاق کہا کہ آپ نے علیحدگی تو ایک ماہ کی اختیار کی تھی لیکن آپ ۲۹ دن کے بعد ہی گھر آ گئے۔ تو آپ نے فرمایا، مہینہ ۲۹ دن کا بھی ہوتا ہے۔

ازواج کی تنبیہ کیوں ضروری تھی؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ ازواج مطہراتؓ ملت کی خواتین کے لیے نمونہ ہیں اور ان کے اندر اگر کسی قسم کی بھی کمزوری رہتی ہے تو وہ کمزوری پیغمبر کی کمزوری کے مانند ہے۔ اور ان کی یہ کمزوری سب کے لیے نمونہ بن سکتی ہے تو آپؐ نے اس پر گرفت کی۔ قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ ازواج النبی ﷺ امت کی خواتین میں دین کی شہادت دینے کے لیے اسی طریقہ سے مامور ہیں جس طریقے سے کہ پیغمبر ہیں۔ اس وجہ سے ان پر قیدیں، شرطیں، زندگی کے معیارات اور اصول بہت معیاری طور پر بیان ہوئے ہیں جو خودداری کا اظہار ان کی زوجہ محترمہ نے کیا وہ ایک فطری عمل تھا اور ذرہ برابر بھی دنائت اور معصیت کا اس میں کوئی دخل نہ تھا۔ لیکن آنحضرت ﷺ نے یہ چاہا یہ کام بھی ہو جائے کہ منافقین اور منافقات کا جو اثر پڑ رہا ہے اس کا پورے طریقہ سے ازالہ ہو جائے۔ ایک ماہ کی علیحدگی کے بعد آپؐ گھر آئے تو آپؐ نے فرداً فرداً تمام ازواج کو اختیار دیا کہ پیغمبرؐ کی رفاقت پر قناعت کرتی ہیں یا علیحدگی حاصل کرنے کی خواہش مند ہیں۔ یہ واقعہ تخییر کہلاتا ہے۔ تمام ازواج نے دل وجان سے رسول اللہؐ کی رفاقت کو ترجیح دی۔

اس سے یہ واضح ہو گیا کہ یہاں میاں بیوی کا تعلق ہی نہیں بلکہ اس سے آگے بہت کچھ ہے اور دوسروں کے لیے انہیں اپنی زندگی کو کامل ایثار کا نمونہ بنانا پڑے گا۔ اللہ کو اور اس کے رسول ﷺ کو اختیار کرنے کے بعد دنیا کے تمام مطامع سے وہ آزاد ہوں اور اللہ کے دین کو پھیلانے کے کام میں وہ لگی رہیں۔ غرض آپؐ نے منافقین کی سازشوں کا توڑ کرنے کے لیے تخییر کا یہ طریقہ اختیار کیا اور تمام ازواج مطہراتؓ نے آپؐ ہی کو اختیار کیا اور یہ چیز منافقین کی حوصلہ شکنی میں بہت اہم ثابت ہوئی ہوں گی۔

٢٦. باب: مَنْ عَقَلَ بَعِيرَهُ عَلَى الْبَلَاطِ اَوْ بَابِ الْمَسْجِدِ

باب: اس کے بارے میں کہ جس نے اپنا اونٹ بلاط پر یا مسجد کے دروازہ پر باندھ دیا

بلاط: زمین کو سخت کرنے کے لیے ایک خاص قسم کے پتھر بچھا دیے جاتے۔ ان کو بلاط کہتے ہیں۔ پھر وہ تمام جگہ جس پر فرش باندھا گیا ہو بلاط کہلانے لگی۔

٣١۔ حَدَّثَنَا مُسْلِمٌ" حَدَّثَنَا اَبُو عَقِيلٍ حَدَّثَنَا اَبُو الْمُتَوَكِّلِ النَّاجِيُّ قَالَ اَتَيْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِاللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ دَخَلَ النَّبِيُّ ﷺ الْمَسْجِدَ فَدَخَلْتُ اِلَيْهِ وَعَقَلْتُ الْجَمَلَ فِي نَاحِيَةِ الْبَلَاطِ فَقُلْتُ هٰذَا جَمَلُکَ فَخَرَجَ فَجَعَلَ يُطِيفُ بِالْجَمَلِ، قَالَ الثَّمَنُ وَالْجَمَلُ لَکَ.

﴿ابوالمتوکل ناجی کہتے ہیں کہ میں جابر بن عبداللہ کے پاس آیا۔ انہوں نے کہا کہ نبی ﷺ مسجد میں داخل ہوئے تو میں بھی آپ کے پاس گیا اور اونٹ کو بلاط کے کونے میں باندھ دیا اور میں نے کہا حضور یہ آپ کا اونٹ حاضر ہے۔ آپ باہر تشریف لائے اور اونٹ کے گرد پھرنے لگے۔ آپؐ نے فرمایا: قیمت بھی اور اونٹ بھی تمہارا ہے۔﴾

وضاحت:

حضرت جابرؓ کے بارے میں یہ واقعہ پیچھے کئی بار آچکا ہے۔ آپ کا اونٹ آنحضرت ﷺ نے سفر کے دوران خرید لیا تھا۔ جب مدینہ پہنچے تو مسجد نبوی پر یہ واقعہ ہوا جو روایت میں آیا ہے اور آپؐ نے فرمایا اونٹ بھی تمہارا اور رقم بھی تمہاری۔ یہ آنحضرت ﷺ کے جود و کرم کے طریقے تھے۔ اس خیال سے کہ لوگ تکلف کریں گے کوئی بہانہ پیدا کر کے آپ ان کی مدد کرتے۔ آپ لوگوں کو دیے ہوئے ہدیہ میں سے لوگوں کو ہدیہ دیتے۔ ہدیہ دینا ایک فیاض آدمی کے لیے ضروری ہے۔

یہ روایت باب سے مطابقت رکھتی ہے لیکن خود اس باب کی کیا اہمیت ہے؟ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی۔

٢٧. باب: الْوُقُوفِ وَالْبَوْلِ عِنْدَ سُبَاطَةِ قَوْمٍ.

باب: کسی قوم کے گھورے پر ٹھہرنا اور وہاں پیشاب کرنا

٣٢۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ اَبِي وَائِلٍ عَنْ حُذَيْفَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ لَقَدْ رَاَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ اَوْ قَالَ لَقَدْ اَتَى النَّبِيُّ ﷺ سُبَاطَةَ قَوْمٍ فَبَالَ قَائِمًا.

﴿حضرت حذیفہؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا یا یوں کہا کہ نبی ﷺ ایک قوم کے گھورے پر آئے اور وہاں کھڑے کھڑے پیشاب کیا۔﴾

وضاحت:

یہ روایت کتاب الوضوء میں گزر چکی ہے۔ کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کی وجہ یہ رہی ہوگی کہ کوڑے اور نجاست میں بیٹھنے کی جگہ نہیں ہوگی۔ لیکن اچھا ہوا کہ لوگوں کے لیے اجازت ہو گئی اور معلوم ہوا کہ ضرورت کے وقت کھڑے ہو کر پیشاب کیا جا سکتا ہے لیکن ایسی ضرورت کبھی کبھار ہی پیش آتی ہے۔

۲۸ . باب: مَنْ اَخَذَ الْغُصْنَ، وَمَا يُؤْذِی النَّاسَ فِی الطَّرِيقِ فَرَمٰى بِهِ.

باب: راستہ میں سے کانٹوں کی ڈالی اور کوئی تکلیف دہ چیز اٹھا کر پھینک دینے والے کے بارے میں۔

۳۳۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ اَخْبَرَنَا مَالِکٌ عَنْ سُمَيٍّ عَنْ اَبِی صَالِحٍ عَنْ اَبِی هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ بَيْنَمَا رَجُلٌ يَمْشِی بِطَرِيقٍ وَجَدَ غُصْنَ شَوْکٍ فَاَخَذَهُ فَشَكَرَ اللّٰهُ لَهُ فَغَفَرَ لَهُ.

﴿حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ ایک آدمی راستہ میں جا رہا تھا۔ اسے ایک کانٹے دار شاخ مل گئی اس نے اس کو اٹھا لیا (اور پھینک دیا) تو اللہ تعالیٰ نے اس کی قدر کی اور اس کو بخش دیا۔﴾

وضاحت:

اس کلیہ کو سامنے رکھیے وہ یہ کہ چھوٹے سے چھوٹے عمل کو حقیر نہیں سمجھنا چاہیے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہی چھوٹا عمل آپ کی بخشش کا سبب بن جائے۔ قرآن میں اصول بیان ہوا کہ جس کی میزان بھاری ہوئی وہ کامیاب ہوا۔ تو ہو سکتا ہے کہ ایک چھوٹا عمل نیکی کے پلڑے کو جھکا دے۔

۲۹ . باب: اِذَا اخْتَلَفُوا فِی الطَّرِيقِ الْمِيتَاءِ، وَهِیَ الرَّحْبَةُ تَكُونُ بَيْنَ الطَّرِيقِ، ثُمَّ يُرِيدُ اَهْلُهَا الْبُنْيَانَ فَتُرِکَ مِنْهَا الطَّرِيقُ سَبْعَةَ اَذْرُعٍ.

باب: اس بارے میں کہ چلتے ہوئے راستہ کے بارے میں لوگوں میں اختلاف ہو

جائے، پھر اردگرد کے باشندے وہاں مکان بنانا چاہیں تو لازم ہے کہ بقدر سات ہاتھ راستہ چھوڑ دیں۔

وضاحت:

الطَّرِيقِ الْمِيتَاءِ: چلتا ہوا راستہ، کشادہ اور آباد راستہ

رحبہ: دو راستوں کے درمیان کھلی جگہ۔

یعنی ایک کشادہ راستہ خاصا آباد ہے۔ اس کے بارے میں کوئی تنازع پیدا ہوتا ہے اور کوئی شخص اس پر مکان بنانا چاہتا ہے تو وہ راستے کو بند کر کے ایسا نہیں کر سکتا۔ بلکہ اس کو گزرنے والوں کے لیے سات ہاتھ کا راستہ دینا ہوگا۔ سات ہاتھ اچھا خاصہ ہے اور ہاتھ معروف معنی میں لیا جائے گا کہنیوں تک یا مونڈھوں تک۔ آدمیوں اور جانوروں وغیرہ کے لیے یہ راستہ چھوڑا جائے گا۔ کسی کو کارپوریشن کے اصول لکھنے ہوں تو یہ روایت کام آئے گی۔

۳۴۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمٰعِيلَ حَدَّثَنَا جَرِيرُ بْنُ حَازِمٍ عَنِ الزُّبَيْرِ بْنِ خِرِّيتٍ عَنْ عِكْرِمَةَ سَمِعْتُ اَبَاهُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَضَى النَّبِيُّ ﷺ اِذَا تَشَاجَرُوا فِي الطَّرِيقِ بِسَبْعَةِ اَذْرُعٍ.

﴿عکرمہ کہتے ہیں کہ میں نے ابو ہریرہؓ سے سنا کہ آنحضرت ﷺ نے راستے کے جھگڑے میں یہ فیصلہ دیا کہ سات ہاتھ راستہ چھوڑ دیا جائے۔﴾

وضاحت:

اب یہ کاروں کا زمانہ ہے تو ان چیزوں کے لیے گلیوں میں ضرورت کے مطابق راستہ چھوڑنا ہوگا۔ اس سلسلہ میں کارپوریشن اصول وضوابط بنا سکتی ہے۔

۳۰. باب: النُّهْبَى بِغَيْرِ اِذْنِ صَاحِبِهِ، وَقَالَ عُبَادَةُ بَايَعْنَا النَّبِيَّ ﷺ اَنْ لَا نَنْتَهِبَ.

باب: لوٹ کھسوٹ بغیر اس کے مالک کے اذن کے اور حضرت عبادہ نے کہا کہ نبی ﷺ نے ہم سے بیعت لی اس بات پر کہ ہم لوٹ کھسوٹ نہیں کریں گے۔

باب میں ایک افادیت ہے وہ یہ کہ لوٹ کھسوٹ دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک یہ کہ زبردستی کسی کو لوٹ لیا۔ دوسرا یہ کہ

جیسے نکاح کے چھوہارے لوگوں کی طرف پھینک دیے جاتے ہیں تو جو کسی کے ہاتھ میں آ جاتا ہے وہ اسے لے لیتا ہے۔ لیکن یہ صاحب مال کے اذن سے اور اس کا لوٹ لینا جائز ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ بھی ناجائز ہے۔ میرے نزدیک یہ جائز تو ہے لیکن وقار کے خلاف ہے اور دین میں وقار کا بھی ایک مقام ہے۔

۳۵۔ حَدَّثَنَا آدَمُ بْنُ أَبِي إِيَاسٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ حَدَّثَنَا عَدِيُّ بْنُ ثَابِتٍ سَمِعْتُ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ يَزِيدَ الْأَنْصَارِيَّ وَهُوَ جَدُّهُ أَبُو أُمِّهِ قَالَ نَهَى النَّبِيُّ ﷺ عَنِ النُّهْبَى وَالْمُثْلَةِ

﴿عبداللہ بن یزید انصاری کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے لوٹ کھسوٹ اور مثلہ سے منع فرمایا ہے۔ مقتول کی نعش کے ناک کان کاٹ کر شکل بگاڑنے کو مثلہ کہا جاتا ہے۔﴾

۳۶۔ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عُفَيْرٍ قَالَ حَدَّثَنِي اللَّيْثُ حَدَّثَنَا عُقَيْلٌ" عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ لَا يَزْنِي الزَّانِي حِينَ يَزْنِي وَهُوَ مُؤْمِنٌ" وَلَا يَشْرَبُ الْخَمْرَ حِينَ يَشْرَبُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ" ، وَلَا يَسْرِقُ حِينَ يَسْرِقُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ" وَلَا يَنْتَهِبُ نُهْبَةً يَرْفَعُ النَّاسُ إِلَيْهِ فِيهَا أَبْصَارَهُمْ حِينَ يَنْتَهِبُهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ" وَعَنْ سَعِيدٍ وَأَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ مِثْلَهُ إِلَّا النُّهْبَةَ.

﴿حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، زنا کرنے والا جس وقت زنا کرتا ہے وہ مومن نہیں ہوتا۔ شراب پینے والا جس وقت شراب پی رہا ہوتا ہے، مومن نہیں ہوتا اور چور جس وقت چوری کرتا ہے اس وقت مومن نہیں ہوتا اور لوٹنے والا جب کوئی ایسی لوٹ کرتا ہے جس کی طرف لوگ آنکھ اٹھا کر دیکھتے ہیں تو وہ مومن نہیں ہوتا۔ سعید اور ابو سلمہ نے بھی ابو ہریرہؓ سے ایسی ہی روایت کی لیکن اس میں لوٹ کا ذکر نہیں ہے۔﴾

وضاحت:

مطلب یہ ہے کہ جب آدمی جسارت کے ساتھ سوچ سمجھ کر دل سے گناہ کرتا ہے تو واقعی اس کا ایمان اس سے مفارقت اختیار کر لیتا ہے اور اس وقت تک واپس نہیں آتا جب تک کہ وہ توبہ نہیں کرتا۔ ایمان ایسی چیز تو ہے نہیں کہ ہر ایک کے ساتھ چپکا رہے۔ لیکن ان گناہوں کا مرتکب ہونا کفر نہیں ہے، اتنی مہلت ہوگی کہ جلدی توبہ کر لی تو اللہ تعالیٰ فوری توبہ قبول کرے گا۔ اگر آپ نے اس پر زندگی گزار دی اور توبہ نہ کی تو سارے نیک اعمال چٹ ہو جائیں گے۔ ایک چیز ہے کہ مرنے سے پہلے توبہ تو کر لی لیکن دیر لگا دی تو میرا اجتہاد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے گا۔

۳۱. باب: كَسْرِ الصَّلِيْبِ وَ قَتْلِ الْخِنْزِيْرِ

باب: صلیب کو توڑنے اور خنزیر کے قتل کے بارے میں

۳۷۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ قَالَ اَخْبَرَنِيْ سَعِيْدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ سَمِعَ اَبَاهُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى يَنْزِلَ فِيْكُمُ ابْنُ مَرْيَمَ حَكَمًا مُقْسِطًا فَيَكْسِرَ الصَّلِيْبَ وَ يَقْتُلَ الْخِنْزِيْرَ وَ يَضَعَ الْجِزْيَةَ وَ يَفِيْضَ الْمَالُ حَتّٰى لَا يَقْبَلَهُ اَحَدٌ"۔

﴿ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک تم میں ابن مریم (حضرت عیسیٰؑ) ایک عادل فیصلہ کرنے والے بن کر نمودار نہ ہو جائیں۔ وہ صلیب کو توڑیں گے اور خنزیر کو قتل کریں گے اور جزیہ عاید کریں گے اور مال کی بہتات ہوگی یہاں تک کہ کوئی قبول کرنے والا نہ ہوگا۔﴾

وضاحت:

یہ روایت پیچھے کتاب المسیح باب قتل الخنزیر میں آ چکی ہے۔ اس پر وہاں تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔ نزول مسیح سے متعلق روایات مسلم شریف میں زیادہ ہیں۔ ان روایات کے متعلق یہ ہے کہ ان میں ہر جگہ زہری موجود ہے اور زہری شیعہ ہے۔ یہاں اس نے سعید بن مسیب کو پکڑا ہے جو آدھے شیعہ ہیں یعنی شیعوں میں شیعہ اور سنیوں میں سنی۔ میں ان سے حسن ظن رکھتا رہا ہوں کہ علماء مدینہ میں سے ہیں لیکن راوی یہ بھی مجروح ہیں اس لیے کہ ہمارے نزدیک شیعیت کافی ہے اس بات کے لیے کہ اس کی روایت رد کر دی جائے۔ میرا مذہب یہی ہے۔ زہری میں ایک خرابی اور بھی ہے کہ روایت مرسل کر دیتا ہے، اصل راوی کو چھوڑ کر چھلانگ لگا کر اوپر چلا جاتا ہے، جس سے ملاقات بھی ثابت نہیں ہوتی اس کا حوالہ دے دیتا ہے۔ کئی جگہ اس نے عروۃ سے روایت کی ہے اور عروۃ سے اس کی ملاقات ثابت نہیں ہے۔ اس کی مراسیل سے متعلق میں نے کسی شرح میں پڑھا ہے کہ مراسیلہ کریح، اس کی مراسیل گوز شتر کی حیثیت رکھتی ہیں۔ زہری نے جمع حدیث کا کام شروع ہی اس لیے کیا کہ اس کو تلاش تھی کہ مسلمانوں کے اندر اپنا دخل، فساد اور شیعیت گھسانے کا کیا راستہ ہے۔ آدمی ذہین تھا، چند راوی لے لیے اور حدثنا اخبرنا کر کے ان کے منہ میں بات ڈال دی۔

دوسری بات جو محدثین نے تحقیق کر کے ثابت کی ہے کہ بخاری میں اور تمام صحاح میں ایک طریقہ اور بھی تلبیس کا ہوا ہے۔ کاتب بھی اپنی طرف سے اور بھی دوسرے کی روایت داخل کر دیتے تھے۔ ان کی تحقیق یہ ہے کہ بخاری میں اس قسم کی روایتیں بھی ہیں۔ میرا اس معاملہ میں ایک تجربہ ہے کہ موطا کے نسخوں میں بھی فرق پایا جاتا ہے۔ حتی کہ مصمودی کی موطا میں

ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھنے کی کوئی روایت نہیں ہے۔ اس کی ایک ہی توجیہ ہو سکتی ہے کہ کاتب نے کسی نسخہ میں اپنی طرف سے کچھ داخل کر دیا ہے۔ جب چھپنے کا وقت آیا تو جو نسخہ ملا وہی چھپ گیا۔ کتب حدیث میں یہ حادثہ پیش آیا ہے۔

مجھے اطمینان ہے کہ نزول مسیح کے بارے میں روایتیں گھڑی ہوئی ہیں۔

۳۲. باب: هَلْ تُكْسَرُ الدِّنَانُ الَّتِي فِيهَا الْخَمْرُ أَوْ تُخَرَّقُ الزِّقَاقُ فَإِنْ كَسَرَ صَنَمًا أَوْ صَلِيبًا أَوْ طُنْبُورًا أَوْ مَالَا يُنْتَفَعُ بِخَشَبِهِ وَ أُتِيَ شُرَيْحٌ" فِي طُنْبُورٍ كُسِرَ فَلَمْ يَقْضِ فِيهِ بِشَيْءٍ.

باب: کیا شراب کے مٹکے توڑ ڈالے جائیں گے یا مشکیں پھاڑ ڈالی جائیں گی، پھر اگر کسی نے مورت توڑ دی یا صلیب یا طنبورہ یا جس چیز کی لکڑی کام نہیں آتی اس کو توڑ دیا تو اس پر تاوان ہوگا یا نہیں اور قاضی شریح کے پاس طنبورہ توڑنے کا مقدمہ آیا انہوں نے کچھ تاوان نہ دلایا۔

وضاحت:

اس میں بظاہر غیر مسلموں کی ان چیزوں کو توڑنے کا ذکر ہے جس کی اسلام میں اجازت نہیں۔ امام صاحب بتانا چاہتے ہیں کہ کیا ایسی کارروائی جائز ہوگی اور اس پر غیر مسلموں کو تاوان دلایا جائے گا۔ معلوم ہوتا ہے اس بارے میں ان کو یہ خبر ملی کہ قاضی شریح کی عدالت میں ایک ایسا مقدمہ پیش ہوا تو انہوں نے تاوان نہیں دلایا۔

۳۸۔ حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ الضَّحَّاكُ بْنُ مَخْلَدٍ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي عُبَيْدٍ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ رَأَى نِيرَانًا تُوقَدُ يَوْمَ خَيْبَرَ، قَالَ عَلَى مَا تُوقَدُ هٰذِهِ النِّيرَانُ قَالُوا عَلَى الْحُمُرِ الْإِنْسِيَّةِ قَالَ اكْسِرُوهَا وَأَهْرِقُوهَا قَالُوا أَلَا نُهَرِيقُهَا وَ نَغْسِلُهَا قَالَ اغْسِلُوا.

﴿سلمہ بن اکوع سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے جس دن خیبر فتح ہوا کچھ آگ روشن دیکھی۔ آپ نے پوچھا یہ کیا پکا رہے ہیں۔ لوگوں نے کہا بستی کے گدھوں کا گوشت۔ آپ نے فرمایا ہانڈیاں توڑ ڈالو اور جو کچھ ان میں ہے بہا دو۔ لوگوں نے کہا ہم گوشت وغیرہ سب بہا کر ہانڈیاں دھو نہ ڈالیں؟ آپ نے فرمایا: دھو لو۔﴾

وضاحت:

حمرالوحش یعنی گورخر وغیرہ حلال ہیں لیکن گھریلو گدھے حرام ہیں۔ جب حضورؐ کو علم ہوا لوگوں نے بستی کے گدھے پکڑ رکھے ہیں اور ان کی دعوت اڑانا چاہتے ہیں تو آپ نے حکم دیا کہ ہانڈیاں توڑ کر گوشت اور شوربہ بہادو۔ لوگوں نے عرض کی کیا اتنی گنجائش رکھی جائے کہ ہم ہانڈیاں توڑیں نہیں اور ان کو دھو کر اپنے استعمال میں لائیں۔ آپ نے اس کی حامی بھر لی۔ معلوم ہوتا ہے کہ جس برتن میں ناپاک چیز ڈالی گئی ہو وہ چیز پھینک کر برتن کو پاک صاف کر کے استعمال میں لایا جا سکتا ہے۔

۳۹۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِي نَجِيحٍ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ اَبِي مَعْمَرٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ دَخَلَ النَّبِيُّ ﷺ مَكَّةَ وَحَوْلَ الْكَعْبَةِ ثَلَاثُمِائَةٍ وَ سِتُّونَ نُصُبًا، فَجَعَلَ يَطْعُنُهَا بِعُودٍ فِي يَدِهٖ، وَجَعَلَ يَقُولُ جَاءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ الْآيَةَ.

﴿حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ مکہ میں داخل ہوئے تو وہاں کعبہ کے گرد تین سو ساٹھ بت رکھے تھے۔ آپ ایک چھڑی سے جو آپ کے ہاتھ میں تھی ہر ایک بت کو مارتے جاتے وہ گر پڑتا اور آپ یہ آیت پڑھتے کہ حق آ گیا اور باطل مٹ گیا اور باطل ہے ہی مٹ جانے والی چیز۔﴾

وضاحت:

یہ فتح مکہ کے موقع کی بات ہے۔ ابتدا تو نبی ﷺ کا کام اپنی ان افواج کو مجتمع کرنا تھا جو شہر میں مختلف راستوں سے داخل ہوئی تھیں۔ قبضہ مستحکم کرنے کے بعد آپ نے بعض خاص دشمنوں کے بارے میں ہدایات دیں۔ پھر مسجد میں تشریف لے گئے۔ بیت اللہ شریف کھلوایا۔ اس کے اندر دیواروں پر صورتیں بنی ہوئی تھیں۔ آپ نے ان کو کھرچوا دیا اور بت باہر پھنکوائے۔ عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ کعبہ کے گرد تین سو ساٹھ بت نصب کیے گئے تھے جو ان مختلف قبائل عرب کے نمائندہ تھے جن کو سیاسی طور پر قریش سے وابستہ کرنے کے لیے خانہ کعبہ کے پاس جگہ دی گئی تھی۔ نبی ﷺ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ ایک ایک بت کو اپنی لاٹھی سے ٹھوکہ دیتے اور وہ سرنگوں ہو جاتا۔ آپ اس حقیقت کا اظہار فرماتے کہ اب حق آ چکا، باطل کے لیے اب کوئی جگہ نہیں۔ اسے نابود ہونا ہے کیونکہ اس کو نابود کرنے اور حق کو قائم کرنے والے ہاتھ میدان میں آ چکے ہیں۔ یہ اس حقیقت کا اعلان تھا کہ اسلام میں شرک اور بت پرستی کی کوئی گنجائش نہیں۔

۴۰۔ حَدَّثَنَا اِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ حَدَّثَنَا اَنَسُ ابْنُ عِيَاضٍ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ الْقَاسِمِ عَنْ اَبِيهِ الْقَاسِمِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّهَا كَانَتِ اتَّخَذَتْ عَلٰى سَهْوَةٍ لَهَا سِتْرًا فِيهِ تَمَاثِيلُ فَهَتَكَهُ النَّبِيُّ ﷺ فَاتَّخَذَتْ مِنْهُ نُمْرُقَتَيْنِ فَكَانَتَا فِي الْبَيْتِ يَجْلِسُ عَلَيْهِمَا.

﴿ عبدالرحمن بن القاسم اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ نے اپنے حجرہ کے دروازہ پر ایک پردہ لٹکایا جس میں تصویریں کڑھی ہوئی تھیں۔ نبی ﷺ نے اس کو اتار کر پھینک دیا۔ حضرت عائشہؓ نے اس میں سے دو گدے بنا ڈالے جو گھر میں رہے اور جن پر آپ بیٹھتے تھے۔ ﴾

وضاحت:

معلوم ہوتا ہے تصویریں کپڑے کی بناوٹ میں تھیں۔ دروازے پر پردہ لٹکایا گیا تو تصویریں نمایاں ہوگئیں۔ یہ چیز نبی ﷺ کو ناگوار گزری۔ آپ نے پردہ اتار پھینکا۔ حضرت عائشہؓ نے تصویروں سے بچتے بچاتے اتنا صاف کپڑا نکال لیا جس سے دو گدے بن گئے۔ ظاہر ہے کہ ان میں کوئی بات قابل اعتراض نہ تھی۔ لہٰذا یہ گھر میں بیٹھنے کے لیے استعمال ہونے لگے۔

٣٣. باب: مَنْ قَاتَلَ دُوْنَ مَالِهِ.

باب: اس شخص کے بارے میں جو اپنا مال بچانے کے لیے لڑے

٢١- حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ يَزِيدَ حَدَّثَنَا سَعِيدٌ" هُوَ ابْنُ اَبِي اَيُّوبَ قَالَ حَدَّثَنِي اَبُوالاَسْوَدِ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ مَنْ قُتِلَ دُونَ مَالِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ".

﴿ عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ جو شخص اپنا مال بچانے میں مارا جائے وہ شہید ہے۔ ﴾

وضاحت:

جان، مال اور عزت کو اللہ تعالیٰ نے اور اس کے پیغمبر ﷺ نے محترم ٹھہرایا ہے۔ نبی ﷺ نے ان کی حرمت کو حجۃ الوداع کے خطبہ میں مکہ، عرفہ اور شہر حرام کی حرمت کی مانند قرار دیا۔ ایک مسلمان کہ جس نے جائز طریقہ سے مال کمایا اس کی ذاتی املاک کو شریعت کامل تحفظ دیتی ہے اور ایک اسلامی ریاست ایسا بندوبست کرتی ہے کہ اس کے مال کی طرف کوئی شخص میلی آنکھ نہ اٹھا سکے۔ آج کل حکومتیں خود بدمعاشوں کو تحفظ دیئے گئی ہیں۔ لہٰذا مال کی لوٹ کھسوٹ کے کتنے ہی واقعات سے اخبارات بھرے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اس ماحول میں اپنے جان و مال کی حفاظت کی ذمہ داری خود ہر انسان کو ادا کرنی پڑتی ہے۔ لہٰذا ایک مسلمان اگر اپنے مال کو بچانے کی خاطر شریروں کا مقابلہ کرتا ہے اور اس کے دوران میں قتل کر دیا جاتا ہے تو چونکہ وہ ایک حق کی حفاظت میں جان کی بازی کھیل جاتا ہے اس لیے اس کو شہادت کی نوید سنائی گئی ہے۔

۳۴. باب: إِذَا كَسَرَ قَصْعَةً أَوْ شَيْئًا لِغَيْرِهِ.

باب: اگر آدمی کسی دوسرے کا پیالہ یا کچھ سامان توڑ ڈالے تو کیا ہوگا

۴۲۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ" حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ عِنْدَ بَعْضِ نِسَائِهِ، فَأَرْسَلَتْ إِحْدَى أُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِينَ مَعَ خَادِمٍ بِقَصْعَةٍ فِيهَا طَعَامٌ" فَضَرَبَتْ بِيَدِهَا فَكَسَرَتِ الْقَصْعَةَ فَضَمَّهَا وَجَعَلَ فِيهَا الطَّعَامَ، وَقَالَ كُلُوا وَحَبَسَ الرَّسُولَ وَالْقَصْعَةَ حَتَّى فَرَغُوا فَدَفَعَ الْقَصْعَةَ الصَّحِيحَةَ وَحَبَسَ الْمَكْسُورَةَ وَقَالَ ابْنُ أَبِي مَرْيَمَ أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ حَدَّثَنَا حُمَيْدٌ" حَدَّثَنَا أَنَسٌ" عَنِ النَّبِيِّ ﷺ.

﴿حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ اپنی ایک زوجہ محترمہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، اتنے میں ایک دوسری زوجہ محترمہ نے اپنے ایک خادم کے ہاتھ ایک پیالہ کھانے کا بھیجا تو ان زوجہ نے (جن کے گھر آپ تشریف فرما تھے) ایک ہاتھ مارا اور وہ پیالہ توڑ ڈالا۔ آپ نے پیالہ اٹھا کر اس کو جوڑا اور کھانا اس میں رکھا اور فرمایا کہ کھاؤ اور خادم اور پیالے کو روک لیا۔ جب کھانے سے فارغ ہوئے تو دوسرا ثابت پیالہ خادم کو دیا اور ٹوٹا ہوا اپنے پاس رہنے دیا۔﴾

وضاحت:

نبی ﷺ ایک زوجہ محترمہ کے حجرہ میں مقیم تھے اور وہ آپؐ کے لیے کھانا تیار کر رہی تھیں۔ اتنے میں کسی دوسری زوجہ محترمہ نے خادم کے ہاتھ آپؐ کے لیے کھانا بھیج دیا جو لکڑی کے بڑے پیالہ میں تھا۔ ان زوجہ محترمہ کو غیرت آئی تو انہوں نے ایک ہاتھ مارا اور پیالہ توڑ دیا۔ نبی ﷺ نے پیالہ اٹھایا اور بکھرے ہوئے کھانے کو سمیٹ کر دسترخوان پر جمع کر لیا اور سب کو کھانے کی دعوت دی۔ جب آپؐ کھانے سے فارغ ہوئے تو اس پیالے جیسا دوسرا صحیح پیالہ دوسری زوجہ محترمہ کو بھجوا دیا اور ٹوٹا ہوا پیالہ جوڑ کر اپنے پاس رکھ لیا۔

اس روایت میں نہ کھانا بھجوانے والی زوجہ کا نام بتایا گیا ہے اور نہ پیالہ توڑنے والی کا۔ حالانکہ حضرت انسؓ گھر کے ایک فرد کی طرح تھے اور وہ دونوں کو جانتے تھے لیکن کسی کا نام نہیں لیتے۔ شارحین نے یہ کہا ہے کہ ازواج مطہرات چونکہ نبی ﷺ کے لیے ہدایا بالعموم ان دنوں ارسال کرتیں جب آپؐ حضرت عائشہؓ کے گھر میں ہوتے، اس لیے سب نے انہی کو اس کارروائی کا ذمہ دار ٹھہرایا ہے۔ جہاں تک دوسری زوجہ محترمہ کا تعلق ہے تو انہوں نے تمام اہل نام اس میں ڈال دیے

ہیں۔ مثلاً حضرت حفصہ، حضرت ام سلمہ، حضرت زینب بنت جحش، حضرت صفیہ رضی اللہ عنہن ۔ ایک طرف ان کے ساتھ حضرت عائشہ کے مثالی تعلقات بتائے جاتے ہیں، دوسری طرف ان کو یہ بھی برداشت نہیں ہوا کہ ان کے گھر میں کسی کا بھیجا ہوا کھانا ہی آئے۔ یہ ایک خلاف حقیقت بات ہے۔

روایت نہایت مبہم ہے۔ اس کا ابہام ازواج مطہرات کے بارے میں طرح طرح کے شکوک وشبہات پیدا کرتا ہے جو ازواج کے معروف کردار اور رویہ کے خلاف ہیں۔

۳۵. باب: اِذَا هَدَمَ حائِطًا فَلْيَبْنِ مِثْلَهُ.

باب: اس بارے میں کہ اگر کوئی کسی کی دیوار گرائے تو دوسری ویسی ہی بنادے

۴۲۔ حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ اِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا جَرِيرُ ابْنُ حَازِمٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ عَنْ اَبِى هُرَيْرَةَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ كَانَ رَجُلٌ" فِى بَنِى اِسْرَائِيلَ يُقَالُ لَهُ جُرَيْجٌ" يُصَلِّى فَجَاءَ تْهُ اُمُّهُ فَدَعَتْهُ فَاَبٰى اَنْ يُجِيبَهَا فَقَالَ اُجِيبُهَا اَوْ اُصَلِّى ثُمَّ اَتَتْهُ فَقَالَتِ اللّٰهُمَّ لا تُمِتْهُ حَتّٰى تُرِيَهُ الْمُومِسَاتِ وَكَانَ جُرَيْجٌ" فِى صَوْمَعَتِهِ فَقَالَتِ امْرَاَةٌ" لَاَفْتِنَنَّ جُرَيْجًا فَتَعَرَّضَتْ لَهُ فَكَلَّمَتْهُ فَاَبٰى فَاَتَتْ رَاعِيًا فَاَمْكَنَتْهُ مِنْ نَفْسِهَا، فَوَلَدَتْ غُلامًا، فَقَالَتْ هُوَ مِنْ جُرَيْجٍ، فَاَتَوْهُ وَكَسَرُوا صَوْمَعَتَهُ فَاَنْزَلُوهُ وَ سَبُّوهُ فَتَوَضَّاَ وَ صَلّٰى ثُمَّ اَتَى الْغُلامَ فَقَالَ مَنْ اَبُوكَ يَا غُلامُ، قَالَ الرَّاعِى، قَالُوا نَبْنِى صَوْمَعَتَكَ مِنْ ذَهَبٍ، قَالَ لا اِلَّا من طِيْنٍ.

﴿ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا جریج نامی، وہ اپنے گرجا میں نماز پڑھ رہا تھا، اس کی ماں آئی، اس کو بلایا، لیکن وہ نماز میں تھا۔ اس نے جواب نہ دیا۔ دل میں کہنے لگا میں نماز پڑھوں یا ماں کو جواب دوں۔ پھر دوبارہ اس کی ماں آئی (اور اس کو پکارا لیکن جواب نہ ملا) تو اس کی ماں نے اس کو بددعا دی کہ اے اللہ! اس کو اس وقت تک موت نہ دے جب تک کہ زنان بازاری سے اس کا سامنا نہ ہو جائے۔ جریج اپنے گرجا میں تھا تو ایک عورت نے یہ بات ٹھان لی کہ میں اس کو فتنہ میں ڈال کر رہوں گی۔ تو وہ بن ٹھن کر اس کے پاس آئی، اس سے بات کی لیکن اس نے اس کو منہ نہیں لگایا۔ تو وہ عورت ایک چرواہے کے ساتھ چلی گئی اور اپنے آپ کو اس کے حوالے کر دیا جس کے نتیجہ میں ایک لڑکا پیدا ہوا تو اس نے یہ اعلان کر دیا کہ یہ جریج کے صلب سے ہے۔ لوگ یہ بات سن کر آئے اور انھوں نے اس کے گرجا کو

ڈھا دیا۔ وہاں سے اس کو اتارا اور گالم گلوچ کی۔ اب اس نے کیا کیا کہ وضو کر کے نماز پڑھی اور اس لڑکے کے پاس گیا اور کہا اے لڑکے تمہارا باپ کون ہے؟ اس نے کہا چرواہا۔ تو لوگوں نے کہا ہم سے غلطی ہو گئی۔ معاف کر دو۔ ہم تمہارا گرجا سونے کا بنا دیتے ہیں تو اس نے کہا نہیں، میرے لیے مٹی کا ہی بہتر ہے۔

وضاحت:

امام صاحب اس سے پہلے بھی اسرائیلی قصے نقل کر چکے ہیں۔ معلوم نہیں کہاں سے یہ مسئلہ پیدا ہوا ہے کہ سابق شرائع کے احکام قرآن کے خلاف نہ ہوں تو ہمارے اختیار کرنے میں قباحت نہیں ہے۔ یہ بالکل غلط ہے۔ ہمارے لیے اس کی کوئی گنجائش نہیں الا آنکہ قرآن نے اس کی توثیق کر دی ہو۔ باقی رہ گیا اخلاقی نصیحتیں، خاص طریقہ سے سیدنا مسیح کی اور دوسرے انبیاءؑ کی، وہ ایسی ہیں کہ ان سے کوئی فتنہ نہیں پیدا ہوتا۔

پچھلی شرائع کے احکام ہمارے لیے قابل عمل ہو سکتے ہیں بشرطیکہ شریعت نے اس کو منسوخ نہ کر دیا ہو یا یہ نہ کہہ دیا ہو کہ انہوں نے ان احکام کو ایجاد کیا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے قرآن میں حکم نازل ہونے سے پہلے بعض معاملات میں سابقہ احکام کی پیروی کی ہے پھر وہ منسوخ ہو گئے اور نبی ﷺ نے ان کو دوبارہ اختیار نہیں کیا۔ تو یہ مشکل ہے کہ آپ کہہ سکیں کہ فلاں بات قرآن کے خلاف نہیں ہے۔ ہمارے لیے اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ آنحضرت ﷺ نے جو لیا پھر اس کے بعد وہ منسوخ ہو گیا۔

اس قصہ سے امام صاحب نے یہ حکم نکالا ہے اگر کوئی کسی کی دیوار ڈھاوے تو ویسی ہی دیوار بنا دے۔ اس کو ثابت کرنے کے لیے اسرائیلی قصہ کو بنیاد بنانے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ کسی کا نقصان آپ نے کیا ہے تو جس درجہ کا کیا ہے اسی درجہ کی تلافی آپ کو کرنی پڑے گی۔ اسلام کا اپنا حکم بھی یہی ہے۔

سیدنا مسیح کو جھولے میں بولنے کا جو شرف حاصل ہے اس کو اپنے ہاں منتقل کرنے کے لیے یہود نے یہ قصہ گھڑا ہوگا کہ حضرت مسیح علیہ السلام ہی کی کیا خصوصیت ہے، ہمارے ہاں چرواہوں کی صلب سے پیدا ہونے والے بچے یہ کام کرتے رہے ہیں۔ حق یہ ہے کہ سیدنا مسیح کا جو معجزہ ہے وہ انہیں کو زیب دیتا ہے اس کی کوئی دوسری مثال نہیں۔

دوسرے یہ کہ کون ماں ہو گی کہ اس کا بیٹا نماز میں کھڑا ہونے کی وجہ سے اس سے نہ بولا تو یہ بد دعا دے کہ اے اللہ اس کا سابقہ زنان بازاری سے پڑے۔ ماں ایسا تو نہیں کر سکتی اور اگر اس نے کیا تو واجب التقل تھی نہ کہ امام صاحب اس کا قصہ دلیل کے طور پر لاتے۔ پھر یہ کہ اللہ کا کوئی بندہ ہو، اتنا بڑا ادمی بن جائے کہ جا کے بچے سے کہے کہ بول تیرا باپ کون ہے اور بچہ بولنے لگے تو اس پہلو سے بھی یہ روایت جھوٹی ہے۔

کتاب الشرکۃ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب الشركة (شراکت کے بارے میں کتاب)

۱. باب : الشَّرِكَةِ فِی الطَّعَامِ وَالنِّهدِ وَالْعُرُوضِ، وَ كَيْفَ قِسْمَةُ ما يُكَالُ وَيُوزَنُ مُجَازَفَةً، اَو قَبْضَةً قَبْضَةً لَمَّا لَمْ يَرَالْمُسْلِمُونَ فِی النِّهدِ بَاسًا اَنْ يَاكُلَ هٰذَا بَعْضًا وَهٰذَا بَعْضًا وَ كَذَالِكَ مُجَازَفَةُ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْقِرَانُ فی التَّمْرِ.

باب: کھانے میں، نہد میں اور اسباب میں شرکت کے بارے میں۔ اور اس بارے میں بھی کہ جو چیزیں ماپی یا تولی جاتی ہیں ان کی تقسیم یوں ہی ڈھیر لگا کر یا مٹھی مٹھی کر کے ہو سکتی ہے۔ یہ سوال اس لیے پیدا ہوتا ہے کہ نہد کے بارے میں مسلمانوں کی رائے یہ ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے اس طرح کہ کچھ یہ کھا لے کچھ وہ کھا لے اسی طرح سونے کو چاندی کے بدل یا چاندی کو سونے کے بدل بن تولے ڈھیر لگا کر بانٹنے میں اور اسی طرح دو کھجوریں ملا کر کھانے میں۔

وضاحت:

نہد یہ ہے کہ جس کے پاس سفر میں جتنا راشن ہوتا، خصوصاً جنگ وغیرہ کے موقع پر، سب لے کر جمع کر لیا جاتا اور اس کے بعد بقدر ضرورت سب کو دیا جاتا۔ عروض یعنی سامان واسباب کی شکل میں بھی یہ شرکت ہو سکتی ہے۔

لوگوں کی چیزیں اس طرح ملالی جائیں تو یہ ہوگا کہ کسی کا حصہ کم ہوگا کسی کا زیادہ لیکن جب کھانے میں سب برابر تقسیم کر کے کھا لیتے ہیں تو یہ طریقہ ان دوسری چیزوں میں بھی اختیار کیا جا سکتا ہے جو ماپی یا تولی جاتی ہیں۔ یہ سوال غالباً اس

وجہ سے پیدا ہوتا ہے کہ آپ کے پاس کچھ گندم تھی آپ نے جمع کروادی۔ اس کے بعد اگر اس میں سے کھائیں گے تو اس کا امکان ہے جتنا آپ نے داخل کرایا تھا اس سے زیادہ لے لیں تو کیا یہ تفاضل نہیں ہوگا؟ اب اصول یہ ہے کہ لا ربوا الا فی النسیہ، اور دوسرے یہ کہ جب جنس مختلف ہو جائے تو پھر تفاضل نہیں ہوگا۔ ربوا ہونے کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ شرط کے طور پر پائی جائے۔ اگر میں کسی سے ایک ہزار روپے قرض لوں اور واپس دس ہزار بخش دوں تو کیا یہ ناجائز ہوگا۔ یہ تو بخشنا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت جابرؓ سے دوران سفر اونٹ خریدا اور مدینہ پہنچ کر اونٹ بھی جابرؓ کو دے دیا اور قیمت بھی دے دی۔ البتہ اگر یہ ہو کہ آج کوئی اتنی گندم لے اور شرط لگا دے کہ فصل پر میں دوگنی لوں گا تو یہ تفاضل ہوا۔ امام صاحب نے نہد کے اوپر سوال اٹھایا ہے۔ مشکل وقت میں حالات پر قابو پانے کے لیے سب اپنی چیزیں جمع کر لیں اور راشن بندی کر لیں تو یہ ایک معقول بات ہے، نیکی ہے۔ اس میں کوئی بحث نہیں پیدا ہوتی، نہ تفاضل ہے نہ سود ہے۔ شرکت جو ہے اجتماعی زندگی کا لازمی تقاضا ہے اس کے بغیر اجتماعی زندگی چل نہیں سکتی۔ زندگی کے مختلف شعبوں میں مشارکت ہوگی۔ اور اس پر قدغن عائد کرنے کے معنی یہ ہوں گے کہ تمدن کی جڑ کاٹ دی ہے۔ خواہ مخواہ کو شبہات کی بنا پر کہ تفاضل ہے سود ہے تو اس سے تناصر کی، ہمدردی کی جتنی صورتیں ہیں ان سب کا سدباب ہو جائے گا۔ امام صاحب ان تمام چیزوں کے بارے میں اس باب میں روایات لائیں گے۔

۱۔ حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ یُوْسُفَ اَخْبَرَنَا مالِکٌ عَنْ وَهْبِ ابْنِ کَیْسَانَ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّهُ قَالَ بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بَعْثًا قِبَلَ السَّاحِلِ، فَاَمَّرَ عَلَیْهِمْ اَبَا عُبَیْدَةَ بْنَ الْجَرَّاحِ وَهُمْ ثَلاثُمِائَةٍ وَ اَنَا فِیْهِمْ فَخَرَجْنَا حَتّٰی اِذَا کُنَّا بِبَعْضِ الطَّرِیْقِ فَنِیَ الزَّادُ فَاَمَرَ اَبُوْ عُبَیْدَةَ بِاَزْوَادِ ذٰلِکَ الْجَیْشِ فَجُمِعَ ذٰلِکَ کُلُّهٗ ، فَکَانَ مِزْوَدَیْ تَمْرٍ، فَکَانَ یُقَوِّتُنَا کُلَّ یَوْمٍ قَلِیْلًا قَلِیْلًا حَتّٰی فَنِیَ، فَلَمْ یَکُنْ یُصِیْبُنَا اِلَّا تَمْرَةٌ تَمْرَةٌ، فَقُلْتُ وَمَا تُغْنِیْ تَمْرَةٌ، فَقَالَ لَقَدْ وَجَدْنَا فَقْدَهَا حِیْنَ فَنِیَتْ، قَالَ ثُمَّ انْتَهَیْنَا اِلَی الْبَحْرِ فَاِذَا حُوْتٌ مِثْلُ الظَّرِبِ فَاَکَلَ مِنْهُ ذٰلِکَ الْجَیْشُ ثَمَانِیَ عَشْرَةَ لَیْلَةً، ثُمَّ اَمَرَ اَبُوْ عُبَیْدَةَ بِضِلَعَیْنِ مِنْ اَضْلَاعِهٖ فَنُصِبَا ثُمَّ اَمَرَ بِرَاحِلَةٍ فَرُحِلَتْ ثُمَّ مَرَّتْ تَحْتَهُمَا فَلَمْ تُصِبْهُمَا.

﴿حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دستہ ساحل کی طرف بھیجا اور اس پر ابو عبیدہ ابن الجراح کو افسر بنایا۔ لشکر میں تین سو آدمی تھے اور میں بھی ان میں تھا۔ ابھی ہم راستہ ہی میں تھے کہ قریب تھا کہ ہمارا زادِ راہ ختم ہو جائے۔ ابو عبیدہؓ نے حکم دیا کہ جو زادِ راہ بچا ہے سب جمع کیا جائے تو سب جمع کیا گیا تو

دو کل کھجور کی دو بوریاں بنا۔ ابوعبیدہ اس میں سے روزانہ تھوڑا تھوڑا دینے لگے۔ جب وہ بھی تمام ہونے لگا تو فی آدمی ایک ایک کھجور روز دینے لگے۔ وہب نے جابر سے پوچھا ایک کھجور سے کیا ہوتا ہوگا۔ انہوں نے کہا جب وہ بھی نہ رہی تو ہم کو معلوم ہوا وہی غنیمت تھی۔ پھر ایسا ہوا کہ جب ہم ساحل سمندر کے قریب پہنچے تو ایک بہت بڑی مچھلی ٹیلے کے مانند ملی اس سے لشکر نے اٹھارہ دن تک گزارہ کیا۔ پھر ابوعبیدہؓ نے حکم دیا کہ اس کی دو پسلیاں کھڑی کی جائیں تو وہ نکال کر کھڑی کی گئیں۔ پھر انہوں نے حکم دیا کہ کجاوہ کس کر اونٹ اس کے نیچے سے گزرے تو وہ گزارا اور کسی طرف سے چھوا نہیں گیا۔

وضاحت:

فنی الزاد یعنی زادراہ تمام ہو چلا۔ فنی کا لفظ ہے تعبیر حقیقت سے کچھ زیادہ ہے۔ مطلب یہ ہے قریب تھا کہ زاد راہ ختم ہو جائے اس لیے کہ بالکل ہی ختم ہو جائے تو پھر عبارت کیا بنے گی۔ یہ کوئی بعید بات نہیں ہے کہ ٹیلے جتنی مچھلی ساحل پر پڑی ہوئی ملی۔ آئے دن ایسی خبریں اخبارات میں آتی رہتی ہیں۔ موج آتی ہے ساحل پر پھینک دیتی ہے اور مچھلی چاہے کتنی قوت رکھتی ہو پانی کا سہارا پائے بغیر اس کے لیے حرکت کرنا ممکن نہیں۔ اگر کچھ دن گزر جائیں تو ظاہر ہے تڑپ تڑپ کر جان دے دیتی ہے۔ سمندر کا پانی چونکہ کھاری ہوتا ہے اس لیے آسانی سے سڑتی نہیں اور جن لوگوں کے پاس کھانے کو کچھ نہ ہو ان کے لیے تو مرغ مسلم ہے۔ روایت کا جہاں تک تعلق ہے تو اس کے امکان میں کوئی اعتراض نہیں۔ آدمیوں کا جہاں تک تعلق ہے تو اس معاملہ میں خود روایتوں میں اختلاف ہے۔ ہو سکتا ہے کہ تین سو تعداد ہو یا اس سے کم۔ اس پر بھی کوئی اعتراض نہیں۔ البتہ امام صاحب اس سے یہ استدلال کرنا چاہتے ہیں کہ جب سب کا راشن جمع کر دیا تو کوئی اپنے حصہ سے کم کھائے گا اور کوئی زیادہ کھائے گا تو اس میں تفاضل ہوگا۔ لیکن امام صاحب نے خواہ مخواہ کو تکلف کیا ہے۔ یہ تفاضل تو زیر بحث ہی نہیں ہے۔ یہ تو ایک نہایت عمدہ اسلامی طریقہ ہے کہ ارادہ کر کے اپنا زادراہ جمع کر لیا کہ جئیں تو ایک ساتھ جئیں اور مریں تو مل کر۔ اگر یہ جذبہ نہیں ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کو کیا پڑی تھی پہاڑ جیسی مچھلی سمندر کے کنارے پھینک دیتے۔ جو لوگ جذبہ رکھتے ہیں ان کے لیے یہ باتیں ظاہر ہوتی ہیں ہما شما کے لیے تو نہیں ہوتیں۔ یہ بات تو بالکل ٹھیک ہے کہ جس مقصد کے لیے انہوں نے زادراہ اکٹھا کیا وہ حاصل ہو گیا۔ اس میں تفاضل وغیرہ کا کوئی سوال نہیں ہے اور یہ تناصر کی نہایت عمدہ شکل ہے۔

۲۔ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ مَرْحُومٍ حَدَّثَنَا حَاتِمُ بْنُ إِسْمٰعِيلَ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي عُبَيْدٍ عَنْ سَلَمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ خَفَّتْ أَزْوَادُ الْقَوْمِ وَ أَمْلَقُوا فَأَتَوُا النَّبِيَّ ﷺ فِي نَحْرِ إِبِلِهِمْ فَأَذِنَ لَهُمْ، فَلَقِيَهُمْ عُمَرُ فَأَخْبَرُوهُ فَقَالَ مَا بَقَاؤُكُمْ بَعْدَ إِبِلِكُمْ، فَدَخَلَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ

مَا بَقَاؤُهُمْ بَعْدَ اِبِلِهِمْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ نَادِ فِي النَّاسِ فَيَاتُوْنَ بِفَضْلِ اَزْوَادِهِمْ، فَبُسِطَ لِذٰلِكَ نِطَعٌ" وَجَعَلُوهُ عَلَى النِّطَعِ، فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَدَعَا وَ بَرَّكَ عَلَيْهِ، ثُمَّ دَعَاهُمْ بِاَوْعِيَتِهِمْ فَاحْتَثَى النَّاسُ حَتّٰى فَرَغُوا ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنِّي رَسُوْلُ اللّٰهِ.

﴿حضرت سلمہؓ کہتے ہیں کہ ہمارا زادِ راہ کم پڑ گیا اور لوگ قحط میں مبتلا ہو گئے تو وہ نبی ﷺ کی خدمت میں آئے کہ اجازت حاصل کریں کہ وہ اپنے اونٹوں کو ذبح کریں تو آپ نے اجازت دے دی۔ حضرت عمرؓ ملے تو لوگوں نے ان کو بتایا۔ حضرت عمرؓ نے کہا یہ اونٹ ختم ہو گئے تو ان کے بعد تمہاری بقا کیسے ہوگی۔ حضرت عمرؓ نبی ﷺ کی خدمت میں گئے اور کہا یا رسول اللہ ان کی بقا کا ذریعہ اونٹوں کے ختم ہونے کے بعد کیا ہے تو آپ نے (ان کے نقطۂ نظر کو تسلیم کیا اور) لوگوں میں منادی کرا دی کہ لوگ اپنا زادِ راہ جو کچھ بچا ہے لے کر آئیں تو لوگ لے کر گئے اور ایک کھال بچھا دی گئی اور سب کا زادِ راہ اس پر رکھا گیا۔ رسول اللہ ﷺ اٹھے اور دعا کی اور برکت طلب کی اور لوگوں سے کہا اپنے اپنے تھیلے لے کر آئیں تو لوگوں نے اپنے ہاتھوں سے بھرا یہاں تک کہ سب لوگ فارغ ہو گئے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں۔﴾

وضاحت:

آنحضرت ﷺ کی دعا میں برکت نہ ہوگی تو پھر کس کی دعا میں ہوگی! چنانچہ لوگوں نے اپنے اپنے تھیلے بھر لیے۔ اس روایت سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس دور میں اہلِ ایمان غربت کا سامنا کرتے ہوئے بھی کس جذبہ کے ساتھ جہاد کے لیے نکلتے تھے۔ زادِ راہ ختم ہونے کو آیا تو نبی ﷺ سے اجازت کے طالب ہوئے کہ اپنے اونٹ ذبح کر لیں۔ حضورؐ نے اجازت دے دی لیکن حضرت عمرؓ جب ایسا کرنے کے نتائج سامنے لائے تو آپؐ نے ان کے مشورہ کو مان لیا اور زادِ راہ یکجا کروا کر برکت کی دعا فرمائی۔ آپ ﷺ کی دعا میں جو برکت ظاہر ہوئی تو حضورؐ نے اس کا اظہار فرمایا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں۔ میں نے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی۔ حضور کے اس برمحل اظہار سے لوگوں کے عقیدہ اور حسنِ ظن کو تقویت ملی۔

اس روایت میں بھی تفاضل کا کوئی سوال نہیں ہے بلکہ سب عقلی چیزیں ہیں، البتہ یہ نہد کی ایک مثال ہے۔

۳۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا الْاَوْزَاعِيُّ حَدَّثَنَا اَبُو النَّجَاشِيِّ قَالَ سَمِعْتُ رَافِعَ بْنَ

خدیج رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ کُنَّا نُصَلِّی مَعَ النَّبِیِّ ﷺ الْعَصْرَ فَنَنْحَرُ جَزُوْرًا، فَتُقْسَمُ عَشْرَ قِسَمٍ، فَنَاْکُلُ لَحْمًا نَضِیجًا قَبْلَ اَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ.

﴿حضرت رافعؓ سے روایت ہے کہ ہم نبی ﷺ کے ساتھ عصر کی نماز پڑھتے، پھر اونٹ ذبح کرتے اور اس کا گوشت دس حصوں پر تقسیم ہوتا اور ہم اس کو سورج غروب ہونے سے پہلے کھاتے۔﴾

وضاحت:

یہ روایت بہت مبہم ہے۔ کچھ پتہ نہیں چلتا کہ کہاں کا واقعہ ہے۔ روز مرہ زندگی کا تو ہو نہیں سکتا، خاص موقع کی بات ہوگی۔ لیکن اس سے جو بات امام صاحب ثابت کرنا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ گوشت وغیرہ ایک موزوں چیز ہے تو ایک موزوں چیز کو ڈھیری بنا کر انکل سے تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ یہ بھی ایک قیاسی وزن ہی ہوتا ہے۔ لہٰذا ایک موزوں شے کو دوسری شکل میں بھی تقسیم کر سکتے ہیں۔ یہ ایک معقول بات ہے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔

ضمناً اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عصر اور مغرب کے درمیان اتنا وقت ہوتا تھا کہ اونٹ ذبح ہوتا، گوشت تقسیم ہوتا اور پکا کر مغرب سے پہلے پہلے کھا لیا جاتا تھا۔ عصر کی نماز کا اہل حدیث حضرات کا جو وقت ہے میں اس کا قائل ہوں کہ بالکل ٹھیک ہے اور میرا مذہب بھی یہی ہے۔

۲۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ اُسَامَةَ عَنْ بُرَیْدٍ عَنْ اَبِی بُرْدَۃَ عَنْ اَبِی مُوسٰی قَالَ قَالَ النَّبِیُّ ﷺ اِنَّ الْاَشْعَرِیِّیْنَ اِذَا اَرْمَلُوا فِی الْغَزْوِ اَوْ قَلَّ طَعَامُ عِیَالِھِمْ بِالْمَدِیْنَۃِ جَمَعُوْا مَا کَانَ عِنْدَھُمْ فِی ثَوْبٍ وَاحِدٍ ثُمَّ اقْتَسَمُوْہُ بَیْنَھُمْ فِی اِنَاءٍ وَاحِدٍ بِالسَّوِیَّۃِ فَھُمْ مِنِّی وَ اَنَا مِنْھُمْ.

﴿حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اشعر قبیلہ کے لوگ جب لڑائی میں محتاج ہو جاتے ہیں یا مدینہ میں ان کے بال بچوں کا کھانا کم رہ جاتا ہے تو سب مل کر جو کچھ بھی ہر ایک کے پاس ہوتا ہے ایک کپڑے میں جمع کر لیتے ہیں پھر ایک برتن سے برابر برابر بانٹ لیتے ہیں۔ وہ میرے ہیں میں ان کا ہوں۔﴾

وضاحت:

آنحضرت ﷺ نے یہ جو فرمایا وہ میرے ہیں، میں ان کا ہوں تو یہ اشعریوں کی انتہائی تعریف ہے۔ اشعری قبیلہ کے لوگ ضرورت کے وقت جو کچھ بھی کھانا ان کے پاس ہوتا سب ملا کر آپس میں برابر تقسیم کر لیتے۔ یہ شرکت کی بہترین قسم ہے اور مشکل میں آپ یہ کر سکتے ہیں۔

۲. باب : مَا كَانَ مِنْ خَلِيطَيْنِ فَإِنَّهُمَا يَتَرَاجَعَانِ بَيْنَهُمَا بِالسَّوِيَّةِ فِي الصَّدَقَةِ.

باب: اس بارے میں کہ جو صدقہ کہ دو شریکوں کی طرف سے ہو تو وہ آپس میں اپنا اپنا مقدر حصہ اپنے ذمہ لے لیں گے۔

مطلب یہ کہ زکوٰۃ کا تحصیل دار کسی کے گلہ سے جو دو شریکوں کے درمیان مشترک ہے۔ کچھ بکریاں لے تو وہ آپس میں اس تعداد کو اپنے حصہ کے مطابق اپنے ذمہ لیں گے کہ اتنا آپ کے ذمہ، اتنا آپ کے۔

۵۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ الْمُثَنّٰى قَالَ حَدَّثَنِي أَبِي قَالَ حَدَّثَنِي ثُمَامَةُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ أَنَسٍ أَنَّ أَنَسًا حَدَّثَهُ أَنَّ أَبَابَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ كَتَبَ لَهُ فَرِيضَةَ الصَّدَقَةِ الَّتِي فَرَضَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ قَالَ وَمَا كَانَ مِنْ خَلِيطَيْنِ فَإِنَّهُمَا يَتَرَاجَعَانِ بَيْنَهُمَا بِالسَّوِيَّةِ.

﴿حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے ان کو صدقہ کے فرائض سے متعلق ایک ہدایت نامہ دیا تھا جو نبی ﷺ کی ہدایت کے مطابق تھا۔ کہ جو صدقہ مشترک مال میں سے وصول کیا گیا ہو تو اس کے دونوں فریق آپس میں برابر بانٹ لیں گے۔﴾

وضاحت:

مطلب یہ کہ اگر برابر برابر کا حصہ ہے تو دونوں فریق آدھا آدھا ذمہ لیں گے اور کسی فریق کا ثلث کا حصہ ہے تو اسی حساب سے صدقہ اس کے ذمہ ہوگا۔

۳. باب : قِسْمَةِ الْغَنَمِ

باب: بکریوں کے بانٹنے کے بارے میں

۶۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْحَكَمِ الْأَنْصَارِيُّ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ مَسْرُوقٍ عَنْ عَبَايَةَ بْنِ رِفَاعَةَ بْنِ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ عَنْ جَدِّهِ قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ بِذِي الْحُلَيْفَةِ، فَأَصَابَ النَّاسَ جُوعٌ" فَأَصَابُوا إِبِلًا وَ غَنَمًا، قَالَ وَكَانَ النَّبِيُّ ﷺ فِي أُخْرَيَاتِ الْقَوْمِ فَعَجِلُوا وَ ذَبَحُوا وَ

نَصَبُوا الْقُدُورَ فَأَمَرَ النَّبِيُّ ﷺ بِالْقُدُورِ فَأُكْفِئَتْ، ثُمَّ قَسَمَ فَعَدَلَ عَشَرَةً مِنَ الْغَنَمِ بِبَعِيرٍ، فَنَدَّمِنْهَا بَعِيرٌ" فَطَلَبُوهُ فَأَعْيَاهُمْ، وَكَانَ فِي الْقَوْمِ خَيْلٌ" يَسِيرَةٌ" فَأَهْوَى رَجُلٌ" مِنْهُمْ بِسَهْمٍ فَحَبَسَهُ اللّٰهُ، ثُمَّ قَالَ: إِنَّ لِهٰذِهِ الْبَهَائِمِ أَوَابِدَ كَأَوَابِدِ الْوَحْشِ فَمَا غَلَبَكُمْ مِنْهَا فَاصْنَعُوا بِهِ هٰكَذَا، فَقَالَ جَدِّي إِنَّا نَرْجُو أَوْ نَخَافُ الْعَدُوَّ غَدًا وَلَيْسَتْ مُدًى، أَفَنَذْبَحُ بِالْقَصَبِ، قَالَ مَا أَنْهَرَ الدَّمَ، وَذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ فَكُلُوهُ، لَيْسَ السِّنَّ وَالظُّفُرَ وَسَأُحَدِّثُكُمْ عَنْ ذٰلِكَ، أَمَّا السِّنُّ فَعَظْمٌ"، وَ أَمَّا الظُّفُرُ فَمُدَى الْحَبَشَةِ.

﴿رافع بن خدیج اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ ہم نبی ﷺ کے ساتھ ذوالحلیفہ میں تھے۔ لوگوں کو قحط کی صورت پیش آ گئی تو انہوں نے اونٹوں اور بکریوں پر ہاتھ مارا۔ نبی ﷺ لوگوں سے پیچھے تھے تو ان لوگوں نے جلدی کی، جانوروں کو ذبح کر ڈالا اور ہانڈیاں چڑھا دیں۔ نبی ﷺ جب آئے تو آپ نے حکم دیا کہ یہ ہانڈیاں الٹ دی جائیں تو الٹ دی گئیں۔ پھر آپ نے غنیمت کو تقسیم کیا اور دس بکریوں کو حصہ میں ایک اونٹ کے برابر رکھا۔ تو ایک اونٹ نکل بھاگا۔ لوگوں نے اس کا تعاقب کیا لیکن وہ قابو میں نہیں آیا۔ اور فوج میں گھوڑے کم تھے تو ایک شخص آگے بڑھا اور اس نے تیر چلایا تو اللہ تعالیٰ نے اونٹ کو روک دیا۔ نبی ﷺ نے کہا بہائم کے اندر بھی وحشی جانوروں کی طرح ہوتے ہیں جو تم سے بے قابو ہو جائے تو اس کے ساتھ ایسا ہی کیا کرو۔ تو میرے دادا نے کہا کہ مجھے امید ہے یا کہا کہ گمان ہے کہ ہمیں کل دشمن سے سابقہ پیش آتا ہے اور ہمارے پاس چھریاں بھی نہیں ہیں تو کیا ہم بانس کی کھپاچ سے ذبح کر لیں۔ تو نبی ﷺ نے فرمایا کہ جو چیز خون بہا دے وہ استعمال کر سکتے ہو اور جس جانور پر اللہ کا نام لیا گیا وہ کھا سکتے ہو۔ دانت اور ناخن ذبح کے مقصد کے لیے استعمال نہیں ہوں گے۔ اس کے بارے میں تم سے بیان کرتا ہوں، جہاں تک کہ دانت کا معاملہ ہے وہ تو ہڈی ہے اور ناخن تو وہ حبشہ کی چھری ہے۔﴾

وضاحت:

اس روایت میں ذوالحلیفہ سے کیا مراد ہے؟ اس لیے کہ مدینہ کی جو میقات ہے وہ تو شہر سے اتنی قریب ہے کہ وہاں غلہ کی کمی کا سوال نہیں پیدا ہوتا۔ دوسرے یہ کہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ جنگ کا کوئی موقع ہے تو ذوالحلیفہ میں کون سی جنگ ہوئی ہے۔ اس وجہ سے یہ کوئی اور مقام ہے۔ دوسری روایت کے مطابق یہ واقعہ تہامہ کے علاقہ میں پیش آیا۔

آنحضرت ﷺ لشکر میں پیچھے رہ گئے تھے یا ہوسکتا ہے کہ پیچھے رہتے ہی تھے۔ جس طریقہ سے چرواہا گلے کے پیچھے رہتا ہے اسی طریقہ سے آپ بھی پیچھے رہتے تھے کہ ہر چیز کی دیکھ بھال ہو سکے اور جنگ کے قاعدہ کے لحاظ سے بھی بہتر ہے۔ اسی دوران یہ ہوا کہ لوگوں نے بھوک کی تکلیف کی وجہ سے اونٹوں اور بکریوں پر، جو مال غنیمت کی تھیں ہاتھ مارا اور ذبح کر کے ہانڈیاں چڑھا دیں۔ آنحضرت ﷺ نے حکم دیا کہ ہانڈیاں الٹ دی جائیں تو الٹ دی گئیں۔ اس لیے کہ مال غنیمت کی تقسیم سے پہلے اس کو ذبح کر کے پکانا بہر حال بے تکی بات ہے۔ اس لیے یہ سوال پیدا نہیں ہوتا کہ گوشت اور ہانڈیاں کیوں الٹ دی گئیں۔ دین میں اصل اہمیت حلت اور حرمت کی ہے نہ کہ اس کی کہ غذائی ذخیرہ کا نقصان ہو۔ دونوں میں بڑا فرق ہے۔ غنیمت کی تقسیم سے پہلے کسی کو یہ حق نہیں کہ اس میں تصرف کرے، یہ قطعی حرام ہے اور اس میں طمع کے بہت سے مواقع ہیں۔ ایک موقع پر اگر ڈھیل دے دی جائے تو پھر دوسرے مواقع ہو سکتے ہیں جہاں اس سے بڑے جرائم ہوں۔ اس لیے اگر کچھ ہانڈیاں الٹ دی گئیں تو کیا ہوا لیکن صحیح تعلیم تو دینا ضروری تھی اور یہ آنحضرت ﷺ نے دی۔ ثم قسمہ پھر آپ نے غنیمت کو تقسیم کیا اور حصہ میں دس بکریوں کو ایک اونٹ کے برابر رکھا۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ جانوروں میں تقویم کی ایک شکل یہ بھی ہے۔ مالکیہ اور احناف کے نزدیک تقسیم کا یہ طریقہ اختیار کیا جاسکتا ہے۔ شوافع کے نزدیک یہ ہے کہ قیمت قرار دے کر جانوروں کا مبادلہ ہوگا۔ لیکن یہ بھی تو تقویم ہے کہ دس بکریوں کو ایک اونٹ کے برابر رکھا جائے۔ یہ جب کیا جائے گا تو اس اندازہ کے ساتھ کیا جائے گا کہ اس حیثیت کا اونٹ ہے اور اس حیثیت کی بکریاں ہیں۔ اونٹ اور بکریوں کی مختلف اقسام ہیں اور دونوں کی حیثیت دیکھ کر تقویم ہوگی۔ بہر حال شوافع کی بات کمزور ہے۔ اس طرح اندازہ سے تقسیم کرنا بھی درست ہے اور اگر یہ نہیں ہوگا تو بہت سی دشواریاں ہوسکتی ہیں۔ ایک ایک بکری کی قیمت لگائیں گے اور پھر قیمت کے حساب سے دوسری چیز مقابل میں لائیں گے۔

غنیمت کی تقسیم کے دوران ایک اونٹ نکل بھاگا اور کسی کے قابو میں نہیں آیا۔ بالآخر ایک شخص نکلا۔ اس نے تیر چلایا اور اللہ تعالیٰ نے اونٹ کو روک دیا۔ آنحضرت ﷺ نے یہ جو فرمایا کہ بہائم میں بھی وحشی ہوتے ہیں جیسے جنگل میں جنگلی جانوروں میں وحشی ہوتے ہیں (مثلاً ہرن، پاڑے وغیرہ) اور اگر کوئی جانور اس اونٹ کی طرح بھاگ نکلے تو تم بھی اس کے ساتھ یہی معاملہ کرو، تو اس کا کیا مطلب ہے۔ کیا وہ شکار کے حکم میں ہو جائے گا۔ شکار میں تو یہ ہے کہ آپ بسم اللہ پڑھ کر گولی چلائیں یا تیر ماریں پھر اس کے بعد شکار ہو گیا تو آپ اس کو کھا سکتے ہیں۔ کیا ہمارا کوئی جانور اس طرح نکل بھاگے اور بسم اللہ پڑھ کر گولی چلا دیں تو وہ جائز ہو جائے گا۔ بعض فقہا کہتے ہیں کہ نہیں، اس کو ذبح کرنا پڑے گا۔ اس روایت کے بارے میں کہتے ہیں کہ اس میں حبسہ کا لفظ ہے، کہ اس کو روک لیا گیا۔ ہوسکتا ہے کہ اس کے بعد ذبح کیا گیا ہو۔ ان کا یہ استدلال قوی ہے اس لیے کہ بات اس میں واضح نہیں ہوتی ہے بلکہ یہ ہے کہ اس کو روک دیا۔ حبسہ، لیکن احناف کے نزدیک جائز ہے وہ کہتے ہیں کہ اصول یہ ہے کہ جب کوئی چیز جانور کا خون بہا دے، اور جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو، وہ کھا سکتے ہیں۔

رافع بن خدیج کہتے ہیں کہ میرے دادا نے نوجوا کہا یا نخاف کہا تو عربی میں دونوں لفظ ایک معنی میں بھی
آتے ہیں۔ یعنی توقع کرتے ہیں، اندیشہ ہے تو اس میں کوئی بحث نہیں کہ کون سا لفظ کہا۔ انہوں نے کہا کہ کل ہم کو دشمن سے
مڈبھیڑ کا اندیشہ ہے اور ہمارے پاس چھریاں بھی نہیں ہیں۔ تو کیا ہم قصب کے ذریعہ ذبح کر لیں۔ بانس وغیرہ کی جو کھپچی
ہوتی ہے اس میں تیزی ہوتی ہے۔ ہاتھ کو لگ جائے تو خون بہا دیتی ہے۔ اس طرح کی اور چیزیں بھی ہیں جن سے تیز کھپچی
بنائی جا سکتی ہے۔ اصل سوال یہ ہے کہ جس چیز سے ذبح کیا گیا ہے اس سے خون بہایا جا سکتا ہے یا نہیں۔ گویا یہ کہہ سکتے ہیں
کہ اگر اسالت دم کا امکان ہو تو یہ کھپچی استعمال کر سکتے ہیں۔ لیس السن والظفر یعنی دانت اور ناخن استعمال نہیں ہوں گے۔
لیس یہاں الا کے معنی میں ہے اور اس طرح آتا ہے۔

یہ بات کہ ہمارے پاس چھریاں نہیں تھیں، سمجھ میں نہیں آئی۔ میدان جنگ میں ہیں، اسلحہ موجود ہے، تلواریں بھی
ہوں گی تو یہ بات سمجھ میں نہیں آئی۔ حدیث کا آخری ٹکڑا سَاُحَدِّثُکُمْ عَنْ ذٰلِکَ.......... الْحَبَشَةِ، اس کے بارے
میں میری رائے یہ ہے کہ یہ رافع بن خدیج کے دادا کا قول ہے۔ مطلب یہ کہ جہاں تک دانت کا تعلق ہے وہ تو ہڈی ہے اور
ناخن حبشہ کی چھری ہے، دونوں سے اسالت دم ممکن نہیں۔

۴. باب : اَلْقِرَانِ فِی التَّمْرِ بَیْنَ الشُّرَکَاءِ حَتّٰی یَسْتَاْذِنَ اَصْحَابَهٗ.

باب: اس بارے میں کہ دو دو کھجوریں اکٹھی کھانا کسی شریک کو درست نہیں جب تک دوسرے ساتھیوں سے اجازت نہ لے۔

۷۔ حَدَّثَنَا خَلَّادُ بْنُ یَحْیٰی حَدَّثَنَا سُفْیَانُ حَدَّثَنَا جَبَلَةُ بْنُ سُحَیْمٍ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا یَقُوْلُ نَهَی النَّبِیُّ ﷺ اَنْ یَقْرُنَ الرَّجُلُ بَیْنَ التَّمْرَتَیْنِ جَمِیْعًا حَتّٰی یَسْتَاْذِنَ اَصْحَابَهٗ.

﴿ابن عمر فرماتے تھے کہ نبی ﷺ نے اس بات سے روکا ہے کہ کوئی شخص ایک ہی ساتھ دو دو کھجوریں کھائے جب تک کہ اپنے ساتھیوں سے اجازت نہ لے لے۔﴾

۸۔ حَدَّثَنَا اَبُو الْوَلِیْدِ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ جَبَلَةَ قَالَ کُنَّا بِالْمَدِیْنَةِ فَاَصَابَتْنَا سَنَةٌ فَکَانَ ابْنُ الزُّبَیْرِ یَرْزُقُنَا التَّمْرَ، وَکَانَ ابْنُ عُمَرَ یَمُرُّ بِنَا فَیَقُوْلُ لَا تَقْرُنُوْا فَاِنَّ النَّبِیَّ ﷺ نَهٰی عَنِ الْاِقْرَانِ اِلَّا اَنْ یَسْتَاْذِنَ الرَّجُلُ مِنْکُمْ اَخَاهُ.

﴿جبلہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ ہم مدینہ میں تھے کہ قحط کی شکل پیدا ہوگئی تو ابن الزبیرؓ ہمیں کھجور کھلاتے تھے اور ہمارے کھانے کے وقت ابن عمرؓ گزرتے تو فرماتے کہ بیک وقت دو دو نہ کھاؤ کیونکہ نبی ﷺ نے قران سے منع کیا ہے۔ اگر کوئی ایسا کرے تو اس کو چاہیے کہ اپنے شریک بھائی سے اجازت لے لے۔﴾

وضاحت:

اس روایت سے متعلق ایک فقہی سوال بہت اہم پیدا ہوتا ہے، وہ یہ کہ یہ امر ونہی کے باب کی کوئی چیز ہے یا آداب طعام سے متعلق ہے۔ اگر امر ونہی کے سلسلہ کی کوئی چیز ہے تو پھر مسئلے پیدا ہوتے ہیں اس لیے کہ اگر امر ہے تو وجوب کے لیے ہے یا استحباب کے لیے ہے، اسی طرح اگر نہی کے لیے ہے تو تحریم کے لیے ہے یا تنزیہ کے لیے ہے۔

امام صاحب کا گمان تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ امر ونہی کے باب کی چیز ہے۔ امام بخاری نے یہ غلطی بہت کی ہے کہ آداب کی قسم کی جو چیزیں ہیں ان کو احکام میں لے آئے ہیں۔

اگر کوئی دو دو کھجوریں اکٹھی کھائے تو آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ مہذب آدمی نہیں ہے، اچھی مجلس میں نہیں رہا، گنوار ہے، لیکن اس سے جنت دوزخ کا مسئلہ نہیں پیدا ہوتا۔ میرے نزدیک یہ ہے کہ یہ آداب طعام سے متعلق ایک ہدایت ہے۔ مہذب آدمیوں کا سلیقہ بہت اہمیت کی چیز ہے۔ اہل ظاہر تو یہی کہیں گے کہ ظاہر کا حکم یہی ہے اس لیے یہی واجب ہے، ہم اس کے خلاف نہیں جاتے۔ نہ جانے کتنی چیزیں ہیں بہت ادنیٰ، لیکن انہوں نے کہہ دیا واجب ہے۔ رہ گیا عبداللہ بن عمرؓ کا معاملہ تو وہ متقی آدمی ہیں۔ انہوں نے تاکید کی ہوگی تو اس نیت سے کہ لوگوں کو تہذیب سکھائی جائے۔

۵. باب : تَقْوِيمِ الاَشْيَاءِ بَيْنَ الشُّرَكَاءِ بِقِيمَةِ عَدْلٍ.

باب: شریکوں کے درمیان منصفانہ قیمت کے مطابق اشیاء کی قیمت ٹھہرانا

۹۔ حَدَّثَنَا عِمْرَانُ بْنُ مَيْسَرَةَ حَدَّثَنَا عَبْدُالْوَارِثِ حَدَّثَنَا اَيُّوبُ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ اَعْتَقَ شِقْصًا لَهُ مِنْ عَبْدٍ اَوْ شِرْكًا اَوْ قَالَ نَصِيبًا وَكَانَ لَهُ مَا يَبْلُغُ ثَمَنَهُ بِقِيمَةِ الْعَدْلِ فَهُوَ عَتِيقٌ"، وَ اِلَّا فَقَدْ عَتَقَ مِنْهُ مَا عَتَقَ، قَالَ لَا اَدْرِي قَوْلُهُ عَتَقَ مِنْهُ مَا عَتَقَ، قَوْلٌ" مِنْ نَافِعٍ اَوْفِي الْحَدِيثِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ.

﴿حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے مشترک غلام میں سے اپنا حصہ آزاد کر دیا اور اس کے پاس قیمت اس کی موجود ہو تو وہ غلام پورا آزاد ہوگا۔ ورنہ اتنا آزاد ہو جائے گا جتنا اس نے

آزاد کیا ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ قول عتق منه ما عتق، نافع کا ہے یا نبی ﷺ کا مجھے نہیں معلوم۔﴾

وضاحت:

یہ روایت بہت مشکل ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ غلامی کا دور اب ختم ہو چکا۔ میرے نزدیک روایت کا مطلب یہ ہے کہ اگر ایک شخص نے ایک غلام میں جس میں کہ وہ شریک تھا، اپنا حصہ آزاد کر دیا تو اس صورت میں ایک شخص بیک وقت آزاد اور غلام نہیں رہ سکتا۔ اس کا حل یہ ہوگا کہ اس کی حیثیت مکاتب کی قرار دی جائے گی۔ مکاتب وہ ہے جو اپنے مالک سے طے کرالیتا ہے کہ اتنا کچھ میں آپ کو ادا کر دوں تو پھر میں آزاد ہوں۔ جس شخص نے اپنا حصہ آزاد کر دیا تو ضروری ہے کہ وہ اپنے مال سے غلام کو پورا آزاد کرالے اور اگر اس کے پاس مال نہ ہو تب کیا ہوگا۔ آگے روایت آرہی ہے کہ غلام خود اس بات کی سعی کرے گا کہ باقی ادا کرنے میں وہ مددگار رہے۔ اسی سے میں نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ وہ مکاتب ہو جائے گا اور اس کے بعد وہ دوسروں سے بھی اپیل کر سکتا ہے کہ وہ اس کی مدد کریں۔ وہ بیت المال سے بھی مانگ سکتا ہے اس لیے کہ مکاتب کے لیے بیت المال میں بھی حق ہے۔ اس مالک کے ذمہ جس نے اپنا حصہ آزاد کیا ہے یہ ذمہ داری آتی ہے تو اس کے لیے یہ آسانی رکھی گئی ہے کہ وہ اس غلام سے بغیر کسی تشدد کے یہ کہہ سکتا ہے کہ تم بھی مدد کرو۔

۱۰۔ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ مُحَمَّدٍ اَخْبَرَنَا عَبْدُاللّٰهِ اَخْبَرَنَا سَعِيدُ بْنُ اَبِي عَرُوْبَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنِ النَّضْرِ بْنِ اَنَسٍ عَنْ بَشِيرِ بْنِ نَهِيكٍ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَنْ اَعْتَقَ شَقِيصًا مِنْ مَمْلُوكِهِ فَعَلَيْهِ خَلَاصُهُ فِي مَالِهِ، فَاِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ مَالٌ"، قُوِّمَ الْمَمْلُوكُ قِيمَةَ عَدْلٍ، ثُمَّ اسْتُسْعِيَ غَيْرَ مَشْقُوقٍ عَلَيْهِ.

﴿حضرت ابو ہریرۃؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ جس کسی نے کسی غلام میں سے اپنا حصہ آزاد کر دیا تو اس کے اوپر ضروری ہے کہ اس کی رہائی اس کے مال سے ہو۔ اگر اس کے پاس مال نہیں ہوگا تو اس مملوک کی انصاف کے مطابق قیمت ٹھہرا دی جائے گی اور پھر اس سے بھی سعی کا مطالبہ ہوگا اس طریقہ سے کہ اس کے اوپر کوئی مشقت نہ ہو۔﴾

وضاحت:

اس روایت میں بات واضح ہوگئی، جو اوپر میں نے کہا ہے۔ اگر مالک کے پاس اتنا مال نہ ہو تو غلام سے بھی کہا جا سکتا ہے کہ تم بھی مدد کرو۔ اب یہ مطالبہ تو کوئی نہیں کر سکتا اس لیے کہ اپنا حصہ آزاد کر چکا ہے لیکن درخواست کر سکتا ہے اپیل کر سکتا ہے کہ تم بھی مدد کرو۔ استسعی کے یہی معنی ہوئے۔ مطلب یہ ہوا کہ اتنا حصہ آزاد کر دینے کے بعد غلام مکاتب ہو جائے

گا۔ یعنی وہ غلامی سے تو نکل گیا۔ اب مالک کے پاس مال ہے تو وہ دے گا نہیں تو اس سے درخواست کر سکتا ہے کہ تم بھی مدد کرو۔ حدیث سے تو اتنا ہی نکلتا ہے لیکن قرآن سے یہ بھی نکلتا ہے کہ مکاتب کے لیے فنڈ بیت المال میں بھی ہے۔

٦. باب : هَلْ يُقْرَعُ فِي الْقِسْمَةِ وَالاسْتِهَامِ فِيهِ.

باب: اس بارے میں کہ کیا حصہ تقسیم کرنے کے لیے قرعہ کا طریقہ اختیار کیا جا سکتا ہے

۱۱۔ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا زَكَرِيَّاءُ قَالَ سَمِعْتُ عَامِرًا يَقُولُ سَمِعْتُ النُّعْمَانَ بْنَ بَشِيرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَثَلُ الْقَائِمِ عَلَى حُدُودِ اللَّهِ وَالْوَاقِعِ فِيهَا، كَمَثَلِ قَوْمٍ اسْتَهَمُوا عَلَى سَفِينَةٍ، فَأَصَابَ بَعْضُهُمْ أَعْلَاهَا وَبَعْضُهُمْ أَسْفَلَهَا، فَكَانَ الَّذِينَ فِي أَسْفَلِهَا إِذَا اسْتَقَوْا مِنَ الْمَاءِ مَرُّوا عَلَى مَنْ فَوْقَهُمْ فَقَالُوا لَوْ أَنَّا خَرَقْنَا فِي نَصِيبِنَا خَرْقًا وَلَمْ نُؤْذِ مَنْ فَوْقَنَا فَإِنْ يَتْرُكُوهُمْ وَمَا أَرَادُوا هَلَكُوا جَمِيعًا، وَإِنْ أَخَذُوا عَلَى أَيْدِيهِمْ نَجَوْا وَنَجَوْا جَمِيعًا.

﴿نعمان بن بشیر روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا، اللہ کی حدود پر قائم رہنے والوں اور اس میں پڑ جانے والوں، دونوں کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کچھ لوگ ایک کشتی کے اوپر قرعہ ڈالیں تو بعض لوگوں کو اوپر کا حصہ ملے اور بعض کو نیچے کا۔ جو لوگ نیچے والے ہوں ان کو جب پانی لینا پڑے تو ان کو اوپر والوں کے حصہ سے گزرنا پڑتا ہو۔ انہوں نے خیال کیا کہ اگر ہم اپنے نیچے کے حصہ میں سوراخ کر لیں تو اچھا ہوگا اس طریقہ سے ہم اوپر والوں کے لیے اذیت کا باعث نہیں ہوں گے۔ تو اگر اوپر والے ان کو چھوڑ دیں اور جو کچھ وہ کرنا چاہتے ہیں کر گزریں تو سب ہلاک ہوں گے اور اگر وہ ان کا ہاتھ پکڑیں تو خود بھی نجات پائیں گے اور دوسرے بھی۔﴾

وضاحت:

یہ حدیث اپنے عام مفہوم کے لحاظ سے بہت اہم ہے۔ اس میں یہ ہے کہ ایک تو وہ لوگ ہوتے ہیں جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض برابر انجام دیتے رہتے ہیں اور ایک وہ ہیں جو لاتعلق کا اظہار کرتے ہیں۔ اگر یہی پالیسی تمام لوگ اختیار کر لیں کہ چھوڑو ان کو، ہمیں کیا سروکار، تو برائی کرنے والوں کی برائی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا جو عذاب آئے گا اس میں سب پکڑے جائیں گے، اوپر والے بھی نیچے والے بھی، سب نیک و بد۔ اور اگر وہ یہ سوچیں کہ ہم ایک ہی کشتی کے سوار ہیں، ان کو کس طرح چھوڑ دیں، روکنا چاہیے ورنہ آفت میں مبتلا ہو جائیں گے، تو خود بھی نجات پائیں گے اور دوسرے بھی۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ کے حدود کے قیام کے بارے میں سہل انگاری کا رویہ کسی کے لیے جائز نہیں ہے۔ اپنے

معاشرہ میں فساد کو پھیلنے نہیں دینا چاہیے اور یہ خیال نہیں کرنا چاہیے کہ دوسروں کا معاملہ ہے ہمیں اس سے کیا لینا ہے۔

یہ بہت اہم مضمون ہے اور امام صاحب یہاں صرف قرعہ ڈالنے کے لیے اور حصہ متعین کرنے کے لیے دلیل کے طور پر یہ حدیث لائے ہیں۔ اس کا جو اعلیٰ مضمون ہے وہ دوسری جگہ لیا ہوگا۔

یہ بات تو ٹھیک ہے کہ قرعہ کا طریقہ ایک دینی طریقہ ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ بعض لوگ اس کے مخالف ہیں لیکن ان کی مخالفت کی کوئی دلیل نہیں۔ وہ شاید پانسہ کی چیز سے تقسیم کرنے پر اس کو قیاس کرتے ہیں، لیکن یہ تقسیم بالازلام میں نہیں آتا۔ روایتوں میں آیا ہے کہ نبی ﷺ جنگ پر جاتے تو ازواج مطہرات کے درمیان قرعہ کے ذریعہ انتخاب کرتے کہ کون زوجہ ساتھ جائیں گی۔

٧. باب : شَرِكَةِ الْيَتِيمِ وَ اَهْلِ الْمِيرَاثِ.

باب: یتیم کا دوسرے وارثوں کے شریک ہونے کے بارے میں

١٢۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِاللهِ الْعَامِرِيُّ الْاَوَيْسِيُّ حَدَّثَنَا اِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ صَالِحٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ اَخْبَرَنِي عُرْوَةُ اَنَّهُ سَاَلَ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا. وَقَالَ اللَّيْثُ حَدَّثَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ اَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ اَنَّهُ سَاَلَ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا عَنْ قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالَى: وَ اِنْ خِفْتُمْ اِلَى وَرُبَاعَ، فَقَالَتْ يَا ابْنَ اُخْتِي هِيَ الْيَتِيمَةُ تَكُونُ فِي حَجْرِ وَلِيِّهَا تُشَارِكُهُ فِي مَالِهِ، فَيُعْجِبُهُ مَالُهَا وَجَمَالُهَا، فَيُرِيدُ وَلِيُّهَا اَنْ يَتَزَوَّجَهَا، بِغَيْرِ اَنْ يُقْسِطَ فِي صَدَاقِهَا فَيُعْطِيَهَا مِثْلَ مَا يُعْطِيهَا غَيْرُهُ، فَنُهُوا اَنْ يَنْكِحُوهُنَّ اِلَّا اَنْ يُقْسِطُوا لَهُنَّ وَ يَبْلُغُوا بِهِنَّ اَعْلَى سُنَّتِهِنَّ مِنَ الصَّدَاقِ وَاُمِرُوا اَنْ يَنْكِحُوا مَا طَابَ لَهُمْ مِنَ النِّسَاءِ سِوَاهُنَّ. قَالَ عُرْوَةُ قَالَتْ عَائِشَةُ ثُمَّ اِنَّ النَّاسَ اسْتَفْتَوْا رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ بَعْدَ هٰذِهِ الْآيَةِ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ: وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ، اِلَى قَوْلِهِ وَتَرْغَبُونَ اَنْ تَنْكِحُوهُنَّ، وَالَّذِي ذَكَرَ اللّٰهُ اَنَّهُ يُتْلَى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ الْآيَةُ الْاُولَى، الَّتِي قَالَ فِيهَا وَ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ لَا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَى فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ قَالَتْ عَائِشَةُ وَقَوْلُ اللّٰهِ فِي الْآيَةِ الْاُخْرَى وَ تَرْغَبُونَ اَنْ تَنْكِحُوهُنَّ يَعْنِي هِيَ رَغْبَةُ اَحَدِكُمْ لِيَتِيمَتِهِ الَّتِي تَكُونُ فِي حَجْرِهِ حِينَ تَكُونُ قَلِيلَةَ الْمَالِ وَالْجَمَالِ فَنُهُوا اَنْ يَنْكِحُوا مَا رَغِبُوا فِي مَالِهَا وَجَمَالِهَا مِنْ يَتَامَى النِّسَاءِ اِلَّا بِالْقِسْطِ مِنْ اَجْلِ رَغْبَتِهِمْ عَنْهُنَّ.

﴿عروہ بن الزبیرؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے اللہ تعالیٰ کے اس قول" وَ اِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی فَانْکِحُوْا مَا طَابَ لَکُمْ مِنَ النِّسَآءِ مَثْنٰی وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ " کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا کہ اے میری بہن کے بیٹے! اس سے مراد وہ یتیم لڑکی ہے جو کسی ولی کی نگرانی میں ہو اور ولی کے مال میں شریک بننے والی ہو تو وہ اس کے مال اور اس کے حسن سے متاثر ہو کر اس سے نکاح کرنا چاہے بغیر اس کے کہ مہر کے معاملہ میں انصاف کرے اور اس کو وہ حق نہ دے جو دوسری جگہ اس کو ملتا ہو تو ایسی لڑکیوں سے نکاح کرنا منع ہوا الا آنکہ وہ ان کے ساتھ انصاف کریں اور جو اعلیٰ سے اعلیٰ ان کو دوسری جگہ ملتا ہے وہ دیں اور ان کو حکم ہوا کہ وہ نکاح کریں اپنی پسند کی دوسری عورتوں سے۔ عروہ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا۔ پھر لوگوں نے آنحضرت ﷺ سے اس آیت کے اترنے کے بعد مسئلہ پوچھا تو اللہ تعالیٰ نے حکم اتارا "وَیَسْتَفْتُوْنَکَ فِی النِّسَآءِ، اِلٰی قَوْلِهٖ وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْکِحُوْهُنَّ" اور جو اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے کہ جو تمہیں کتاب میں دوسری جگہ بتایا گیا تو اس سے مراد یہ آیتیں ہے کہ وَ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ لَا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی فَانْکِحُوْا مَا طَابَ لَکُمْ مِنَ النِّسَآءِ . اگر تم اندیشہ رکھتے ہو کہ یتیموں کے بارے میں انصاف نہ کرسکو گے تو نکاح کرو ان عورتوں سے جو تمہارے مزاج کے مطابق ہیں۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا یہ جو اللہ تعالیٰ نے دوسری آیت میں فرمایا، تم ان سے نکاح کرنے کی رغبت رکھتے ہو تو اس سے مراد وہ یتیم لڑکی ہے جو کسی کی نگرانی میں ہو جبکہ وہ مال اور حسن کے اعتبار سے کم درجہ کی ہو۔ تو یتیم لڑکیوں کے مال اور جمال سے رغبت کے باعث ان سے نکاح کرنے سے روکا گیا۔ الا یہ کہ وہ ان کے ساتھ قسط کا معاملہ کریں کیونکہ اس کے بغیر وہ ان سے نکاح کی خواہش نہیں رکھتے۔﴾

وضاحت:

یہ روایت دو طریقوں سے بیان کی گئی ہے جو ابن شہاب پر جمع ہو جاتے ہیں۔ دونوں میں ابن شہاب، عروہ سے اور عروہ حضرت عائشہؓ سے روایت کر رہے ہیں۔ دونوں میں کچھ فرق ہوتا تو معاملہ بدلتا۔ ابن شہاب کی عروہ سے ملاقات ثابت نہیں ہے۔ لہٰذا یہ روایت ابن شہاب کی حضرت عائشہؓ سے مراسیل کے ذیل میں ہے۔ اس اعتبار سے یہ روایت مجروح ہو جاتی ہے۔ روایت کا تعلق حضرت عائشہؓ کے قول سے ہے، آنحضرت ﷺ سے متعلق نہیں ہے۔ حضرت عائشہؓ یہ نہیں کہتیں کہ نبی ﷺ نے یوں فرمایا بلکہ اپنی تاویل بیان کرتی ہیں۔ اس اعتبار سے یہ حدیث نہیں بلکہ اثر ہے۔

اس روایت پر اور بھی اعتراضات آتے ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ یتامیٰ کی جو توجیہ ہے اس سے مراد انہوں نے یتیم لڑکیاں لیا ہے لیکن یتامیٰ کا لفظ ان نابالغوں کے لیے استعمال ہوتا ہے جن کا باپ فوت ہو چکا ہو، عام اس سے کہ وہ نابالغ لڑکے یا لڑکیاں۔ صرف یتیم لڑکیوں کے لیے اس کا استعمال نہ عربی زبان میں معلوم ہے، نہ قرآن میں، نہ حدیث میں۔ قرآن مجید میں یہ لفظ کم از کم چودہ جگہ اسی جمع کی صورت میں استعمال ہوا ہے لیکن کسی جگہ بھی صرف یتیم بچیوں کے مفہوم میں نہیں استعمال ہوا ہے۔

دوسرے یہ کہ فرض کر لیجیے سیدہ عائشہ یہ فرماتی ہیں کہ اس سے مراد وہ یتیمہ ہیں جو کسی ولی کی نگرانی میں ہیں۔ اور وہ ان کے مال اور جمال دونوں پر قبضہ کرنے کے لیے ان سے نکاح کرنا چاہتے ہیں لیکن مہر نہیں دینا چاہتے اور کوئی ذمہ داری نہیں لیتے۔ اگر یہ بات ہے تو یہ کہنے کی کیا ضرورت ہے کہ اگر تم کو اندیشہ ہو کہ یتیم لڑکیوں کے بارے میں تم انصاف نہ کرسکو گے۔ یہ بات تو اس شخص کے متعلق کہی جاسکتی ہے جس کے اندر کوئی اندیشہ ہو۔ وہ تو ایک چالاک آدمی کی طرح یہ سمجھتے ہیں کہ یہ لڑکی میری نگرانی میں ہے اور میں اس کے حسن و جمال دونوں سے فائدہ اٹھاتا ہوں۔ مہر بھی نہیں دینا ہے اور بھی کچھ نہیں کرنا ہے تو اس میں اندیشہ کی کیا بات ہے۔ پھر اس کے بعد یہ کہنے کی کیا ضرورت ہے کہ تم نکاح کرو دو دو، تین تین، چار چار عورتوں سے۔ اس میں کیا فائدہ ہے۔

میرے نزدیک آیت ''وَ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ لَا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی فَانْکِحُوْا مَا طَابَ لَکُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰی وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ'' میں لفظ یتامیٰ اپنے معروف معنی میں استعمال ہوا ہے اور نساء کا لفظ اگرچہ ظاہر میں عام ہے لیکن قرینہ دلیل ہے کہ اس سے عام عورتیں مراد نہیں ہیں بلکہ یتیموں کی مائیں مراد ہیں۔ عام بول کر خاص مراد لینا، بشرطیکہ قرینہ موجود ہو، عربی زبان میں بہت معروف ہے۔ چونکہ یتیموں کے بارے میں سخت احکام آئے تو لوگوں کے دلوں میں یہ اندیشہ پیدا ہوگیا کہ اس کھکھیڑ میں کون پڑے، یہ ذمہ داری ادا نہیں ہو سکتی۔ بہت سخت احکام ہیں۔ اس کو آسان کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ رعایت دی کہ اگر تم (مخاطب یتیموں کے اولیاء اور سرپرست ہیں) بربنائے احتیاط یہ اندیشہ رکھتے ہو کہ تمہارے لیے یتیموں کے مال اور ان کے واجبی حقوق کی کماحقہ نگہداشت ایک مشکل کام ہے تو تم ان یتیموں کی ماؤں سے (یتیم کا لفظ عام ہے۔ لڑکے لڑکی سب شامل ہیں) جو تمہارے لیے جائز ہوں، ان سے نکاح کرلو تاکہ ان کی نگرانی کرنے والی آنکھ خود تمہارے گھر میں آجائے۔ اس طریقہ سے تمہارے لیے یہ کام آسان ہوجائے گا بشرطیکہ بیویوں کی تعداد کسی صورت میں چار سے زیادہ نہ ہونے پائے اور تم ان کے درمیان عدل قائم رکھ سکو۔ ممکن ہے یہاں ایک شبہ بعض لوگوں کو ہو کہ ہم نے ان لوگوں کے قول کو جنھوں نے یتامیٰ سے یتیم لڑکیوں کو مراد لیا ہے محض اس بنا پر نظر انداز کر دیا کہ اس لفظ کا استعمال صرف لڑکیوں کے لیے معروف نہیں ہے درآنحالیکہ نساء سے یتیموں کی ماؤں کو مراد لیا ہے جب کہ اس لفظ کا استعمال اس معنی کے لیے معروف نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس قول کو (کہ یتامیٰ سے مراد یتیم لڑکیاں ہیں) صرف اس بنیاد پر نظر انداز

نہیں کیا کہ لغت اور استعمال اس کے حق میں نہیں ہیں بلکہ اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ یہ معنی لینے میں آیت کی تاویل صحیح نہیں بنتی۔ کسی شخص کو یہ اندیشہ ہو کہ اگر وہ ایک یتیم بچی سے نکاح کرے گا تو چونکہ اس کا باپ یا بھائی موجود نہیں ہے اس وجہ سے وہ اس کے حقوق ادا کرنے میں کوتاہی کرے گا تو اس کو یہ ہدایت ہوئی تھی کہ وہ اس وقت اس کے ساتھ نکاح کرنے میں توقف کرے جب تک وہ بالغ ہو کر اپنے حقوق وفرائض کو اپنے اختیار اور ارادہ کے ساتھ سمجھ نہ سکے یا صرف یہ ہدایت ہوئی تھی کہ ایسا شخص کسی اور عورت سے نکاح کرے، اس کے ساتھ تعدد ازواج کی اجازت اور اس کے قیود وشرائط کے بیان کی کوئی ضرورت داعی نہیں تھی۔ بہر حال اس قول کو متعدد وجوہ کی بنا پر چھوڑا ہے اور نساء کے لفظ کی جو تخصیص کی ہے وہ اس بنیاد پر کی ہے کہ اگر یتیموں کی ماں بھی ذمہ داری میں شریک ہو جائے تو تم اس فرض سے عمدہ طریقہ سے عہدہ برا ہو سکتے ہو اس لیے کہ یتیموں کے ساتھ جو قلبی لگاؤ اس کو ہو سکتا ہے کسی دوسرے کو نہیں ہو سکتا اور ان کے حقوق کی نگہداشت جس بیداری کے ساتھ وہ کر سکتی ہے کسی اور کے لیے ممکن نہیں ہے۔

روایت میں جو دوسری آیت وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ ...... (سورہ نساء: آیت ۱۲۷) کا حوالہ دیا ہے تو اس کا موقع یہ ہے کہ لوگوں کے اندر سوال پیدا ہوا کہ جب انہی کے مقصد کے لیے ہم ان سے نکاح کریں گے تو آخر عام عورتوں سے نکاح کی طرح مہر میں اور دوسرے شرائط میں اتنا بوجھ کیوں اٹھائیں۔ آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ لوگ عورتوں کے مہر اور مختلف بیویوں کے درمیان عدل کے بارے میں تم سے سوال کر رہے ہیں، خاص طور پر یتیموں کی ماؤں کے مہر اور ان کے درمیان عدل کے بارے میں جبکہ ان کے ساتھ نکاح میں اصل مصلحت انہی کے بچوں کی ہے تو کیا مہر اور عدل کی شرط ان کے معاملہ میں بھی اسی طرح لازمی ہوگی جس طرح دوسری عورتوں کے بارے میں ہے۔ فرمایا کہ ان کو بتا دو کہ عام عورتوں کے بارے میں بھی، اور یتامیٰ کی ماؤں کے بارے میں بھی، جن کا حکم آیت "و ان خفتم ......" میں بیان ہوا، جن سے تم نکاح تو کرنا چاہتے ہو لیکن عدل ومہر کے حق کو تسلیم نہیں کرنا چاہتے۔ نیز بے بس یتیموں کے باب میں بھی اللہ کا فتویٰ یہ ہے کہ عورتوں کے مہر دو اور ان کے ساتھ عدل کا معاملہ کرو اور یتیموں کے ساتھ حق وانصاف قائم کرنے والے بنو اور جو نیکی تم کرو گے اللہ اس سے باخبر ہوگا اور اللہ کے ہاں اس کا صلہ پاؤ گے۔

مثال کے طور پر یوں سمجھئے کہ ایک شخص کا بھائی مر گیا اور اس کے چار چھوٹے چھوٹے بچے ہیں اور ان بچوں کی ماں یہ نہیں چاہتی کہ کہیں جا کر نکاح کر کے مصیبت مول لے اور وہ شخص یہ سمجھتا ہے کہ ان بچوں کا ولی تو میں ہوں لیکن ڈرتا ہے کہ ان کی دیکھ بھال کرنا اور ان کے مال کا حساب رکھنا بہت مشکل ہے تو اس مصلحت کے تحت اگر وہ بچوں کی ماں سے نکاح کر لیتا ہے کہ بچے اور ان کی ماں سب نگرانی میں آ جائیں گے اور اس عورت کو ایک ایسا ٹھکانہ مل جائے گا جس میں وہ فکروں سے آزاد ہو کر اپنی اولاد کے مفاد کی دیکھ بھال کر سکے گی تو یہ یتیموں کو سنبھالنے کا ایک عمدہ انتظام ہوگا۔

آیت "وَاِن خفتم ......" سے ایک مزید اصول یہ نکلا کہ اسلام میں تعدد ازواج ہے کسی دینی مصلحت کے

تحت۔ کسی خاندانی مصلحت کے تحت کسی سماجی مصلحت کے تحت جائز ہے۔ مثلاً فرض کر لیجیے کہ کوئی جنگ چھڑ جاتی ہے اور مردوں کی ایک اچھی خاصی تعداد کا صفایا ہو جاتا ہے تو ایک ایسی مصلحت پیدا ہو جاتی ہے کہ تعدد ازواج کے ذریعہ مسئلہ کا حل نکالا جا سکتا ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ اس سلسلہ میں حکومت اگر دیکھے کہ تعدد ازواج کا جھگڑا چل رہا ہے، جیسا کہ آج کل بے لگام پن ہے تو وہ اس پر قدغن لگا سکتی ہے۔

ایک بات اور بھی یاد رکھنے کی ہے کہ یہ شان نزول کی روایت ہے۔ شان نزول کی روایات کے بارے میں خود محدثین کو اعتراف ہے کہ ہمیں ان چیزوں کے بارے میں زیادہ پروا نہیں ہے۔ لہٰذا ان کی تحقیق کما حقہٗ نہیں کی گئی ہے۔

میں نے آیت کی جو تاویل کی ہے اس کو غور سے پڑھیں، یہ الفاظ کے لحاظ سے، معنی کے اعتبار سے ہر لحاظ سے صحیح ہے۔ روایت کا کوئی وزن نہیں ہے۔ سند کے اعتبار سے ساقط ہے اور سیدہ عائشہؓ ایسی تاویل نہیں کر سکتیں۔ میری تاویل سے اگر آپ متفق ہوں تو فبہا، نہیں تو اس سے بہتر تاویل لائیے میں قبول کر لوں گا۔ لیکن امید نہیں کہ آپ اس میں کامیاب ہوں۔

٨. باب : الشَّرِكَةِ فِي الأَرَضِينَ وَغَيْرِهَا

باب: زمین وغیرہ کے معاملات میں شرکت

وغیرھا یعنی زمین کے مختلف رقبہ ہیں، باغ ہے، مکان ہے، کھیتی ہے، اس لیے وغیرھا کا لفظ آیا ہے۔

١٣۔ حَدَّثَنَا عَبْدُاللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا هِشَامٌ" أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ" عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ إِنَّمَا جَعَلَ النَّبِيُّ ﷺ الشُّفْعَةَ فِي كُلِّ مَالَمْ يُقْسَمْ، فَإِذَا وَقَعَتِ الْحُدُودُ، وَصُرِّفَتِ الطُّرُقُ فَلَا شُفْعَةَ.

﴿حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے شفعہ کا حکم صرف اس مال میں دیا جو تقسیم نہیں ہوا۔ جب حدیں قائم ہو گئیں اور راستے بدل گئے تو شفعہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔﴾

وضاحت:

اس کو مثال سے یوں سمجھئے کہ چند کمروں کے ساتھ آپ کا کمرہ ہے۔ آپ کا کمرہ الگ کر دیا گیا اور راستہ دے دیا گیا تو ان کمروں کا مالک اگر ان کو بیچنا چاہتا ہے تو بیچ سکتا ہے اس لیے کہ آپ کا راستہ متعین ہے۔ حد معین ہے اور اگر مشترک ہوتا تب البتہ آپ یہ مطالبہ کر سکتے تھے کہ بیچ دینے کے بعد معلوم نہیں کس طرح کے لوگوں سے سابقہ پیش آئے۔ اس لیے میرا حق مقدم ہے۔ ایسی شکل میں کمروں کے مالک کو آپ کو اطلاع دینی ہوگی کہ میں بیچ رہا ہوں یہ قیمت مل رہی ہے۔ آپ طے کرنا چاہتے ہوں تو طے کر لیں۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو پھر آپ کو حق شفعہ ہے۔ اس سے یہ بات قطعی نکلتی ہے کہ پڑوسی کو کوئی حق نہیں ہے اس

لیے کہ پڑوسی کی تو ہر چیز الگ ہے۔ شفعہ ہوگا اس وقت جب کہ حدود معین نہیں اور یہ بھی کہ بیچنے والے نے آگاہ نہیں کیا۔ اگر اس نے آگاہ کر دیا اور آپ نے نوٹس نہیں لیا تو پھر شفعہ زیادتی ہوگی۔ اور یہ بات بھی نکلتی ہے کہ بیع کے وقت ہی یہ سارا معاملہ ہوگا یہ نہیں کہ بیع تو ہوئی میں سال پہلے اور آج آپ شفعہ کا حق مانگیں۔ اس طریقہ سے تو کوئی کاروبار نہیں ہوسکتا۔

٩. باب : إِذَا اقْتَسَمَ الشُّرَكَاءُ الدُّورَ أَوْ غَيْرَهَا فَلَيْسَ لَهُمْ رُجُوعٌ" وَلَا شُفْعَةٌ"

باب: اس بارے میں کہ جب شریکوں نے گھر کو یا کسی اور چیز کو تقسیم کر لیا تو ان کے لیے رجوع کا یا شفعہ کا حق نہیں ہے۔

اس باب میں یہ ہے کہ تقسیم ہو جائے تو پھر شفعہ کا حق بھی نہیں اور رجوع کا حق بھی نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک معاہدہ جب ہو گیا تو پھر کسی کو رجوع کا حق نہیں رہ جاتا۔ ان چیزوں کے اوپر معاشرہ کا استحکام ہے۔

١٤۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ" حَدَّثَنَا عَبْدُالْوَاحِدِ حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ" عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ اَبِى سَلَمَةَ عَنْ جَابِرِ ابْنِ عَبْدِاللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَضَى النَّبِيُّ ﷺ بِالشُّفْعَةِ فِى كُلِّ مَالَمْ يُقْسَمْ فَإِذَا وَقَعَتِ الْحُدُوْدُ وَ صُرِّفَتِ الطُّرُقُ فَلَا شُفْعَةَ.

﴿جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ہر چیز میں جس کی تقسیم نہ ہوئی تھی شفعہ کا حکم دیا۔ جب حد بندی ہو جائے اور راستے الگ ہو جائیں تو پھر شفعہ نہیں رہا۔﴾

وضاحت:

یہ وہی اوپر والی روایت ہے۔

١٠. باب : الاِشْتِرَاكِ فِي الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَمَا يَكُونُ فِيهِ الصَّرْفُ

باب: سونے اور چاندی اور ان چیزوں کی شرکت کے بارے میں جن کا تبادلہ ہوتا ہے

١٥۔ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا اَبُو عَاصِمٍ عَنْ عُثْمَانَ يَعْنِي ابْنَ الْاَسْوَدِ قَالَ اَخْبَرَنِي سُلَيْمَانُ بْنُ اَبِى مُسْلِمٍ قَالَ سَأَلْتُ اَبَاالْمِنْهَالِ عَنِ الصَّرْفِ يَدًا بِيَدٍ فَقَالَ اشْتَرَيْتُ اَنَا وَ

شَرِیک" لِی شَیْئًا یَدًا بِیَدٍ وَ نَسِیئَةً فَجَاءَ نَا الْبَرَاءُ بْنُ عَازِبٍ فَسَأَلْنَاهُ فَقَالَ فَعَلْتُ اَنَا وَ شَرِیکِی زَیْدُ بْنُ اَرْقَمَ وَ سَاَلْنَا النَّبِیَّ ﷺ عَنْ ذٰلِکَ فَقَالَ مَا کَانَ یَدًا بِیَدٍ فَخُذُوهُ وَمَا کَانَ نَسِیئَةً فَذَرُوهُ.

﴿سلیمان بن ابی مسلم نے خبر دی کہ میں نے ابوالمنہال سے نقد نقد صرف کے بارے میں پوچھا کہ اس کا کیا حکم ہے۔ انہوں نے کہا کہ میں نے اور میرے ایک شریک نے کچھ چیزیں خریدیں نقد نقد اور کچھ نسیہ (ادھار) براء بن عازب آئے تو ہم نے ان سے پوچھا تو انہوں نے کہا میں نے اور میرے شریک زید بن ارقم نے ایسا کیا اور پھر نبی ﷺ سے اس کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا جو نقد نقد ہو وہ تو رکھ لو اور جو نسیہ ہو اس کو چھوڑ دو۔﴾

وضاحت:

صرف سے مراد کرنسی کا تبادلہ ہے۔ آپ ایک کرنسی دیتے اور اس کے بدلے میں دوسری کرنسی لیتے ہیں تو یہ سودا نقد نقد ہونا چاہیے۔ ظاہر ہے کہ نسیہ میں تفاضل کا اندیشہ پیدا ہوتا ہے۔ اور یداً بید (نقد نقد اس ہاتھ دو اس ہاتھ لو) میں نہیں۔ فرض کیجیے کوئی شخص کچھ دینار درہم سے بدلوانا چاہتا ہے تو ہاتھوں ہاتھ کا معاملہ ہوگا تو ٹھیک ہے۔ نسیہ میں یہ ہوگا کہ ایکسچینج کا بھاؤ بدل سکتا ہے۔ سونے، چاندی کا بھاؤ روزانہ اترتا چڑھتا ہے اس لیے تفاضل کا اندیشہ ہے جو شریعت میں منع ہے۔

۱۱. باب : مُشَارَکَةِ الذِّمِّیِّ وَالْمُشْرِکِیْنَ فِی الْمُزَارَعَةِ

باب: ذمی اور مشرکین کی مزارعت میں شرکت

وضاحت:

باب ہے ذمی اور مشرکین کی زراعت میں شرکت کے بارے میں۔ اس میں ذمی کے ساتھ مشرکین کو بھی شامل کر دیا ہے اور یہ مسئلہ قابل غور ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ اس زمانے میں مشرکین سے مراد صرف مکہ والے یعنی بنی اسماعیل تھے اور ان کے ساتھ شراکت کا بھی کوئی امکان نہیں رہا۔ اس لیے اس کی کوئی توجیہ کرتے ہوں گے کیونکہ اس زمانے میں مشرک حلفین بھی ہوتے تھے یعنی جن کو وقتی طور پر پناہ دی جاتی تھی تاکہ اسلام کے بارے میں شکوک رفع کر لیں۔ فتح مکہ کے بعد یہ سلسلہ بھی ختم ہو گیا۔ دوسرے غیر مسلموں کے ساتھ، میرے خیال میں، عبارت میں مشرکین کی بجائے غیر المسلمین کہنا چاہیے تھا۔ اس زمانے میں جو غیر مسلم ہیں وہ مشرکین بھی ہیں تو فرق نہیں پیدا ہوتا لیکن جس زمانے میں یہ کتاب مرتب ہوئی ہے اس

زمانے میں اس لفظ کا ایک خاص مفہوم تھا اور اس لحاظ سے یہ بات سمجھ میں نہیں آتی۔ میرا اعتراض سمجھ لیجئے۔ باقی صحیح مسلک یہی ہے آپ ہم ان سے معاملہ کر سکتے ہیں، فتویٰ یہی ہے۔

۱۶۔ حَدَّثَنَا مُوسَی بْنُ إِسْمٰعِيلَ حَدَّثَنَا جُوَيْرِيَةُ بْنُ أَسْمَاءَ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ أَعْطَى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ خَيْبَرَ الْيَهُودَ أَنْ يَعْمَلُوهَا وَيَزْرَعُوهَا وَلَهُمْ شَطْرُ مَا يَخْرُجُ مِنْهَا.

﴿عبداللہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے یہود کو خیبر دیا بایں شرط کہ وہ اس میں محنت کریں اور زراعت کریں اور ان کے لیے اس کی پیداوار کا نصف ہوگا۔﴾

وضاحت:

یہ غزوہ خیبر کے موقع کی بات ہے۔ یہود نے لڑائی کے بعد ہتھیار ڈال دیے تو ان کی زمینیں اہل ایمان کے قبضہ میں آ گئیں۔ انہوں نے نبی ﷺ سے التجا کی کہ ان کو زمینوں پر کام کرنے کا موقع دیا جائے تو بطور مزارع یہ کام کریں گے اور پیداوار میں سے نصف حصہ ان کو دے دیا جائے۔ چنانچہ اسی تجویز پر فیصلہ ہوا۔ نبی ﷺ نے واضح کر دیا کہ یہ بندوبست ہمیشہ کے لیے نہیں ہے بلکہ مسلمان جب چاہیں گے یہود کو یہ زمینیں خالی کرنا پڑیں گی۔ معلوم ہوا کہ غیر مسلموں کے ساتھ اہل ایمان اس طرح کا معاہدہ کر سکتے ہیں اور اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

۱۲. باب : قِسْمَةِ الْغَنَمِ وَالْعَدْلِ فِيهَا

باب: بکریوں کی تقسیم اور اس کے بارے میں عدل کا طریقہ کیا ہوگا

۱۷۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ عَنْ أَبِي الْخَيْرِ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ أَعْطَاهُ غَنَمًا يَقْسِمُهَا عَلَى صَحَابَتِهِ ضَحَايَا فَبَقِيَ عَتُودٌ فَذَكَرَهُ لِرَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ ضَحِّ بِهِ أَنْتَ.

﴿عقبہ بن عامر کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں کچھ بکریاں دیں کہ قربانی کے لیے صحابہ میں تقسیم کر دی جائیں تو ایک پٹھا بچ رہا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس کو تم ذبح کر لو۔﴾

وضاحت:

روایت میں جس تقسیم کا ذکر ہے اس کی نوعیت یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے ایک سمجھدار صحابی کو کہہ دیا کہ قربانی

کے لیے صحابہ میں بکریاں تقسیم کر دیں۔ اور یہ قربانی وہ ہے جس کا مقصد تکبہ بالحجاج ہوتا ہے جو یہاں ہم لوگ کرتے ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ یہ تقسیم حقوق کی تقسیم نہیں تھی۔ یہ تو تحفہ کی تقسیم تھی اور آنحضرت ﷺ نے تقسیم کا کام جن کے حوالہ کیا تھا معاملہ ان کی صوابدید پر تھا، کسی کو خوب پلی ہوئی بکری ملی کسی کو دبلی پتلی ملی، تقسیم ہو گئی۔ باب میں جس تقسیم سے امام صاحب بحث کر رہے ہیں وہ قانونی تقسیم ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ بکریوں ہی کی تقسیم اس طریقہ سے نہیں ہو سکتی۔ اگر حقوق میں کچھ لوگ برابر کے شریک ہوں تو یا تو وزن کر کے تقسیم ہوگی یا قیمت لگا کر تقویم کر کے تقسیم ہوگی۔

امام صاحب نے غیر متعلق روایت لا کر زیادتی کی ہے، اس کا کوئی احتمال نہیں ہے کہ جب گلے میں کچھ لوگ شریک ہیں تو اس طرح سے تقسیم ہو۔ اس صورت میں تقویم کرنی پڑے گی، قیمت لگائیں گے اس کے بعد تقسیم کریں گے۔

١٣. باب : الشَّرِكَةِ فِي الطَّعَامِ وَغَيْرِهِ وَيُذْكَرُ اَنَّ رَجُلًا سَاوَمَ شَيْئًا فَغَمَزَهُ آخَرُ فَرَاٰى عُمَرُ اَنَّ لَهُ شَرِكَةً

باب: اناج وغیرہ میں شرکت اور منقول ہے کہ ایک شخص نے خرید کے لیے کچھ مول بھاؤ کیا اور دوسرے نے اشارہ کیا تو حضرت عمرؓ نے خیال فرمایا اس میں اس کی شرکت ہے۔

١٨۔ حَدَّثَنَا اَصْبَغُ بْنُ الْفَرَجِ قَالَ اَخْبَرَنِي عَبْدُاللّٰهِ بْنُ وَهْبٍ قَالَ اَخْبَرَنِي سَعِيدٌ" عَنْ زُهْرَةَ بْنِ مَعْبَدٍ عَنْ جَدِّهِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ هِشَامٍ، وَكَانَ قَدْ اَدْرَكَ النَّبِيَّ ﷺ وَذَهَبَتْ بِهِ اُمُّهُ زَيْنَبُ بِنْتُ حُمَيْدٍ اِلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ بَايِعْهُ فَقَالَ هُوَ صَغِيرٌ" فَمَسَحَ رَاْسَهُ وَدَعَالَهُ وَ عَنْ زُهْرَةَ بْنِ مَعْبَدٍ اَنَّهُ كَانَ يَخْرُجُ بِهِ جَدُّهُ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ هِشَامٍ اِلَى السُّوقِ فَيَشْتَرِي الطَّعَامَ فَيَلْقَاهُ ابْنُ عُمَرَ وَابْنُ الزُّبَيْرِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ فَيَقُولَانِ لَهُ اَشْرِكْنَا فَاِنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَدْ دَعَا لَكَ بِالْبَرَكَةِ فَيَشْرَكُهُمْ فَرُبَّمَا اَصَابَ الرَّاحِلَةَ كَمَا هِيَ فَيَبْعَثُ بِهَا اِلَى الْمَنْزِلِ.

زہرۃ بن معبد اپنے دادا عبداللہ بن ہشام سے روایت کرتے ہیں۔ عبداللہ بن ہشام کو نبی ﷺ کا دور ملا اور ان کی والدہ زینب بنت حمید ان کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے گئیں اور درخواست کی کہ یا رسول اللہ اس سے بھی بیعت لیجیے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا یہ تو ابھی بچے ہیں۔ پھر آپ نے ان کے سر پر ہاتھ پھیرا اور ان کے لیے دعائے خیر کی۔ زہرۃ بن معبد سے روایت ہے کہ ان کے دادا عبداللہ بن ہشام ان کو لے کر بازار جاتے تھے اور غلہ کی خرید کرتے تھے اور حضرات ابن عمرؓ اور ابن زبیرؓ سے ملاقات ہوتی تو وہ

دونوں یہ درخواست کرتے کہ ہم کو بھی شریک کر لیجیے۔ اس لیے کہ نبی ﷺ نے آپ کے لیے برکت کی دعا کی ہے تو وہ ان کو شریک کرتے۔ بسا اوقات غلہ سے لدا ہوا پورا اونٹ لیتے جیسا کہ وہ ہوتا اور اس کو گھر کی طرف بھیجتے۔

وضاحت:

روایت میں عبداللہ بن ہشام کے بارے میں یہ بتایا ہے کہ ان کی ولادت آنحضرت ﷺ کے دور میں ہوئی اور ان کی والدہ زینب بنت حمید ان کو لے کر آنحضرت ﷺ کے پاس گئیں اور درخواست کی کہ ان سے بیعت لیجیے تو آپ نے فرمایا یہ ابھی بچے ہیں۔ پھر آپؐ نے ان کے سر پر ہاتھ پھیرا اور برکت کی دعا دی۔ بیعت نہیں لی، اس لیے کہ بچوں پر بیعت کی ذمہ داری نہیں ہے۔ بیعت عملی زندگی کی ذمہ داریوں میں شرکت کا عہد ہوتا ہے تو بچہ اس کا اہل نہیں ہوتا۔

دوسرے حصہ میں زہرۃ بن معبد بیان کرتے ہیں کہ ان کے دادا عبداللہ بن ہشام ان کو لے کر بازار جاتے تو ابن عمرؓ اور ابن زبیر سے ملاقات ہوتی اور وہ دونوں حضرات ان سے درخواست کرتے کہ انہیں بھی خریداری میں شریک کریں کیونکہ نبی ﷺ نے آپ کو برکت کی دعا دی ہے، تو وہ ان کو شریک کرتے۔ پھر وہی بیان کرتے ہیں کہ بسا اوقات ایسا ہوتا کہ وہ کسی غلہ کے اونٹ کو خریدتے کما حقہ یعنی پورے کا پورا اور اس کو گھر کی طرف بھیجتے۔ اس سے بعض شارحین نے یہ مراد لیا ہے کہ اتنا نفع کماتے کہ پورا ایک اونٹ لدا ہوا ہوتا لیکن میرے نزدیک الفاظ سے یہ بات نہیں نکلتی۔ سیدھی بات یہ نکلتی ہے کہ چونکہ آنحضرت ﷺ نے برکت کی دعا دی تھی تو لوگ اس میں شریک ہونا چاہتے تھے جس کی وجہ سے اتنی خریداری کرنی پڑتی کہ پورا ایک لدا ہوا اونٹ ہوتا۔ پورا اونٹ کوئی پانچ سات من کا ہوتا ہے اور بے شک نبی ﷺ کی دعا میں برکت ہے اور اس وجہ سے لوگوں کی خواہش ہوتی کہ اس میں شریک ہوں۔ اتنی بات الفاظ سے نکلتی ہے۔

فقہا میں شاید مالکیہ کو اس پر اعتراض ہے کہ غلہ میں شرکت نہیں ہو سکتی تو امام بخاری کا مسلک چونکہ یہ ہے کہ شرکت ہونی چاہیے، مالکیہ کے خلاف، تو اس پر انہوں نے باب باندھا ہے حالانکہ یہ تو عقل عامہ کی چیز ہے۔ مالکیہ کی بات سمجھ میں نہیں آتی کہ انہیں اعتراض کیوں ہے۔ شرکت کے لیے یہ بھی ضروری نہیں کہ نصف کی ہو بلکہ نصف بھی ہو سکتی، ایک تہائی بھی، چوتھائی بھی، یہ شرکاء کی باہمی رضامندی پر منحصر ہے۔

۱۴۔ باب : الشِّرْكَةِ فِي الرَّقِيقِ

باب: غلام میں شرکت

۱۹۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا جُوَيْرِيَةُ بْنُ أَسْمَاءَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا عَنْ

النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَنْ اَعْتَقَ شِرْكًا لَهُ فِي مَمْلُوكٍ وَجَبَ عَلَيْهِ اَنْ يُعْتِقَ كُلَّهُ اِنْ كَانَ لَهُ مَالٌ" قَدْرَ ثَمَنِهِ يقَامُ قِيمَةَ عَدْلٍ وَ يُعْطِي شُرَكَاؤُهُ حِصَصَهُمْ وَ يُخَلِّي سَبِيلُ الْمُعْتَقِ.

﴿حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جس شخص نے کسی غلام میں اپنا حصہ آزاد کر دیا اس پر واجب ہے کہ وہ کل کو آزاد کرائے اگر اس کے پاس اس کی قیمت کے بقدر مال ہو۔ منصفانہ قیمت ٹھہرائی جائے اور اس کے شریکوں کو ان کا حصہ دے دیا جائے، اور آزاد کردہ غلام کا راستہ چھوڑ دیا جائے۔﴾

وضاحت:

غلامی سے متعلق جتنا ریکارڈ ہے اب وہ سب تاریخ کا حصہ ہے۔ اس لیے کہ الحمدللہ، غلامی کا دور ختم ہو چکا۔ البتہ حدیث کو سمجھ لیجئے۔ معاشرہ میں ایک آزاد اور ایک غلام دونوں کے مدارج الگ الگ تھے اور بہت سی بدیہی چیزوں سے غلام بالکل محروم تھا۔

ایک شخص بیک وقت آزاد اور غلام دونوں نہیں ہو سکتا۔ اس میں بہت جھگڑا پیدا ہوگا۔ آپ امامت کے لیے بلائیں گے کوئی کہے گا اس کی امامت نہیں ہو سکتی یہ تو غلام ہے۔ گواہی کے لیے بلائیں گے تو اعتراض ہوگا۔ نکاح میں طلاق میں، تعزیرات میں اور دوسری چیزوں میں جھگڑا پیدا ہوگا۔ اگر ایک شخص نے جو غلام میں شریک تھا اپنا حصہ آزاد کر دیا تو اب اس غلام کی پوزیشن یہ ہوگی کہ نہ ادھر ہے نہ ادھر ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ اس کی پوزیشن معین ہو۔ حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ اسی کی قیمت سے جس نے آزاد کیا ہے پورا آزاد کرا دے اس طریقہ سے کہ تقویم کر دی جائے کہ غلام کی کل قیمت اتنی ہے، مالک کا حصہ اتنا تھا جو اس نے آزاد کر دیا، باقی حصہ جتنا ہے وہ ادا کر کے آزاد کرا لے۔ میرے نزدیک اب اس غلام کی حیثیت مکاتب کی ہوگی۔ اب غلام بھی مدد کر سکتا ہے۔ لیکن اس کے اوپر بار نہیں ڈالا جائے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آزاد کرنے والے کو کوئی اختیار نہیں۔ وہ تو اپنا حصہ آزاد کر چکا ہے البتہ یہ کہ غلام مدد کرے تو وہ کر سکتا ہے۔ میرے نزدیک مکاتب کے لیے بیت المال میں باقاعدہ فنڈ ہے وہ وہاں سے اپیل کر سکتا ہے۔

۲۰۔ حَدَّثَنَا اَبُو النُّعْمَانِ حَدَّثَنَا جَرِيرُ بْنُ حَازِمٍ عَنْ قَتَادَةَ عَنِ النَّضْرِ بْنِ اَنَسٍ عَنْ بَشِيرِ بْنِ نَهِيكٍ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَنْ اَعْتَقَ شِقْصًا لَهُ فِي عَبْدٍ اُعْتِقَ كُلُّهُ اِنْ كَانَ لَهُ مَالٌ" وَ اِلَّا يُسْتَسْعَ غَيْرَ مَشْقُوقٍ عَلَيْهِ.

﴿حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا جس نے کسی غلام کے اندر اپنا حصہ آزاد کر دیا تو وہ کل کا کل آزاد ہو جائے گا۔ اگر اس کے پاس مال ہوگا (آزاد کرنے والے کے پاس) اور اگر نہیں تو غلام

سے یہ کہا جائے گا کہ تم بھی مدد کرو لیکن اس پر کوئی تشدد نہیں ہوگا۔ ﴾

وضاحت:

یہ روایت اوپر باب تقویم الاشیاء بین الشرکاء بقیمة عدل میں گزر چکی ہے۔

۱۵. باب : الاِشْتِرَاکِ فِی الْهَدْیِ وَالْبُدْنِ وَاِذَا اَشْرَکَ الرَّجُلَ الرَّجُلَ فِی هَدْیِهِ بَعْدَ مَا اَهْدَی

باب: ھدی کے جانوروں اور ھدی کے اونٹوں میں شرکت کے بارے میں جب کہ کوئی آدمی اپنے ھدی کے جانور طے کردے اور اس کے بعد اس میں کسی کو شریک کرے۔

مطلب یہ ہے کہ کسی نے پہلے طے کرلیا کہ میرے اتنے جانور ھدی کے ہیں تو کیا اس کے بعد وہ کسی دوسرے کو اس ھدی میں شریک کرسکتا ہے۔ جب ایک ایک اونٹ میں سات حصہ دار ہو سکتے ہیں تو اس میں دوسروں کو بھی شریک کیا جاسکتا ہے۔ فتویٰ یہی ہے۔

۲۱۔ حَدَّثَنَا اَبُو النُّعْمَانِ حَدَّثَنَا حَمَّادُ ابْنُ زَیْدٍ اَخْبَرَنَا عَبْدُالْمَلِکِ بْنُ جُرَیْجٍ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ جَابِرٍ وَ عَنْ طَاوٗسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُم قَالَ قَدِمَ النَّبِیُّ ﷺ صُبْحَ رَابِعَةٍ مِنْ ذِی الْحَجَّةِ مُهِلِّیْنَ بِالْحَجِّ لَا یَخْلِطُهُمْ شَیْءٌ"، فَلَمَّا قَدِمْنَا اَمَرَنَا فَجَعَلْنَاهَا عُمْرَةً وَ اَنْ نَحِلَّ اِلَی نِسَائِنَا، فَفَشَتْ فِی ذٰلِکَ الْقَالَةُ قَالَ عَطَاءٌ"، فَقَالَ جَابِرٌ" فَیَرُوْحُ اَحَدُنَا اَلَی مِنًی وَذَکَرُهُ یَقْطُرُ مَنِیًّا، فَقَالَ جَابِرٌ" بِکَفِّهِ فَبَلَغَ ذٰلِکَ النَّبِیَّ ﷺ فَقَامَ خَطِیْبًا فَقَالَ بَلَغَنِی اَنَّ اَقْوَامًا یَقُوْلُوْنَ کَذَا وَکَذَا وَاللّٰهِ لَاَنَا اَبَرُّ وَ اَتْقٰی لِلّٰهِ مِنْهُمْ وَلَوْ اَنِّی اسْتَقْبَلْتُ مِنْ اَمْرِی مَا اسْتَدْبَرْتُ مَا اَهْدَیْتُ وَلَوْلَا اَنَّ مَعِیَ الْهَدْیَ لَاَحْلَلْتُ، فَقَامَ سُرَاقَةُ ابْنُ مَالِکِ بْنِ جُعْشُمٍ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هِیَ لَنَا اَوْ لِلْاَبَدِ فَقَالَ لَا بَلْ لِلْاَبَدِ قَالَ وَجَاءَ عَلِیُّ بْنُ اَبِی طَالِبٍ فَقَالَ اَحَدُهُمَا یَقُوْلُ لَبَّیْکَ بِمَا اَهَلَّ بِهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَقَالَ وَقَالَ الْآخَرُ لَبَّیْکَ بِحَجَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَاَمَرَ النَّبِیُّ ﷺ اَنْ یُقِیْمَ عَلٰی اِحْرَامِهِ وَ اَشْرَکَهُ فِی الْهَدْیِ.

﴿ حضرت جابرؓ اور حضرت ابن عباسؓ دونوں سے روایت ہے کہ نبی ﷺ ذوالحجہ کی چوتھی تاریخ کی صبح کو حج کا

احرام باندھے ہوئے مکہ پہنچے اور اس کے ساتھ کوئی اور نیت نہ تھی۔ جب ہم پہنچے تو آپؐ نے ہم کو حکم دیا تو ہم نے اس کو عمرہ کر ڈالا۔ اور آپؐ نے یہ بھی حکم دیا کہ ہم احرام کھول دیں اور بیویوں کے بارے میں پابندیوں سے آزاد ہو جائیں۔ اس پر لوگوں میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔ عطاء کہتے ہیں کہ جابرؓ نے کہا کیا اب ہم منیٰ میں آلودہ حالت میں جائیں گے۔ اور جابرؓ نے ہاتھ سے اشارہ بھی کیا۔ یہ بات جب نبی ﷺ کو پہنچی تو آپ خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ لوگ اس اس طرح کی باتیں کر رہے ہیں۔ اللہ کی قسم میں اللہ سے ان لوگوں کی نسبت سب سے زیادہ ڈرنے والا اور ان میں سب سے زیادہ متقی ہوں اور اگر پہلے سے میرے ذہن میں وہ بات ہوتی جو بعد میں ذہن میں آئی تو میں اپنے ساتھ حدی کے جانور لیتا ہی نہیں اور اگر میرے ساتھ حدی کے جانور نہ ہوتے تو میں بھی احرام سے باہر آ جاتا۔ اس پر سراقہ بن مالک بن جعشم اٹھے اور پوچھا کہ یارسول اللہ یہ ہمارے لیے ہی ہے یا ہمیشہ کے لیے تو آپ نے فرمایا نہیں بلکہ یہ ابد تک کے لیے ہے۔ جابرؓ نے کہا کہ حضرت علی بن ابی طالب بھی آ پہنچے۔ دونوں راویوں میں سے ایک کہتے ہیں کہ انہوں نے کہا لبیک بما اھل بہ رسول اللہ ﷺ (رسول اللہ کی نیت کے مطابق لبیک) اور دوسرے کہتے ہیں کہ انہوں نے کہا لبیک بحجۃ رسول اللہ ﷺ (رسول اللہ کے حج کے مطابق لبیک) آنحضرت ﷺ نے ان کو حکم دیا کہ وہ اپنے احرام پر قائم رہیں اور ان کو اپنی حدی میں شریک کر لیا۔

وضاحت:

قدم النبی ﷺ مھلین بالحج۔ یعنی نبی ﷺ آئے احرام باندھے اور اس کا اعلان کرتے ہوئے۔ جیسا کہ تکبیروں وغیرہ سے اظہار ہوتا رہتا ہے۔

لا یخلطھم بشئ۔ یعنی عمرہ وغیرہ کی کوئی نیت اس میں شامل نہیں تھی۔

ففشت فی ذالک القالۃ یعنی اس بات پر چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں۔ یہ ہے تو دیہاتی لیکن بہت اعلیٰ محاورہ ہے۔ میرا خیال ہے کہ حدیث کے سوا مجھے کہیں اور نہیں ملا۔ حدیث کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ روزمرہ کی زبان اس میں پڑھنے کو مل جاتی ہے۔

فقال جابر بکفیہ۔ یعنی جابرؓ نے ہاتھ سے اشارہ کیا۔

عرب کے لوگ الفاظ بے تکلفانہ بولتے ہیں۔ میں نے جابرؓ کے الفاظ کا مفہوم اپنے انداز میں ادا کیا ہے۔ اس لیے کہ ہماری سوسائٹی اس بے تکلفی کی روادار نہیں۔ لفظی معنی جاننا ہو تو کسی ترجمہ میں دیکھ لیجئے۔

آنحضرت ﷺ حج کی نیت سے احرام باندھے اور حدی کے جانور ساتھ لیے مکہ تشریف لائے اور روایت سے ظاہر ہوتا ہے ان لوگوں کو جن کے پاس کہ حدی کے جانور نہیں تھے عمرہ کرنے کا حکم دیا اور یہ بھی فرمایا کہ وہ احرام کھول کر پابندیوں سے آزاد ہو جائیں۔ اس پر لوگوں میں چہ میگوئیاں ہوئیں اور حضرت جابرؓ نے جو کہا وہ روایت میں نوٹ ہے۔ جب آنحضرت ﷺ تک یہ باتیں پہنچیں تو آپؐ نے خطبہ دیا اور کہا میں تم میں اللہ تعالیٰ سے سب سے زیادہ ڈرنے والا ہوں اور اگر میرے ذہن میں پہلے وہ بات ہوتی جو بعد میں آئی تو میں اپنے ساتھ حدی کے جانور لاتا ہی نہیں اور تمہاری طرح احرام سے باہر ہو جاتا۔

دور جاہلیت میں ایام حج میں عمرہ کرنا افسق الفسوق سمجھا جاتا تھا۔ لہذا ظاہر ہے کہ چہ میگوئیاں تو ہونی تھیں اس لیے کہ آنحضرت ﷺ نے پہلی مرتبہ یہ بات واضح فرمائی کہ جن لوگوں کے پاس حدی کے جانور نہیں تھے وہ عمرہ کر کے احرام کھول دیں۔ بعد میں حج کی نیت کر کے احرام میں دوبارہ آجائیں۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ جن کے ساتھ حدی کے جانور ہوں وہ احرام نہیں کھول سکتے؟ تو واقعہ یہ ہے کہ حدی کا جانور اپنے ظاہر و باطن میں نیت و ارادہ میں حاجی کا کامل ساتھی ہوتا ہے تو یہ کس طرح ممکن ہے کہ اپنے ساتھیوں کو جنھوں نے اپنی جان بھی دینی ہے چھوڑ کر کوئی اور موقف اختیار کیا جائے۔ یہ جذباتی چیز ہے لیکن میرے نزدیک عقلی بھی ہے کیونکہ ان جانوروں کو حضرت اسمٰعیل کی جگہ پر انسان کے نمائندہ کی حیثیت سے پیش کیا جاتا ہے تو ان کا مقام بہت اونچا ہے اور جب تک وہ اپنی جگہ نہ پہنچ جائیں تب تک کسی کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ احرام سے باہر آئے۔ ایسا حاجی قربانی کر کے احرام کھولے گا اور اس سے پہلے وہ اس چیز کا مرتکب کیوں کر ہو سکتا ہے جس کی طرف حضرت جابرؓ نے عریاں الفاظ میں اشارہ کیا ہے۔

سراقہ بن مالک بن جعشم کے پوچھنے پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ہمیشہ کے لیے یہی قاعدہ ہوگا کہ جن کے ساتھ حدی کے جانور نہیں ہوں گے وہ عمرہ کر کے احرام کھول دیں گے اور حج کے لیے دوسری نیت کریں گے۔ البتہ یہ ہے کہ احرام سے نکلنے کا کفارہ ایک جانور قربان کر کے ادا کریں گے۔ یہ معلوم ہوا کہ یہ ایک رخصت دی گئی ہے۔ ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ جو قربانی کی جائے گی وہ تو کفارہ کی قربانی ہوگی تو کیا سنت ابراہیم والی قربانی جو اصل قربانی ہے، الگ سے ادا کی جائے گی؟ اس پر بحث کے لیے یہ جگہ نہیں ہے۔ البتہ میرا نقطہ نظر یہ ہے کہ سنت ابراہیم کو ادا کرنے کی اصل جگہ منیٰ ہے لہذا حجاج کو اس سے محروم نہیں رہنا چاہیے۔ وہ کفارہ کی قربانی الگ سے دیں۔

فقال جاء علی بن ابی طالب ..... پھر کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ آئے اور کہا کہ جو رسول اللہ ﷺ کی نیت ہے وہی میری ہے۔ یا یہ کہا کہ جو رسول اللہ ﷺ یعنی رسول اللہؐ کے حج کے مطابق میری نیت ہے۔ ان دونوں باتوں میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔ مطلب ایک ہی ہے۔ ان کو آنحضرت ﷺ نے ہدایت فرمائی کہ تم اپنے احرام پر قائم رہو اس لیے کہ میری نیت تو یہی ہے اور ان کو اپنی حدی میں شریک کر لیا۔ یہ بات کہ ان کو حدی میں شریک کر لیا میری سمجھ میں نہیں آئی، اس لیے کہ حضرت علی

بھی اپنے ساتھ بہت سارے جانور لے آئے تھے۔

روایت سے یہ واضح نہیں ہوتا کہ آنحضرت ﷺ نے لوگوں کو عمرہ ادا کر کے احرام کھولنے کا جو حکم دیا تو کیا وہ وحی کا معاملہ تھا؟ آنحضرت ﷺ خود فرماتے ہیں کہ اگر وہ بات مجھ پر پہلے واضح ہوتی جو بعد میں ہوئی تو میں اپنے ساتھ ھدی کے جانور نہ لاتا جو آنحضرت ﷺ نے یہ جو فرمایا کہ بات مجھ پر بعد میں واضح ہوئی تو آپ پر کسی بات کا واضح ہونا دلیل ہے اس بات کی کہ آپ کو شرح صدر ہوا۔ اس کے مختلف پہلو ہو سکتے ہیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ فیصلہ کر چکنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آئی ہو۔ بہرحال معاملہ اہم ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جاہلیت کی روایت کی اصلاح اس طریقہ سے ہوئی ہے اور پھر اس میں ہمارے اور آپ کے لیے بہت سہولت ہے کیونکہ بین الاقوامی طور پر ھدی کے جانور ساتھ لے جانا گویا ناممکن ہے۔ لیکن یہ بات بھی ہے کہ ھدی کے جانوروں کی اپنی ایک شان ہے۔ آپ ان کو کھلاتے پلاتے ہیں، بناتے سنوارتے ہیں اور بڑے پیار سے اپنے ساتھ لے جاتے ہیں اور اگر کوئی نہیں لے جاتا یا نہیں لے جا سکتا تو قربانی کے جانوروں کے ساتھ وہ تعلق خاطر نہیں پیدا ہوتا جو ھدی کے جانوروں کے ساتھ ہوتا ہے۔

یہ حدیث کئی مسائل کا مجموعہ ہے اور تاریخ کی ایک اہم دستاویز ہے اور امام صاحب نے باب باندھا ہے الاشتراک فی الھدی (ان کو قربانی میں شریک کر لیا) پر۔

۱۶ . باب : مَنْ عَدَلَ عَشْرًا مِنَ الْغَنَمِ بِجَزُورٍ فِي الْقَسْمِ.

باب: تقسیم میں دس بکریوں کو ایک اونٹ کے برابر قرار دینے والے کے بارے میں

قربانی میں تو ایک اونٹ میں سات حصے ہوتے ہیں لیکن تقسیم میں یہ ہوگا کہ کوئی چاہے تو تقویم کی بجائے ایک اونٹ کے بدلے میں دس بکریاں دے۔ شوافع کو شاید اعتراض ہے کہ تقویم ہی ہوگی تو پھر وہ اس روایت کو کہاں لے جائیں گے۔ یہ بھی تقویم ہی ہے۔ تقویم کے معنی قیمت ٹھہرانے کے ہیں تو ٹھہرا دی گئی کہ ایک اونٹ کے بدلے دس بکریاں ہوں گی۔ البتہ یہ ہوگا کہ اونٹ کا بکریوں کی حیثیت کا دونوں کا لحاظ ہوگا۔

۳۲۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ" اَخْبَرَنَا وَكِيعٌ" عَنْ سُفْيَانَ عَنْ اَبِيهِ عَنْ عَبَايَةَ بْنِ رِفَاعَةَ عَنْ جَدِّهِ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ بِذِي الْحُلَيْفَةِ مِنْ تِهَامَةَ فَاَصَبْنَا غَنَمًا وَاِبِلًا فَعَجِلَ الْقَوْمُ فَاَغْلَوْا بِهَا الْقُدُورَ فَجَاءَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فَاَمَرَ بِهَا فَاُكْفِئَتْ، ثُمَّ عَدَلَ عَشْرًا مِنَ الْغَنَمِ بِجَزُورٍ، ثُمَّ اِنَّ بَعِيرًا نَدَّ وَلَيْسَ فِي الْقَوْمِ اِلَّا خَيْلٌ" يَسِيرَةٌ"، فَرَمَاهُ رَجُلٌ" فَحَبَسَهُ بِسَهْمٍ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ لِهٰذِهِ الْبَهَائِمِ اَوَابِدَ كَاَوَابِدِ الْوَحْشِ، فَمَا غَلَبَكُمْ مِنْهَا فَاصْنَعُوا بِهِ

هكذا قال قال جدي يا رسول الله إنا نرجوا او نخاف أن نلقى العدو غدا، وليس معنا مدى فنذبح بالقصب فقال اعجل او ارني ما انهر الدم وذكر اسم الله عليه فكلوا ليس السن والظفر، وساحدثكم عن ذلك اما السن فعظم" و اما الظفر فمدى الحبشة.

﴿عبایہ بن رفاعہ اپنے دادا رافع بن خدیج سے روایت کرتے ہیں کہ ہم تہامہ کے علاقہ ذوالحلیفہ میں نبی ﷺ کے ساتھ تھے اور ہم نے غنیمت میں بکریاں اور اونٹ حاصل کیے اور ہم نے جلدی کر کے ان کا گوشت ہانڈیوں پر چڑھا دیا۔ اتنے میں رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور حکم دیا تو وہ سب ہانڈیاں الٹ دی گئیں۔ پھر آپ نے تقسیم میں ایک اونٹ کے برابر دس بکریاں رکھیں تو ایک اونٹ بھاگ نکلا اور گھوڑ سوار کم تھے اور آخر ایک شخص نے اس کو تیر مار کر روک دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دیکھو ان چوپایوں میں کوئی کوئی وحشی جانور کی طرح بھاگ نکلتے ہیں تو جب تم ان کو پکڑ نہ سکو تو ایسا ہی کرو۔ عبایہ کہتے ہیں کہ میرے دادا رافع نے کہا یارسول اللہ ہم کو امید ہے یا ڈر ہے کل دشمن کا سامنا ہوگا اور ہمارے پاس چھریاں نہیں ہیں تو کیا قصب کے ذریعہ ان کو ذبح کر ڈالیں۔ تو آپ نے فرمایا جلدی کرو جو چیز خون بہادے اگر اس پر اللہ کا نام لیا جائے تو اس کو کھاؤ مگر دانت اور ناخن سے ذبح نہ کرو۔ میں اس کی وجہ بتاتا ہوں، دانت تو ہڈی ہے اور ناخن حبشیوں کی چھریاں ہیں۔﴾

وضاحت:

یہ روایت الفاظ کے معمولی تغیر کے ساتھ اوپر گزر چکی ہے۔ یہاں اعجل اور ارنی کے الفاظ جو نقل ہوئے ہیں تو اعجل تو ٹھیک ہے کہ جلدی کرو یہ اور ارنی کیا ہے؟ شرحوں میں کم سے کم ایک درجن لوگوں نے اس کے معنی بیان کیے ہیں اور لغت میں اس کا کوئی نشانی موجود نہیں، نہ مادہ نہ اشتقاق، کوئی چیز بھی نہیں۔ ایک صاحب نے یہ کہہ دیا کہ اس کے وہی معنی ہیں جو اعجل کے ہیں اور معلوم نہیں کہ یہ کس بنیاد پر کہا ہے۔ میرا خیال یہ ہے کہ کاتبوں نے مکھی پر مکھی ماری ہے جو سنتے رہے نقل کرتے رہے کہ راوی کا یہ اختلاف ہے کہ اعجل کہا یا ارنی کا لفظ کہا۔ اعجل کا لفظ ٹھیک ہے کہ جلدی کرو کہ جانور کی جان چھوٹ جائے۔ باقی کتابت کی غلطی ہے کاتبوں کی غلطی ہے جو بھی ہے بے معنی لفظ ہے۔

ساحدثکم ...... سے آخر تک جو بات ہے وہ عبایہ کے دادا صاحب کا حاشیہ ہے اور روایت کا حصہ بن گئی ہے۔ یہ بات آنحضرت ﷺ کی نہیں ہے۔ اگر آپ فرماتے تو ساحدثکم کیوں کہتے، اسی لپیٹ میں بات پوری کر دیتے۔

کتاب الرھن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتاب الرھن (رہن کے بارے میں کتاب)

١. باب : فِي الرَّهْنِ فِي الْحَضَرِ. وَ قَوْلِهِ تَعَالَىٰ: وَ إِنْ كُنْتُمْ عَلَىٰ سَفَرٍ وَلَمْ تَجِدُوا كَاتِبًا فَرِهَانٌ" مَقْبُوضَةٌ".

باب: حضر میں رہن کے بارے میں اور اللہ تعالیٰ کے اس قول کے بارے میں کہ اگر تم سفر میں ہو اور کوئی کاتب نہ ملے تو پھر کوئی شے رہن کے طور پر قبضہ میں کرا دی جائے۔

١. حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا هِشَامٌ" حَدَّثَنَا قَتَادَةُ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ وَلَقَدْ رَهَنَ النَّبِيُّ ﷺ دِرْعَهُ بِشَعِيرٍ وَ مَشَيْتُ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ بِخُبْزِ شَعِيرٍ وَ إِهَالَةٍ سَنِخَةٍ وَلَقَدْ سَمِعْتُهُ يَقُولُ مَا أَصْبَحَ لِآلِ مُحَمَّدٍ ﷺ إِلَّا صَاعٌ" وَلَا أَمْسَىٰ وَ إِنَّهُمْ لَتِسْعَةُ أَبْيَاتٍ.

﴿حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے اپنی زرہ جو کے بدلے میں رہن رکھی اور میں آپ کے پاس جو کی روٹی اور بودار روغن (یا چربی) لے کر گیا اور میں نے آپ کو فرماتے سنا کہ آل محمد نے صبح نہیں کی مگر ایک صاع (اناج) پر اور شام نہیں کی مگر ایک صاع پر۔ اور آپ کے تو نو گھر تھے۔﴾

وضاحت:

امام صاحب نے باب الرہن فی الحضر کا باندھا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سفر ہی میں نہیں بلکہ حضر میں بھی رہن کے قائل ہیں۔ غالباً اس کو ثابت کرنے کی ضرورت اس لیے پیش آئی ہوگی کہ اس معاملہ میں اختلاف ہے۔ اہل ظاہر حضر میں رہن کے قائل نہیں ہیں۔ وہ صرف رہن فی السفر کو مانتے ہیں لیکن ان کو مطعون کر دیا گیا ہے۔ فقہا کے متعلق تو میں نہیں کہہ سکتا البتہ مفسرین میں سے بہت سے لوگ اہل ظاہر کے مذہب کے قائل ہیں۔ میرے نزدیک اہل ظاہر کا وہ مذہب صحیح ہے جس کی امام صاحب تردید کرنا چاہتے ہیں۔ باب میں آیت جو نقل کی گئی ہے وہ وَ إِنْ كُنْتُمْ عَلَىٰ سَفَرٍ وَلَمْ تَجِدُوا كَاتِبًا فَرِهَانٌ" مَقْبُوضَةٌ" ہے۔ اگر امام صاحب اس سے ماقبل کی آیت يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ إِلَىٰ أَجَلٍ

مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ بھی نقل کر دیتے تو معاملہ صاف ہو جاتا۔ اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ اگر کوئی کسی مدت کے لیے قرض لے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ لکھ لیا جائے اور دوسری آیت میں بتایا کہ اگر تم سفر میں ہو اور کاتب نہ ملے تو اس شکل میں فَرِهٰنٌ "مَّقْبُوْضَةٌ"، کوئی چیز اس کے قبضہ میں دے دیں۔ یہ گارنٹی کے طور پر دیں گے، رھن سے مطلب ہوا گارنٹی۔ قرآن مجید کی ان آیات سے صاف معلوم ہوا کہ رھن صرف اس شکل میں جائز ہے جب کہ کتابت کے کام میں مشکل پیش آ رہی ہو اور سفر میں یہ صورت پیش آ سکتی ہے۔ لیکن تحریر میں لانا ممکن ہو تو رہن نہیں ہو سکتا۔ کوئی کس بنیاد پر یہ کہہ سکتا ہے کہ رھن حضر جائز ہے۔

حضرت انسؓ سے جو روایت نقل کی ہے، یہ پیچھے بھی زیر بحث آ چکی ہے۔ زرہ رہن رکھنے کا واقعہ جو ہو سکتا ہے تو بالکل ابتدائی دور مدینہ کا ہو سکتا ہے۔ قرآن مجید میں ان آیات کے نزول کے بعد کا نہیں ہو سکتا۔

روایت میں زمانے کے بارے میں جو اشکال ہے وہ عبارت کے لحاظ سے ہے مشیت الی النبی ﷺ بخبز شعیر و اھالة سنخة (میں جو کی روٹی اور کچھ بودار روغن لے کر نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا) یہ صورت بھی بالکل ابتدائی دور کی ہو سکتی ہے۔

پھر حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ لقد سمعته يقول ...... تسعة ابيات میں نے سنا ہے کہ نبی ﷺ فرماتے تھے کہ آل محمد نے صبح نہیں کی مگر ایک صاع (اناج) پر اور اسی طرح شام نہیں کی مگر ایک صاع پر جبکہ نو گھر تھے۔ یعنی نو ازواج مطہرات تھیں۔ یہ بالکل آخری دور کی بات ہے کہ آپ ﷺ کی نو ازواج ہوئیں۔ اس دور میں تمام سیدات کو الگ الگ راشن مل جاتا تھا وہ اپنا پکاتی اور کھاتی تھیں۔ میرے نزدیک روایت کرنے والوں نے ماضی کو مستقبل میں اور مستقبل کو ماضی میں ملا دیا ہے۔ یہ روایت بے حد مضطرب ہے۔ یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ بڑی مجبوری کی حالت میں نبی ﷺ نے یہودی سے قرض لیا اور اپنی زرہ رہن رکھوا دی تھی۔ امام صاحب اس روایت کی بنیاد پر جائز کر رہے ہیں کہ مسلمان اپنی روز مرہ کی زندگی میں رہن پر ایک دوسرے سے قرض لے سکتے ہیں۔

قرآن مجید کی رو سے رہن صرف سفر میں جائز ہے جب کہ آپ کو کوئی لکھنے والا نہیں مل رہا ہے۔ اب اگر کوئی کہے کہ میں یہ مان لوں کہ روز مرہ میں بھی جائز ہے تو یہ کس طرح ممکن ہے۔ ایک صاحب ملنے آئے تھے مجھ سے کہنے لگے کہ بعض لوگ آپ کے متعلق بھی یہ کہتے ہیں کہ آپ حدیث کے منکر ہیں۔ میں نے کہا جو کچھ یہ لوگ کہتے ہیں تو مجھ سے بدرجہا بہتر لوگوں کو یہی کچھ کہہ چکے ہیں تو میری کیا بساط ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ میں روافض کی روایت کو نہیں مانتا۔ مجھے روز موطا میں بھی، مسلم میں بھی اور بخاری میں بھی ان سے سابقہ رہتا ہے۔ روایت ہے اور راوی کٹر رافضی ہے تو میں اس کی روایت مان لوں یہ ممکن نہیں ہے۔ اگر یہ انکار حدیث ہے تو یہ الزام مجھے لینا پڑے گا۔ اس اسی روایت کو دیکھئے، قرآن مجید کی ان آیات کے بعد میں کیسے مان لوں کہ یہ روایت من وعن صحیح اور اس سے استدلال درست ہے۔

۲. باب : مَنْ رَهَنَ دِرْعَهُ

باب: اس کے بارے میں جس نے اپنی زرہ رہن رکھی

۲۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا عَبْدُالْوَاحِدِ حَدَّثَنَا الاَعْمَشُ قَالَ تَذَاكَرْنَا عِنْدَ اِبْرَاهِيمَ الرَّهْنَ وَالْقَبِيلَ فِى السَّلَفِ فَقَالَ اِبْرَاهِيمُ حَدَّثَنَا الاَسْوَدُ عَنْ عَائِشَةَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّ النَّبِىَّ ﷺ اشْتَرٰى مِنْ يَهُودِىٍّ طَعَامًا اِلٰى اَجَلٍ وَ رَهَنَهُ دِرْعَهُ.

﴿اعمش نے کہا کہ ہم ابراہیم کے پاس رہن اور ادھار قرض کی ضمانت کے مسئلہ پر گفتگو کر رہے تھے۔ ابراہیم نے کہا کہ اسود نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے ایک یہودی سے اناج خریدا ایک معین مدت تک اور اپنی زرہ رہن رکھ دی۔﴾

وضاحت:

قبیل سے مراد ضمانت اور سلف یعنی ادھار، قبیل فی السلف یعنی ضمانت پر ادھار۔ طعام سے مراد جو یا گندم، دونوں ہو سکتے ہیں۔

یہ روایت وہی ہے جو اوپر گزر چکی ہے۔ امام صاحب نے اس سے یہ مسئلہ بھی نکال لیا کہ زرہ بھی رہن رکھی جا سکتی ہے۔ غالبًا اس کی اہمیت یوں بیان کر رہے ہیں کہ زرہ اگرچہ دفاعی اسلحہ میں سے ہے لیکن عند الضرورت اس کو بھی رہن رکھا جا سکتا ہے۔

۳. باب : رَهْنِ السِّلَاحِ

باب: اسلحہ رہن رکھنے کے بارے میں

زرہ چونکہ دفاعی ہتھیار ہے تو کوئی کہہ سکتا ہے کہ جارحانہ ہتھیار نہیں ہے تو امام صاحب دوسری روایت لائے ہیں جس کی رو سے جارحانہ ہتھیار بھی رہن رکھا جا سکتا ہے۔ امام صاحب جو اس زور کے ساتھ یہ مضمون ثابت کر رہے ہیں تو آج کل کے لحاظ سے گویا آپ اپنا ایٹمی اسلحہ بھی رہن رکھ سکتے ہیں اور یہی نہیں بلکہ یہودی کے ہاں تو گویا اسرائیل کے پاس بھی رکھ سکتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ یہ نتیجہ نکالنے میں، میں کوئی زیادتی نہیں کر رہا ہوں۔

۳۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِاللهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ عَمْرٌو سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِاللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ مَنْ لِكَعْبِ بْنِ الأَشْرَفِ فَإِنَّهُ آذَى اللهَ وَ رَسُولَهُ ﷺ فَقَالَ مُحَمَّدُبْنُ مَسْلَمَةَ أَنَا فَأَتَاهُ، فَقَالَ أَرَدْنَا أَنْ تُسْلِفَنَا وَسْقًا أَوْ وَسْقَيْنِ، فَقَالَ أَرْهَنُونِي نِسَاءَ كُمْ، قَالُوا كَيْفَ نَرْهَنُكَ نِسَاءَ نَا، وَأَنْتَ أَجْمَلُ الْعَرَبِ، قَالَ فَارْهَنُونِي أَبْنَاءَ كُمْ، قَالُوا كَيْفَ نَرْهَنُ أَبْنَاءَ نَا، فَيُسَبُّ أَحَدُهُمْ، فَيُقَالُ رُهِنَ بِوَسْقٍ أَوْ وَسْقَيْنِ هٰذَا عَارٌ" عَلَيْنَا وَلٰكِنَّا نَرْهَنُكَ اللَّأْمَةَ قَالَ سُفْيَانُ يَعْنِي السِّلَاحَ فَوَعَدَهُ أَنْ يَأْتِيَهُ فَقَتَلُوهُ ثُمَّ أَتَوُا النَّبِيَّ ﷺ فَأَخْبَرُوهُ۔

حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کون اٹھتا ہے کعب بن الاشرف کو ختم کر دینے کے لیے، اس لیے کہ اس نے اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دی ہے۔ تو محمد بن مسلمہ نے کہا میں یا رسول اللہ، تو وہ اس کے پاس گئے اور کہا کہ ہم لوگ چاہتے ہیں کہ کچھ غلہ قرض لیں ایک یا دو وسق۔ اس نے کہا کہ اپنی بیویوں کو میرے پاس رہن رکھ دو۔ وہ بولے ہم اپنی بیویاں کیسے آپ کے پاس رہن رکھ سکتے ہیں آپ تو عرب کے سب سے خوبصورت آدمی ہیں۔ اس نے کہا اپنے بیٹوں کو رہن رکھ دو۔ تو لوگوں نے کہا کہ بیٹوں کو کیسے رہن رکھ دیں لوگ طعنہ دیں گے کہ ان کو ایک یا دو وسق کے بدلے رہن رکھا گیا تھا البتہ ہم آپ کے پاس لامۃ رہن رکھ دیتے ہیں۔ سفیان اس کی شرح اسلحہ سے کرتے ہیں۔ تو اس سے وعدہ کر لیا۔ پھر اس کے پاس گئے اور اس کو قتل کر دیا۔ پھر نبی ﷺ کے پاس گئے اور خبر دی کہ اس کو قتل کر دیا۔

وضاحت:

امام صاحب نے یہاں جو روایت لی ہے اس میں اختصار ہے۔ دوسری جگہ روایت مفصل ہے۔ اس میں یوں ہے کہ کعب بن اشرف یہودی تھا جو مسلمانوں کے خلاف شرارت تو کرتا ہی رہتا تھا لیکن غزوہ بدر میں قریش کے بڑے بڑے سردار مارے گئے تو گویا دیوانہ ہو گیا۔ اور اپنے اشعار سے اور خرافات سے قریش کو بھڑکاتا اور کہتا کہ میں تم لوگوں سے کہتا رہا لیکن تم مانے نہیں اور معاملہ یہاں تک پہنچ گیا۔ جب آنحضرت ﷺ کو اس کی حرکات کا پتہ چلا تو آپؐ نے فرمایا کون ہے جو کعب بن اشرف کا کام تمام کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایک ایسے دشمن کو جو پوری قوم کو للکار رہا ہے اور آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں کے خلاف سرگرم ہے اور قریش کو ابھار رہا ہے، اس کو قتل کر دینے کا تو حق ہے۔ اس لیے کہ کوئی ذمی ہو یا ہماری امان میں ہو تو بے شک ہم اس کے ذمہ دار ہیں لیکن ایک باہر کا شخص پوری قوم کے لیے آفت برپا کر رہا ہو تو ہمارے اوپر اس کی ذمہ داری تو نہیں ہے۔ سیاسی اخلاق کے لحاظ سے بھی کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ تو محمد بن مسلمہ اٹھے اور کہا کہ یا رسول

اللہ! میں اس کام کے لیے حاضر ہوں لیکن مجھے کوئی بات بنانے کی اجازت دیجئے۔ الحرب خدعۃ، کچھ نہ کچھ چال تو ہم چلیں گے۔ تو آپ نے اجازت دی کہ ٹھیک ہے۔ محمد بن مسلمہ کچھ ساتھیوں کے ساتھ گئے اور بات بنائی کہ ہم کو کچھ غلہ، وسق، دو وسق قرض دو۔ وہ پکا یہودی تھا اس نے کہا تم اپنی بیویوں کو رہن رکھو۔ انہوں نے کہا بیویوں کو رہن رکھنا اچھا نہیں، ہماری ناک کٹ جائے گی۔ وہ بولا اپنے بیٹوں کو رہن رکھو۔ انہوں نے کہا ہمارے بیٹوں کو ہمیشہ کے لیے لوگ طعنہ دیں گے کہ وسق دو وسق کے عوض رہن رکھا گیا تھا۔ البتہ یہ ہے کہ ہم کچھ اسلحہ رہن رکھ دیتے ہیں۔ اس طریقہ سے انہوں نے گویا اسلحہ کے ساتھ آنے کا راستہ پیدا کرلیا، یہ چال چلی اور وہ اس پر راضی ہوگیا۔ یہ گئے اور پھر کچھ آدمیوں کے ساتھ اسلحہ اٹھا کر یہ ظاہر کرتے ہوئے کہ رہن رکھنے آئے ہیں اس پر حملہ کردیا۔ محمد بن مسلمہ کے پاس چھری تھی اس کے پیٹ میں گھونپ دی، وہ چلایا لیکن اس کا کام تمام کردیا۔

اب مولوی شبلیؒ جو چاہیں اس کی توجیہ کریں، میرے نزدیک یہ بالکل ٹھیک واقعہ ہے۔ آنحضرت ﷺ پر، مسلمانوں پر، اخلاقی اعتبار سے، سیاسی اعتبار سے کسی اعتبار سے اس کی کوئی ذمہ داری نہیں تھی اور یہ چال چلی جاسکتی تھی۔ یہ وہ جھوٹ نہیں ہے کہ جس جھوٹ پر آپ فقہی فتوے دیں بلکہ انہوں نے بہت بچ بچ کر بات کی ہے۔ البتہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ایک چال ہے تو الحرب خدعۃ، جنگ تو نام ہی ان چیزوں کا ہے۔ یہ بالکل جائز ہے۔ پھر انہوں نے آکر آنحضرت ﷺ کو بتایا تو آپ نے اس پر صاد کیا۔

اب یہ سارا شان نزول اگر کوئی بیان نہ کرے تو کیا یہ روایت سمجھ میں آسکتی ہے؟ پھر کیا یہ روایت اس کو ثابت کرنے کے لیے ہے کہ اسلحہ بھی رہن رکھا جاسکتا ہے؟ اس باب کے باندھنے کا اس سے کوئی تعلق ہے؟ بہت کچھ باندھا جاسکتا ہے لیکن یہ تو نہیں کہ اسلحہ بھی رہن رکھا جاسکتا ہے۔ یہ بالکل غیر متعلق بات ہے۔ یہ اگر انکار حدیث ہے تو پھر اس سے میں نجات نہیں پاسکتا۔

۴. باب : الرَّهْنُ مَرْكُوب" وَ مَحْلُوب" وَقَالَ مُغِيرَةُ عَنْ إِبْرَاهِيمَ تُرْكَبُ الضَّالَّةُ بِقَدْرِ عَلَفِهَا وَ تُحْلَبُ بِقَدْرِ عَلَفِهَا وَالرَّهْنُ مِثْلُهُ.

باب: اس بارے میں کہ جو جانور رہن ہے اس پر سواری کرنا اور اس کا دودھ پینا درست ہے اور مغیرہ نے ابراہیم سے نقل کیا۔ انہوں نے کہا بھولے بھٹکے جانور پر اس کو چارہ کھلانے کے موافق اس پر سواری کی جائے اور اس کا دودھ دوہا جائے اور ایسے ہی گروی جانور کے لیے ہے۔

علف (چارہ) کا جہاں تک تعلق ہے وہ تو ایک کیل اور موزوں چیز ہے لیکن آپ کی جو سواری ہوگی یا دودھ ہوگا وہ کس پیمانے سے ناپا جائے گا کہ اتنا آپ نے چارہ کھلایا تھا تو اتنا آپ دودھ دوہ لیجئے یا اتنی سواری کر لیجئے؟ پھر یہ ہے کہ قرض میں کسی قسم کا نفع حاصل کرنا شرعاً جائز نہیں ہے، وہ سود ہو جائے گا۔

۴۔ حَدَّثَنَا اَبُونُعَیْمٍ حَدَّثَنَا زَکَرِیَّاءُ عَنْ عَامِرٍ عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ اَنَّهُ کَانَ یَقُولُ الرَّهْنُ یُرْکَبُ بِنَفَقَتِهٖ، وَیُشْرَبُ لَبَنُ الدَّرِّ اِذَا کَانَ مَرْهُونًا.

﴿حضرت ابوہریرہؓ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ رہن رکھی چیز پر بقدر خرچ کے سواری کی جا سکتی ہے اور دودھ دینے والے جانور کا دودھ بھی پی سکتے ہیں جب کہ وہ آپ کے پاس رہن ہے۔﴾

۵۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُبْنُ مُقَاتِلٍ اَخْبَرَنَا عَبْدُاللّٰهِ اَخْبَرَنَا زَکَرِیَّاءُ عَنِ الشَّعْبِیِّ عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ الرَّهْنُ یُرْکَبُ بِنَفَقَتِهٖ اِذَا کَانَ مَرْهُونًا وَلَبَنُ الدَّرِّ یُشْرَبُ بِنَفَقَتِهٖ اِذَا کَانَ مَرهُونًا وَ عَلَی الَّذِی یَرْکَبُ وَ یَشْرَبُ النَّفَقَةُ.

﴿حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ گروی جانور پر اس کے خرچ کے بدل سواری کی جائے اور دودھ والے جانور کا جب وہ گرو ہو تو دودھ پیا جائے اور جو کوئی سواری کرے یا دودھ پئے وہی اس کا خرچ اٹھائے﴾

وضاحت:

آیت "وَ اِنْ کُنْتُمْ عَلٰی سَفَرٍ وَ لَمْ تَجِدُوْا کَاتِبًا فَرِهٰنٌ" مَقْبُوْضَةٌ"." سے یہ بات نکلی کہ رہن کی اجازت صرف حالت سفر سے ہے تو اوپر کی ان دو روایتوں کا تعلق بھی حالت سفر سے مانا جائے گا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کس پیمانہ سے آپ ناپ کر یہ بتائیں گے کہ جتنا آپ نے کھلایا ہے اتنی ہی آپ نے سواری کی ہے یا دودھ پیا ہے۔ نیز یہ ہے کہ قرض دینے والا کسی قسم کا نفع اٹھاتا ہے تو وہ سود ہے۔ جو چیز رہن رکھی گئی ہے وہ امانت ہے اس میں کسی قسم کا تصرف جائز نہیں ہے۔ اب یہ ہے کہ جتنا چارہ کھلایا ہے اس کی قیمت مالک سے لے اور جتنا دودھ دوہا ہے، بیچ کر رقم مالک کو دے دے تو اس شکل میں فائدہ اٹھانے کا کوئی احتمال نہیں ہے۔ جیسے ہی سفر ختم ہو رہن واپس کر دیا جائے گا اور یا تو قرض ادا کر دیا جائے گا یا اس کی دستاویز لکھ لی جائے گی۔

۵. باب : الرَّهْنِ عِنْدَ الْيَهُودِ وَغَيْرِهِمْ

باب: یہود اور دوسرے (غیر مسلموں) کے ہاں رہن رکھنے کے بارے میں

۶۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتِ اشْتَرَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مِنْ يَهُودِيٍّ طَعَامًا وَرَهَنَهُ دِرْعَهُ.

﴿حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک یہودی سے اناج خرید ا اور اپنی زرہ اس کے پاس رہن رکھ دی۔﴾

وضاحت:

یہ روایت امام بخاری رہن فی الحضر کو ثابت کرنے کے لیے بار بار لا رہے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے جب یہودی سے قرض لیا اس وقت آپ کے حالات بہت عسرت کے تھے اور روایات میں آتا بھی ہے کہ کئی کئی دن اسودان (کھجور اور پانی) پر گزارا ہوتا تھا۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ قرض فائدہ اٹھانے کے لیے دیا جاتا ہے لیکن فائدہ وہ اٹھائے گا جس نے قرض لیا ہے۔ جس نے قرض دیا ہے تو اس کا فائدہ اللہ کے ہاں ہے کہ قرض دے کر اس نے کسی کی اعانت کی ہے۔ اس کا عمل لکھا جائے گا اور وہاں جو فائدہ ہوگا اس کی کوئی حد نہیں ہے۔ اگر قرض دے کر کسی نے ذرہ برابر بھی فائدہ اٹھایا تو یہ سود ہوگا۔

میں نے اوپر رہن کی روایات کا محل واضح کر دیا ہے۔ قرآن کی آیت کے نزول کے بعد یہ جتنے احکام مرکوب و محلوب وغیرہ کے بیان ہو رہے ہیں ان سب کا تعلق مانا جائے گا اس رہن سے جو سفر میں ہو۔ اگر روایات میں کچھ اور ہے تو وہ روایات قرآن کو منسوخ نہیں کر سکتیں۔ کلیہ تو قرآن مجید پر مبنی ہوگا اور اس سے انحراف نہیں ہو سکتا۔

۶. باب : إِذَا اخْتَلَفَ الرَّاهِنُ وَالْمُرْتَهِنُ وَ نَحْوُهُ فَالْبَيِّنَةُ عَلَى الْمُدَّعِي وَالْيَمِينُ عَلَى الْمُدَّعَى عَلَيْهِ.

باب: اس بارے میں کہ راہن اور مرتہن کسی بات میں اختلاف کریں، یا ان کی طرح دوسرے لوگ اختلاف کریں تو مدعی کو گواہ لانا اور مدعی علیہ کو قسم کھانا چاہیے۔

راھن یعنی رہن رکھوانے والا اور مرتھن جس کے پاس رہن رکھا گیا ہو۔ یہ اسلامی قانون کا عام فارمولا ہے کہ کسی بھی معاملہ میں مدعی کے ذمہ ہوتا ہے کہ اپنے دعویٰ کے حق میں ثبوت یا دلیل پیش کرے اور

گواہ لائے۔ اور مدعیٰ علیہ کے پاس دلیل نہ ہو تو قسم کھائے گا۔ قسم مدعی کا ہتھیار نہیں ہے۔ باب کا مطلب یہ ہے کہ مدعی اور مدعیٰ علیہ کے معاملہ میں جو اصول ہے وہی اصول راہن اور مرتہن کے درمیان ہوگا۔

۷۔ حَدَّثَنَا خَلَّادُ بْنُ یَحْیٰی حَدَّثَنَا نَافِعُ بْنُ عُمَرَ عَنِ ابْنِ اَبِی مُلَیْکَۃَ قَالَ کَتَبْتُ اِلَی ابْنِ عَبَّاسٍ فَکَتَبَ اِلَیَّ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَضٰی اَنَّ الْیَمِیْنَ عَلَی الْمُدَّعٰی عَلَیْہِ۔

﴿ابن ابی ملیکہ کہتے ہیں کہ میں نے ابن عباسؓ سے استفسار کیا تو انہوں نے مجھے لکھا کہ نبی ﷺ کا فیصلہ یہ ہے کہ قسم کھانا مدعیٰ علیہ کے ذمہ ہوگا۔﴾

وضاحت:

مدعی کا یہ کام نہیں کہ وہ اپنے معاملہ میں قسم کھائے بلکہ اس کے ذمہ ہے کہ ثبوت پیش کرے یا کوئی گواہ لائے۔ لیکن مدعیٰ علیہ کے پاس مدعی کے دعویٰ کو جھوٹا کرنے کے لیے کوئی ثبوت نہیں ہے تو وہ قسم کھا سکتا ہے کہ مجھ پر جھوٹا دعویٰ کیا گیا ہے۔

۸۔ حَدَّثَنَا قُتَیْبَۃُ بْنُ سَعِیْدٍ حَدَّثَنَا جَرِیْرٌ عَنْ مَنْصُوْرٍ عَنْ اَبِی وَائِلٍ قَالَ قَالَ عَبْدُاللّٰہِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ مَنْ حَلَفَ عَلٰی یَمِیْنٍ یَسْتَحِقُّ بِھَا مَالًا وَّھُوَ فِیْھَا فَاجِرٌ لَقِیَ اللّٰہَ وَھُوَ عَلَیْہِ غَضْبَانُ فَاَنْزَلَ اللّٰہُ تَصْدِیْقَ ذٰلِکَ اِنَّ الَّذِیْنَ یَشْتَرُوْنَ بِعَھْدِاللّٰہِ وَ اَیْمَانِھِمْ ثَمَنًا قَلِیْلًا فَقَرَاَ اِلٰی عَذَابٌ اَلِیْمٌ ثُمَّ اِنَّ الْاَشْعَثَ بْنَ قَیْسٍ خَرَجَ اِلَیْنَا فَقَالَ مَا یُحَدِّثُکُمْ اَبُوْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ قَالَ فَحَدَّثْنَاہُ قَالَ فَقَالَ صَدَقَ لَفِیَّ وَاللّٰہِ اُنْزِلَتْ کَانَتْ بَیْنِیْ وَ بَیْنَ رَجُلٍ خُصُوْمَۃٌ فِیْ بِئْرٍ فَاخْتَصَمْنَا اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ شَاھِدٰکَ اَوْ یَمِیْنُہٗ، قُلْتُ اِنَّہٗ اِذًا یَحْلِفُ وَلَا یُبَالِیْ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ مَنْ حَلَفَ عَلٰی یَمِیْنٍ یَسْتَحِقُّ بِھَا مَالًا، ھُوَ فِیْھَا فَاجِرٌ، لَقِیَ اللّٰہَ وَھُوَ عَلَیْہِ غَضْبَانُ، فَاَنْزَلَ اللّٰہُ تَصْدِیْقَ ذٰلِکَ، ثُمَّ اقْتَرَاَ ھٰذِہِ الْاٰیَۃَ: اِنَّ الَّذِیْنَ یَشْتَرُوْنَ بِعَھْدِاللّٰہِ وَ اَیْمَانِھِمْ ثَمَنًا قَلِیْلًا، اِلٰی وَلَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ۔

﴿ابووائل کہتے ہیں کہ عبداللہ نے کہا کہ جو شخص کسی مال کا مستحق بننے کے لیے قسم کھائے گا اور وہ اس میں جھوٹا ہے تو اللہ سے اس کی ملاقات اس حالت میں ہوگی کہ اللہ اس پر غضبناک ہوگا۔ اس بات کی تصدیق کے لیے اللہ تعالیٰ نے آیت اتاری اِنَّ الَّذِیْنَ یَشْتَرُوْنَ بِعَھْدِاللّٰہِ وَاَیْمَانِھِمْ سے لے کر عَذَابٌ اَلِیْمٌ تک پڑھی۔ ابووائل نے کہا پھر ایسا ہوا کہ اشعث بن قیس ہمارے پاس آئے اور انہوں نے پوچھا ابوعبدالرحمٰن تم

سے کیا حدیث بیان کر رہے تھے۔ کہتے ہیں کہ ہم نے ان سے بیان کیا تو انہوں نے کہا ٹھیک بات ہے اللہ کی قسم یہ میرے بارے میں اتری ہے۔ میرے اور ایک شخص کے درمیان ایک کنویں کے بارے میں جھگڑا تھا تو ہم نے اپنا مقدمہ رسول اللہ ﷺ کے پاس پیش کیا تو نبی ﷺ نے فرمایا تم گواہ لاؤ یا پھر وہ شخص قسم کھالے۔ میں نے کہا وہ تو بے پرواہ ہے قسم کھالے گا۔ تو نبی ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص جھوٹی قسم کھائے گا کسی کے مال پر حق حاصل کرنے کے لیے تو اللہ سے اس حالت میں ملے گا کہ اللہ تعالیٰ اس پر غضبناک ہوگا۔ پھر یہ آیت پڑھی اِنَّ الَّذِیْنَ یَشْتَرُوْنَ بِعَھْدِ اللّٰہِ وَ اَیْمَانِھِمْ ثَمَنًا قَلِیْلًا ...... وَلَھُمْ عَذَاب" اَلِیْم" تک۔

وضاحت:

ظاہر ہے کہ اگر کوئی جھوٹی قسم کھا کر کسی دوسرے کا مال مارنا چاہے گا تو اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہی ہوگی اور اللہ کی لعنت سے بڑا کوئی عذاب نہیں۔ آیت کا جہاں تک تعلق ہے تو یہ جس طرح ان پر منطبق ہوتی ہے اسی طرح جھوٹی قسم کے تمام معاملات میں دوسروں پر بھی منطبق ہوتی ہے۔ یہ عام کلیہ ہے۔ یہ اشعثؓ پر صادق آ گئی تو اپنے بارے میں اس کو ریکارڈ کروانا بہرحال بڑا مقام ہے۔

یہ روایت پہلے بھی گزر چکی ہے۔

کتاب العتق

غلام آزاد کرنے اور اس کی فضیلت کے بارے میں کتاب

اور

کتاب المکاتب

مکاتب غلام کے بارے میں کتاب

صحیح بخاری کی ان دو کتابوں کا درس مولانا نے نہیں دیا۔ ان کی رائے یہ تھی کہ غلامی کے خاتمہ کے بعد اب غلاموں کے مسائل کا ہماری عملی زندگی سے کوئی تعلق نہیں رہا۔ اب ان کی حیثیت محض علمی ہے۔

کتاب الھبہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب الھبہ و فضلھا وَالتَّحرِیضِ عَلَیْھَا

(ھبہ کے بیان، اس کی فضیلت اور اس کی ترغیب دلانے کے باب میں کتاب)

ھبہ یعنی اپنی کوئی چیز کسی کو دے دینا، عطیہ کے طور پر، تملیک کے طور پر، تحفہ کے طور پر، یہ سب اس میں شامل ہے۔ ھبہ کی فضیلت بھی بیان ہوگی۔ نیز اس بات کی ترغیب دلائی ہے کہ ھبہ کرو اس میں بہت ثواب ہے۔

۱۔ حَدَّثَنَا عاصِمُ بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِی ذِئْبٍ عَنِ الْمَقْبُرِیِّ عَنْ اَبِی ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ یَا نِسَاءَ الْمُسْلِمَاتِ لَاتَحْقِرَنَّ جارَۃٌ لِجَارَتِھَا وَلَوْ فِرْسِنَ شَاۃٍ.

﴿حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا۔ اے مسلمان بیبیو کوئی پڑوسن اپنی دوسری پڑوسن کے لیے بکری کا کھر بھی ہو تو اس کو حقیر نہ جانے۔﴾

وضاحت:

اس کے معنی یہ ہوئے کہ چھوٹے سے چھوٹا تحفہ بھی چاہے کتنا ہی حقیر معلوم ہو کسی پڑوسی کو بھیجنے میں تامل نہیں کرنا چاہیے۔ بسا اوقات تحفہ میں دینے کے لیے کوئی چیز تو ہوتی ہے لیکن خیال ہوتا ہے کہ حقیر چیز ہے اس کو کیا بھیجنا، تو یہ خیال غلط ہے اور جس کے پاس بھیجی جائے اس کو بھی چاہیے کہ خوش دلی سے قبول کرے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سوشل تعلقات کا بہتر سے بہتر بنیاد پر قائم کیا جانا اور خوشگوار فضا پیدا کرنا اسلام کے مقاصد میں سے ہے۔ یہ بھی ایک طریقہ ہے کہ تحفہ کا تبادلہ ہو اور جو بھی تحفہ ہو خوشدلی سے قبول ہو۔ جب رواج چل پڑتا ہے تو چھوٹی چھوٹی چیزوں کا بھی لوگ خیال کرتے ہیں۔ آج کل کی طرح نہیں کہ مال روڈ سے خوش نما پیک کروا کر تحفہ بھیج دیا کہ آنکھیں خیرہ ہوتی ہیں، اللہ اکبر! کیا تحفہ ہے! کھولیے تو معلوم ہوتا ہے کہ واقعی تحفہ ہے۔

۲۔ حَدَّثَنَا عَبْدُالْعَزِیزِ بْنُ عَبْدِاللّٰہِ الاُوَیْسِیُّ حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِی حَازِمٍ عَنْ اَبِیہِ عَنْ یَزِیدَ بْنِ

رُومَانَ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا أَنَّهَا قَالَتْ لِعُرْوَةَ ابْنَ أُخْتِي إِنْ كُنَّا لَنَنْظُرُ إِلَى الْهِلَالِ، ثُمَّ الْهِلَالِ ثَلَاثَةَ أَهِلَّةٍ فِي شَهْرَيْنِ وَمَا أُوقِدَتْ فِي أَبْيَاتِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ نَارٌ" فَقُلْتُ يَا خَالَةُ مَا كَانَ يُعِيشُكُمْ قَالَتْ الْأَسْوَدَانِ التَّمْرُ وَالْمَاءُ إِلَّا أَنَّهُ قَدْ كَانَ لِرَسُولِ اللّٰهِ ﷺ جِيرَانٌ" مِنَ الْأَنْصَارِ كَانَتْ لَهُمْ مَنَائِحُ، وَكَانُوا يَمْنَحُونَ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ مِنْ أَلْبَانِهِمْ فَيَسْقِينَا.

﴿عروہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ نے ان کو بتایا کہ اے میری بہن کے بیٹے ہم چاند دیکھتے، پھر چاند دیکھتے، پھر چاند دیکھتے۔ ان تین چاندوں میں دو مہینے گزر جاتے تھے اور رسول اللہ ﷺ کے گھروں میں سے کسی گھر میں آگ نہیں جلتی تھی۔ میں نے پوچھا خالہ پھر آپ لوگوں کا گذر کا ہے پر ہوتا تھا تو انہوں نے کہا دو کالی چیزوں، کھجور اور پانی پر۔ اور یہ بات بھی تھی کہ نبی ﷺ کے کچھ پڑوسی انصاری تھے جن کے پاس دودھ والے جانور تھے اور وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس دودھ بھیجتے تو وہ آپ ہمیں بھی پینے کے لیے دیتے تھے۔﴾

وضاحت:

اس روایت سے آنحضرت ﷺ کی زندگی کے اس دور کے حالات معلوم ہوتے ہیں جب غربت تھی۔ یہاں ابیات کا لفظ ہے، تین چار گھر ہوں گے۔ حضرت سودہ، حضرت عائشہ اور ایک اور ازواج مطہرات ہوں گی اس لیے کہ گھر تو فتوحات کے بعد آخر دور میں جا کر ہوئے۔ دو مہینے اور تین چاند یعنی ایک چاند دیکھا پھر دوسرا پھر تیسرا اور اس کے بیچ دو مہینے گزر گئے۔ اسودان یعنی دو کالی چیزیں اور اس کی شرح کر دی کہ کھجور اور پانی۔ کھجور کے متعلق تو کہا جا سکتا ہے اس لیے کہ مدینہ کی کھجور سیاہ ہی ہوتی ہے لیکن کالا پانی کیسے ہوا۔ تو یہاں علی سبیل التغلیب کا اسلوب استعمال ہوا ہے۔ بات کرنے میں غالب شے کا لحاظ کیا جاتا ہے۔ کھجور اصل چیز ہے وہ اگر کالی ہے تو پانی کو بھی کالا کہہ دیا۔ یہ عربیت کا ایک اسلوب ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے انصاری پڑوسی آپ کو دودھ بھیجتے تھے۔ اسی تذکرہ کے لحاظ سے روایت نقل کی ہے کہ اس میں تحفہ کا ذکر ہے اور ھبہ میں سب چیزیں شامل ہیں۔

۲. باب: الْقَلِيلِ مِنَ الْهِبَةِ

باب: تھوڑی چیز ھبہ کرنے کے بارے میں

۳۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ سُلَيْمَانَ عَنْ أَبِي حَازِمٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لَوْ دُعِيتُ إِلَى ذِرَاعٍ أَوْ كُرَاعٍ لَأَجَبْتُ وَلَوْ أُهْدِيَ

اِلَىٰ ذِرَاعٍ" اَوْ كُرَاعٍ" لَقَبِلْتُ.

﴿حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا اگر مجھے دعوت دی جائے جس میں ذراع یا کراع پیش کیا جائے تو میں قبول کرلوں گا اور اگر مجھے ہدیہ بھیجا جائے جو ذراع یا کراع پر مشتمل ہو تو میں قبول کرلوں گا۔﴾

وضاحت:

ذراع یعنی بکری کا اگلا دست اور کراع یعنی کھر۔ بکری کی دستی بہترین گوشت سمجھا جاتا ہے جبکہ پایوں کو یہ اہمت حاصل نہیں ہے۔ آنحضرت ﷺ کا مطلب یہ ہے کہ دعوت میں اور ہدیہ میں اچھی چیز ہو یا حقیر چیز جو کچھ بھی پیش کیا جائے گا تو میں قبول کرلوں گا اور اس پر کوئی ناگواری نہیں ہوگی اس لیے کہ مسلمانوں کے درمیان تعلقات خوشگوار رہیں اور چھوٹی چھوٹی چیزیں بھی گھروں میں آنے جانے لگیں تو اس سے بڑی رونق رہتی ہے اور افراد معاشرہ کے مابین محبت بڑھتی ہے۔

٣. بَاب: مَنِ اسْتَوْهَبَ مِنْ اَصْحَابِهِ شَيْئًا وَقَالَ اَبُوسَعِيدٍ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ اضْرِبُوا لِي مَعَكُمْ سَهْمًا.

باب: اس شخص کے بارے میں جس نے اپنے اصحاب سے کسی چیز کا ہدیہ مانگا اور ابوسعید نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا اس میں اپنے ساتھ میرا حصہ بھی رکھنا۔

حضرت ابوسعید سے روایت کا حوالہ بطور تعلیق کے دیا ہے۔ روایت یوں ہے کہ آنحضرت ﷺ کے کچھ اصحاب کہیں جارہے تھے کہ ان کا گزر ایک قبیلہ پر ہوا۔ انہوں نے قبیلہ والوں سے مہمانی کی درخواست کی لیکن انہوں نے روکر دی۔ اس دوران قبیلہ کے سردار کو بچھو نے کاٹا اور وہ تکلیف سے چلانے لگا تو قبیلہ والوں نے صحابہ سے پوچھا کہ آپ کے پاس اس کا کوئی منتر ہے؟ انہوں نے کہا ہے تو، لیکن اس کا ہم کچھ معاوضہ لیں گے۔ چنانچہ کچھ بکریوں پر معاملہ ہوا۔ صحابہ میں سے کسی نے سورہ فاتحہ پڑھ پڑھ کر پھونک ماری اور اللہ تعالیٰ نے ان کے سردار کو بھلا چنگا کر دیا۔ صحابہ بکریاں لے کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے اور واقعہ بیان کیا۔ آپؐ ہنسے اور کہا کہ اپنے ساتھ میرا بھی حصہ لگانا۔ یہ آپؐ نے بطور تلطف فرمایا۔ اسی پر باب ہے کہ ہدیہ میں حصہ کے لیے کہا جاسکتا ہے۔

٣۔ حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِي مَرْيَمَ حَدَّثَنَا اَبُو غَسَّانَ قَالَ حَدَّثَنِي اَبُو حَازِمٍ عَنْ سَهْلٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ اَرْسَلَ اِلَى امْرَاَةٍ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَكَانَ لَهَا غُلَامٌ" نَجَّارٌ"، قَالَ لَهَا مُرِي عَبْدَكِ فَلْيَعْمَلْ لَنَا اَعْوَادَ الْمِنْبَرِ، فَاَمَرَتْ عَبْدَهَا فَذَهَبَ فَقَطَعَ مِنَ الطَّرْفَاءِ فَصَنَعَ لَهُ مِنْبَرًا، فَلَمَّا قَضَاه

اَرْسَلَتْ اِلَى النَّبِيِّ ﷺ اِنَّهُ قَدْقَضَاهُ قَالَ ﷺ اَرْسِلِي بِهِ اِلَيَّ فَجَاؤُا بِهِ فَاَحْتَمَلَهُ النَّبِيُّ ﷺ فَوَضَعَهُ حَيْثُ تَرَوْنَ.

﴿ابو سہلؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے مہاجرین میں سے ایک خاتون کے پاس پیغام بھیجا۔ ان کا ایک غلام بڑھئی تھا۔ آپؐ نے ان سے کہلایا کہ اپنے غلام کو حکم دیجیے کہ ہمارے لیے منبر کے تختے بنادے تو انہوں نے اپنے غلام کو حکم دیا۔ وہ گیا اور طرفاء کا درخت کاٹا اور اس سے منبر بنایا۔ جب اس نے کام پورا کرلیا تو ان خاتون نے نبی ﷺ کو پیغام بھیجا کہ وہ کام پورا ہو گیا تو آپ نے کہا منبر میرے پاس بھیج دو۔ لوگ اسے لے آئے تو نبی ﷺ نے اس کو خود اپنے ہاتھ سے اٹھایا اور اس جگہ رکھا جہاں آپ لوگ اس کو دیکھ رہے ہیں۔﴾

وضاحت:

یہ مسجد نبوی کے پہلے منبر کی تاریخ ہے۔ مسجد کی تعمیر کے بعد حضور کھجور کے ایک تنے کا سہارا لے کر خطبہ دیتے تھے۔ بعد میں آپ کو باقاعدہ منبر کی ضرورت محسوس ہوئی تو آپ نے ایک مہاجر خاتون، جن کا غلام بڑھئی کا کام جانتا تھا، کو پیغام بھیجا کہ اس سے ایک منبر بنوادیں۔ انہوں نے غلام کو یہ کام سونپا۔ غلام جنگل سے طرفاء درخت کی لکڑی کاٹ لایا اور اس کے تختوں سے منبر بنایا جسے مسجد میں رکھا گیا۔

آنحضرت ﷺ نے جب فرمائش کی ہوگی تو پیش نظر کچھ دینا دلانا ہوگا۔ یہ الگ بات ہے کہ اس نے نہ لیا ہو۔ میں دعویٰ نہیں کرتا کہ دیا بھی لیکن یہ اس طریقہ کا کام ہے جس طریقہ سے کسی بڑھئی کو ہم آپ کوئی کام کہہ دیتے ہیں۔ یہ استحصاب نہیں ہے۔

منبر کا رواج اس زمانے میں بھی تھا۔ منبر پر چڑھ کر ہی خطیب خطبہ دیتے تھے اور شعراء بڑی شان سے اپنے قصیدے پڑھتے تھے۔

۵۔ حَدَّثَنَا عَبْدُالعَزِيزِ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ اَبِي حَازِمٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ اَبِي قَتَادَةَ السَّلَمِيِّ عَنْ اَبِيهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كُنْتُ يَوْمًا جَالِسًا مَعَ رِجَالٍ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ فِي مَنْزِلٍ فِي طَرِيقِ مَكَّةَ، وَرَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ نَازِلٌ" اَمَامَنَا وَالْقَوْمُ مُحْرِمُونَ وَاَنَا غَيْرُ مُحْرِمٍ، فَاَبْصَرُوا حِمَارًا وَحْشِيًّا، وَاَنَا مَشْغُولٌ" اَخْصِفُ نَعْلِي، فَلَمْ يُؤْذِنُونِي بِهِ، وَاَحَبُّوا لَوْ اَنِّي اَبْصَرْتُهُ وَالْتَفَتُّ، فَاَبْصَرْتُهُ فَقُمْتُ اِلَى الْفَرَسِ فَاَسْرَجْتُهُ ثُمَّ رَكِبْتُ وَ نَسِيتُ السَّوْطَ وَالرُّمْحَ فَقُلْتُ لَهُمْ نَاوِلُونِي السَّوْطَ وَالرُّمْحَ فَقَالُوا لَا وَاللّٰهِ لَا نُعِينُكَ عَلَيْهِ بِشَيْءٍ فَغَضِبْتُ

فَنَزَلْتُ فَأَخَذْتُهُمَا ثُمَّ رَكِبْتُ فَشَدَدْتُ عَلَى الْحِمَارِ فَعَقَرْتُهُ ثُمَّ جِئْتُ بِهِ وَقَدْمَاتَ فَوَقَعُوا فِيهِ يَأْكُلُونَهُ ثُمَّ إِنَّهُمْ شَكُّوا فِي أَكْلِهِمْ إِيَّاهُ وَهُمْ حُرُمٌ" فَرُحْنَا وَخَبَأْتُ الْعَضُدَمَعِي فَأَدْرَكْنَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فَسَأَلْنَاهُ عَنْ ذٰلِكَ فَقَالَ مَعَكُمْ مِنْهُ شَيْءٌ" فَقُلْتُ نَعَمْ فَنَاوَلْتُهُ الْعَضُدَ فَأَكَلَهَا حَتّٰى نَفَّدَهَا وَهُوَ مُحْرِمٌ" فَحَدَّثَنِي بِهِ زَيْدُ بْنُ أَسْلَمَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ أَبِي قَتَادَةَ.

﴿ابو قتادہ کہتے ہیں کہ میں نبی ﷺ کے کچھ اصحاب کے ساتھ مکہ کے راستہ میں ایک مکان میں بیٹھا ہوا تھا اور نبی ﷺ ہمارے آگے اترے ہوئے تھے۔ سب لوگ احرام میں تھے البتہ میں غیر محرم تھا۔ اس دوران میں لوگوں نے ایک گورخر دیکھا۔ میں اپنے جوتے گانٹھ رہا تھا تو انہوں نے مجھے اس کی خبر نہ کی لیکن ان کے دل میں خواہش تھی کہ کاش میں دیکھ لوں۔ پھر میں نے نگاہ پھیری تو اس کو دیکھ لیا۔ میں گھوڑے کی طرف بڑھا، اس پر زین کسی اور سوار ہو گیا لیکن کوڑا اور نیزہ لینا بھول گیا۔ میں نے لوگوں سے کہا کہ مجھے کوڑا اور نیزہ پکڑا دو تو لوگوں نے کہا ہرگز نہیں، اللہ کی قسم ہم اس معاملہ میں تمہاری کوئی مدد نہیں کریں گے۔ مجھے بڑا غصہ آیا، میں گھوڑے سے اترا دونوں چیزیں لیں پھر سوار ہو گیا۔ میں نے گھوڑے کو گورخر کے پیچھے تیز دوڑایا اور اس کو زخمی کر دیا۔ پھر میں اس کو لے آیا، وہ مر چکا تھا اور سب لوگ اس کو کھانے کے لیے ٹوٹ پڑے۔ پھر لوگوں کو شک ہوا کہ حالت احرام میں ہم نے اس کو کھایا ہے تو جائز ہے کہ نہیں۔ پھر ہم وہاں سے چلے، اور میں نے اپنے ساتھ ایک اگلا دست چھپا لیا، اور رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے اور اس بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا تمہارے پاس اس میں سے کچھ ہے۔ میں نے کہا ہاں ہے اور اس کا دست پکڑا دیا۔ آپ نے اس کو کھایا اور پورا ختم کیا جب کہ آپ حالت احرام میں تھے۔﴾

وضاحت:

حج اور عمرہ کے سفر میں، جب آدمی احرام باندھے ہوئے ہو، اس پر جہاں دوسری کئی پابندیاں ہیں، وہیں شکار کرنے پر بھی پابندی ہے۔ جو آدمی حالت احرام میں ہو وہ نہ خود شکار کر سکتا ہے نہ شکار کرنے میں کسی کو مدد دے سکتا ہے۔ اس روایت کے مطابق صحابہ کو شکار نظر آیا لیکن انہوں نے اپنے غیر محرم ساتھی کو اس کی اطلاع نہیں دی۔ جب وہ خود اس پر مطلع ہو کر گھوڑے پر سوار ہوئے تو کسی نے ان کو کوڑا اور نیزہ تک نہیں پکڑایا۔ یہ عمل اس حکم کی کامل اطاعت کا مظہر ہے۔

روایت میں یہ بات محذوف ہے کہ شکار کو صاف کیا گیا، اس کا گوشت بنایا گیا اور اس کو بھونا گیا۔ تب لوگ اس پر

پل پڑے۔ اس کا کچھ حصہ ابوقتادہ نے علیحدہ رکھ لیا۔ لوگوں کو احساس ہوا کہ یہ گوشت کھا کر انہوں نے حکم کی نافرمانی تو نہیں کی۔ اب وہ آنحضرت ﷺ کے پاس یہ پوچھنے کے لیے گئے کہ اس کا کھانا جائز ہے کہ نہیں۔ آنحضرت ﷺ نے پوچھا تمہارے پاس اس میں سے کچھ ہے تو مجھے بھی کھلاؤ۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے گوشت پیش کیا تو آپؐ نے وہ ٹکڑا کھایا اور اس کو پورا ختم کیا۔ حالانکہ آپؐ احرام کی حالت میں تھے۔

یہ واقعہ اور جگہ بھی بیان ہوا ہے۔ اس روایت میں کچھ تکلف ہے اور واقعہ یہ ہے کہ اس میں کچھ باتیں مصنوعی آ گئی ہیں۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ راوی اس طرح بیان کر رہا ہے کہ جو اعتراضات ہو سکتے ہیں ان کے جواب کا اس نے پہلے ہی اہتمام کر لیا ہے۔

آگے ایک روایت آ رہی ہے جس میں یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے پاس شکار آیا تو آپ نے یہ کہہ کر رد کر دیا کہ ہم احرام میں ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے کہ ایک جگہ آپ نے رد کر دیا کہ احرام میں ہیں اور دوسری جگہ آپ نے کھا لیا۔ میرے نزدیک اس کی وجہ یہ ہے کہ شکار اگر شکاری کی شکل میں لائیں تب تو محرم کے لیے مسئلہ ٹیڑھا ہو جاتا ہے۔ لیکن شکار کا کچھ حصہ پکے ہوئے گوشت کی شکل میں آئے تب اس کی شکل تبدیل ہو گئی اور دونوں میں، گو باریک ہی سہی، لیکن فرق ہے۔ یہ احرام کے آداب کے خلاف ہے کہ شکار اگرچہ آپ کے لیے نہیں کیا گیا لیکن وہ شکاری کی شکل میں آپ کے پاس آ گئے۔ اس روایت کے مطابق آپ کے پاس پکا ہوا گوشت آیا تو آپ نے رغبت سے کھا لیا۔ کیونکہ اب اس کا حکم شکار کا نہ تھا۔ یہ اسی طرح کا معاملہ ہے کہ ایک چیز کسی کو صدقہ میں دی گئی۔ اگر وہ اس کو آگے ہدیہ کے طور پر دے دے تو ہدیہ پانے والے کے لیے وہ صدقہ نہیں ہو گی۔

۴. باب: مَنِ استَسْقَى، وَقَالَ سَهْلٌ "قَالَ لِيَ النَّبِيُّ ﷺ اسْقِنِي

باب: پانی مانگنے کے بارے میں اور سہلؓ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے مجھ سے کہا، پانی پلا

۶۔ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ مَخْلَدٍ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُو طُوَالَةَ اسْمُهُ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عَبْدِالرَّحْمٰنِ قَالَ سَمِعْتُ أَنَسًا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَقُولُ أَتَانَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فِي دَارِنَا هٰذِهِ فَاسْتَسْقَى فَحَلَبْنَا لَهُ شَاةً لَنَا ثُمَّ شُبْتُهُ مِنْ مَاءِ بِئْرِنَا هٰذِهِ فَأَعْطَيْتُهُ وَأَبُوبَكْرٍ عَنْ يَسَارِهِ وَ عُمَرُ تُجَاهَهُ وَ أَعْرَابِيٌّ" عَنْ يَمِينِهِ فَلَمَّا فَرَغَ قَالَ عُمَرُ هٰذَا أَبُوبَكْرٍ، فَأَعْطَى الأَعْرَابِيَّ ثُمَّ قَالَ الأَيْمَنُونَ الأَيْمَنُونَ، أَلَا فَيَمِّنُوا، قَالَ أَنَس "فَهِيَ سُنَّةٌ" فَهِيَ سُنَّةٌ" ثَلَاثَ مَرَّاتٍ.

﴿ عبداللہ بن عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ میں نے انسؓ سے سنا، وہ فرماتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے اس گھر

میں تشریف لائے اور پینے کے لیے کچھ مانگا۔ ہم نے اپنی ایک بکری کو دوہا اور اس میں اپنے اس کنویں کے پانی میں سے کچھ پانی ملایا پھر وہ آپ کی خدمت میں پیش کیا اور ابو بکرؓ آپ کے بائیں طرف بیٹھے تھے، حضرت عمرؓ سامنے تھے اور ایک بدو دہنے تھا۔ جب آپ پی چکے تو حضرت عمرؓ نے کہا یہ ابو بکرؓ ہیں لیکن آپ نے دودھ بدو کو دے دیا، پھر فرمایا دہنے والے مقدم ہیں، دہنے والے مقدم ہیں، سن لو دہنی طرف سے شروع کیا کرو۔ انسؓ کہتے ہیں یہ سنت ہے، تین بار انہوں نے کہا۔

وضاحت:

آنحضرت ﷺ جب پی چکے تو حضرت عمرؓ نے کہا یہ ابو بکرؓ ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جو تبرک آپ کا بچا ہے وہ ابو بکرؓ کا حق ہے ان کو ملنا چاہیے۔ لیکن آپؐ نے وہ بدو کو دیا کہ وہ دائیں جانب بیٹھا تھا اور فرمایا الا یمنون الایمنون الا فیمنوا۔

ایک سوال تو یہ ہے کہ اس واقعہ کو ہبہ کے باب سے کیا تعلق ہے۔ نبی ﷺ نے تو اعرابی کو اس لیے دیا کہ وہ دہنے بیٹھا تھا اور فرمایا کہ دہنے کا حق اوفق ہے۔ یعنی اس طرح کی مجلس میں ایسا کوئی موقعہ ہو تو دہنے کا حق ہے اگرچہ دوسری طرف اشراف بیٹھے ہوں۔ حضرت انسؓ نے اس عمل کو اتنا ضروری قرار دیا ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک یہ سنت موکدہ ہے۔ سنت بہت اٹل چیز ہے۔ اس کی خلاف ورزی کا کوئی امکان نہیں ہے۔ اگر اس کو آپ سنت مانتے ہیں تو بہت سارے سوالات پیدا ہو جائیں گے۔ میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ یہ سب چیزیں آداب میں سے ہیں اور ان کو فقہی ضابطہ کے اندر نہیں لانا چاہیے۔

۵. باب: قَبُولِ هَدِيَّةِ الصَّيْدِ وَ قَبِلَ النَّبِيُّ ﷺ مِنْ اَبِي قَتَادَةَ عَضُدَ الصَّيْدِ

باب: شکار کا تحفہ قبول کرنے کے بارے میں اور آنحضرت ﷺ نے ابو قتادہ سے شکار کا دست لیا۔

۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ هِشَامِ بْنِ زَيْدِ بْنِ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ اَنْفَجْنَا اَرْنَبًا بِمَرِّ الظَّهْرَانِ، فَسَعَى الْقَوْمُ فَلَغَبُوا، فَاَدْرَكْتُهَا فَاَخَذْتُهَا فَاَتَيْتُ بِهَا اَبَا طَلْحَةَ فَذَبَحَهَا وَبَعَثَ بِهَا اِلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ بِوَرِكِهَا اَوْ فَخِذَيْهَا قَالَ فَخِذَيْهَا لَا شَكَّ فِيهِ فَقَبِلَهُ قُلْتُ وَاَكَلَ مِنْهُ قَالَ وَ اَكَلَ مِنْهُ ثُمَّ قَالَ بَعْدُ قَبِلَهُ.

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ مر الظہر ان میں ایک خرگوش کے پیچھے لوگ دوڑے لیکن تھک گئے البتہ میں اس

کو پکڑنے میں کامیاب ہوگیا۔ میں نے اس کو پکڑا اور ابوطلحہؓ کے پاس لایا۔ انہوں نے اس کو ذبح کیا اور رسول اللہ ﷺ کے پاس اس کا پچھلا حصہ یا رانیں بھجوائیں۔ پھر انہوں نے کہا اس میں شک نہیں کہ دونوں رانیں بھجوائیں تو آپ نے اس کو قبول کیا۔ ہشام نے پوچھا کیا نبی ﷺ نے اس میں سے کھایا تو انہوں نے جواب دیا کہ ہاں کھایا۔ پھر کہا، اس کو قبول کر لینے کے بعد۔﴾

۷۔ حَدَّثَنَا اِسْمٰعِيْلُ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ" عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُبَيْدِاللّٰهِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُوْدٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ عَنِ الصَّعْبِ بْنِ جَثَّامَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اَنَّهُ اَهْدٰى لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ حِمَارًا وَحْشِيًّا وَهُوَ بِالْاَبْوَاءِ اَوْ بِوَدَّانَ فَرَدَّ عَلَيْهِ، فَلَمَّا رَاٰى مَا فِيْ وَجْهِهٖ قَالَ اَمَا اِنَّا لَمْ نَرُدَّهُ عَلَيْكَ اِلَّا اَنَّا حُرُمٌ".

﴿صعب بن جثامہ سے روایت ہے کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ایک گورخر تحفۃً اس وقت بھیجا جب آپ ابواء یا ودان میں تھے۔ آپؐ نے تحفہ واپس کر دیا۔ پھر جب آپؐ نے ان کے چہرہ کا رنگ دیکھا تو فرمایا کہ واپس کرنے کی اور کوئی وجہ نہیں مگر یہ کہ ہم حالت احرام میں ہیں۔﴾

وضاحت:

اوپر والی دو روایات میں ہے کہ نبی ﷺ نے تحفہ قبول فرمایا اور یہاں ہے کہ آپؐ نے رد کر دیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں اس روایت میں گورخر پورا کا پورا شکار آپؐ کو پیش کیا گیا تو یہ چیز تو قابل اعتراض ہو سکتی ہے اس لیے آپؐ نے فرمایا کہ ہم حالت احرام میں ہیں اور تحفہ رد کر دیا۔ اوپر کی روایات میں شکار کے گوشت کا ذکر تھا۔ دونوں کی نوعیت میں فرق ہے۔ گویا محرم پکا ہوا گوشت تو کھا سکتا ہے پورے شکار کو استعمال میں نہیں لا سکتا۔

۵. باب: قَبُوْلِ الْهَدِيَّةِ

باب: ھدیہ قبول کرنے کے بارے میں

۸۔ حَدَّثَنَا اِبْرَاهِيْمُ بْنُ مُوْسٰى حَدَّثَنَا عَبْدَةُ حَدَّثَنَا هِشَامٌ" عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّ النَّاسَ كَانُوْا يَتَحَرَّوْنَ بِهَدَايَاهُمْ يَوْمَ عَائِشَةَ يَبْتَغُوْنَ بِهَا اَوْ يَبْتَغُوْنَ بِذٰلِكَ مَرْضَاةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ.

﴿عروہ حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ لوگ اس بات کا اہتمام رکھتے تھے کہ حضرت عائشہؓ کی باری

کے دن تحفے بھیجیں اور اس طریقہ سے وہ رسول اللہ ﷺ کی خوشنودی چاہتے تھے۔﴾

وضاحت:

مطلب یہ ہے کہ لوگ اس بات کا اہتمام کرتے تھے کہ جس دن حضور ﷺ کی باری حضرت عائشہؓ کے گھر ہوتی اس دن تحفہ بھیجا جائے۔ روایات میں آتا ہے کہ اس طریقہ سے جو چیزیں سیدہ عائشہؓ کے گھر پہنچتی تھیں نبی ﷺ اس میں سے تمام ازواج کو بھجواتے تھے۔ آگے روایات میں آرہا ہے کہ لوگوں کے اس طرز عمل پر ایک طوفان اٹھا ہے لیکن میرے نزدیک یہ ایک فطری جذبہ تھا اور اس پر آنحضرت ﷺ کے نکیر کرنے کی کوئی وجہ نہیں تھی بلکہ اس معاملہ کو ذکر کرنا بھی آپؐ کے لیے پسندیدہ نہیں تھا کہ اس طرح کا امتیاز لوگ نہ برتیں اور جس جگہ میں ہوں وہاں تحفہ بھیجیں۔ لوگوں کے دلوں میں سیدہ عائشہ کا خاص احترام دو پہلوؤں سے اہمیت رکھتا ہے۔ ایک یہ کہ حضور ﷺ کی خوشنودی تھی تو یہ بات ٹھیک ہے۔ ایک پہلو یہ بھی ہے کہ اپنے علم اور اپنے مرتبہ کے لحاظ سے سیدہ عائشہؓ کا ایک خاص مقام ہے۔

۹۔ حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ حَدَّثَنَا جَعْفَرُ بْنُ إِيَاسٍ قَالَ سَمِعْتُ سَعِيدَ بْنَ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ أَهْدَتْ أُمُّ حُفَيْدٍ خَالَةُ ابْنِ عَبَّاسٍ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ أَقِطًا وَسَمْنًا وَأَضُبًّا فَأَكَلَ النَّبِيُّ مِنَ الأَقِطِ وَالسَّمْنِ وَتَرَكَ الضَّبَّ تَقَذُّرًا قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَأُكِلَ عَلَى مَائِدَةِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَلَوْ كَانَ حَرَامًا مَا أُكِلَ عَلَى مَائِدَةِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ.

﴿حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ان کی خالہ ام حفید نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پنیر، روغن اور گوہ کا سالن بھیجا۔ آپ نے پنیر اور روغن میں سے کچھ کھایا لیکن گوہ ناگواری سے چھوڑ دی۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ گوہ آنحضرت ﷺ کے دستر خوان پر کھایا گیا۔ اگر حرام ہوتا تو کیوں کھایا جاتا۔﴾

وضاحت:

آنحضرت ﷺ کو حضرت ابن عباسؓ کی خالہ نے پنیر اور روغن اور گوہ کا سالن بھیجا اور یہ چیزیں دستر خوان پر رکھی گئیں۔ ظاہر ہے کہ گوہ کا پکا ہوا گوشت رکھا گیا ہوگا تو نبی ﷺ نے پنیر اور روغن تو چکھا لیکن گوہ کو ہاتھ نہیں لگایا۔ معلوم ہوتا ہے دوسرے لوگوں نے اسے کھایا۔ جب آپؐ کے دستر خوان پر ایک چیز کھائی گئی تو وہ حرام نہیں ہو سکتی۔ حضرت ابن عباسؓ کی بات ٹھیک ہے اور یہی فتویٰ ہے۔ گوہ کے بارے میں معروف حدیث ہے کہ ہم کھاتے نہیں لیکن منع بھی نہیں کرتے۔ دوسری روایات میں اس کی حرمت معلوم نہیں کہاں سے گھسیٹ لائے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے گوہ کو پسند نہیں کیا اور نہیں کھایا۔ بہت ساری دوسری چیزوں کے بارے میں یہی مسلک صحیح ہے کہ ہمارے دیار میں نہیں کھائی جاتیں لیکن حرام کہنا

مشکل ہے۔ آپ حرام کہیں گے تو شوافع کے علاقوں میں اور مصر وغیرہ میں کیا کریں گے۔ شوافع کے ہاں تو دریائی جانوروں میں مشکل سے کوئی بچا ہوگا جن کو وہ نہیں کھاتے۔ اصول یہ ہے کہ خبیث چیزیں حرام ہیں، طیب چیزیں حلال ہیں اور ان کے درمیان کچھ مشتبہ چیزیں ہیں۔ تقویٰ یہ ہے کہ ان سے بچیں لیکن بعض چیزیں اگر کوئی کھاتا ہے تو حرام کہنا مشکل ہے۔

اب خرگوش کے متعلق بھی بعض لوگ حرمت کا فتویٰ دیتے ہیں۔ معلوم نہیں کہاں سے روایت لائے ہیں کہ اس کو خون آتا ہے۔ اگر آتا بھی ہے تو اس میں نجاست کیا ہے۔ آپ کو خون کھانے کے لیے کون کہہ رہا ہے۔ اوپر روایت گزر چکی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے تحفہ میں خرگوش کی رانیں قبول فرمائیں۔

۱۰۔ حَدَّثَنَا اِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ حَدَّثَنَا مَعْنٌ" قَالَ حَدَّثَنِي اِبْرَاهِيمُ بْنُ طَهْمَانَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ زِيَادٍ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا اُتِيَ بِطَعَامٍ سَاَلَ عَنْهُ اَهَدِيَّةٌ" اَمْ صَدَقَةٌ" فَاِنْ قِيلَ صَدَقَةٌ" قَالَ لِاَصْحَابِهِ كُلُوا وَلَمْ يَاْكُلْ وَ اِنْ قِيلَ هَدِيَّةٌ" ضَرَبَ بِيَدِهِ ﷺ فَاَكَلَ مَعَهُمْ.

﴿حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں جب کھانا لایا جاتا تو آپ اس کے بارے میں پوچھتے کہ یہ ہدیہ ہے یا صدقہ۔ اگر کہا جاتا کہ صدقہ ہے تو آپ اپنے اصحاب سے کہتے کہ کھاؤ اور خود نہ کھاتے اور اگر کہا جاتا کہ ہدیہ ہے تو آپ اپنے اصحاب کے ساتھ خود بھی ہاتھ بڑھاتے اور ان کے ساتھ تناول فرماتے۔﴾

وضاحت:

یہ جو روایت میں کہا ہے کہ کھانا صدقہ کا ہوتا تو آپ نہ کھاتے اور اپنے اصحاب سے کہتے کہ تم کھالو تو آنحضرت ﷺ کے کہنے کا مطلب یہ ہوگا کہ جو لوگ صدقہ کھاتے ہیں وہ کھالیں۔ اس لیے کہ صحابہ کے اندر بھی ایسے صاحب استطاعت لوگ تھے جو صدقہ نہ کھاتے ہوں اور جس بنیاد پر آنحضرت ﷺ احتیاط کرتے تھے وہ بھی کرتے ہوں۔ صدقہ کے اصل حق دار تو غریب، غرباء اور نادار لوگ ہیں۔

ایک بات یاد رکھنے کی ہے کہ یہ جو کہا جاتا ہے کہ صدقہ لوگوں کا میل کچیل ہے اس وجہ سے آنحضرت ﷺ قبول نہیں کرتے تھے تو یہ درست نہیں ہے۔ اصل یہ ہے کہ بنی اسرائیل نے صدقہ کے مستحق صرف بنی لاوی یعنی حضرت ہارونؑ کی اولاد کو قرار دیا تھا۔ وہ روز اول سے صدقہ کے حق دار بن بیٹھے تھے۔ اور غرباء کا اس میں کوئی حصہ نہ تھا۔ آنحضرت ﷺ نے اپنے اور اپنے اہل و عیال کے لیے اس کو منع کر دیا تا کہ اس امت میں یہ فتنہ نہ پیدا ہو۔ ظاہر ہے کہ آنحضرت ﷺ اگر قبول

کر لیتے تو لوگ دوسروں کو صدقہ کیوں دیتے، سب آپؐ کو اور آپؐ کے گھر والوں کو دیتے۔ صدقہ کے معاملہ میں آنحضرت ﷺ نے احتیاط برتی کہ بنی لاوی کی طرح صدقہ میرے خاندان کا اجارہ نہ بن جائے اس لیے آپؐ نے منع فرما دیا۔ یہ میری توجیہ ہے اور امید ہے کہ آپ اس کو معقول پائیں گے۔ اب سید لوگ بھی اس میں برابر بن گئے کہ صدقہ ہے تو نہیں لیتے۔ یہ خلاف عقل بات ہے کہ سید غریب ہے پھر بھی صدقہ نہ لے حالانکہ صدقہ غرباء کا حق ہے۔ یہ میل کچیل کہہ کر مولویانہ علت پیدا کی گئی ہے، دیکھ لیجئے کہ آنحضرت ﷺ کے ارشاد سے کہیں ثابت نہیں ہوتا کہ میل کچیل ہے۔ اس کی روایت ابن شہاب نے کی ہے اور امام مالک نے اس کو اپنی بلاغات میں نقل کیا ہے۔ اپنی اصلیت کے اعتبار سے یہ شیعی ذہن کی اختراع معلوم ہوتی ہے۔

ضرب بیدہ ﷺ فاکل معھم، ضرب بیدہ کے معنی ہوں گے آپ ہاتھ مارتے تھے۔ یہ محاورہ مجھے یہیں ملا اور کہیں نہیں ملا۔ راوی نے ناموزوں لفظ استعمال کیا ہے۔

۱۱۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ" حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ اُتِیَ النَّبِیُّ ﷺ بِلَحْمٍ فَقِیلَ تُصُدِّقَ عَلٰی بَرِیرَةَ قَالَ هُوَ لَهَا صَدَقَةٌ" وَلَنَا هَدِیَّةٌ"

﴿حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کی خدمت میں گوشت پیش کیا گیا اور بتایا گیا کہ یہ بریرہ کے ہاں سے صدقہ کا گوشت آیا ہے تو آپ نے فرمایا یہ اس کے لیے صدقہ ہے ہمارے لیے ہدیہ ہے۔﴾

وضاحت:

مطلب یہ ہے کہ صدقہ جب اپنے محل پر پہنچ گیا تو جس کو ملا ہے اب وہ مالک ہے، اب وہ کسی کو دے تو یہ صدقہ نہیں ہوگا بلکہ تحفہ ہوگا۔ یہ بات بڑی نکتہ کی ہے۔ روایت بڑی عمدہ ہے اور یہاں بہت مختصر ہے۔ دوسری جگہ کئی شکلوں میں آئی ہے۔

۱۲۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ" حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ الْقَاسِمِ قَالَ سَمِعْتُهُ مِنْهُ عَنِ الْقَاسِمِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّهَا اَرَادَتْ اَنْ تَشْتَرِیَ بَرِیرَةَ وَ اَنَّهُمُ اشْتَرَطُوا وَلَاءَ هَا فَذُكِرَ لِلنَّبِیِّ ﷺ فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ اشْتَرِیهَا فَاَعْتِقِیهَا فَاِنَّمَا الْوَلَاءُ لِمَنْ اَعْتَقَ، وَاُهْدِیَ لَهَا لَحْمٌ" فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ هٰذَا تُصُدِّقَ عَلٰی بَرِیرَةَ هُوَ لَهَا صَدَقَةٌ" وَلَنَا هَدِیَّةٌ" وَ خُیِّرَتْ قَالَ عَبْدُالرَّحْمٰنِ زَوْجُهَا حُرٌّ" اَوْ عَبْدٌ" قَالَ شُعْبَةُ سَاَلْتُ عَبْدَالرَّحْمٰنِ عَنْ زَوْجِهَا قَالَ لَا اَدْرِی اَحُرٌّ" اَمْ عَبْدٌ".

﴿حضرت عائشہؓ سے روایت ہے، وہ کہتی ہیں کہ انہوں نے بریرہؓ کو خریدنا چاہا لیکن اس کے مالکوں نے شرط لگائی کہ اس کا ولاء ان کو حاصل ہوگا۔ اس کا ذکر آنحضرت ﷺ سے کیا گیا تو آپ نے فرمایا تم خرید کر آزاد کر دو۔ رہا ولاء تو وہ اسی کو ملے گا جو آزاد کرے گا۔ اور یوں ہوا کہ بریرہ کو صدقہ کا گوشت ملا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا یہ گوشت بریرہ کو صدقہ میں ملا ہے تو اس کے لیے صدقہ ہے لیکن ہمارے لیے یہ ہدیہ ہے۔ اور جب وہ آزاد ہوئی تو خاوند کے معاملہ میں اس کو اختیار دیا گیا۔ عبدالرحمن نے کہا اس کا خاوند آزاد تھا یا غلام۔ شعبہ کہتے ہیں میں نے عبدالرحمن سے اس کے خاوند کے بارے میں پوچھا انہوں نے کہا میں نہیں جانتا وہ آزاد تھا یا غلام۔﴾

وضاحت:

بریرہؓ ایک لونڈی تھیں جو حضرت عائشہؓ کو بہت پسند تھیں۔ حضرت عائشہؓ کی خواہش ہوئی کہ ان کو خرید کر آزاد کر دیں۔ قاعدہ یہ تھا کہ جو شخص کسی غلام کو آزاد کرتا تو اس کا ولاء اس کو حاصل رہتا۔ اور ایسے غلام اپنے آزاد کرنے والے کے اہل خاندان سمجھے جاتے جو ان کے دست و بازو بن جاتے۔ بریرہؓ کے مالکوں کو معلوم تھا کہ اس کے پاس کچھ مال بھی ہے۔ لہٰذا وہ یہ چاہتے تھے کہ بریرہ کو فروخت تو کر دیں لیکن یہ شرط لگا دیں کہ آزاد ہونے پر اس کا ولاء ان کو حاصل رہے گا۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ نے جب ان سے بات چیت کی تو انہوں نے اپنی شرط پیش کی۔ حضرت عائشہؓ اس شرط کو ناروا سمجھتی تھیں لیکن بریرہ سے انس کے باعث اس کی آزادی کی خواہش مند بھی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ کو معاملہ کا پتہ چلا تو آپ نے فرمایا تم بریرہ کو خرید لو۔ باقی رہا ولاء کا معاملہ تو وہ قانونی طور پر غلام کو آزاد کرنے والے کا حق ہے۔ لہٰذا یہ حق تمہیں حاصل رہے گا۔

بریرہؓ کو لوگ صدقہ دیتے۔ ایک مرتبہ انہیں صدقہ میں گوشت ملا تو انہوں نے پکا کر حضرت عائشہؓ کے پاس رکھا۔ رسول اللہؐ باہر سے تشریف لائے تو کھانا مانگا۔ حضرت عائشہؓ نے بتایا کہ گھر میں تو کچھ نہیں۔ حضور نے دیکھا تو ہانڈی میں گوشت نظر آیا۔ آپؐ نے پوچھا یہ گوشت کیسا ہے۔ حضرت عائشہؓ نے بتایا کہ یہ گوشت بریرہ کو صدقہ میں ملا ہے۔ آپؐ نے فرمایا صدقہ تو یہ بریرہ کے لیے تھا جو اپنے محل پر پہنچ چکا۔ اب ہمارے لیے تو یہ ہدیہ کے حکم میں ہے۔ ہم اسے کھا سکتے ہیں۔

بریرہؓ آزاد ہو چکیں تو اپنے غلامی کے دور کے شوہر سے علیحدگی حاصل کرنا چاہی۔ مقدمہ نبی ﷺ تک پہنچا تو آپؐ نے بریرہ کو اختیار دے دیا کہ اگر وہ شوہر کے ساتھ رہنا چاہیں تو رہ سکتی ہیں لیکن اگر اس سے علیحدہ ہونا چاہتی ہیں تو اس کا ان کو اختیار ہے۔

تین اہم شرعی مسئلوں میں بریرہ واضح احکام کا ذریعہ بنیں۔ ایک یہ کہ غلام کا ولاء اس کو حاصل ہوتا ہے جس نے اس کو آزاد کیا ہو۔ دوسرا یہ کہ صدقہ میں آئی ہوئی چیز کو جب کوئی آگے کسی کو ہدیہ دے دے تو وہ صدقہ نہیں رہتی بلکہ اس کا حکم بدل جاتا ہے۔ اور تیسرا یہ کہ غلامی سے نجات پا کر آزاد ہونے والی شادی شدہ لونڈی کو اختیار ہے کہ اگر وہ غلامی کے دور

کے شوہر سے شکایات رکھتی ہے تو آزاد ہونے پر اس سے علیحدگی کا دعویٰ کر سکتی ہے۔

روایت میں بریرہ سے متعلق تین واقعات کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔ ہر معاملے کی تفصیلات الگ الگ روایتوں میں بیان ہوئی ہیں۔

۱۳۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ اَبُوالْحَسَنِ اَخْبَرَنَا خَالِدُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ عَنْ خَالِدٍ الْحَذَّاءِ عَنْ حَفْصَةَ بِنْتِ سِيرِينَ عَنْ اُمِّ عَطِيَّةَ قَالَتْ دَخَلَ النَّبِيُّ ﷺ عَلٰى عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا فَقَالَ عِنْدَكُمْ شَيْءٌ" قَالَتْ لَا: اِلَّا شَيْءٌ" بَعَثَتْ بِهٖ اُمُّ عَطِيَّةَ مِنَ الشَّاةِ الَّتِي بَعَثْتَ اِلَيْهَا مِنَ الصَّدَقَةِ قَالَ اِنَّهَا قَدْ بَلَغَتْ مَحِلَّهَا.

﴿ام عطیہ بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ حضرت عائشہؓ کے پاس تشریف لائے اور پوچھا تمہارے پاس کچھ کھانے کو ہے۔ انہوں نے کہا کچھ نہیں مگر گوشت ہے جو ام عطیہ نے بھیجا ہے اور اس بکری کا ہے جو آپ ہی نے ان کو صدقہ دی تھی۔ آپ نے فرمایا بکری اپنے ٹھکانے پہنچ گئی۔﴾

وضاحت:

ام عطیہ کا معاملہ ٹھیک اسی طرح کا ہے جس طرح کا معاملہ بریرہؓ کا ہے۔ ان کو صدقہ پہنچ گیا تو اب جو کچھ انہوں نے حضرت عائشہؓ کی خدمت میں بھیجا وہ ہدیہ کے حکم میں ہے۔

۷. باب: مَنْ اَهْدٰى اِلٰى صَاحِبِهٖ وَ تَحَرّٰى بَعْضَ نِسَائِهٖ دُوْنَ بَعْضٍ.

باب: اپنے کسی دوست کو خاص اس دن تحفہ بھیجنے کے بارے میں جب وہ اپنی خاص بیوی کے پاس ہو۔

۱۴۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ هِشَامٍ عَنْ اَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّاسُ يَتَحَرَّوْنَ بِهَدَايَاهُمْ يَوْمِي وَقَالَتْ اُمُّ سَلَمَةَ اِنَّ صَوَاحِبِي اجْتَمَعْنَ فَذَكَرَتْ لَهٗ فَاَعْرَضَ عَنْهَا.

﴿عروہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ نے ان کو بتایا کہ لوگ تحفہ بھیجنے میں میری باری کے دن کا خیال رکھتے تھے۔ ام سلمہؓ نے بیان کیا کہ میری سوکنیں سب اکٹھا ہوئیں، میں نے آنحضرت ﷺ سے اس کا تذکرہ

کیا تو آپ نے ان کو جواب ہی نہیں دیا۔﴾

وضاحت:

پیچھے ایک روایت میں ذکر ہوا تھا کہ لوگ رسول اللہؐ کی خوشنودی کے لیے یہ اہتمام کرتے تھے کہ حضرت عائشہؓ کی باری کے دن آپ کے گھر ہدیہ بھیجیں۔ معلوم ہوتا ہے یہ بات دوسری ازواج مطہرات کو ناگوار گزری۔ انہوں نے اکٹھے ہو کر فیصلہ کیا کہ نبی ﷺ سے اس پر احتجاج کریں۔ حضرت ام سلمہؓ کو انہوں نے نمائندہ بنا کر آپ کے پاس بھیجا۔ آپ نے بات سنی ان سنی کر دی۔ میرے خیال میں اس کا سبب یہ تھا کہ آپ کا اس معاملہ میں کوئی کردار نہ تھا۔ نہ آپؐ کے حکم سے لوگوں نے یہ عادت اپنائی، نہ آپؐ کے لیے ان کو روکنا مناسب تھا۔

۱۵۔ حَدَّثَنَا إِسْمٰعِيلُ قَالَ حَدَّثَنِي أَخِي عَنْ سُلَيْمَانَ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا أَنَّ نِسَاءَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ كُنَّ حِزْبَيْنِ فَحِزْبٌ" فِيهِ عَائِشَةُ وَ حَفْصَةُ وَصَفِيَّةُ وَسَوْدَةُ، وَالْحِزْبُ الْآخَرُ أُمُّ سَلَمَةَ وَسَائِرُ نِسَاءِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ وَكَانَ الْمُسْلِمُونَ قَدْ عَلِمُوا حُبَّ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ عَائِشَةَ فَإِذَا كَانَتْ عِنْدَ أَحَدِهِمْ هَدِيَّةٌ" يُرِيدُ أَنْ يُهْدِيَهَا إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ أَخَّرَهَا حَتّٰى إِذَا كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فِي بَيْتِ عَائِشَةَ بَعَثَ صَاحِبُ الْهَدِيَّةِ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فِي بَيْتِ عَائِشَةَ فَكَلَّمَ حِزْبُ أُمِّ سَلَمَةَ فَقُلْنَ لَهَا كَلِّمِي رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يُكَلِّمُ النَّاسَ فَيَقُولُ مَنْ أَرَادَ أَنْ يُهْدِيَ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ هَدِيَّةً فَلْيُهْدِهِ إِلَيْهِ حَيْثُ كَانَ مِنْ بُيُوتِ نِسَائِهِ فَكَلَّمَتْهُ أُمُّ سَلَمَةَ بِمَا قُلْنَ فَلَمْ يَقُلْ لَهَا شَيْئًا فَسَأَلْنَهَا فَقَالَتْ مَا قَالَ لِي شَيْئًا فَقُلْنَ لَهَا فَكَلِّمِيهِ قَالَتْ فَكَلَّمَتْهُ حِينَ دَارَ إِلَيْهَا أَيْضًا فَلَمْ يَقُلْ لَهَا شَيْئًا فَسَأَلْنَهَا فَقَالَتْ مَا قَالَ لِي شَيْئًا فَقُلْنَ لَهَا كَلِّمِيهِ حَتّٰى يُكَلِّمَكِ فَدَارَ إِلَيْهَا فَكَلَّمَتْهُ فَقَالَ لَهَا لَا تُؤْذِينِي فِي عَائِشَةَ فَإِنَّ الْوَحْيَ لَمْ يَأْتِنِي وَأَنَا فِي ثَوْبِ امْرَأَةٍ إِلَّا عَائِشَةَ قَالَتْ فَقَالَتْ أَتُوبُ إِلَى اللّٰهِ مِنْ أَذَاكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ، ثُمَّ إِنَّهُنَّ دَعَوْنَ فَاطِمَةَ بِنْتَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَأَرْسَلَتْ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ تَقُولُ إِنَّ نِسَاءَكَ يَنْشُدْنَكَ اللّٰهَ الْعَدْلَ فِي بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ فَكَلَّمَتْهُ فَقَالَ يَا بُنَيَّةُ: أَلَا تُحِبِّينَ مَا أُحِبُّ، قَالَتْ بَلٰى: فَرَجَعَتْ إِلَيْهِنَّ فَأَخْبَرَتْهُنَّ، فَقُلْنَ ارْجِعِي إِلَيْهِ فَأَبَتْ أَنْ تَرْجِعَ، فَأَرْسَلْنَ زَيْنَبَ بِنْتَ جَحْشٍ، فَأَتَتْهُ فَأَغْلَظَتْ، وَقَالَتْ إِنَّ نِسَاءَكَ يَنْشُدْنَكَ اللّٰهَ الْعَدْلَ فِي بِنْتِ ابْنِ أَبِي قُحَافَةَ فَرَفَعَتْ

صَوتَهَا حَتّی تَنَاوَلَتْ عَائِشَةَ وَهِیَ قَاعِدَۃٌ" فَسَبَّتْهَا حَتّٰی اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ لَيَنظُرُ اِلٰی عَائِشَةَ هَلْ تَکَلَّمُ قَالَ فَتَکَلَّمَتْ عَائِشَةُ تَرُدُّ عَلٰی زَیْنَبَ حَتّٰی اَسْکَتَتْهَا قَالَتْ فَنَظَرَ النَّبِیُّ ﷺ اِلٰی عَائِشَةَ، وَقَالَ اِنَّهَا بِنْتُ اَبِی بَکْرٍ، قَالَ الْبُخَارِیُّ الْکَلَامُ الْاٰخِیرُ قِصَّةُ فَاطِمَةَ یُذْکَرُ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ رَجُلٍ عَنِ الزُّهْرِیِّ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ وَقَالَ اَبُو مَرْوَانَ عَنْ هِشَامٍ عَنْ عُرْوَةَ کَانَ النَّاسُ یَتَحَرَّوْنَ بِهَدَایَاهُمْ یَوْمَ عَائِشَةَ وَ عَنْ هِشَامٍ عَنْ رَجُلٍ مِنْ قُرَیْشٍ وَرَجُلٍ مِنَ الْمَوَالِی عَنِ الزُّهْرِیِّ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ ابْنِ الْحَارِثِ بْنِ هِشَامٍ قَالَتْ عَائِشَةُ کُنْتُ عِنْدَالنَّبِیِّ ﷺ فَاسْتَاذَنَتْ فَاطِمَةُ.

﴿ عروۃ اپنے والد سے اور وہ حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی ازواج کے دو گروپ بن گئے تھے۔ ایک گروپ میں حضرت عائشہؓ، حضرت حفصہؓ، حضرت صفیہؓ اور حضرت سودہؓ تھیں جبکہ دوسرے میں ام سلمہؓ اور باقی تمام ازواج تھیں۔ مسلمان حضرت عائشہؓ کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی محبت کے بارے میں جانتے تھے۔ چنانچہ جب کسی کو رسول اللہؐ کی خدمت میں کوئی تحفہ بھیجنا ہوتا تو وہ اس میں دیر کرتا یہاں تک کہ جس دن رسول اللہ ﷺ حضرت عائشہؓ کے گھر ہوتے تو ہدیہ دینے والا ان کے گھر میں رسول اللہ ﷺ کے لیے ہدیہ بھیجتا۔ یہ حال دیکھ کر حضرت ام سلمہؓ کے گروپ نے ان سے کہا کہ آپ رسول اللہ ﷺ سے بات کریں کہ وہ لوگوں سے کہیں کہ جس کسی کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں کوئی تحفہ بھیجنا ہو تو آپ اپنی جس بیوی کے ہاں مقیم ہوں وہیں تحفہ پہنچایا کرے۔ حضرت ام سلمہؓ نے ازواج کے کہنے کے مطابق آپؐ سے بات کی لیکن آپؐ نے کوئی جواب نہ دیا۔ جب ان ازواج نے ام سلمہ سے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ آپؐ نے کچھ جواب ہی نہیں دیا۔ تب انہوں نے کہا کہ دوبارہ بات کرنا۔ وہ بیان کرتی ہیں کہ جب ان کی باری کے دن آپؐ تشریف لائے تو انہوں نے پھر بات چھیڑی لیکن آپؐ نے کچھ جواب نہ دیا۔ جب ازواج نے ام سلمہ سے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ آپؐ نے مجھے کوئی جواب نہیں دیا۔ ازواج نے ان سے کہا کہ تم یہ بات کرتی رہو جب تک کہ آپ جواب نہیں دیتے۔ پھر جب آپؐ باری پر ان کے گھر گئے تو انہوں نے پھر بات چھیڑی تب آپؐ نے فرمایا کہ عائشہ کے بارے میں مجھے مت ستاؤ۔ میں جب عائشہ کے سوا کسی اور بیوی کے کپڑے میں ہوتا ہوں تو مجھ پر وحی نازل نہیں ہوتی۔ ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے کہا یا رسول اللہ

میں آپ کو تکلیف دینے سے توبہ کرتی ہوں۔ تب ان ازواج نے حضرت فاطمہؓ کو بلایا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں یہ عرض کرنے کے لیے بھیجا کہ آپ کی ازواج آپ کو اللہ کی قسم دیتی ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ کی بیٹی کے معاملہ میں انصاف کریں۔ انہوں نے بات کی تو آپؐ نے پوچھا بیٹی جس چیز کو میں محبوب رکھوں تم اسے محبوب نہیں رکھو گی۔ انہوں نے کہا، کیوں نہیں؟ چنانچہ وہ لوٹ گئیں اور جا کر ازواج کو جواب سے آگاہ کیا۔ انہوں نے کہا دوبارہ جاؤ لیکن حضرت فاطمہؓ نے دوبارہ جانے سے انکار کر دیا۔ آخر انہوں نے حضرت زینب بنت جحش کو بھیجا وہ آئیں تو سخت گفتگو کرنے لگیں کہ آپ کی ازواج ابن ابی قحافہ کی بیٹی کے معاملہ میں اللہ کی قسم دے کر انصاف چاہتی ہیں۔ ان کی آواز بلند ہوئی تو حضرت عائشہ تک پہنچی جو بیٹھی ہوئی تھیں۔ انہوں نے ان کو برا بھلا کہا تو آنحضرت ﷺ حضرت عائشہؓ کی طرف دیکھنے لگے کہ وہ کیوں نہیں جواب دیتیں۔ چنانچہ انہوں نے زینبؓ کی باتوں کا جواب دے کر ان کو چپ کرا دیا۔ کہتی ہیں کہ نبی ﷺ نے حضرت عائشہؓ کی طرف دیکھا اور کہا آخر یہ ابوبکرؓ کی بیٹی ہیں! امام بخاری کہتے ہیں کہ حضرت فاطمہ کا قصہ ہشام بن عروہ سے مروی ہے۔ انہوں نے ایک شخص سے انہوں نے زہری سے انہوں نے محمد بن عبدالرحمٰن سے روایت کی، اور ابو مروان نے ہشام سے اور انہوں نے عروہ سے روایت کی کہ لوگ اپنے تحفہ بھیجنے میں حضرت عائشہؓ کی باری کے منتظر رہتے تھے اور ہشام نے قریش کے ایک آدمی سے اور ایک غلام سے اور انہوں نے زہری سے انہوں نے محمد بن عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام سے روایت کی کہ حضرت عائشہؓ نے کہا کہ میں آنحضرت ﷺ کے پاس تھی جب فاطمہ نے اجازت چاہی۔ ♦

وضاحت:

یہ ایک مشکل روایت ہے جس کی پہلی سند میں اگرچہ زہری نہیں ہیں لیکن روایت کے آخری حصہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نہ صرف اس میں شامل ہیں بلکہ مجہول قرشی آدمی اور مجہول غلام کے حوالہ سے وہ روایت کی تصدیق کرتے ہیں اور روایت کا کچھ حصہ انہی کے حوالہ سے روایت میں شامل ہے۔

روایت کا انداز زہری کی دوسری روایات جیسا ہے۔ زہری کئی مختلف واقعات کو جمع کر کے ایک قصہ بناتے ہیں۔ اس میں مبالغہ آمیزی کر کے خوف ناک تاثر پیدا کرتے ہیں۔ عروہ عموماً ایسی تمام روایات کے ابتدائی راوی کے طور پر آتے ہیں۔ شاید ان مبالغہ آمیز روایات کو قابل قبول بنانے کے لیے ان کو استعمال کیا گیا ہو۔ خاص اس روایت کے بارے میں

شارحین نے لکھا ہے کہ یہ تین روایات کو جمع کر کے بنائی گئی ہے اور مختلف راوی اس میں کمی یا اضافہ کرتے ہیں۔ گویا یہ ایک معاملہ نہیں بلکہ تین مختلف معاملات کو یکجا کر دیا گیا ہے۔

روایت کا مجموعی تاثر یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی ازواج مطہرات میں شدید قسم کی گروہ بندی پائی جاتی تھی۔ ایک گروہ کی لیڈر حضرت عائشہؓ تھیں اور حضرت حفصہؓ، حضرت سودہؓ اور حضرت صفیہؓ اس گروہ میں شامل تھیں۔ دوسرے گروہ کی لیڈر حضرت ام سلمہؓ تھیں جس میں حضرت زینب بنت جحشؓ اور دیگر ازواج مطہرات شامل تھیں جن کے نام راوی نے نہیں بتائے۔ لیکن جب حضرت صفیہ پہلے گروہ میں ہیں تو حضرت جویریہؓ کو دوسرے گروہ میں ہونا چاہیے کیونکہ ان کا عقد حضرت صفیہؓ سے پہلے ہوا تھا۔ حضرت صفیہ تو فتح خیبر کے بعد حضور کے عقد میں آئیں۔ اس گروہ بندی کے نتیجہ میں ازواج رسول اللہ کے درمیان چپقلش رہتی اور وہ اپنے مطالبات کے ضمن میں رسول اللہ ﷺ کو زچ کرنے سے باز نہ آتیں۔ جب کسی معاملہ میں مقابل گروہ کی کسی زوجہ سے جھگڑا ہو جاتا تو وہ ایک دوسرے کو برا بھلا کہنے سے بھی نہ چوکتیں اور رسول اللہؐ ان کے سامنے بے بس ہوتے۔

یہ تاثر ان سیدات کے بارے میں ہے جن کو ایلاء اور تخییر کے مراحل سے گزرنا پڑا اور انہوں نے نہایت خوش دلی سے دنیاوی مطالبات کو تج دینے، آخرت کی فلاح کو اولیت دینے اور رسول اللہ ﷺ کی ذمہ داریوں میں ہاتھ بٹانے کا فیصلہ کیا اور حقیقت یہ ہے کہ ان کا اخلاق و کردار عین اس مشن کے مطابق تھا۔ سورہ احزاب کے مطابق تو حضور کو یہ اختیار بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے حاصل تھا کہ وہ جن ازواج کو قریب کرنا چاہیں ان کو قریب کر سکتے ہیں اور جن کو علیحدہ رکھنا چاہیں تو اس کی بھی اجازت ہے۔ اس صورت میں حضرت عائشہؓ کو نبی ﷺ اگر زیادہ اہمیت دیتے تھے تو یہ اللہ تعالیٰ کی اجازت سے تھا۔ ازواج مطہرات کو یہ حکم معلوم تھا اور انہیں اس پر کبھی ملال نہیں ہوا۔ لیکن یہ روایت ان کے طرز عمل کے بارے میں اس کے برعکس منفی تاثر دیتی ہے۔

ایلاء و تخییر کا واقعہ ۵ یا ۶ ہجری کا ہے جس کے بعد ازواج کے لیے راہ عمل متعین کر دی گئی تھی۔ لہٰذا حضرت جویریہؓ اور حضرت صفیہؓ کسی طرح اس معاملہ میں پارٹی نہیں بن سکتیں کیونکہ وہ تو اس کے بعد حضور کے نکاح میں آئیں۔ اس لیے میرے نزدیک ازواج نبی کے اندر گروہ بندی کا تصور زہری یا ان کے ساتھیوں کے ذہن کی پیداوار ہے۔ اس کو حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

روایت کا آغاز تو اس بات سے ہوتا ہے کہ لوگ منتظر رہتے کہ رسول اللہؐ کا حضرت عائشہؓ کے ہاں قیام کا کونسا دن ہے۔ اگر انہیں رسول اللہؐ کی خدمت میں کوئی تحفہ بھیجنا ہوتا تو وہ اس دن کا انتخاب کرتے۔ یہ چیز دوسری سیدات کو گراں گزرتی چنانچہ مقابل گروپ کی ازواج نے حضرت ام سلمہؓ کو اپنا نمائندہ بنا کر حضور کی خدمت میں بھیجا کہ وہ لوگوں کو ہدایت فرمائیں کہ وہ بلا امتیاز اپنے ہدایا دنوں کی قید کے بغیر حضورؐ کو بھیجا کریں۔ حضورؐ نے اس تجویز پر عمل نہیں کیا اور نہ ہی حضرت

ام سلمہؓ کو کوئی جواب دیا۔ میں اوپر بیان کر چکا ہوں کہ لوگ ہدیہ کے لیے اگر حضرت عائشہؓ کے دن کا انتخاب کرتے تھے تو ان کی نیت حضور کی خوشنودی حاصل کرنے کی ہوتی۔ دوسرے حضرت عائشہؓ کی حیثیت ایک مشفق معلمہ کی تھی۔ وہ دینی احکام میں لوگوں کی رہنمائی کرتیں، ان کی مشکلات حل کرتیں اور اگر کسی حکم کی تعبیر میں صحابہ میں اختلاف ہو جاتا تو وہ اس کو رفع کرتیں۔ اس لیے لوگوں کے دلوں میں ان کا خاص مرتبہ و مقام تھا جس کے اظہار کے لیے وہ ان کو ہدایا بھیجتے۔ لوگوں کا یہ رجحان فطری تھا۔ نبی ﷺ نے اس کی کوئی تلقین نہیں فرمائی تھی۔ لہٰذا ان کو اس سے روکنے کی آپؐ کوئی معقول وجہ نہیں پاتے تھے۔ لہٰذا آپؐ ازواج کے مطالبہ پر خاموش رہے۔ یوں دیکھا جائے تو مقابل گروہ کی ازواج ہی کے اندر کیوں یہ شکایت پیدا ہوئی۔ ان سے زیادہ تو یہ شکایت حضرت سودہؓ اور حضرت حفصہؓ کو ہونی چاہیے تھی جو دوسری ازواج میں سینئر تھیں۔ اس کے باوجود وہ نظر انداز ہو رہی تھیں۔

روایت کے مطابق تحفہ کے دن کے مسئلہ پر حضور کی خاموشی کے باوجود حضرت ام سلمہؓ نے بار بار اس مسئلہ کو چھیڑا لیکن انہیں کوئی جواب نہیں ملا۔ اس پر ان کی ساتھی سیدات نے گویا حضور کو زچ کر کے آپؐ سے جواب حاصل کرنے کی ٹھانی۔ حضرت ام سلمہؓ ان کی ہدایت پر عمل کرتی رہیں۔ بالآخر حضور بول پڑے کہ مجھے عائشہ کے بارے میں مت ستاؤ۔ حضرت ام سلمہؓ جیسی زیرک اور معاملہ فہم خاتون کو، جن کی معاملہ فہمی کے واقعات سیرت کی کتابوں میں ملتے ہیں، اس مرحلہ میں جا کر احساس ہوا کہ وہ حضور کو ایذا دینے کی مرتکب ہوئی ہیں۔ تب انہوں نے توبہ کی۔ حالانکہ قرآن مجید میں اس سے پہلے کتنی آیات نازل ہو چکی تھیں کہ رسول اللہ کو ایذا نہ دو ورنہ تمہارا معاملہ یہود سے مختلف نہ ہوگا جو بات بات پر حضرت موسیٰ کو ایذا دیتے تھے۔

روایت یہاں سے نیا رخ اختیار کرتی ہے اور ازواج کا یہ مطالبہ سامنے آتا ہے کہ رسول اللہؐ ابن ابی قحافہ (حضرت ابوبکرؓ) کی بیٹی کے معاملہ میں انصاف سے کام لیں۔ گویا اب تک حضور نے بے انصافی سے کام لیا تھا اب ازواج آپؐ کے رویہ کو مزید برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ لہٰذا آپؐ انصاف کریں۔ معلوم ہوا کہ ازواج نبی حضرت عائشہؓ سے اس قدر نالاں تھیں کہ ان کا نام تک لینا ان کو گوارا نہ تھا۔ حیرت ہے کہ روایت اس بارے میں خاموش ہے کہ حضور سے دوسری ازواج کے حق میں کون سی زیادتی ہوئی تھی۔ جہاں تک مدت قیام کا تعلق ہے اس میں حضور نے کسی زوجہ کو دوسری پر فوقیت نہیں دی۔ بود و باش، گھربار ہر چیز میں ان کو برابر رکھا۔ آپؐ سفر پر نکلتے تو ازواج کے درمیان قرعہ ڈالتے جس زوجہ کے نام کا قرعہ نکلتا ان کو سفر میں اپنے ساتھ لے جاتے۔ اخراجات کے لیے آپؐ نے ان کو پیداوار یا زمینیں دیں تو اس میں بھی مساوات ملحوظ رکھی۔ حضور نے ابن ابی قحافہ کی بیٹی کے معاملہ میں کوئی امتیاز نہیں برتا تو آخر دوسری ازواج کو بے انصافی کہاں نظر آئی؟ جہاں تک دینی فہم، حکمت دین سے آگاہی اور خدمت دین کے جذبہ کا تعلق ہے تو یہ چیز ایسی ہے جس میں تمام ازواج نبی یکساں نہیں تھیں۔ بعض کی اسلام سے وابستگی کی مدت بہت کم تھی، ظاہر ہے کہ وہ حضرت عائشہؓ کی برابری کا

دعویٰ نہیں کرسکتی تھیں۔ بعض سیدات اپنی ذات کی حد تک نیکی کرتیں لیکن امت کی تعلیم وتربیت کی صلاحیت کم وبیش تھی جبکہ حضرت عائشہؓ ایک مینارہ نور تھیں جس سے مسلم مرد اور خواتین اکتساب فیض کرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ نبی ﷺ کے مشن کی تکمیل میں جب حضرت عائشہؓ کی خدمات سرفہرست تھیں تو آپؐ ان کے قدردان کیوں نہ ہوتے۔ اور اگر آپ قدردان تھے تو دوسری سیدات کو اس پر شکوہ کرنے کی کوئی معقول وجہ نہیں تھی کیونکہ حضرت عائشہؓ نے یہ مقام اپنے علم، دین کے فہم، اور اپنی خدمات کی بدولت حاصل کیا تھا۔ اس میدان میں آگے بڑھنے کے مواقع سب کے لیے یکساں تھے۔

روایت کے آخر میں ام المومنین زینب بنت جحشؓ اور حضرت عائشہؓ کو اس رنگ میں پیش کیا گیا ہے جو لڑاکا خواتین کا ہوتا ہے۔ زینبؓ تمام ادب واحترام کو بالائے طاق رکھ کر نبی ﷺ سے نہایت تندی سے مخاطب ہوتی ہیں۔ حضرت عائشہؓ ان کا مقابلہ کرتی ہیں اور بالآخر انہوں نے زینبؓ کو چپ کرا دیا۔ روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ خود حضورؐ نے حضرت عائشہؓ کو اس مقابلہ میں اترنے کا اشارہ کیا اور جب زینب چپ ہو گئیں تو آپؐ نے داد دی کہ آخر یہ ابوبکر کی بیٹی ہیں۔

روایت کے آخری حصہ میں یہ ہے کہ ازواج نبیؐ نے حضور کو قائل کرنے کے معاملہ میں ناکام ہو کر آخری کوشش یہ کی کہ حضرت فاطمہؓ کو سفارشی بنا کر حضورؐ کے پاس بھیجا لیکن حضورؐ نے ان کو بھی واپس کر دیا۔ ازواج نے دوبارہ ان کو بھیجنا چاہا تو انہوں نے معذرت کر دی۔

زہری اور ان کی سوچ رکھنے والوں کو حضرت عائشہؓ سے جو کد ہے وہ اہل علم سے چھپی ہوئی نہیں۔ یہ لوگ کوئی موقع جانے نہیں دیتے جس میں حضرت عائشہؓ کو متہم کرنے کی کوشش نہ کریں۔

میرے نزدیک یہ روایت جس طرح بنا دی گئی ہے یہ حقیقت سے بعید اور نبی ﷺ اور آپ کی ازواج کے مرتبہ و مقام اور ان کے معروف اخلاق و کردار سے فروتر ہے۔

۸. باب: مَالَا يُرَدُّ مِنَ الْهَدِيَّةِ

باب: جس ہدیہ کو لوٹانا جائز نہیں ہے

۱۶۔ حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ حَدَّثَنَا عَزْرَةُ ابْنُ ثَابِتٍ الْاَنْصَارِيُّ قَالَ حَدَّثَنِي ثُمَامَةُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ دَخَلْتُ عَلَيْهِ فَنَاوَلَنِي طِيبًا قَالَ كَانَ أَنَس " رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ لَا يَرُدُّ الطِّيبَ، قَالَ وَزَعَمَ أَنَس " أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ لَا يَرُدُّ الطِّيبَ

عزرہ بن ثابت انصاری کہتے ہیں کہ میں ثمامہ بن عبداللہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے مجھے خوشبو دی اور کہا کہ حضرت انسؓ خوشبو کو واپس نہیں کیا کرتے تھے اور یہ کہا کہ حضرت انسؓ کا یہ گمان تھا کہ آنحضرت ﷺ

خوشبو کو واپس نہیں کیا کرتے تھے۔

وضاحت:

زعم یعنی ان کا گمان تھا۔ یہ لفظ عربی میں اردو سے ذرا مختلف آتا ہے۔ حضرت انسؓ کا گمان تھا کہ آنحضرت ﷺ خوشبو کو نہیں لوٹاتے تھے۔ ہلکی سی چیز ہے اور کسی پر بوجھ نہیں ہے۔ چھوٹی سی چیز کو واپس کرنے سے، جبکہ اندیشہ ہو کہ تعلقات پر، محبت پر اثر پڑے گا، یہ معنی ہوئے کہ آپ چھوٹی سی بات پر بڑا نقصان کر لیں۔ یہ بات دلداری کے خلاف ہے۔ البتہ یہ ہے کہ یہ ایک اخلاقی چیز ہے کوئی فقہی بات نہیں کہ جس کے لیے الگ باب باندھا جائے۔

۹. باب: مَنْ رَأَى الْهِبَةَ الْغَائِبَةَ جَائِزَةً

باب: اس بارے میں کہ جس نے ھبہ غائبہ کو جائز قرار دیا ہے

وضاحت:

ھبہ غائبہ کے معنی یہ ہیں کہ شے موجود نہیں ہے اور آپ نے اس کو ھبہ کر دیا۔ ھبہ غائبہ کی کئی شکلیں ہو سکتی ہیں اور ان میں اعتراض کی کوئی بات معلوم نہیں ہوتی۔ کوئی کہہ سکتا ہے کہ میری فلاں چیز فلاں شہر میں ہے، جائیداد ہو سکتی ہے، مکان ہو سکتا ہے، اور دونوں کو معلوم ہے تو جس کو ھبہ کی گئی ہے وہ جا کر لے سکتا ہے۔ باب باندھنے کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ حنفیہ ہبہ مقبوضہ کی شرط لگاتے ہیں تو امام صاحب اس کی تردید کر رہے ہیں۔ ایک بات اور بھی ہے کہ امام صاحب بار بار ایسی چیزوں پر ھبہ کا اطلاق کر رہے ہیں جو قطعی طور پر اس ذیل میں نہیں آتیں۔ آب زم زم ایک کٹورے میں لوگوں کو پیش کریں تو کیا یہ بھی ھبہ ہوگا۔ لغوی معنوں میں تو یہ ھبہ ہے اور ھبہ مشاع (مشترک) بھی ہے البتہ یہ ہے کہ کوئی ایک گھونٹ لے گا کوئی کم اور کوئی زیادہ۔ اگر قانونی ھبہ ہو تو پھر اس میں بحث پیدا ہو سکتی ہے، لیکن یہ ہدیہ ہے، تحفہ ہے، عطیہ ہے مگر ھبہ نہیں ہے۔ اس کو ھبہ اگر آپ بنائیں گے تو فقہی بحثیں شروع ہو جائیں گی اب اگر حنفیہ یہ کہتے ہیں کہ ہبہ مقبوضہ ہونا چاہیے تو یہ موقف اس ھبہ سے متعلق ہے جو قانونی ہوتا ہے۔ مثلاً کوئی جائیداد ہے، مکان ہے یا کوئی اور ملکیت ہے۔ حنفیہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اس کو ملک مشاع نہیں ہونا چاہیے بلکہ ایک ایسی ملکیت ہونا چاہیے جو تقسیم ہو سکتی ہو۔ ان کا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ تقسیم نہیں ہو سکتی اور قبضہ میں نہیں آ سکتی تو پھر وہ ھبہ تو نہیں ہوا۔ لیکن ان حضرات کے نزدیک ملک مشاع کا ھبہ ہو سکتا ہے اور مقبوضہ ہونا بھی ضروری نہیں تو ان لوگوں نے ھبہ کا مفہوم بہت وسیع کر دیا ہے۔ خوشبو بھی، آب زم زم بھی اور اگر مدینہ سے کھجوریں لائے ہیں تو وہ بھی سب ھبہ میں شامل ہے۔ امام بخاری ایسی روایتیں ضرور دے دیتے ہیں جس میں حنفیت کی تردید ہو۔ بعض شارح بخاری ہیں اور کٹر حنفی ہیں، وہ تردید کرتے ہیں اور اپنے امام کے موقف کو ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور میرے

نزدیک ٹھیک کرتے ہیں۔ میں کوئی متعصب آدمی نہیں ہوں لیکن عقلی آدمی تو ہوں۔ میرے نزدیک اس معاملہ میں حنفیہ کا مسلک ٹھیک ہے وہ یہ کہ ہبہ مقبوضہ ہونا چاہیے اور شئے معین ہونی چاہیے اور اسے لائق تقسیم ہونا چاہیے۔ اگر یہ صفات ہیں تو ملک مشاع ہوتے ہوئے بھی وہ ہبہ ہوسکتی ہے اس لیے کہ اس کی تقسیم میں کوئی زحمت نہیں ہوگی۔ لیکن فرض کیجئے کہ آپ نے گھوڑا ہبہ کیا اور وہ کئی آدمیوں کے درمیان مشترک ہے تو اس کی تقسیم میں بڑے قضیئے پیدا ہوسکتے ہیں۔

تحفہ کا، عطیہ کا، ان تمام چیزوں کا الگ الگ مفہوم ہے۔ یہ ہبہ فقہی نہیں ہے۔ لغوی طور پر تو ظاہر ہے کہ عربی میں یہی کہیں گے کہ وھبت لک ' لیکن ہبہ اور وحبت میں بہت فرق ہے۔ رب ھب لی من لدنک ذریۃ کہ کر اگر اولاد مانگیں تو وہ ہبہ تو نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کا بخشنا ہے، اس پر ہبہ کا اطلاق تو نہیں ہوگا۔ ہبہ غائب کو یعنی غائب چیز کو اور غیر مقبوضہ کو جائز قرار دیتے ہیں تو بعض حالات میں جبکہ شئے معین ہو، معلوم ہو اور اس کا حصول ناممکن نہ ہو تو اس کو جائز قرار دیا جاسکتا ہے۔

۱۷۔ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ قَالَ حَدَّثَنِي عُقَيلٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ ذَكَرَ عُرْوَةُ أَنَّ الْمِسْوَرَ ابْنَ مَخْرَمَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا وَ مَرْوَانَ أَخْبَرَاهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ حِينَ جَاءَهُ وَفْدُ هَوَازِنَ قَامَ فِي النَّاسِ فَأَثْنَى عَلَى اللَّهِ بِمَا هُوَ أَهْلُهُ، ثُمَّ قَالَ أَمَّا بَعْدُ: فَإِنَّ إِخْوَانَكُمْ جَاؤُنَا تَائِبِينَ وَ إِنِّي رَأَيْتُ أَنْ أَرُدَّ إِلَيْهِمْ سَبْيَهُمْ فَمَنْ أَحَبَّ مِنْكُمْ أَنْ يُطَيِّبَ ذٰلِكَ فَلْيَفْعَلْ وَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يَكُونَ عَلَى حَظِّهِ حَتَّى نُعْطِيَهُ إِيَّاهُ مِنْ أَوَّلِ مَا يُفِيءُ اللَّهُ عَلَيْنَا، فَقَالَ النَّاسُ طَيَّبْنَا لَكَ.

﴿عروہ سے روایت ہے کہ مسور بن مخرمۃ اور مروان، دونوں نے مل کر ان کو یہ خبر دی کہ جس وقت قبیلہ ہوازن کا وفد نبی ﷺ کے پاس آیا تو آپ تقریر کے لیے کھڑے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی ثنا بیان کی جو اس کے لائق ہے۔ پھر فرمایا، اے لوگو تمہارے بھائی ہمارے پاس تائب ہوکر آئے ہیں میری رائے یہ ہے کہ میں ان کے قیدیوں کو لوٹا دوں تو تم میں سے جو خوشی سے پسند کرے وہ بھی ایسا کردے، اور جو اپنا حق باقی رکھنا چاہتا ہو وہ اس شرط پر کہ جب آئندہ ہمارے پاس فئے کا اول مال آئے گا ہم اس میں سے اس کو دے دیں گے، اپنا قیدی لوٹا سکتا ہے۔ تو لوگوں نے کہا کہ ہم آپ کے فیصلہ پر راضی ہیں۔﴾

وضاحت:

فتح مکہ کے بعد جنگ حنین پیش آئی جس میں قبیلہ ہوازن پیش پیش تھا۔ غنیمت میں ان کا مال اور قیدی پکڑ کر آئے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے مال مجاہدین میں تقسیم کردیا لیکن قیدیوں کے بارے میں توقف کیا تاکہ قبیلہ زرفدیہ دے کر ان کو چھڑالے۔ ان کو غلام نہیں بنایا جاسکتا تھا کیونکہ بنی اسماعیل کے لیے دو ہی راستے تھے یا وہ مسلمان ہوتے یا رسول کی تکذیب

کی پاداش میں قتل کیے جاتے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کو تقسیم نہیں کیا بلکہ مشترک ہی رکھا۔ ہوازن والے جب تائب ہو کر آئے اور اسلام قبول کر لیا تو یہ درخواست کی کہ ان کا مال اور قیدی واپس کیے جائیں۔ آنحضرت ﷺ نے ان کو جواب دیا کہ میں نے مال غنیمت کی تقسیم میں توقف کیا لیکن تم لوگ نہیں آئے۔ اب مال تو تقسیم ہو چکا البتہ قیدیوں کو واپس کرنے کی تدبیر ہو سکتی ہے۔ چنانچہ آپ نے مجاہدین کو جمع کر کے تقریر فرمائی اور بتایا کہ قبیلہ ہوازن کے لوگ تائب ہو کر اسلام قبول کر چکے اور تمہارے بھائی بن چکے ہیں۔ اب یہ چاہتے ہیں کہ ان کے قیدی واپس کر دیے جائیں۔ میری رائے میں ان کو واپس کر دینا چاہیے لیکن چونکہ یہ اب لشکر کا مال ہیں اس لیے جو لوگ اپنے حصہ سے دستبردار ہو سکیں وہ دستبردار ہو جائیں دوسرے اگر اس شرط پر دستبردار ہو جائیں کہ میں ان کے نقصان کی تلافی آئندہ حاصل ہونے والے مال فے سے کر دوں تو وہ یہ شکل اختیار کر لیں۔ اس پر لوگوں نے کہا ہم آپ کے فیصلہ پر راضی ہیں۔ چونکہ ہر لشکر میں الگ الگ پارٹیاں تھیں اور آنحضرت ﷺ مجمع میں یہ اندازہ نہ کر سکے کہ سب لوگ اتفاق رائے سے یہ کہہ رہے ہیں یا ان میں اختلاف ہے۔ اس لیے آپ نے کہا کہ تمہارے جو مانیٹر ہیں وہ سب کی رائے معلوم کر کے مجھے بتائیں۔ ان سب نے آ کر یہ رپورٹ دی کہ سب لوگ راضی ہیں تو آنحضرت ﷺ نے قیدیوں کو واپس کر دیا۔

امام صاحب اس روایت کو یہاں اس لیے لائے ہیں کہ آئندہ مال فے کا معاملہ مبہم تھا لیکن نبی ﷺ نے ہبہ کر دیا۔ اس میں کوئی چیز حاضر نہیں تھی سب کچھ غائب تھا کہ وعدہ کیا گیا کہ جب مال آئے گا تو دے دیں گے۔ اس سے پہلے قیدی تقسیم بھی نہیں ہوئے تھے کہ کسی کی ملکیت ہوں لیکن حضور نے ان کو ہبہ کر دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ مبہم ہبہ بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ امام صاحب کی زیادتی ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ ہر چیز معین تھی۔ قیدی موجود تھے اور ابھی تقسیم نہیں ہوئی تھی۔ آنحضرت ﷺ نے صاف طریقہ سے لوگوں سے اجازت لے کر ان کو واپس کیا۔ لوگوں سے یہ وعدہ بھی غیر مبہم تھا کہ جو اول فئے آئے گی اس میں سے ان کو دے دیں گے۔ میرے نزدیک ہر چیز معلوم ہے، متعین ہے اور کوئی ابہام نہیں ہے۔ لہٰذا امام صاحب یہ جو ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ ملک مشاع میں اور غیر مقبوضہ چیز میں ہبہ ہو سکتا ہے، یہ مقدمہ اس واقعہ سے ثابت نہیں ہوتا۔

۱۰۔ باب: الْمُكَافَاةِ فِي الْهِبَةِ

باب: ہبہ کے معاوضہ کے بارے میں

۱۸۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ" حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَقْبَلُ الْهَدِيَّةَ وَيُثِيبُ عَلَيْهَا لَمْ يَذْكُرْ وَكِيعٌ" وَ مُحَاضِرٌ" عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ.

﴿حشام اپنے باپ عروة سے اور وہ حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ حدیہ قبول بھی فرماتے تھے اور اس کا بدلہ بھی دیتے تھے۔﴾

وضاحت:

آنحضرت ﷺ ہدیہ قبول بھی فرماتے تھے اور بدلہ بھی دیتے تھے تو یہ بات نہایت ہی اعلیٰ اخلاق کی ہے لیکن اس کو حبہ سے کیا تعلق۔ حدیہ یا تحفہ دینا لینا الگ چیز ہے۔ ایک شخص ایک چیز دیتا ہے اور ایک لیتا ہے تو کیا یہ حبہ ہو جائے گا۔ ان سب الفاظ کا الگ الگ محل اور مفہوم ہے۔ آنحضرت ﷺ اگر صلہ دیتے تھے تو یہ اخلاقی چیز ہوئی ایسا کرنا کوئی واجب تو نہیں تھا۔ میں یہ واضح کرنا چاہتا ہوں کہ امام صاحب حبہ کو لغوی معنی میں لے رہے ہیں حالانکہ حبہ ایک فقہی چیز ہے۔ راویوں میں وکیع اور محاضر نے اس روایت کو مرفوع نہیں کیا ہے۔

۱۱. باب: الهِبَةِ لِلْوَلَدِ، وَإِذَا اَعْطَى بَعْضَ وَلَدِهِ شَيْئًا لَمْ يَجُزْ حَتَّى يَعْدِلَ بَيْنَهُمْ وَ يُعْطِيَ الآخَرِينَ مِثْلَهُ وَلَا يُشْهَدُ عَلَيْهِ، وَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ اِعْدِلُوا بَيْنَ اَوْلَادِكُمْ فِي الْعَطِيَّةِ وَهَلْ لِلْوَالِدِ اَنْ يَرْجِعَ فِي عَطِيَّتِهِ، وَمَا يَاْكُلُ مِنْ مَالِ وَلَدِهِ بِالْمَعْرُوفِ وَلَا يَتَعَدَّى وَاشْتَرَى النَّبِيُّ ﷺ مِنْ عُمَرَ بَعِيرًا ثُمَّ اَعْطَاهُ ابْنَ عُمَرَ وَقَالَ اصْنَعْ بِهِ مَا شِئْتَ.

باب: اس بارے میں کہ کوئی شخص اپنی ایک یا بعض اولاد کو ھبہ کرے تو وہ جائز نہیں جب تک کہ وہ سب اولاد کے درمیان انصاف نہ کرے اور دوسروں کو ویسا ہی نہ دے جیسا کہ اس کو دیا۔ اگر کوئی ایسا کرے تو اس پر گواہی دینا بھی جائز نہیں۔ اور آنحضرت ﷺ

نے فرمایا اپنی اولاد کو دینے میں عدل کرو۔ اور یہ بات اس بارے میں بھی ہے کہ اپنی اولاد کو حبہ کرے تو پھر رجوع کر سکتا ہے اور اپنی اولاد کے مال میں سے معروف کے مطابق کھا سکتا ہے اور حد سے تجاوز نہ کرے۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت عمرؓ سے ایک اونٹ خریدا اور ابن عمرؓ کو دیا اور کہا تم جو چاہو کرو۔

۱۹۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ اَخْبَرَنَا مَالِكٌ" عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ وَ مُحَمَّدِ بْنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ اَنَّهُمَا حَدَّثَاهُ عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ اَنَّ اَبَاهُ اَتَى بِهِ اِلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ اِنِّي نَحَلْتُ ابْنِي هٰذَا غُلَامًا فَقَالَ اَكُلَّ وَلَدِكَ نَحَلْتَ مِثْلَهُ قَالَ لَا قَالَ فَارْجِعْهُ.

﴿نعمان بن بشیر کہتے ہیں کہ ان کے والدان کو لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے اور کہا کہ میں نے اپنے اس بیٹے کو ایک غلام بطور عطیہ دیا ہے۔ آپؐ نے پوچھا کیا تم نے اپنے سب بیٹوں کو اسی طرح دیا ہے تو انہوں نے کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا پھر واپس لو۔﴾

وضاحت:

روایت اپنے مفہوم میں واضح ہے لیکن فقہا میں اس بارے میں اختلاف ہے کہ کوئی شخص اپنے بیٹوں میں عطیہ دینے میں کسی قسم کی تفریق کرسکتا ہے یا نہیں کرسکتا۔ شوافع اور اہل ظاہر اور فقہا کا ایک گروہ کہتا ہے کہ تفریق جائز نہیں ہے۔ احناف اور فقہاء کا ایک گروہ یہ کہتے ہیں کہ یہاں امر اس مفہوم میں ہے کہ بہتر ہے کہ ایسا نہ کرے لیکن اگر کرے تو جائز ہے۔ دونوں گروہ اس بات میں متفق ہیں کہ اولاد کو عطیہ دینے میں تفریق نہ کی جائے۔ لیکن روایت میں ہے کہ فارجعہ اسے واپس لو۔ اگلی روایت میں یہ ہے کہ ایک شخص نے اپنے ایک بیٹے کو کوئی چیز دی تو اس کی بیوی نے کہا کہ اس پر آنحضرت ﷺ کو گواہ کرو تو میں جان جاؤں گی لیکن آنحضرت ﷺ اس پر گواہ نہیں بنے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان روایات کی موجودگی میں جو حضرات اس کو جائز قرار دیتے ہیں تو کس بنیاد پر۔ ان چیزوں کے متعلق میرا خیال یہ ہے کہ احناف کا استدلال کمزور ہے۔ دوسری طرف یہ واقعہ ہے کہ ایک شخص کا ایک بیٹا اگر معذور ہے اور اس کو اس کے مستقبل کی فکر کرنی ہے تو اس کے لیے اس کا باپ خاص اہتمام کیوں نہ کرے۔ میرے نزدیک یہ ہے کہ الفاظ اعدلوا بین اولادکم (جو اگلی روایت میں نقل ہوئے ہیں) سے یہ بات نکلتی ہے کہ معذور بیٹے کے لیے کوئی انتظام کیا جائے گا۔ دوسرے لڑکوں کو آپ نے امریکہ انگلینڈ بھیج کر تعلیم دلوادی اور وہ آئیں گے اپنا کام سنبھالیں گے لیکن اس معذور کے لیے اگر انتظام نہیں کیا جائے گا تو کیا یہ عدل کے منافی نہیں ہوگا؟ جبکہ اس کا باپ اس پوزیشن میں ہے کہ اس کے لیے انتظام کرسکے۔ اس کے لیے کوئی رقم یا جائیداد خاص کردی جائے تو حدیث کا منشاء کہ اولاد کے اندر انصاف کیا جائے پورا کیا جاسکتا ہے۔ عدل فرائض میں سے ہے اس لیے میرے نزدیک یہ بات بالکل جائز ہے کہ حالات کا تقاضا ہو تو اولاد میں سے کسی کے لیے دوسروں سے الگ انتظام کیا جاسکتا ہے۔ یہ بات میں اس لیے نہیں کہہ رہا ہوں کہ حنفیہ کا مذہب ہے بلکہ اعدلوا بین اولادکم کا یہ تقاضا ہے۔ زندگی کے مسائل حل کرنے کے لیے اگر معذور بیٹے کے ساتھ انصاف نہیں کیا گیا تو یہ چیز دین کے خلاف ہوگی۔ اس معاملہ میں میری رائے حنفیہ سے بھی الگ ہے اور امام صاحب سے بھی اور میری بنیاد ٹھیک روایت پر ہے کہ اعدلوا کا لفظ حضور ﷺ نے فرمایا ہے۔

١٢. باب: الاِشْهَادِ فِي الْهِبَةِ

باب: ھبہ کے معاملہ میں گواہ بنانے کے بارے میں

٣٠۔ حَدَّثَنَا حامِدُ بْنُ عُمَرَ حَدَّثَنَا اَبُو عَوَانَةَ عَنْ حُصَيْنٍ عَنْ عامِرٍ قالَ سَمِعْتُ النُّعْمَانَ بْنَ بَشِيرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا وَهُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ يَقُولُ اَعْطَانِي اَبِي عَطِيَّةً، فَقَالَتْ عَمْرَةُ بِنْتُ رَوَاحَةَ: لَا اَرْضَى حَتّٰى تُشْهِدَ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ فَاَتَى رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ اِنِّي اَعْطَيْتُ ابْنِي مِنْ عَمْرَةَ بِنْتِ رَوَاحَةَ عَطِيَّةً فَاَمَرَتْنِي اَنْ اُشْهِدَكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَالَ اَعْطَيْتَ سَائِرَ وَلَدِكَ مِثْلَ هٰذَا قَالَ لَا قَالَ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْدِلُوا بَيْنَ اَوْلَادِكُمْ، قَالَ فَرَجَعَ فَرَدَّ عَطِيَّتَهُ.

﴿عامر کہتے ہیں کہ میں نے نعمان بن بشیر کو منبر پر یہ کہتے سنا کہ میرے باپ نے مجھے کچھ عطیہ دیا تو ان کی ماں عمرۃ بنت رواحہ نے کہا میں اس کو باور نہیں کرتی جب تک تم اس پر رسول اللہ ﷺ کو گواہ نہ کرلو۔ تو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ میں نے اپنے بیٹے کو جو عمرۃ بنت رواحہ کے بطن سے ہے ایک عطیہ دیا ہے۔ وہ کہتی ہے کہ اس پر رسول اللہ ﷺ کو گواہ بناؤ۔ آپ نے پوچھا کیا تم نے اپنی تمام اولاد کو ایسا ہی دیا ہے تو انہوں نے کہا کہ نہیں تو آپ نے فرمایا لوگو اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے درمیان انصاف کرو۔ یہ سن کر میرا باپ لوٹ گیا اور اپنی چیز واپس لے لی۔﴾

وضاحت:

اس روایت کا جو درس ہے وہ یہ کہ غلط بات پر شہادت نہیں دینی چاہیے۔ پچھلی روایت میں جو میں نے وضاحت کی ہے اس کے مفہوم پر اس روایت کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اس میں شبہ نہیں کہ آنحضرت ﷺ نے اس طرح عطیہ دینے کو منظور نہیں کیا لیکن جس چیز کو منظور نہیں کیا اس کی بنیاد صورت واقعہ ہے۔ عدل کا مطالبہ آپ نے بھی کیا ہے۔ آپ نے فرمایا لوگو اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور تمام اولاد کے درمیان انصاف کرو۔ یعنی انصاف کا تقاضا ایک بیٹے کو دینے کی صورت میں پورا نہیں ہوتا۔ عدل کا مطالبہ اپنی جگہ پر بنیادی ہے۔ احناف کی بات کہ امر کو مشورہ پر محمول کیا ہے ٹھیک نہیں معلوم ہوتی۔ باقی لوگوں کی بات بنیادی طور پر غلط ہے۔ میری رائے ان دونوں سے الگ اور منفرد ہے۔ یہ حدیث پر مبنی ہے قرآن پر مبنی ہے، عقل اور فطرت پر مبنی ہے۔

۱۳ . باب: هِبَةِ الرَّجُلِ لامْرَأَتِهِ وَالْمَرْأَةِ لِزَوْجِهَا، قَالَ إِبْرَاهِيمُ جَائِزَةٌ وَقَالَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِالْعَزِيزِ لَا يَرْجِعَانِ وَاسْتَأْذَنَ النَّبِيُّ ﷺ نِسَاءَهُ فِي أَنْ يُمَرَّضَ فِي بَيْتِ عَائِشَةَ، وَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ الْعَائِدُ فِي هِبَتِهِ، كَالْكَلْبِ يَعُودُ فِي قَيْئِهِ، وَقَالَ الزُّهْرِيُّ فِيمَنْ قَالَ لِامْرَأَتِهِ هَبِي لِي بَعْضَ صَدَاقِكِ أَوْ كُلَّهُ، ثُمَّ لَمْ يَمْكُثْ إِلَّا يَسِيرًا حَتَّى طَلَّقَهَا فَرَجَعَتْ فِيهِ، قَالَ يَرُدُّ إِلَيْهَا إِنْ كَانَ خَلَبَهَا وَإِنْ كَانَتْ أَعْطَتْهُ عَنْ طِيبِ نَفْسٍ لَيْسَ فِي شَيْءٍ مِنْ أَمْرِهِ خَدِيعَةٌ" جَازَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالَى: فَإِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِنْهُ نَفْسًا.

باب: اس بارے میں کہ اگر کوئی مرد اپنی بیوی کو ھبہ کرے یا ایک عورت اپنے شوہر کو ھبہ کرے تو اس کا کیا حکم ہے۔ ابراہیم کہتے ہیں کہ یہ جائز ہے اور عمر بن عبدالعزیز کہتے ہیں کہ یہ دونوں رجوع نہیں کرسکیں گے۔ اور نبی ﷺ نے اپنی ازواج سے اس بات کی اجازت حاصل کی تھی کہ بیماری کے زمانے میں وہ حضرت عائشہؓ کے گھر رہیں گے۔ اور نبی ﷺ نے فرمایا کہ اپنے ھبہ میں رجوع کرنے والا کتے کی مانند ہے جو قے کرکے پھر اس کو چاٹ لے۔ اور زہری نے اس شخص کے بارے میں جس نے اپنی بیوی سے کہا کہ اپنے مہر کا کچھ حصہ یا کل مجھے ھبہ کردو، پھر زیادہ مدت نہیں گزری کہ اس نے عورت کو طلاق دے دی تو بیوی نے مہر ہبہ کرنے سے رجوع کرلیا یہ کہا کہ شوہر ہبہ کو واپس کرے گا اگر مرد کی نیت فریب کی تھی۔ لیکن اگر عورت نے راضی خوشی معاف کیا تھا، شوہر نے کوئی فریب نہیں کیا تھا تو وہ اس کے لیے جائز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اگر وہ اس میں سے کچھ خوش دلی سے معاف کردیں تو مزے سے کھاؤ۔

وضاحت:

امام صاحب کے اس باب میں جو بات اصل ہے وہ یہ ہے کہ اگر ایک آدمی اپنی بیوی کو ھبہ کرے یا ایک عورت اپنے شوہر کو ہبہ کرے تو اس کا کیا حکم ہے۔

- ابراہیم کہتے ہیں کہ یہ جائز ہے۔ بہتر ہوتا کہ امام صاحب ہبہ کے جواز میں ابراہیم نخعی کا فتویٰ پیش کرنے کے بجائے رسول اللہ ﷺ کی کوئی بات لاتے یا اس سے کم درجہ میں صحابہ کے کوئی آثار لاتے۔
- اس کے بعد عمر بن عبدالعزیز کی رائے نقل کی۔ یہ واقعہ ہے کہ عمر بن عبدالعزیز کا شمار خلفائے راشدین میں ہوتا ہے اور بے شک ان کے علم وعمل اور تقویٰ کے اعتبار سے ان کا یہ مقام ہے۔ لیکن ان کا قول امام صاحب نے ابراہیم نخعی کے قول کے

بعد نقل کیا ہے۔ عمر بن عبدالعزیز کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اگر ھبہ کر دیا ہے تو نہ مرد رجوع کر سکتا ہے نہ عورت۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ عورت رجوع کر سکتی ہے اگر وہ یہ ثابت کر دے کہ میں نے جو کچھ کیا تھا بادل نخواستہ شوہر کے دباؤ پر کیا تھا۔

۔ اس کے بعد امام صاحب ازواج نبی کے عمل سے یہ دلیل لائے ہیں کہ دیکھو نبی ﷺ نے اپنی ازواج سے یہ اجازت حاصل کی تھی کہ بیماری کے زمانے میں ان کو حضرت عائشہؓ کے گھر رہنے دیا جائے تو یہ شوہر کے لیے ازواج کا ھبہ ہوا۔ اب اگر ھبہ میں یہ بھی شامل ہے تو پھر اگر ہمارے لیے کھانا بھی آئے گا تو یہ بھی ھبہ ہوا اور اس پر ھبہ کے سارے اطلاقات ہوں گے حالانکہ ان چیزوں کو ھبہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

۔ آخر میں زہری کا ایک فتویٰ بڑے اہتمام سے نقل کیا گیا ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ امام بخاری، امام ابوحنیفہ اور ان کے شاگردوں اور مالکیہ کے فتووں کو کوئی اہمیت نہیں دیتے بلکہ ان کے رد کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ مجتہد ہیں اور اپنی جگہ پر امام ہیں اور ان کے علوم کے دفاتر ہیں۔ رہا زہری تو کچھ روایتوں کو پھیلا کرنے میں، خلط ملط کرنے میں، اپنی بات گھسانے میں استاد ہے۔ اور تو کوئی بات اس میں ہے نہیں لیکن اس کا فتویٰ تعلیقات میں نقل کیا ہے۔ فتویٰ یہ ہے کہ اگر ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ مہر کا کچھ حصہ یا کل ھبہ کر دے اور اس نے کر دیا اور کچھ ہی مدت کے بعد اس نے بیوی کو طلاق دے دی تو عورت رجوع کر سکتی ہے۔ اگر وہ یہ ثابت کر دے کہ اس کو دھوکہ دیا گیا اور اگر عورت نے راضی خوشی دیا تھا تو پھر اس کو کوئی اختیار نہیں ہے۔ اس پر استدلال کیا ہے سورہ نساء کی آیت سے کہ اگر تمہیں کچھ وہ اپنے مہر سے راضی خوشی دے دیں تو وہ ھنیا مریئا برتو۔ بات اتنی ہے کہ میاں بیوی کے درمیان اگر کوئی قضیہ ہوگا تو قاضی کے ہاں مقدمہ جائے گا اور شوہر ثابت کرے کہ راضی خوشی دیا تھا تب وہ لے گا اور اگر بیوی ثابت کرے بادل ناخواستہ دیا تھا تو شوہر واپس کرے گا۔

۲۱۔ حَدَّثَنَا اِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى اَخْبَرَنَا هِشَامٌ عَنْ مَعْمَرٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ اَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ قَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا لَمَّا ثَقُلَ النَّبِيُّ ﷺ فَاشْتَدَّ وَجَعُهُ اسْتَأْذَنَ اَزْوَاجَهُ اَنْ يُمَرَّضَ فِي بَيْتِي فَاَذِنَّ لَهُ فَخَرَجَ بَيْنَ رَجُلَيْنِ تَخُطُّ رِجْلَاهُ الْاَرْضَ وَكَانَ بَيْنَ الْعَبَّاسِ وَ بَيْنَ رَجُلٍ آخَرَ فَقَالَ عُبَيْدُاللّٰهِ فَذَكَرْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ مَاقَالَتْ عَائِشَةُ فَقَالَ لِي وَهَلْ تَدْرِي مَنِ الرَّجُلُ الَّذِي لَمْ تُسَمِّ عَائِشَةُ، قُلْتُ لَا: قَالَ هُوَ عَلِيُّ بْنُ اَبِي طَالِبٍ.

معمر، زہری سے روایت کرتے ہیں کہ مجھے عبداللہ بن عبداللہ نے خبر دی کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ جب نبی ﷺ کی بیماری شدت اختیار کر گئی اور تکلیف سخت ہوگئی تو آپ نے اپنی ازواج سے اپنی بیماری کے ایام میرے گھر بسر کرنے کی اجازت چاہی۔ تمام ازواج نے اجازت دے دی تو آپؐ دو آدمیوں کے درمیان اس طرح نکلے کہ آپؐ کے پاؤں زمین پر نشان کھینچتے تھے۔ آپ جن دو آدمیوں کے درمیان تھے ان میں ایک

حضرت عباسؓ تھے اور دوسرے ایک اور شخص تھے۔ عبیداللہ کہتے ہیں کہ میں نے جو بات عائشہؓ سے سنی تھی ابن عباسؓ سے بیان کی تو انہوں نے مجھ سے پوچھا تم جانتے ہو یہ دوسرے شخص جن کا حضرت عائشہؓ نے نام نہیں لیا کون تھے۔ میں نے کہا میں نہیں جانتا۔ تو انہوں نے کہا یہ حضرت علیؓ تھے۔

وضاحت:

یہ روایت نبی ﷺ کے اس مرض سے متعلق ہے جس میں بالآخر آپؐ کا انتقال ہوا۔ بیماری کے ابتدائی ایام میں تو آپ اپنے معمول کے مطابق تمام ازواج کے گھروں میں باری باری جاتے رہے۔ لیکن جب مرض شدت اختیار کر گیا تو آنحضرت ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات سے فرمایا کہ مجھے اجازت دو کہ میں بیماری کے ایام عائشہؓ کے گھر میں بسر کروں تو سب نے اجازت دے دی۔ چنانچہ آپؐ دو آدمیوں کا سہارا لے کر حضرت عائشہؓ کے گھر منتقل ہو گئے۔ جو بات قابل غور ہے وہ یہ ہے کہ کیا یہ بھی ہبہ ہے؟ ہبہ کی آخر کوئی تعریف ہے، اس کے حدود ہیں اور زندگی میں اس کا ایک تعلق ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ صحیح بخاری ہبہ کی لغوی تحقیق پر نہیں لکھی گئی ہے۔ اگر لغت کی کتاب ہوتو اس میں بے شک بیان ہوگا کہ ہبہ ان معنوں میں آتا ہے۔ امام صاحب نے جہاں تحفہ وغیرہ کو ہبہ میں شامل کر لیا ہے وہیں اس روایت سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ بیوی اگر شوہر کو دوسری بیوی کے گھر رہنے کی اجازت دے تو یہ شوہر کے لیے ہبہ ہے۔ اسے ان کی ذہانت ہی کہا جا سکتا ہے۔

روایت کے دوسرے حصہ میں ایک معصومانہ بات میں زہری نے زہر گھول دیا ہے، اور امام صاحب نے اس کو بے تکلف نقل کر دیا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے حضور کو سہارا دینے والے دوسرے شخص کا نام نہیں لیا کیونکہ وہ حضرت علیؓ تھے۔ یعنی حضرت عائشہؓ کے اندر اتنا بغض تھا کہ انہوں نے شرف کی یہ معمولی بات بھی حضرت علیؓ سے منسوب ہونا گوارا نہ کیا کہ آنحضرت ﷺ کے آخری دنوں میں ان کو جو دو آدمی سہارا دے کر ان کے گھر لائے ان میں سے ایک حضرت علیؓ تھے۔ نام نہ لینا دلیل ہے اس بات کی کہ حضرت عائشہؓ ان سے بہت بیزار تھیں۔ یہ روایت صرف یہ ثابت کرنے کے لیے لائی گئی ہے کہ حضرت عائشہؓ العیاذ باللہ اتنی سنگدل تھیں کہ انہوں نے حضرت عباسؓ کا نام لیا اور حضرت علیؓ کا گول کر دیا۔ اور اگر فرض کر لیجئے کہ واقعہ تھا بھی تو اس کو کرید کر ابھارا کس لیے گیا ہے۔ یہ حدیث کا کوئی جز تو نہیں ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ کی حضرت علیؓ سے اس درجہ کی کیا، کسی درجہ کی بیزاری کہیں ثابت نہیں ہے۔ بعد کی جنگوں کے واقعات اگر ثابت بھی ہوں تو اس میں بھی صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہؓ اور حضرت علیؓ دونوں نے ایک دوسرے کے مقام کا پورا احترام کیا ہے۔ حضرت علیؓ کو بھی کوئی اعتراض نہیں تھا اور وہ یہ کہتے تھے کہ ام المومنین میں صرف یہ کہتا ہوں کہ یہ آپ کا کام نہیں ہے۔ اس کے سوا انہوں نے ان کی کسی چیز پر بھی نکیر نہیں کی۔ دونوں کے تعلقات کی نوعیت میں کوئی چیز ایسی نہیں ملتی جس سے معلوم ہو کہ انہیں حضرت علیؓ سے اس درجہ نفرت تھی۔ البتہ زہری کی روایات یہی تاثر دیتی ہیں۔ پیچھے بھی ایک روایت ازواج مطہرات کے تعلقات کے بارے میں گزر چکی ہے اور اس میں بھی اس نے یہی شرارت کی ہے۔ ایک طرف تو بیان کیا کہ حضرت عائشہؓ اور

حضرت زینبؓ میں وہ تو تو میں میں ہوئی اور وہ فضیحت ہوا کہ اس کے بعد حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ میں نے ان کو چپ کرا دیا۔ لیکن وہ روایت بھی بخاری شریف میں موجود ہے جس میں حضرت عائشہؓ نے حضرت زینبؓ کی وہ تعریف کی ہے کہ میں نہیں جانتا کہ کسی بڑے سے بڑے آدمی کی اس سے جامع تعریف ہوئی ہو۔ سوال یہ ہے کہ صحابہ وصحابیات کے معروف کردار سے ہٹ کر یہ باتیں کہاں سے آ جاتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ زہری اس طریقہ سے چھپا ہوا ہے کہ کسی کو خبر نہیں اور محدثین بے تکلف اس کی روایت نقل کر دیتے ہیں۔

۲۲۔ حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ اِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ" حَدَّثَنَا ابْنُ طَاوُسٍ عَنْ اَبِيهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَاقَالَ، قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: اَلْعَائِدُ فِي هِبَتِهٖ، كَالْكَلْبِ يَقِيءُ ثُمَّ يَعُوْدُ فِي قَيْئِهٖ،

﴿حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہبہ میں رجوع کرنے والے کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی کتا قے کرے اور پھر اس کو کھا لے۔﴾

وضاحت:

یہ بات ٹھیک ہے۔ ہبہ کوئی بچوں کا کھیل تو نہیں ہے۔ کوئی شرعی بنیاد ہو تب ہی کوئی رجوع کر سکتا ہے۔ مثلاً پیچھے روایت گزر چکی ہے کہ ایک باپ نے اپنے بیٹے کو دیا اور دوسرے بیٹوں کو محروم کر دیا تو کہا گیا کہ واپس لو۔ اگر کوئی شرعی بنیاد نہیں ہے اور کوئی شخص اپنا ہبہ واپس لیتا ہے تو اس کی مثال وہی ہے جو آنحضرت ﷺ نے بیان فرما دی۔

۱۴۔ باب: هِبَةِ الْمَرْاَةِ لِغَيْرِ زَوْجِهَا وَ عِتْقُهَا اِذَا كَانَ لَهَا زَوْجٌ" فَهُوَ جَائِزٌ" اِذَالَمْ تَكُنْ سَفِيهَةً فَاِذَا كَانَتْ سَفِيهَةً لَمْ يَجُزْ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ اَمْوَالَكُمْ.

باب: اس بارے میں کہ عورت کا اپنے شوہر کے علاوہ کسی کو ہبہ کرنا اور غلام کو آزاد کرنا جبکہ اس کا شوہر بھی ہو جائز ہے بشرطیکہ وہ سفیہہ نہ ہو۔ اگر سفیہہ ہو گی تو جائز نہیں، قرآن مجید میں ہے کہ تم اپنے مال سفیہوں کے حوالے نہ کرو۔

وضاحت:

قرآن مجید کی آیت جس کا حوالہ دیا ہے ان یتیموں کے بارے میں ہے جو بالغ ہو چکے ہوں۔ ان کے بارے میں

ہدایت ہے کہ ان کا مال ان کے حوالے کر دینا چاہیے۔ اور اگر وہ سفیہ ہوں تو پھر نہیں۔ سفیہ کے معنی فاتر العقل، بے وقوف، کم عقل۔ فاتر العقل ہو تو اندیشہ ہے کہ مال ضائع کر دے گا۔ مال بہر حال اجتماعی ملکیت بھی ہوتا ہے اور ساری قوم کا مفاد اس سے وابستہ ہوتا ہے تو مال کو برباد نہیں کرنا چاہیے۔ یہ حکم عورت اور مرد دونوں کے لیے عام ہے۔ امام صاحب نے باب عورتوں کے بارے میں باندھا ہے جبکہ آیت کا تعلق عورتوں سے خاص نہیں ہے۔

۲۳۔ حَدَّثَنَا اَبُو عَاصِمٍ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنِ ابْنِ اَبِي مُلَيْكَةَ عَنْ عَبَّادِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ عَنْ اَسْمَاءَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَالِي مَالٌ"، اِلَّا مَا اَدْخَلَ عَلَيَّ الزُّبَيْرُ فَاَتَصَدَّقُ قَالَ تَصَدَّقِي وَلَا تُوعِي فَيُوعَى عَلَيْكِ.

﴿اسماءؓ کہتی ہیں کہ انہوں نے پوچھا یارسول اللہ! میرے پاس مال تو وہی ہوتا ہے جو زبیرؓ لاتے ہیں تو کیا میں اس میں سے صدقہ کر سکتی ہوں۔ تو آپ نے فرمایا ہاں صدقہ کرو اور ہینت کرمت رکھو، اللہ بھی روک لے گا۔﴾

وضاحت:

مطلب یہ ہے کہ شوہر کا مال سہی لیکن بیوی اس میں سے خرچ کر سکتی ہے، صدقہ کر سکتی ہے اور ھبہ کر سکتی ہے۔ لیکن یہ ملحوظ رکھے کہ حدود سے تجاوز نہ ہو اور گن گن کر بھی نہ رکھے کہ اللہ تعالیٰ بھی گن کر دے۔ دوسری روایات میں جو مضمون آیا ہے اس میں ایک اور پہلو بھی ہے کہ بخالت نہ کرے کہ اللہ بھی رزق تنگ کر دے۔

۲۴۔ حَدَّثَنَا عُبَيْدُاللّٰهِ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ عَنْ فَاطِمَةَ عَنْ اَسْمَاءَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اَنْفِقِي وَلَا تُحْصِي فَيُحْصِيَ اللّٰهُ عَلَيْكِ، وَلَا تُوعِي فَيُوعِيَ اللّٰهُ عَلَيْكِ.

﴿حضرت فاطمہؓ حضرت اسماءؓ سے روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ خرچ کرو اور بہت گن گن کر نہ رکھو کہ اللہ بھی تمہارے لیے گن کر دے اور ہینت کرمت رکھو کہ اللہ بھی تمہارے لیے روک رکھے۔﴾

وضاحت:

اس روایت میں اجمال واضح ہو گیا ہے یعنی لا توعی فیوعی علیک کے معنی راوی نے دوسرے لفظوں میں بھی بیان کر دیے ہیں۔ بعض لوگوں کا خیال یہ ہے کہ مال کو بار بار گننا بخالت کی دلیل ہے۔ میری بھی یہی رائے ہے اور بار بار گننے سے برکت اٹھ جاتی ہے۔ ورنہ اس کے بغیر برکت ہوتی ہے۔ غیر ضروری مصارف کی بات اور ہے۔ وہ تو شیطانی ہیں لیکن ضرورت کے لیے، انفاق کے لیے حاجت مندوں کے لیے ہاتھ کھلا ہی رکھنا چاہیے۔ ان چیزوں میں کسی شخص کا ہاتھ کھلا ہے تو

اللہ تعالیٰ کے ہاتھ بھی اس کے لیے کھلے ہیں۔ سلف میں بعض لوگوں کا حال یہ تھا کہ وہ مال کو گنتے نہیں تھے۔ اور مجھے خیال ہوتا ہے کہ شاید حضرت عائشہؓ کے بارے میں ہے کہ انہوں نے کہا میں جب گنتی ہوں تو برکت اٹھ جاتی ہے۔ قرآن مجید میں بار بار گننا بخیل کی علامت بتائی گئی ہے۔

۲۵۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ عَنِ اللَّيْثِ عَنْ يَزِيدَ عَنْ بُكَيْرٍ عَنْ كُرَيْبٍ مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ مَيْمُونَةَ بِنْتَ الحَارِثِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا اَخْبَرَتْهُ اَنَّهَا اَعْتَقَتْ وَلِيدَةً وَلَمْ تَسْتَأْذِنِ النَّبِيَّ ﷺ فَلَمَّا كَانَ يَوْمُهَا الَّذِي يَدُورُ عَلَيْهَا فِيهِ قَالَتْ اَشَعَرْتَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ اَنِّي اَعْتَقْتُ وَلِيدَتِي، قَالَ اَوَ فَعَلْتِ، قَالَتْ نَعَمْ: قَالَ اَمَا اِنَّكِ لَوْ اَعْطَيْتِهَا اَخْوَالَكِ، كَانَ اَعْظَمَ لِاَجْرِكِ، وَقَالَ بَكْرُ بْنُ مُضَرَ عَنْ عَمْرٍو عَنْ بُكَيْرٍ عَنْ كُرَيْبٍ اِنَّ مَيْمُونَةَ اَعْتَقَتْ

﴿ابن عباس کے آزاد کردہ غلام کریب کہتے ہیں کہ ان سے ام المومنین میمونہ بنت حارث نے بیان کیا کہ اپنی ایک لونڈی انہوں نے آزاد کر دی اور آنحضرت ﷺ سے اجازت نہیں لی۔ جب آنحضرت ﷺ ان کی باری کے دن ان کے پاس تشریف لائے تو انہوں نے بتایا یا رسول اللہ آپ کو معلوم ہے کہ میں نے اپنی لونڈی آزاد کر دی تو آپؐ نے فرمایا کیا واقعی آزاد کر چکی ہو تو انہوں نے کہا جی ہاں۔ آپؐ نے فرمایا اگر وہ لونڈی تم اپنے ماموؤں کو دیتیں تو تم کو زیادہ ثواب ہوتا۔﴾

وضاحت:

امام صاحب نے باب میں یہ فتویٰ بیان کیا تھا کہ شوہر کے ہوتے ہوئے بیوی اگر کوئی لونڈی آزاد کرے تو جائز ہے۔ اس فتویٰ کے تحت یہ روایت لائے ہیں کہ حضرت میمونہؓ نے ایک لونڈی آزاد کی اور اس پر آنحضرت ﷺ نے صاد کیا۔ لیکن آپؐ نے یہ جو فرمایا کہ تم صلہ رحمی کرتیں اور اپنے ماموؤں کو دیتیں تو زیادہ ثواب ہوتا تو اس کی وجہ یہ ہوگی کہ اخوال میں سے کسی کو خاص طور پر ضرورت مند محسوس کیا ہوگا تو یہ حالات پر مبنی ہے، یہ نہیں کہ اخوال کا حق مرجح ہے۔ ماموں کا حق بعد میں آتا ہے اور دوسرے اقرباء کا حق ان پر مقدم ہے۔

۲۶۔ حَدَّثَنَا حِبَّانُ بْنُ مُوسَى اَخْبَرَنَا عَبْدُاللّٰهِ اَخْبَرَنَا يُونُسُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا اَرَادَ سَفَرًا اَقْرَعَ بَيْنَ نِسَائِهِ، فَاَيَّتُهُنَّ خَرَجَ سَهْمُهَا خَرَجَ بِهَا مَعَهُ، وَ كَانَ يَقْسِمُ لِكُلِّ امْرَاَةٍ مِنْهُنَّ يَوْمَهَا وَلَيْلَتَهَا، غَيْرَ اَنَّ سَوْدَةَ بِنْتَ زَمْعَةَ وَهَبَتْ يَوْمَهَا وَلَيْلَتَهَا لِعَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ تَبْتَغِي بِذٰلِكَ رِضَا رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ.

﴿حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی سفر پر جانا چاہتے تو اپنی ازواج پر قرعہ ڈالتے اور جس کا نام قرعہ میں نکلتا اس بیوی کو ساتھ لے جاتے اور ہر بیوی کے پاس باری باری ایک دن رات رہتے۔ البتہ سودہ بنت زمعہؓ نے اپنا دن رات آنحضرت ﷺ کی خوشی کے لیے حضرت عائشہؓ کو بخش دیا تھا۔﴾

وضاحت:

آنحضرت ﷺ کے سفروں میں ازواج میں سے کون ساتھ جائے تو اس میں آپ قرعہ کا طریقہ اختیار فرماتے۔ سفر میں ساتھ جانے کے لیے ایک تنافس اور مقابلہ ازواج میں پیدا ہو سکتا تھا تو اس کے فیصلے کے لیے قرعہ کا طریقہ آپ نے اختیار فرمایا۔ قرعہ کا طریقہ اسلام میں مقبول ہے اور جو لوگ اس کو اوہام پر محمول کرتے ہیں تو یہ غلط ہے۔ اس میں کوئی بات اہل شرک کی نہیں اور نہ کوئی وہم ہے بلکہ ایک فیصلہ ہو جاتا ہے۔ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ آنحضرت ﷺ ہر سفر میں ازواج میں سے کسی کو ساتھ لے جاتے تھے تو میرے علم کے مطابق ہر سفر کے بارے میں یہ ثابت نہیں اور یہ ممکن بھی نہیں ہے کہ ہر چھوٹے بڑے سفر میں ہمیشہ کسی بیوی کو ساتھ رکھا جائے۔

١٥. باب: بِمَنْ يُبْدَأُ بِالْهَدِيَّةِ وَقَالَ بَكْرٌ " عَنْ عَمْرٍو عَنْ بُكَيْرٍ عَنْ كُرَيْبٍ مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ إِنَّ مَيْمُونَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ اَعْتَقَتْ وَلِيدَةً لَهَا فَقَالَ لَهَا وَلَوْ وَصَلْتِ بَعْضَ اَخْوَالِكِ كَانَ اَعْظَمَ لِاَجْرِكِ.

باب: اس بارے میں کہ ہدیہ کا آغاز کن سے کیا جائے۔ اور حضرت ابن عباسؓ کے آزاد کردہ غلام کریب نے کہا کہ نبی ﷺ کی زوجہ حضرت میمونہؓ نے اپنی ایک لونڈی آزاد کر دی تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اس کو اگر تم اپنے ماموؤں میں سے کسی کو دے دیتیں تو تمہارے لیے زیادہ اجر کا باعث ہوتا۔

٢٧۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ اَبِي عِمْرَانَ الْجَوْنِيِّ عَنْ طَلْحَةَ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ رَجُلٍ مِنْ بَنِي تَيْمِ بْنِ مُرَّةَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ لِي جَارَيْنِ فَاِلَى اَيِّهِمَا اُهْدِي قَالَ اِلَى اَقْرَبِهِمَا مِنْكِ بَابًا.

﴿حضرت عائشہؓ سے روایت ہے، انہوں نے کہا یا رسول اللہ میرے دو پڑوسی ہیں تو میں پہلے کس کو ہدیہ بھیجوں

تو آپ نے فرمایا جس کا دروازہ تمہارے دروازہ سے قریب ہو۔

وضاحت:

اس روایت کا باب سے براہ راست تعلق ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمادیا کہ جس کا دروازہ زیادہ قریب ہے وہ زیادہ حق دار ہے۔ اگر دونوں کے دروازے برابر فاصلہ پر ہوں تو دائیں اور بائیں کا فرق کر سکتے ہیں یا باری مقرر کر کے بھیجا جائے۔ پڑوسی کے بہت حقوق بیان ہوئے ہیں اور جہاں تک تحفہ بھیجنے کا تعلق ہے چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی بھیجنے میں عار نہیں محسوس کرنا چاہیے۔ تحفہ کا بھیجنا باہمی محبت اور اخوت کا باعث بنتا ہے۔

١٦. باب: مَنْ لَمْ يَقْبَلِ الْهَدِيَّةَ لِعِلَّةٍ وَقَالَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِالْعَزِيزِ كَانَتِ الْهَدِيَّةُ فِي زَمَنِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ هَدِيَّةً وَالْيَوْمَ رِشْوَةٌ"

باب: اس شخص کے بارے میں جس نے کسی سبب سے ھدیہ قبول نہ کیا اور عمر بن عبدالعزیز کہتے ہیں کہ ھدیہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ھدیہ تھا لیکن آجکل رشوت ہے۔

وضاحت:

اس میں کوئی شک نہیں کہ عمر بن عبدالعزیز، عمر ثانی ہیں۔ پوری تاریخ میں ایک ہی انسان ہے جس نے راتوں رات پوری حکومت کا مزاج بدل کر رکھ دیا۔ کوئی تحریک نہیں چلائی، کوئی لٹریچر نہیں چھاپا، بس تخت حکومت پر بیٹھا اور ہر چیز بدل کا رکھ دی۔ امام مالک ان کا ذکر احد من خلفاء راشدین کے الفاظ سے کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ ھدیہ آنحضرت ﷺ کے زمانے میں ھدیہ ہوتا تھا اور اب تو رشوت رہ گئی ہے یعنی دنیا اتنی بدل گئی تھی۔ اور آج کے دور میں یہ بات صدفی صد صادق آتی ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ اب ھدیہ اور رشوت میں کوئی فرق نہیں رہ گیا۔

٢٨. حَدَّثَنَا اَبُوالْيَمَانِ اَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ" عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ اَخْبَرَنِي عُبَيْدُاللّٰهِ ابْنُ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ اَنَّ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَخْبَرَهُ اَنَّهُ سَمِعَ الصَّعْبَ بْنَ جَثَّامَةَ اللَّيْثِيَّ وَكَانَ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ يُخْبِرُ اَنَّهُ اَهْدَى لِرَسُولِ اللّٰهِ ﷺ حِمَارَ وَحْشٍ وَهُوَ بِالْاَبْوَاءِ اَوْ بِوَدَّانَ وَهُوَ مُحْرِمٌ" فَرَدَّهُ، قَالَ صَعْبٌ" فَلَمَّا عَرَفَ فِي وَجْهِي رَدَّهُ هَدِيَّتِي قَالَ لَيْسَ بِنَا رَدٌّ عَلَيْكَ وَلٰكِنَّا حُرُمٌ"

صعب بن جثامہ لیثی جو نبی ﷺ کے اصحاب میں سے تھے خبر دیتے ہیں کہ انہوں نے نبی ﷺ کی خدمت

میں ایک گورخر تحفہ کے طور پر پیش کیا۔ آپ اس وقت ابواء یا ودان میں حالت احرام میں تھے۔ آپ نے گورخر واپس کر دیا تو کہتے ہیں کہ جب نبی ﷺ نے میرے چہرہ میں کچھ ناگواری کا احساس ہدیہ کو لوٹا دینے پر پایا تو آپ نے فرمایا کہ ہم نے اس لیے لوٹایا کہ ہم حالت احرام میں ہیں۔ ﴾

وضاحت:

پیچھے یہ روایت گزر چکی ہے۔ وہاں میں نے اپنی یہ رائے ظاہر کی تھی کہ صعبؓ نے سالم گورخر نبی ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا حالانکہ آپ احرام کی حالت میں تھے جس میں شکار کی ممانعت ہوتی ہے۔ دوسرے موقع پر ایک صحابی نے شکار کا گوشت بھون کر پیش کیا تو آپ نے اسے تناول فرمایا۔ دوسری صورت میں شکار آپ کے سامنے نہیں تھا۔ گوشت اور شکار میں بڑا فرق ہے اس لیے شکار کو قبول نہیں کرنا چاہیے کہ واضح طریقہ پر حرام ہے۔ گوشت کی صورت میں تحقیق کی ضرورت بھی نہیں ہوتی۔ اس روایت سے ثابت ہوا کہ کسی خاص سبب کے باعث ہدیہ واپس کیا جا سکتا ہے۔

۲۹۔ حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰہِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا سُفْیَانُ عَنِ الزُّھْرِیِّ عَنْ عُرْوَۃَ بْنِ الزُّبَیْرِ عَنْ اَبِی حُمَیْدٍ السَّاعِدِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ اسْتَعْمَلَ النَّبِیُّ ﷺ رَجُلًا مِنَ الاَزْدِ، یُقَالُ لَہُ ابْنُ الاُتْبِیَّۃِ عَلَی الصَّدَقَۃِ فَلَمَّا قَدِمَ قَالَ ھٰذَا لَکُمْ وَ ھٰذَا اُھْدِیَ لِی قَالَ فَھَلَّا جَلَسَ فِی بَیْتِ اَبِیہِ اَوْ بَیْتِ اُمِّہِ فَیَنْظُرَ یُھْدٰی لَہُ اَمْ لَا وَالَّذِی نَفْسِی بِیَدِہِ لَا یَاْخُذُ اَحَدٌ مِنْہُ شَیْئًا اِلَّا جَاءَ بِہِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ یَحْمِلُہُ عَلَی رَقَبَتِہِ، اِنْ کَانَ بَعِیرًا لَہُ رُغَاءٌ اَوْ بَقَرَۃً لَھَا خُوَارٌ اَوْ شَاۃً تَیْعَرُ ثُمَّ رَفَعَ بِیَدِہِ حَتّٰی رَاَیْنَا عُفْرَۃَ اِبْطَیْہِ، اَللّٰھُمَّ ھَلْ بَلَّغْتُ اَللّٰھُمَّ ھَلْ بَلَّغْتُ ثَلَاثًا۔

﴿ابوحمید الساعدی سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ایک صاحب کو، جو قبیلہ ازد کے تھے اور ابن الاتبیہ کہلاتے تھے، زکوٰۃ وصول کرنے پر مامور کیا جب وہ لوٹ کر آئے تو کہا کہ یہ تو سرکاری مال ہے اور یہ مجھے ہدیہ کیا گیا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا اپنے ابا یا اماں کے گھر بیٹھتے تو دیکھتے کہ ہدیہ ملتا ہے یا نہیں ملتا۔ اللہ کی قسم جس کی مٹھی میں میری جان ہے کوئی شخص کوئی چیز رشوت کے طریقہ پر نہیں لے گا مگر یہ کہ قیامت کے دن اس کو اپنی گردن پر اٹھائے ہوگا اگر اونٹ ہوگا تو بلبلا رہا ہوگا، گائے ہوگی تو ڈکرا رہی ہوگی اور بکری ہوگی تو ممنا رہی ہوگی۔ پھر آپ نے دونوں ہاتھ اٹھائے یہاں تک کہ بغل کی سفیدی نظر آنے لگی اور فرمایا کہ اے رب میں نے تیرا پیغام پہنچا دیا، اے رب میں نے تیرا پیغام پہنچا دیا، تین بار کہا۔ ﴾

وضاحت:

رسول اللہ ﷺ نے ابن الاتبیہ کو زکوۃ کی وصولی کے لیے تحصیلدار مقرر کیا۔ وہ گئے تو ان کی خوشنودی کے لیے لوگوں نے زکوۃ دینے کے علاوہ ان کو ہدیے بھی پیش کیے۔ ظاہر ہے کہ یہ ہدیے ان کی سرکاری حیثیت کے باعث دیے گئے۔ اگر وہ اس ڈیوٹی پر مامور نہ کیے جاتے تو لوگ ان کی شخصی حیثیت میں ہدایا ان کے گھر پہنچانے نہ آتے۔ رسول اللہؐ نے اسی چیز کی طرف توجہ دلائی کہ تم جس مال کو اپنا بتا رہے ہو، اگر اپنے ابا اور اماں کے پاس بیٹھے رہتے تو یہ مال تمہیں نہ ملتا۔ گویا اس مال کو بھی حضور نے سرکاری مال قرار دیا۔

پھر آپ نے فرمایا کہ قیامت کے روز رشوت کے طور پر قبول کیے گئے مال کی حالت یہ ہو گی کہ وہ رشوت لینے والے کی گردن پر سوار ہو گا۔ اب آج کے سرکاری اہل کار سوچیں کہ ان کی گردنوں پر کن کن چیزوں کو سوار کرایا جائے گا اور وہ اس مصیبت کا سامنا کیسے کریں گے۔ حضورؐ کے ارشاد سے یہ بات واضح ہے کہ سرکاری عہدہ پر فائز ہوتے ہوئے کسی سے تحفہ قبول کرنا جائز نہیں ہے۔

١٧. باب: اِذَا وَهَبَ هِبَةً اَوْ وَعَدَهُمْ مَاتَ قَبْلَ اَنْ تَصِلَ اِلَيْهِ، وَقَالَ عَبِيدَةُ: اِنْ مَاتَ وَكَانَتْ فُصِلَتِ الْهَدِيَّةُ وَالْمُهْدَى لَهُ حَيٌّ" فَهِيَ لِوَرَثَتِهِ وَاِنْ لَمْ تَكُنْ فُصِلَتْ فَهِيَ لِوَرَثَةِ الَّذِي اَهْدَى وَقَالَ الْحَسَنُ اَيُّهُمَا مَاتَ قَبْلُ فَهِيَ لِوَرَثَةِ الْمُهْدَى لَهُ اِذَا قَبَضَهَا الرَّسُوْلُ.

باب: اس بارے میں کہ اگر ھبہ کر کے یا ھبہ کا وعدہ کر کے کوئی مر جائے اور وہ چیز موہوب لہ کو نہ پہنچی ہو تو اس کا کیا حکم ہے۔

اور عبیدہ نے کہا کہ کوئی ھبہ کرے اور وعدہ کر بیٹھے اور پھر مر جائے اور ھدیہ اسکے پاس سے جدا ہو چکا ہے اور موہوب لہ زندہ ہو تو وہ اس کے وارثوں کا ہو گا۔ اور اگر موہوب لہ کے پاس ھدیہ پہنچنے سے پہلے ھبہ کرنے والا مر جائے تو وہ ہدیہ دینے والے کے وارثوں کا ہو گا۔ اور حسن نے کہا کہ دونوں میں سے کوئی مر جائے وہ موہوب لہ کے وارثوں کا ہو گا اگر اس کا نمائندہ اس پر قبضہ کر چکا ہے۔

وضاحت:

یہ ایک فقہی رائے ہے اور اس سے زیادہ اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ فقہی مسائل میں اختلاف کی بہت گنجائش ہو سکتی ہے۔ امام صاحب کا فرض یہ ہے کہ وہ حدیث بیان کر دیں۔ باقی لوگوں کی عقل پر چھوڑ دیں کہ وہ اس سے استنباط کریں کہ روایت سے کیا نکلتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے کلام میں یہ مسئلہ ہے کہ اگر ایک چیز ثابت ہو گئی تو پھر اس کو ماننا اور اس پر

عمل کرنا واجب ہے۔ فقہا میں امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کو ہم مانتے ہیں لیکن ان کی فقہی آراء پر غور کر کے راجح نقطہ نظر کو تسلیم کرتے ہیں۔

۳۰۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا ابْنُ الْمُنْكَدِرِ سَمِعْتُ جَابِرًا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ لِي النَّبِيُّ ﷺ لَوْ جَاءَ مَالُ الْبَحْرَيْنِ اَعْطَيْتُکَ هٰکَذَا ثَلَاثًا فَلَمْ يَقْدَمْ حَتّٰى تُوُفِّيَ النَّبِيُّ ﷺ فَاَمَرَ اَبُوبَكْرٍ مُنَادِيًا فَنَادٰى مَنْ كَانَ لَهُ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ عِدَةٌ" اَوْ دَيْنٌ" فَلْيَاْتِنَا فَاَتَيْتُهُ فَقُلْتُ اِنَّ النَّبِيَّ ﷺ وَعَدَنِي فَحَثٰى لِي ثَلَاثًا.

﴿حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ اگر بحرین کا مال آیا تو میں تم کو اس طرح تین لپ دوں گا لیکن وہ مال نہیں آیا اور آپ کی وفات ہوگئی۔ پھر حضرت ابوبکرؓ نے ایک منادی کرنے والے سے منادی کروائی کہ نبی ﷺ کا کسی سے وعدہ ہو یا قرض نکلتا ہو تو ہمارے پاس آئے۔ میں گیا اور بتایا کہ مجھ سے آنحضرت ﷺ نے وعدہ کیا تھا تو انہوں نے مجھے تین لپ اس طرح دیئے۔﴾

وضاحت:

ھکذا ثلثا یعنی ہاتھ سے بتایا کہ اس طرح ہاتھوں میں بھر کر تین بار دوں گا۔ لیکن آنحضرت ﷺ کی حیات مبارکہ میں بحرین کا مال نہیں آیا اور جب حضرت ابوبکرؓ کے دور میں یہ مال آیا تو انہوں نے آنحضرت ﷺ کے وعدہ کو پورا کیا۔

۱۸. باب: كَيْفَ يُقْبَضُ الْعَبْدُ وَالْمَتَاعُ وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ كُنْتُ عَلٰى بَكْرٍ صَعْبٍ فَاشْتَرَاهُ النَّبِيُّ ﷺ وَقَالَ هُوَ لَکَ يَا عَبْدَاللّٰهِ.

باب: اس بارے میں کہ غلام پر اور سامان پر کس طرح قبضہ ہوتا ہے۔ اور عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں ایک منہ زور اونٹ پر سوار تھا۔ آنحضرت ﷺ نے اس کو خرید ا اور فرمایا، عبداللہ یہ تمہارا ہے۔

۳۱۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنِ ابْنِ اَبِي مُلَيْكَةَ عَنِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَسَمَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ اَقْبِيَةً وَلَمْ يُعْطِ مَخْرَمَةَ مِنْهَا شَيْئًا فَقَالَ مَخْرَمَةُ يَا بُنَيَّ

انْطَلِقْ بِنَا اِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَانْطَلَقْتُ مَعَهُ فَقَالَ ادْخُلْ فَادْعُهُ لِی قَالَ فَدَعَوْتُهُ لَهُ فَخَرَجَ اِلَيْهِ وَ عَلَيْهِ قَبَاءٌ" مِنْهَا، فَقَالَ خَبَأنَا هٰذَا لَکَ، قَالَ فَنَظَرَ اِلَيْهِ، فَقَالَ رَضِیَ مَخْرَمَةُ.

﴿مسور بن مخرمہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے قبائیں تقسیم کیں لیکن مخرمہ کو کوئی نہیں دی تو مخرمہ نے کہا اے بیٹے مجھے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے چلو۔ میں ان کو لے کر چلا تو انہوں نے کہا کہ گھر میں داخل ہو اور میرے لیے آپؐ کو بلاؤ۔ کہتے ہیں کہ میں نے بلایا تو آپ نکل کر ان کے پاس آئے۔ آپؐ ایک قبا اپنے اوپر ڈالے ہوئے تھے۔ آپؐ نے فرمایا یہ تمہارے لیے چھپا رکھی تھی۔ پھر ان کی طرف دیکھا اور فرمایا مخرمہ راضی ہو گئے۔﴾

وضاحت:

خبانا ھذالک۔ یہ تمہارے لیے چھپایا تھا۔ کیا دلداری ہے آنحضرت ﷺ کی اپنے صحابہ کے لیے۔ کیا فقرہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے تمہارے لیے چھپائی تھی، خوش ہو گئے ہو!

روایت بہت شاندار ہے لیکن سوال یہ ہے کہ اس کا باب سے کیا تعلق ہے۔ بات یہ ہے کہ جب ھبہ کے لفظ کو اتنا وسیع کر دیا گیا کہ ہدیہ، تحفہ وغیرہ سب اس میں شامل کر لیا تو سوال پیدا ہو گیا کہ اس کے لیے ایجاب و قبول شرط ہے۔ آپ کہیں کہ وھبت لک اور لینے والا کہے کہ قبلت۔ لیکن یہ ایک فضول سی بات ہے۔ آخر نبی ﷺ نے حضرت مخرمہ کو جو دیا تو اس میں کہیں بھی نہیں کہا کہ وھبت لک۔ مخرمہ تشریف لائے تو نبی ﷺ نے کہا یہ قبا میں نے تمہارے لیے چھپا رکھی تھی تو وہ خوش ہو گئے۔ لیکن انہوں نے بھی قبلت نہیں کہا۔ تعجب یہ ہے کہ باوجود عقلیت کے حنفیہ بھی اس میں شامل ہیں کہ ایجاب قبول ہونا چاہیے۔ باقاعدہ قانونی ھبہ کے لیے تو یہ شرط سمجھ میں آتی ہے لیکن معمول کا لینا دینا ہو تو اس میں سوسائٹی کا جو طریقہ ہے وہ ٹھیک ہے۔ نکاح کے معاملہ میں احتیاط اس وجہ سے ضروری ہے کہ اس میں شیعہ کے تقیہ کا شبہ ہو سکتا ہے یا اور کئی باتیں خلل انداز ہو سکتی ہیں، اس لیے اس کی قانونی حیثیت الگ ہے اور اس میں ضروری ہے کہ نکاح خوان کہیں کہ میں نے تمہارے نکاح میں دی اور دولہا کہے کہ میں نے قبول کی۔

١٩. باب: اِذَا وَهَبَ هِبَةً فَقَبَضَهَا الْآخَرُ وَلَمْ يَقُلْ قَبِلْتُ

باب: اس بارے میں کہ اگر کوئی شخص ھبہ کرے اور دوسرا اس پر قبضہ کر لے لیکن یہ نہ کہے کہ میں نے قبول کیا۔

وضاحت:

امام صاحب نے جو باب باندھا ہے تو ان کی بات سمجھنے کے لیے چند باتیں بطور تمہید کے ذہن میں رکھیے۔ ایک یہ کہ امام بخاری صرف ایک غیر جانبدار محدث نہیں ہیں۔ میری اس بات سے کوئی غلط فہمی نہ ہو۔ اس سے میرا مطلب یہ ہے کہ ان کا خود ایک مذہب ہے جیسے امام ابوحنیفہ، امام مالک وغیرہ کا ہے۔ ان میں یہ بات نہیں ہے کہ غیر جانبدار آدمی کے طریقہ پر جو روایات ان کے اصولوں پر پوری اترتی ہیں لے لیں جیسے وہ ائمہ حدیث جو غیر جانبدار ہیں، لے لیتے ہیں۔ امام بخاری خود فقیہ ہیں اور وہ اپنی فقہ کو سامنے رکھ کر باب باندھتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ ان کے پیش نظر وہ مسائل نہیں جو دوسرے فقہا کے ہاں ہیں۔ ھبہ کے معاملہ میں دوسرے فقہاء کے ہاں، نکاح کے طریقہ پر یہ شرط ہے کہ ایجاب بھی ہو اور قبول بھی ہو یعنی ایک کہے وھبت لک دوسرا کہے کہ قبلت، تب ھبہ ہوگا۔ مثلاً شوافع کہتے ہیں کہ ایجاب ہونا چاہیے اور قبول بھی ہونا چاہیے۔ ورنہ ان کے نزدیک ھبہ نہیں ہوگا۔ احناف اس میں ایک اور پخ ڈال دیتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ وہ ھبہ جو مشاع ہے، مطلب یہ کہ غیر منقسم اور غیر معین ایک جائیداد ہے جس میں کئی شریک ہیں، اور آپ نے اپنا حصہ ھبہ کر دیا تو ان کے ہاں یہ ھبہ مشاع جائز نہیں ہے، اور یہ بات بھی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ قبضہ کرانا ضروری ہے۔ امام بخاری کے ہاں اور ایک بڑے گروہ کے نزدیک ان شرائط کے بغیر ھبہ ہو جائے گا۔ یہاں جو باب باندھا ہے کہ ایک شخص نے ھبہ کیا دوسرے نے قبضہ کر لیا اور یہ نہیں کہا کہ میں نے قبول کیا تو اس کا حکم کیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس میں اختلاف ہے اس کا حکم بتاتا ہے۔ امام بخاری کی رائے یہ ہے کہ ھبہ ہو جائے گا۔ شوافع کے نزدیک نہیں ہوگا۔ احناف کے نزدیک اگر ھبہ مشاع ہے جس میں بہت سے شریک ہیں تو نہیں ہوگا اور قبضہ اگر نہیں دیا تب بھی نہیں ہوگا۔ ان لوگوں میں یہ اختلاف ہے۔ اس باب سے متعلق امام صاحب کا مذہب یہی ہے کہ قبلت کہنا غیر ضروری ہے، اس کہنے کے بغیر بھی ھبہ ہو جائے گا۔

امام صاحب روایات وہ لاتے ہیں جو ان کے اپنے فقہی اصولوں پر پوری اترتی ہیں لیکن کوئی روایت کہیں ان کے فقہی مسلک کے خلاف پڑتی ہو تب کیا ہوگا۔ تب یہ ہوتا ہے کہ وہاں سے بخاری کے ابواب کا مسئلہ جو بہت پیچیدہ ہے وہ پیدا ہوتا ہے۔ امام بخاری کے حامی اس میں نہایت باریک باریک نکتے پیدا کر کے ایسی روایتیں کہ جو کسی طریقہ سے ابواب کے پاس نہیں آتیں، وہ بہر حال لاتے ہیں۔ روایت جب موجود ہے اور مسلک کے خلاف بھی ہے تو مشکل تو پیدا ہوگی۔ اگر آپ ایک غیر متعلق چیز کو لائیں تو اس میں مشکلیں لازماً پیدا ہوتی ہیں۔ بخاری شریف کے ابواب کی سب سے بڑی مشکل یہی ہے۔

اس باب میں جو روایت لائے ہیں اگرچہ اس میں زہری موجود ہے لیکن زہری کے متعلق یہ بات یاد رکھیے کہ جس روایت میں وہ ہو ضروری نہیں کہ جھوٹی ہو اس لیے کہ کل جھوٹ تو کوئی بھی نہیں بول سکتا۔ اپنی بات ثابت کرنے کے لیے کچھ نہ کچھ سچ بولنا ہی پڑتا ہے۔

۳۲۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مَحْبُوبٍ حَدَّثَنَا عَبْدُالْوَاحِدِ حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ عَنْ اَبِی هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ هَلَكْتُ، فَقَالَ وَمَا ذَاكَ قَالَ وَقَعْتُ بِاَهْلِی فِی رَمَضَانَ قَالَ تَجِدُ رَقَبَةً قَالَ لَا قَالَ فَهَلْ تَسْتَطِيْعُ اَنْ تَصُوْمَ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ قَالَ لَا قَالَ فَتَسْتَطِيْعُ اَنْ تُطْعِمَ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا قَالَ لَا قَالَ فَجَاءَ رَجُلٌ مِنَ الْاَنْصَارِ بِعَرَقٍ وَالْعَرَقُ الْمِكْتَلُ فِيْهِ تَمْرٌ فَقَالَ اذْهَبْ بِهٰذَا فَتَصَدَّقْ بِهٖ قَالَ عَلٰی اَحْوَجَ مِنَّا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، وَالَّذِیْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ مَا بَيْنَ لَابَتَيْهَا اَهْلُ بَيْتٍ اَحْوَجُ مِنَّا قَالَ اذْهَبْ فَاَطْعِمْهُ اَهْلَكَ.

﴿حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا میں تو ہلاک ہو گیا۔ آپؐ نے پوچھا کیا بات ہوئی۔ اس نے کہا میں نے رمضان میں روزہ رکھتے ہوئے بیوی کے ساتھ جنسی تعلق قائم کر لیا۔ آپؐ نے فرمایا کیا تم ایک غلام آزاد کر سکتے ہو اس نے کہا نہیں کر سکتا۔ پھر آپؐ نے پوچھا کیا تم مسلسل دو مہینے روزہ رکھ سکتے ہو؟ اس نے کہا نہیں' آنحضرت ﷺ نے پوچھا کیا تم ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا سکتے ہو؟ اس نے کہا میں یہ بھی نہیں کر سکتا۔ تو اتنے میں انصار کے لوگوں میں سے ایک صاحب کھجوروں کی ٹوکری لے کر آئے تو آپ نے اس شخص سے فرمایا یہ ٹوکری لے جاؤ اور اس کو صدقہ کر دو۔ اس نے کہا یا رسول اللہ اپنے سے زیادہ کسی غریب پر صدقہ کروں۔ یہ بات ہے تو اس ذات کی قسم جس نے آپ کو برحق بھیجا ہے مدینہ کے دونوں پتھریلے کناروں میں ہم سے زیادہ کوئی محتاج نہیں تو آپ نے فرمایا اچھا جاؤ اپنے ہی گھر والوں کو کھلاؤ۔﴾

وضاحت:

امام صاحب کو اس چیز سے بحث نہیں ہے کہ اس روایت سے کیا احکام اور کیا مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ یہ روایت وہ کئی جگہ لائے ہیں تو ہو سکتا ہے کہ ان جگہوں پر اس کے ان پہلوؤں پر بھی بحث کی ہو۔ لیکن یہاں صرف اس لیے لائے ہیں کہ دیکھیے اس آدمی نے ٹوکرا قبول کر لیا اور زبان سے یہ نہیں کہا کہ میں نے قبول کیا اور ھبہ ہو گیا۔ حالانکہ اس کو ھبہ سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔

جہاں تک روایت کے مضمون کا تعلق ہے اس شخص سے جو حرکت ہوئی تھی وہ شریعت کے لحاظ سے جرم ہے۔ اور

اس پر کفارہ آتا تھا تو نبی ﷺ نے اسے مستثنیٰ کر دیا اس لیے کہ وہ بالکل مجبور تھا اور کفارہ ادا کرنے کی استطاعت نہیں رکھتا تھا۔ اور یہ بات بھی ہے کہ کوئی دھوکہ کا اندیشہ بھی نہیں ہے اس لیے کہ اتنا سچا اور بے باک آدمی ہے کہ کسی نے اس کا جرم نہیں دیکھا تھا لیکن اس نے جرم کا اعتراف کر لیا تو معلوم ہوا کہ اس کا ضمیر بیدار تھا اور رسول اللہ ﷺ سے اس نے چھپایا نہیں۔ آنحضرت ﷺ نے جان لیا کہ کس صلاحیت کا آدمی ہے اس لیے آپؐ نے کہہ دیا کہ یہ ٹوکری لے جاؤ اور اپنے گھر والوں کو کھلا دو۔ اس سے یہ بات نکلی کہ کسی شخص کے بارے میں یہ ثابت ہو جائے کہ اس سے کسی ایسے جرم کا ارتکاب ہوا ہے جو کہ شریعت کی رو سے کفارہ کا موجب ہوتا ہے لیکن وہ اس کی استطاعت نہیں رکھتا تو سچائی کے ساتھ اعتراف کرنے پر عدالت اس کو بری کر سکتی ہے۔

شوافع اگر یہ اصرار کرتے ہیں کہ دینے والے کو کہنا چاہیے کہ میں نے ھبہ کیا اور لینے والوں کو کہنا چاہیے کہ میں نے قبول کیا تو یہ لفظی تشقیقات ہیں۔ دنیا کے کاروبار اس طرح نہیں چلتے۔ اصول بنتے ہیں لیکن ان کا مقصد یہ نہیں ہوتا کہ ان میں گرفتار ہو کر آدمی کے لیے دو قدم چلنا بھی دشوار ہو جائے۔ ہاں اگر کوئی اہم معاملہ ہے تو اس کے لیے لکھائی پڑھائی ہوتی ہے، گواہ ہوتے ہیں اور ضابطے ہیں۔ ہر معاملہ میں ایجاب وقبول کی قید لگانا یہ قانون کی لفظی پابندی ہے۔ روایت بہت اچھی اور بہت بابرکت ہے۔ اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ اگر کسی شخص پر کفارہ آتا ہو اور وہ اس کو ادا کرنے کے قابل نہیں تو اس صورت میں کیا ہوگا۔ لیکن امام صاحب نے روایت کو جس مقصد کے لیے استعمال کیا ہے یہاں اس کا موقع نہیں ہے۔

٢٠. باب: إِذَا وَهَبَ دَيْنًا عَلَى رَجُلٍ قَالَ شُعْبَةُ عَنِ الْحَكَمِ هُوَ جَائِزٌ"، وَوَهَبَ الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ لِرَجُلٍ دَيْنَهُ وَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ مَنْ كَانَ لَهُ عَلَيْهِ حَقٌّ" فَلْيُعْطِهِ أَوْ لِيَتَحَلَّلْهُ مِنْهُ، فَقَالَ جَابِرٌ" قُتِلَ أَبِي وَ عَلَيْهِ دَيْنٌ" فَسَأَلَ النَّبِيُّ ﷺ غُرَمَاءَهُ أَنْ يَقْبَلُوا ثَمَرَ حَائِطِي وَ يُحَلِّلُوا أَبِي.

باب: اس بارے میں ہے کہ اگر ایک شخص کا کسی شخص کے اوپر قرض ہے تو وہ ھبہ کر دے۔

شعبہ حکم سے روایت کرتے ہیں کہ یہ جائز ہے اور حسن بن علی علیہما السلام نے ایک شخص کو اپنا قرض ھبہ کر دیا اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جس کے اوپر کوئی حق کسی کا ہو تو چاہیے کہ وہ اس کا حق ادا کر دے اور اگر وہ ایسا نہیں کر سکتا تو چاہیے کہ اس سے معاف کرا لے۔ اور حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ میرے باپ قتل ہوئے تو ان کے اوپر قرض تھا۔ نبی ﷺ نے ان کے قرض خواہوں کو بلوایا اور ان سے خواہش کی کہ ان کے باغ کا جو پھل ہے وہ قبول کر لیں اور ان کے باپ کو قرض کی ذمہ داری سے بری کر دیں۔

وضاحت:

امام صاحب نے یہ پورا باب باندھا ہے اور اس میں وہ اپنے مذہب کی تائید میں حوالے دیتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اگر ان کا اپنا فقہی مذہب نہ ہو اور اس کی تائید مطلوب نہ ہو تو دو لفظوں میں باب باندھا جا سکتا ہے لیکن اس میں انہوں نے اتنی تعلیقات دی ہیں۔ تعلیقات کا مطلب یہ ہے کہ ان ان باتوں سے روایات سے اور واقعات سے وہ اپنے مذہب کی تائید کریں گے۔ اس کتاب کی نوعیت یہ ہے اور اس کو سمجھے بغیر یہ باتیں سمجھ میں نہیں آتیں کہ ان کی ضرورت کیا ہے۔

- باب میں پہلی بات یہ ہے کہ کسی شخص کا کسی پر قرض ہے تو وہ اس کو ھبہ کر سکتا ہے اور شعبہ نے حکم سے روایت کیا ہے کہ یہ جائز ہے۔ ظاہر ہے کہ جائز ہونے میں کوئی اعتراض نہیں ہے اور اس میں حنفیہ کی شرط بھی پوری ہو جاتی ہے کہ قبضہ تو ہے اور اس نے کہہ دیا کہ میں نے ھبہ کر دیا۔ شوافع کے نزدیک بھی یہ جائز ہو جائے گا۔

- اس کے بعد قول نقل ہے حسن بن علی علیہ السلام کا۔ یہ دیکھئے معلوم ہوتا ہے کہ شیعیت اس دور سے گھسی ہوئی ہے۔ حضرت عمرؓ کا، حضرت عثمانؓ کا، حضرت عائشہؓ کا نام آتا ہے تو علیہ السلام نہیں کہیں گے اور یہاں بڑے اہتمام سے کہا گیا۔ یوں تو یہ ٹھیک ہے کہ اس میں کوئی قباحت نہیں اس لیے کہ علیہ السلام ہو، سلمہ اللہ تعالیٰ ہو یا السلام علیکم ہو سب کا مطلب ایک ہی ہے کہ آپ پر اللہ تعالیٰ کی سلامتی ہو تو فرق کیا ہوا۔ لیکن اس وقت فرق ہو جاتا ہے جس کسی لفظ کو استعمال میں کسی کے لیے خاص کر دیتے ہیں۔ 'علیہ السلام' ہم صرف انبیاء کے لیے بولتے ہیں۔ یہ عادت مستمرہ ہے۔ امت کا اس پر عمل ہے اور پھر یہ مبنی بھی ہے قرآن کی آیت وسلام علی المرسلین پر، تو جو چیز ہمارے عام استعمال میں انبیاء کے لیے خاص کر دی جائے تو اس کو صحابہ کے لیے، خواہ وہ کسی درجہ کے ہوں، استعمال نہیں کرنا چاہیے۔

حوالہ یہ ہے کہ حسن بن علیؓ نے ایک شخص کو قرض دیا پھر اس کو ھبہ کر دیا یعنی معاف کر دیا۔

- پھر آنحضرت ﷺ کا ایک قول ہے کہ اگر کسی شخص پر کسی کا حق ہو تو چاہیے کہ اس کو ادا کرے یا معاف کرا لے۔ لیتحللہ یعنی اس کی ذمہ داری سے اپنے کو بری کرا لے۔

- آخر میں حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ میرے باپ قتل ہوئے اور ان پر قرض تھا تو نبی ﷺ نے قرض خواہوں کو بلوایا اور ان سے خواہش کی کہ میرے باغ کا پھل قرض کے بدلے قبول کر لیں اور میرے باپ کو قرض کی ذمہ داری سے بری کر دیں۔ یہ روایت پیچھے بار بار زیر بحث آ چکی ہے۔

امام صاحب ان تمام حوالوں سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ احناف ھبہ کے سلسلے میں جو قید لگاتے ہیں کہ لازم ہے کہ قبضہ ہو یہ درست نہیں ہے۔ حالانکہ یہ بات روایت سے ثابت نہیں ہوتی ہے۔ یہاں جو حوالے ہیں ان میں یہ ہے کہ قرض تو ان کے قبضہ میں ہے ہی اور ھبہ کر دیا تو وہ تو ہو ہی گیا اور وھبت لک یا اس طرح کا جو مفہوم ہے وہ عمل نے ثابت کر دیا ہے۔

۳۳۔ حَدَّثَنَا عَبْدَانُ اَخْبَرَنَا عَبْدُاللّٰهِ اَخْبَرَنَا يُونُسُ، وَقَالَ اللَّيْثُ حَدَّثَنِى يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ حَدَّثَنِى ابْنُ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ جَابِرَ بْنَ عَبْدِاللّٰهِ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَخْبَرَهُ اَنَّ اَبَاهُ قُتِلَ يَوْمَ اُحُدٍ شَهِيدًا فَاشْتَدَّ الْغُرَمَاءُ فِى حُقُوقِهِمْ فَاَتَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ فَكَلَّمْتُهُ فَسَاَلَهُمْ اَنْ يَقْبَلُوا ثَمَرَ حَائِطِى، وَ يُحَلِّلُوا اَبِى فَاَبَوْا، فَلَمْ يُعْطِهِمْ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ حَائِطِى وَلَمْ يَكْسِرْهُ لَهُمْ وَلٰكِنْ قَالَ سَاَغْدُو عَلَيْكَ فَغَدَا عَلَيْنَا حَتّٰى اَصْبَحَ فَطَافَ فِى النَّخْلِ وَدَعَا فِى ثَمَرِهِ بِالْبَرَكَةِ فَجَدَدْتُهَا فَقَضَيْتُهُمْ حُقُوقَهُمْ وَ بَقِىَ لَنَا مِنْ ثَمَرِهَا بَقِيَّةٌ" ثُمَّ جِئْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ وَهُوَ جَالِسٌ" فَاَخْبَرْتُهُ بِذٰلِكَ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ لِعُمَرَ اسْمَعْ وَهُوَ جَالِسٌ" يَا عُمَرُ، فَقَالَ اَلَا يَكُونُ قَدْ عَلِمْنَا اَنَّكَ رَسُولُ اللّٰهِ وَاللّٰهِ اِنَّكَ لَرَسُولُ اللّٰهِ.

﴿حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ ان کے باپ احد کے غزوہ میں شہید ہو گئے تو قرضخواہوں نے جن کے حقوق باقی تھے تنگ کیا تو میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپؐ سے بات کی تو رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں سے کہا کہ میرے باغ کا پھل قبول کر لیں اور میرے باپ کو قرض کی ذمہ داری سے بری کر دیں تو وہ نہ مانے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کو میرا باغ نہیں دیا اور نہ اس میں کچھ کمی کرنے کو تیار ہوئے۔ اس کے برعکس آپ نے فرمایا کہ میں تمہارے پاس کل صبح آؤں گا۔ آپ صبح کو تشریف لائے اور باغ کا چکر لگایا اور اس کے پھلوں کے بارے میں برکت کی دعا کی۔ پھر میں نے باغ کے پھل توڑے اور قرض خواہوں کے سارے حقوق ادا کرائے اور باغ کے پھل میں سے کچھ بچ بھی رہا۔ پھر میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا جبکہ آپؐ تشریف فرما تھے۔ میں نے صورت واقعہ کی آپؐ کو خبر دی تو آپؐ نے حضرت عمرؓ کو، جو وہاں بیٹھے تھے، کہا کہ اے عمر سنتے ہو۔ تو حضرت عمرؓ نے کہا کہ حضور (ﷺ) کیا یہ بات نہیں ہے کہ ہم پہلے سے جانتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، اللہ کی قسم آپ اللہ کے رسول ہیں۔﴾

وضاحت:

اوپر روایت کئی شکلوں میں آ چکی ہے اور ہر جگہ اس کی وضاحت موجود ہے۔ فَلَمْ يُعْطِهِمْ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ حَائِطِى وَلَمْ يَكْسِرْهُ کا ترجمہ میرے نزدیک یہ ہوگا کہ نہ رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کو میرا باغ دیا اور نہ ہی اس میں کچھ کمی کرنے کے لیے تیار ہوئے۔ حضرت جابرؓ کی یہ پیشکش رہی ہوگی کہ باغ کا پھل لے لو اور اتنی رقم اور بھی دے دیں

گے۔ اس پیشکش کو وہ لوگ نہیں مانے تو حضور نے یہ رعایت واپس لے لی۔ اگلے دن صبح سویرے نبی ﷺ تشریف لائے، باغ کے گرد چکر لگایا اور اس کے پھل میں برکت کی دعا کی۔ پھر حضرت جابرؓ سے کہا کہ پھل توڑ کر ان کا قرض ادا کر دیں۔ اس طرح قرض بھی ادا ہو گیا اور کچھ پھل بچ بھی رہا۔

امام صاحب نے جو باب باندھا ہے اس کا اس روایت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اگر ان کی شرطوں کے مطابق کرنا بھی چاہیں تو یہ باغ ھبہ مشاع نہیں تھا۔ باغوں کے بکنے کا جو طریقہ ثابت ہے وہ یہی ہے کہ تخمینہ پر ہوتا ہے۔ خیبر وغیرہ کے سارے معاملات تخمینہ پر ہی ہوتے رہے۔ تخمینہ کے اوپر اگر ھبہ کیا جاتا تو وہ بھی جائز تھا۔ نبی ﷺ نے فرمایا بھی کہ پھل لے لو لیکن وہ راضی نہیں ہوئے تو پھل تول کر دے دیا گیا اور قرض ادا ہو گیا۔ انہوں نے پھل پر قبضہ بھی کر لیا تو اس روایت سے امام صاحب کا مقدمہ ثابت نہیں ہوتا۔ اسی پر شارح بخاری عینی نے بھی کہا ہے کہ یہ غیر متعلق روایت ہے۔ میں بھی یہی کہتا ہوں کہ باب سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ لیکن میں اس کی وضاحت کر دیتا ہوں کہ شرعی لحاظ سے اس مسئلہ میں اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ معاملہ ہر پہلو سے درست ہے۔

نبی ﷺ نے حضرت عمرؓ سے یہ جو کہا کہ 'عمر نے دیکھا' تو اس کا یہ مقصد نہیں تھا کہ خدانخواستہ حضرت عمرؓ کو کوئی شک تھا بلکہ حضور کا مقصد یہ بتانا تھا کہ اگر ایمانداری سے آدمی چلتا ہے تو اللہ تعالیٰ برکت عطا فرماتا ہے۔ انہوں نے کہا، برکت کیوں نہ ہوتی، آپ اللہ کے رسول ہیں۔

۲۱. باب: هِبَةِ الْوَاحِدِ لِلْجَمَاعَةِ، وَقَالَتْ اَسْمَاءُ لِلْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ وَابْنِ اَبِی عَتِیقٍ وَرِثْتُ عَنْ اُخْتِی عَائِشَةَ بِالْغَابَةِ، وَقَدْ اَعْطَانِی بِهِ مُعَاوِیَةُ مِائَةَ اَلْفٍ فَهُوَ لَکُمَا.

باب: ایک شخص واحد کا ھبہ ایک جماعت کے لیے۔ حضرت اسماءؓ نے قاسم بن محمد اور ابن ابی عتیق سے یہ کہا کہ مجھے غابہ کی جو جائیداد میری بہن عائشہ سے وراثت میں ملی تھی اس کے بدلے میں حضرت معاویہؓ نے ایک لاکھ دیا ہے، وہ تم لوگ لے لو۔

وضاحت:

یہاں ایک لاکھ کیا ہیں؟ درہم ہیں یا دینار، اس کا ذکر نہیں ہے۔ باب اس بارے میں ہے کہ ایک شخص واحد ایک جماعت کو ھبہ کرے تو کیا حکم ہے۔ اس باب میں ایک تعلیق ہے کہ حضرت اسماءؓ نے قاسم بن محمد اور ابن ابی عتیق سے یہ کہا کہ

مجھے غابہ کی جو جائیداد حضرت عائشہؓ سے ملی ہے اس کا معاویہؓ نے ایک لاکھ دیا ہے وہ تم لے لو۔ اوپر والے باب میں امام صاحب نے شوافع اور احناف کی تردید کی ہے کہ شوافع کہتے ہیں کہ ایجاب وقبول ضروری ہے اور احناف یہ قید بھی لگاتے ہیں کہ قبضہ ہونا چاہیے۔ یہاں امام صاحب ایک جماعت کو ہبہ کی صورت میں ان دونوں کی تردید کرنا چاہتے ہیں۔ روایت تو آگے آئے گی، باب میں جو تعلیق ہے کہ حضرت اسماءؓ نے دونوں حضرات سے کہا کہ ایک لاکھ جو ملے ہیں وہ تم لے لینا۔ تو دو حضرات جماعت نہیں کہلاتے۔ لیکن مان لیتے ہیں کہ جماعت ہے۔ امام صاحب یہ مثال اس لیے پیش کر رہے ہیں کہ ہبہ مشاع ہے یعنی ہبہ ایسا ہے کہ اس میں متعین نہیں کہ ہر ایک کا کتنا حصہ ہے۔ تو شوافع کے نزدیک تو اس صورت میں بھی ہبہ ہو جائے گا لیکن احناف کے نزدیک نہیں ہوگا۔ لیکن احناف یہ بات اس شکل میں کہتے ہیں کہ جائیداد کے بارے میں کچھ واضح نہ ہو۔ یہ معلوم نہ ہو کہ کوئی جھگڑا ہے، رہن ہے یا کوئی اور رکاوٹ ہے۔ احناف کا منشاء بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے۔ اب امام صاحب نے جو مثال دی ہے وہ بہت صاف ہے۔ یہاں جو دو آدمی ہیں وہ حضرت اسماء کے جانے پہچانے عزیز ہیں۔ اب دو شکلیں ہو سکتی ہیں۔ اگر وہ وارث ہیں تو ان کا مطلب یہ ہوگا کہ وراثت کے قانون کے مطابق جتنا حصہ ہر ایک کا بنتا ہے وہ لے لے۔ اگر وارث نہیں ہیں تو برابر، برابر تقسیم کر لینا، یہی مطلب ہوگا تو اس شکل میں ہر چیز متعین ہے۔ ہبہ مشاع تو یہ نہیں ہوا۔ اس لیے یہ مثال امام صاحب کے حق میں نہیں جاتی۔

۳۴۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ قَزَعَةَ حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنْ أَبِي حَازِمٍ عَنْ سَهْلِ ابْنِ سَعْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أُتِيَ بِشَرَابٍ فَشَرِبَ وَ عَنْ يَمِينِهِ غُلَامٌ وَ عَنْ يَسَارِهِ الْأَشْيَاخُ، فَقَالَ لِلْغُلَامِ إِنْ أَذِنْتَ لِي أَعْطَيْتُ هٰؤُلَاءِ، فَقَالَ مَا كُنْتُ لِأُوثِرَ بِنَصِيبِي مِنْكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَحَدًا، فَتَلَّهُ فِي يَدِهِ.

﴿حضرت سہل بن سعد سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کی خدمت میں شربت کا پیالہ پیش کیا گیا۔ آپؐ نے اسے پیا اور حالت یہ تھی کہ آپؐ کے داہنے ایک لڑکا بیٹھا تھا اور بائیں بزرگ لوگ بیٹھے تھے تو آپؐ نے لڑکے سے کہا کہ اگر تم اجازت دو تو میں یہ پیالہ ان لوگوں کو دے دوں تو لڑکے نے کہا نہیں، مجھے آپ سے جو چیز ملنے والی ہے تو اس معاملہ میں میں ایثار نہیں کر سکتا تو آپ نے پیالہ اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔﴾

وضاحت:

اس روایت کے مضمون پر غور کیجئے، اس سے امام صاحب کا مسلک کیسے واضح ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ صرف اس شکل میں ثابت ہوتا ہے کہ لڑکا اگر دے دیتا تو ان اکابر کے لیے یہ ہبہ ہوتا یعنی ایک جماعت کے لیے ایک شخص واحد کی طرف سے اور یہ ہبہ مشاع ہوتا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا ہبہ کا اطلاق اس طرح کی چیزوں پر ہوتا ہے۔ یہ عطیہ ہے، انعام ہے، مدد یہ ہے، ایک فضیلت ہے۔ الفاظ کی کمی نہیں لیکن ہبہ کیسے ہے۔ ان لوگوں نے بڑی غلطی کی ہے کہ ہر ایک چیز کو ہبہ

کہہ دیا۔ حبہ کا مفہوم الگ ہے۔ یہ ممکن ہے کہ میں اس وقت اس کی کوئی منطقی تعریف نہ کرسکوں لیکن اگر یہ نہ بھی ہو تو کیا کوئی شخص ان چیزوں کا مطلب سمجھنے میں غلطی کرے گا۔ روایتیں سب ٹھیک ہیں لیکن امام صاحب کا فقہی استنباط درست نہیں ہے۔ صحیح بخاری جب پڑھی جائے گی تو فقہ ہی کی شکل میں پڑھی جائے گی وہ دوسری کسی شکل میں مشکل ہوگی۔

٢٢. باب: اَلْهِبَةِ الْمَقْبُوضَةِ وَ غَيْرِ الْمَقْبُوضَةِ وَالْمَقْسُومَةِ وَ غَيْرِ الْمَقْسُومَةِ وَقَدْ وَهَبَ النَّبِيُّ ﷺ وَ اَصْحَابُهُ لِهَوَازِنَ ما غَنِمُوا مِنْهُمْ وَهُوَ غَيْرُ مَقْسُومٍ وَقَالَ ثَابِت" حَدَّثَنَا مِسْعَر" عَنْ مُحَارِبٍ عَنْ جَابِرٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَتَيْتُ النَّبِیَّ ﷺ فِی الْمَسْجِدِ فَقَضَانِی وَزَادَنِی.

باب: اس چیز کے حبہ کے بارے میں جو قبضہ میں ہو یا نہ ہو اور حبہ تقسیم کیا ہوا بھی ہو سکتا ہے اور غیر تقسیم شدہ بھی۔ اور آنحضرت ﷺ اور صحابہؓ نے ہوازن والوں سے جو مال غنیمت پایا تھا وہ ان کو حبہ کر دیا حالانکہ وہ غیر منقسم تھا اور ثابت روایت کرتے ہیں مسعر سے اور وہ محارب سے کہ جابرؓ نے کہا کہ میں مسجد میں آنحضرت ﷺ کے پاس آیا اور آپؐ نے میرا قرض ادا کیا اور کچھ زیادہ دیا۔

وضاحت:

یہ باب جو احناف اور شوافع کے مسلک کے خلاف ہے اس میں امام صاحب نے اپنی بات کو مشید کیا ہے۔ لیکن جیسا کہ میں نے عرض کیا ہے حبہ میں اور انعام، تحفہ، ھدیہ وغیرہ میں فرق ہے۔ حبہ یہ ہے کہ آپ اپنی کوئی ملکیت جس پر آپ کا قبضہ ہے اور تقسیم ہونے کے قابل ہے اس کو آپ قانوناً کسی کو دے دیں۔ قبضہ میں یہ ضروری نہیں کہ آپ کے ہاتھ میں ہو بلکہ قانونی طور پر آپ قابض ہیں، کوئی جائیداد ہے اور پٹواری کے کاغذات میں اندراج ہے تو کافی ہے۔ احناف کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ملکیت مبہم نہ ہو بلکہ آپ کا حصہ جو آپ حبہ کرنا چاہتے ہیں متعین ہو اور تقسیم کے قابل ہو۔ شوافع اور احناف نے یہ شرط بھی لگائی ہے کہ مقبوضہ ہو لیکن امام بخاری اس کے مخالف ہیں اور کہتے ہیں کہ مقبوضہ اور غیر مقبوضہ، مقسومہ اور غیر مقسومہ سب حبہ ہو سکتا ہے۔ اگر ان کے دلائل وزنی ہیں تو جس طریقہ سے امام ابو حنیفہ اور امام شافعی وغیرہم امام ہیں اسی طرح امام بخاری بھی امام ہیں۔ ان کے موقف کی دلیل دیکھی جائے گی۔ یہاں تعلیق نقل کی ہے نبی ﷺ نے حضرت

جابرؓ سے فرمایا کہ مسجد میں آنا ہم قیمت دے دیں گے اور آپ نے قیمت کے علاوہ کچھ اور بھی دیا۔ امام صاحب کے نزدیک یہ ھبہ مشاع ہو گیا حالانکہ اس کو ھبہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ ایک انعام ہے، تحفہ ہے اور اس میں تعیین کی بھی ضرورت نہیں۔

۳۵۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ مُحَارِبٍ سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِاللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا يَقُولُ بِعْتُ مِنَ النَّبِيِّ ﷺ بَعِيْرًا فِي سَفَرٍ، فَلَمَّا اَتَيْنَا الْمَدِيْنَةَ قَالَ ائْتِ الْمَسْجِدَ فَصَلِّ رَكْعَتَيْنِ فَوَزَنَ قَالَ شُعْبَةُ اُرَاهُ فَوَزَنَ لِي فَاَرْجَحَ فَمَا زَالَ مِنْهَا شَيْءٌ حَتّٰى اَصَابَهَا اَهْلُ الشَّامِ يَوْمَ الْحَرَّةِ.

﴿حضرت جابر بن عبداللہؓ کہتے ہیں کہ میں نے سفر میں نبی ﷺ کو اونٹ بیچا۔ پھر جب ہم مدینہ پہنچے تو آپ نے فرمایا کہ مسجد میں آؤ اور دو رکعت نماز پڑھو پھر رقم تول دی۔ شعبہ کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ انہوں نے یوں کہا کہ جھکتا تول دیا۔ اس میں سے کچھ رقم ہمیشہ میرے (جابرؓ) پاس رہتی یہاں تک کہ اہل شام نے حرہ کے حملہ میں اس پر قبضہ کیا۔﴾

وضاحت:

یہاں عربیت کے لحاظ سے ایک لفظ قابل غور ہے کہ: بعت من النبی ﷺ میں نے نبی ﷺ سے بیچا۔ پوری ادبی زندگی میں مجھے اس سے یہاں سابقہ پیش آیا ہے، اب تک ہم لوگ یہ سمجھتے تھے کہ بعت کا مفعول آنا چاہیے۔

حضرت جابرؓ نے کہا کہ قیمت میں جو اضافہ مجھے آنحضرت ﷺ نے دیا اس میں سے کچھ نہ کچھ میرے پاس برابر محفوظ رہا تو ان کا اشارہ برکت کی طرف ہے جو حضور ﷺ نے اضافہ کیا تھا وہ اس وقت تک اس کو سنبھالے رہے جب تک کہ حرہ کی جنگ میں شامیوں نے انہیں اس سے محروم نہ کر دیا۔

سوال یہ ہے کہ روایت کا باب سے کیا تعلق ہے۔ ھبة المقبوضة و غير المقبوضة والمقسومة و غير المقسومة، یہی باب ہے۔ امام صاحب کا اشارہ غالباً اس طرف ہے کہ جو اضافہ آنحضرت ﷺ نے حضرت جابرؓ کو اونٹ کی قیمت پر کیا وہ ھبہ غیر المقسومہ ہے۔ لیکن یہ ھبہ کیسے ہے۔ یہ تو حقیقت میں ایک انعام ہے۔ آپ شاگرد کو ایک انعام دیتے ہیں تو کیا یہ ھبہ ہو گیا۔

۳۶۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ عَنْ مَالِكٍ عَنْ اَبِي حَازِمٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اُتِيَ بِشَرَابٍ وَ عَنْ يَمِيْنِهِ غُلَامٌ وَ عَنْ يَسَارِهِ اَشْيَاخٌ فَقَالَ لِلْغُلَامِ اَتَاْذَنُ لِي اَنْ اُعْطِيَ هٰؤُلَاءِ فَقَالَ الْغُلَامُ لَا وَاللّٰهِ لَا اُوْثِرُ بِنَصِيْبِي مِنْكَ اَحَدًا فَتَلَّهُ فِي يَدِهِ.

﴿سہل بن سعدؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پینے کی کوئی چیز پیش کی گئی۔ آپ کے دہنے ایک لڑکا بیٹھا تھا اور بائیں جانب اکابر تشریف فرما تھے تو آپ نے لڑکے سے کہا کہ تم مجھے اجازت دیتے ہو کہ میں یہ پیالہ اکابر کو دوں تو لڑکے نے کہا نہیں حضور، اللہ کی قسم میں آپ کا تبرک کسی کو دینے والا نہیں تو آپؐ نے وہ پیالہ اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔﴾

وضاحت:

یہ آنحضرت ﷺ کا تبرک تھا تو یہ ہبہ کیسے ہوگیا۔ اور یہ جو معاملہ داہنے اور بائیں کا ہے، یہ آداب میں سے ہے، احکام میں سے نہیں ہے۔ اگر آنحضرت ﷺ پیالہ اکابر کی طرف بڑھا دیتے تو جو آداب آپ سکھانا چاہتے تھے یہ بات اس کے خلاف ہوتی۔

٢٧۔ حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عُثْمَانَ بْنِ جَبَلَةَ قَالَ اَخْبَرَنِی اَبِی عَنْ شُعْبَةَ عَنْ سَلَمَةَ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا سَلَمَةَ عَنْ اَبِی هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ لِرَجُلٍ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ دَيْنٌ" فَهَمَّ بِهٖ اَصْحَابُهٗ، فَقَالَ دَعُوْهُ فَاِنَّ لِصَاحِبِ الْحَقِّ مَقَالًا، وَقَالَ اشْتَرُوا لَهٗ سِنًّا فَاَعْطُوْهَا اِيَّاهُ فَقَالُوْا اِنَّا لَا نَجِدُ سِنًّا اِلَّا سِنًّا هِیَ اَفْضَلُ مِنْ سِنِّهٖ قَالَ فَاشْتَرُوْهَا فَاَعْطُوْهَا اِيَّاهُ فَاِنَّ مِنْ خَيْرِكُمْ اَحْسَنَكُمْ قَضَاءً.

﴿حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص کا رسول اللہ ﷺ کے ذمہ قرض آتا تھا۔ (وہ آیا اور تقاضا کیا اور سخت الفاظ کہے) نبی ﷺ کے صحابہؓ نے چاہا کہ اس کی خبر لیں تو آپؐ نے کہا اس کو چھوڑو۔ جس کا کچھ حق ہوتا ہے اس کو کچھ کہنے کا بھی حق ہے۔ اور آپؐ نے حکم دیا کہ اس سے جو اونٹ لیا تھا اس سن کا اونٹ خرید و اور اس کو دو۔ (جس عمر کا اونٹ اس سے لیا گیا تھا اس عمر کا اونٹ نہیں ملا) تو لوگوں نے کہا کہ ہمارے پاس جو مال ہے اس میں اس سے افضل سن کا اونٹ ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ اس کے لیے وہی خرید و اور اس کو دے دو کیونکہ تم میں بہتر آدمی وہ ہے جو اپنے ذمہ واجبات کی ادائیگی بھی بہتر طریقے سے کرے۔﴾

وضاحت:

لصاحب الحق مقالا یعنی جس کا کچھ حق نکلتا ہے تو اس کو کچھ کہنے کا بھی حق ہے۔ تو یہ حکمت کا بہت بڑا کلیہ بیان ہوگیا۔ دوسرے یہ کہ پہلے سے کوئی شرط نہ ہو اور اپنی آزاد مرضی سے اپنے اعلیٰ اخلاق کا مظاہرہ کرتے ہوئے کوئی شخص

قرض کی واپسی میں بہتر مال دیتا ہے تو یہ چیز پسندیدہ ہے اور ربا نہیں ہے۔ احسنکم قضاء تم میں بہتر وہ ہیں جو بہتر طریقہ سے ادائیگی کریں۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ امام صاحب نے باب جو باندھا ہے وہ ہے ھبۃ المقبوضۃ وغیر المقبوضۃ والمقسومۃ و غیر المقسومۃ تو اس روایت کو باب سے کیا تعلق ہے۔ کیا ترجمہ باب اس سے ثابت ہوتا ہے؟ شاید وہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جتنا مال اکٹھا تھا اس پر قبضہ نہیں کیا اور ھبہ کر دیا۔

۲۳. باب: إِذَا وَهَبَ جَمَاعَةٌ لِقَوْمٍ.

باب: اس بات کا کہ کوئی جماعت کسی دوسری جماعت کو ھبہ کرے

۳۶۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ أَنَّ مَرْوَانَ بْنَ الْحَكَمِ وَالْمِسْوَرَ بْنَ مَخْرَمَةَ أَخْبَرَاهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ حِينَ جَاءَهُ وَفْدُ هَوَازِنَ مُسْلِمِينَ فَسَأَلُوهُ أَنْ يَرُدَّ إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ وَ سَبْيَهُمْ فَقَالَ لَهُمْ مَعِي مَنْ تَرَوْنَ وَ أَحَبُّ الْحَدِيثِ إِلَيَّ أَصْدَقُهُ فَاخْتَارُوا إِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ إِمَّا السَّبْيَ وَ إِمَّا الْمَالَ وَقَدْ كُنْتُ اسْتَأْنَيْتُ، وَكَانَ النَّبِيُّ ﷺ انْتَظَرَهُمْ بِضْعَ عَشْرَةَ لَيْلَةً حِينَ قَفَلَ مِنَ الطَّائِفِ، فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ غَيْرُ رَادٍّ إِلَيْهِمْ إِلَّا إِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ قَالُوا فَإِنَّا نَخْتَارُ سَبْيَنَا فَقَامَ فِي الْمُسْلِمِينَ فَأَثْنَى عَلَى اللَّهِ بِمَا هُوَ أَهْلُهُ، ثُمَّ قَالَ أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّ إِخْوَانَكُمْ هَؤُلَاءِ جَاءُونَا تَائِبِينَ وَ إِنِّي رَأَيْتُ أَنْ أَرُدَّ إِلَيْهِمْ سَبْيَهُمْ فَمَنْ أَحَبَّ مِنْكُمْ أَنْ يُطَيِّبَ ذَلِكَ فَلْيَفْعَلْ، وَ مَنْ أَحَبَّ أَنْ يَكُونَ عَلَى حَظِّهِ حَتَّى نُعْطِيَهُ إِيَّاهُ مِنْ أَوَّلِ مَا يُفِيءُ اللَّهُ عَلَيْنَا فَلْيَفْعَلْ فَقَالَ النَّاسُ طَيَّبْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ لَهُمْ، فَقَالَ لَهُمْ إِنَّا لَا نَدْرِي مَنْ أَذِنَ مِنْكُمْ فِيهِ مِمَّنْ لَمْ يَأْذَنْ فَارْجِعُوا حَتَّى يَرْفَعَ إِلَيْنَا عُرَفَاؤُكُمْ أَمْرَكُمْ فَرَجَعَ النَّاسُ فَكَلَّمَهُمْ عُرَفَاؤُهُمْ، ثُمَّ رَجَعُوا إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَأَخْبَرُوهُ أَنَّهُمْ طَيَّبُوا وَ أَذِنُوا وَهَذَا الَّذِي بَلَغَنَا مِنْ سَبْيِ هَوَازِنَ، هَذَا آخِرُ قَوْلِ الزُّهْرِيِّ يَعْنِي فَهَذَا الَّذِي بَلَغَنَا.

﴾ مروان بن حکم اور مسور بن مخرمہ روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کے پاس جب ہوازن کے لوگوں کا وفد مطیع ہو کر آیا تو انہوں نے اپنا مال اور اپنے قیدی لوٹانے کا مطالبہ کیا۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ میرے ساتھ جو ہیں تم دیکھتے ہو اور صاف بات یہ ہے کہ سچی بات کہہ دینا بہتر ہوتا ہے۔ پس تم ایک چیز اختیار کرو یا قیدی لو یا مال لو۔

میں نے تو معاملہ کو نمٹا لا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ طائف سے لوٹ کر آئے تو دس راتوں سے زیادہ ان لوگوں کا انتظار کرتے رہے۔ جب ان لوگوں پر واضح ہو گیا کہ نبی ﷺ ایک ہی چیز واپس کریں گے تو ان لوگوں نے کہا پھر تو ہم قیدیوں کو لینا چاہتے ہیں۔ ان کا یہ فیصلہ سن کر نبی ﷺ خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کی اس کے شایان شان ثنا کی اور فرمایا اما بعد اے لوگو تمہارے یہ بھائی توبہ کر کے ہمارے پاس آئے ہیں۔ میری رائے یہ ہے کہ ان کے قیدی ان کو واپس کر دوں تو تم میں سے جو راضی خوشی قیدی لوٹانا چاہے وہ لوٹا دے اور جو چاہے کہ اپنے حصہ پر قائم رہے یہاں تک کہ آئندہ جو پہلی فے کا مال آئے گا اس میں سے ہم اس کو پورا کر دیں تو وہ یہ بھی کر سکتا ہے۔ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ ہم خوشی سے قیدیوں کو لوٹا دیتے ہیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا مجھے پتا نہیں چلا کہ کس نے اجازت دی ہے اور کس نے نہیں دی اس لیے واپس جاؤ اور تمہارے عرفاء (مانیٹر لوگ) تحقیق کر کے تمہاری رائے ہمارے آگے پیش کریں۔ تو لوگ لوٹ گئے اور ان کے مانیٹروں نے ان سے بات کی اور پھر نبی ﷺ کے پاس آئے اور بتایا کہ سب لوگ راضی خوشی قیدیوں کو لوٹانے پر تیار ہیں۔ ہوازن کے قیدیوں کا معاملہ یہ ہے جو ہم کو پہنچا۔ یہ آخری قول زہری کا ہے۔ ﴾

وضاحت:

یہ روایت کئی بار آ چکی ہے اور اس میں شبہ نہیں کہ جماعتی زندگی کے اصول اس سے نکلتے ہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ مانیٹر سسٹم پہلے ہی مرحلہ میں قائم کر لیا گیا تھا۔ الگ الگ جتنی ٹکڑیاں تھیں ان کے لیڈر متعین کر لیے گئے تھے اور ہر معاملہ میں یہ اندازہ کیا جاتا تھا کہ اجتماعی طور پر لوگوں کا منشاء کیا ہے۔ بنی اسرائیل کے ہاں بھی مانیٹر سسٹم تھا۔

ہوازن کا معاملہ سیاسی اور اجتماعی تھا۔ یہ عرب لوگ تھے اور آخر میں اہل عرب کے بارے میں یہ فیصلہ ہو گیا کہ اسلام قبول کریں یا قتل ہوں لیکن ہوازن کی بات اس قطعی فیصلہ سے پہلے کی ہے۔ آنحضرت ﷺ کو اس بارے میں تردد تھا کہ کیا فیصلہ کریں اور کافی عرصہ تک آپؐ نے ان کا انتظار کیا جب وہ نہیں آئے تو آپؐ نے قیدیوں کو بانٹ دیا کہ ان کے کھانے پینے اور نگرانی کا کام چلتا رہے اور جو فیصلہ ہو گا کر دیا جائے گا۔ بعد میں جو فیصلہ قرآن میں اہل عرب کے لیے ہوا اس میں یہ ہے کہ وہ ایمان لائیں ورنہ قتل کر دیے جائیں۔ وہ نہ تو قیدی بنائے جا سکتے تھے اور نہ غلام۔ یہ صرف اہل عرب کے لیے اس سنت الٰہی کے تحت ہے کہ جس قوم کی طرف رسول کی بعثت براہ راست ہوتی ہے، اور رسول سے بڑھ کر اتمام حجت کا اور کوئی ذریعہ نہیں، تو اس قوم کے لیے ایک ہی راہ ہے، ایمان لائیں یا قتل کیے جائیں۔ غیر عرب لوگ اگر ایمان نہیں لاتے تو

ہمارے نظام کی اطاعت کریں تاکہ دوسروں پر ان کا زور و جبر نہ چل سکے اور اسلامی حکومت کو جزیہ دیں۔ میری تحقیق یہی ہے کہ ہوازن قیدی نہیں بنائے جا سکتے تھے اور جب قبیلے کے لوگ مطیع ہو کر اسلام قبول کر کے آئے تو آپؐ نے ان کے قیدی واپس کر دیے۔

ہوازن کی اس روایت کو امام صاحب نے کئی جگہ لیا ہے۔ اس سے بہت سارے مسائل نکلتے ہیں لیکن امام صاحب کی عادت یہ ہے کہ وہ ایسے نتائج نکالتے ہیں جن کی طرف کسی کا ذہن نہ جائے۔ باب باندھا ہے تو یہ کہ ھبہ کرے ایک جماعت ایک قوم کو تو یہ بات ٹھیک ہے۔ مسلمانوں نے من حیث الجماعت ہوازن کے تمام قیدیوں کو ان کی قوم کے حوالے کر دیا۔ لیکن یہ مسئلہ اس سوال سے متعلق ہے کہ اسلامی اسٹیٹ میں جنگی قیدیوں کے معاملہ میں کیا اختیارات ہیں۔ یہاں باب میں یہ جو کہہ دیا کہ ھبہ جماعت کا جماعت کے لیے تو یہ بات اپنی جگہ درست ہے اور اجتماعی ادارے اسی اصول پر چلتے ہیں۔ ھبہ جماعت کا جماعت کے لیے، حنفیہ اور شوافع دونوں کے نزدیک جائز ہے۔ حنفیہ اگر یہ بات کہتے ہیں کہ ھبہ مشاع جائز نہیں ہے تو ان کا مطلب یہ ہے کہ اس کی تقسیم نہ ہوئی ہو اور مشکل ہو۔ ایسی چیز ہو کہ جس کی تقسیم میں جھگڑے پیدا ہو سکتے ہیں۔ اگر قابل تقسیم ہے تو ٹھیک ہے، جائز ہے۔ اس زمانے میں تو دریائے سندھ کا پانی بھی قابل تقسیم ہے۔ ناپ کر بتا دیتے ہیں کہ اتنے لاکھ کیوسک پنجاب کا ہے اور اتنے لاکھ سندھ کا۔ اس زمانے میں یہ مسئلہ کچھ مشکل نہیں رہا۔ تاہم اسلامی اصول یہ ہے کہ معاملات کی اس نوعیت سے بچا جائے جس میں نزاع پیدا ہو سکتا ہے۔ اسی طرح قبضہ کا جو مطلب احناف لیتے ہیں تو یہ معنی نہیں کہ آپ کی مٹھی میں ہو۔ آپ لاہور میں رہتے ہیں اور آپ کا ایک مکان راولپنڈی میں ہے اور آپ کاغذات دکھا کر ثبوت دے سکتے ہیں کہ آپ کا قبضہ ہے تو یہ کافی ہے۔ اگر آپ نے کسی کو گھوڑا ھبہ کیا اور وہ اس پر سوار بھی ہے تو ایسا قبضہ ہے کہ اس کی مثال نہیں۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت عمرؓ سے گھوڑا خریدا اور ابن عمرؓ سے کہا کہ تم لے لو اور وہ ابن عمرؓ اس پر سوار بھی تھے۔ اب اس سے یہ بحثیں نکالنا کہ پہلے گھوڑے کو قبضہ میں کرتے تو یہ غیر ضروری ہے۔ ان باتوں پر ہنسی آتی ہے لیکن اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اصل مرکز میں مسئلہ کی صورت وہ نہیں تھی بلکہ بعد میں متاخرین نے جو تحقیقات کی ہیں اس کی وجہ سے بات جھگڑو بن گئی ہے۔ فقہ پر غور کرنے کا جو فطری طریقہ ہے وہ ضروری ہے۔

روایت میں ابن شہاب ہے مگر چونکہ روایت مختلف طریقوں سے آئی ہے اور اس سے مفید نتائج پیدا ہوتے ہیں تو اس لیے یہ ان باتوں میں سے نہیں ہے کہ محض اس کی سرشت کی بنیاد پر اس کو رد کر دیا جائے۔ یہ روایت دوسرے واسطوں سے بھی آئی ہے۔ روایت کے آخر میں امام صاحب نے زہری کا پھر حوالہ دیا ہے۔ غالباً یہ زہری سے غیر معمولی عقیدت کے باعث ہے کہ ہر اداان کی یاد رہتی ہے۔

۲۴۔ باب: مَنْ اُهْدِیَ لَهُ هَدِیَّةٌ" وَ عِنْدَهُ جُلَسَاؤُهُ فَهُوَ اَحَقُّ وَ یُذْکَرُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ جُلَسَاءَهُ شُرَکَاءُ وَلَمْ یَصِحَّ.

باب: اس بارے میں کہ اگر کسی کو کوئی حدیہ پیش کیا جائے اور اس کے پاس دوسرے ہم نشین بھی بیٹھے ہوئے ہوں تو جس کو پیش کیا گیا وہ اس حدیہ کا حق دار ہے اور ابن عباسؓ سے مذکور ہے کہ وہ کہا کرتے تھے کہ شریک مجلس اس میں شریک ہوں گے، لیکن یہ بات صحیح نہیں ہے۔

وضاحت:

ولم یصح کے دو مطلب ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ ابن عباسؓ کی یہ بات صحیح نہیں ہے اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہی کا انکار ہو۔ دونوں میں فرق ہو جائے گا کیونکہ یہ تعلیق مجھے ملی نہیں اس لیے میں نہیں کہہ سکتا کہ امام صاحب کا مطلب کیا ہے۔

باب اس بارے میں ہے کہ اگر کسی کو ہدیہ دیا جائے اور اس کے پاس اور لوگ بھی بیٹھے ہوں تو ہدیہ اسی کا حق ہوگا جس کو دیا گیا۔ میرا خیال ہے کہ اس کا تعلق حالات پر بھی ہے۔ مثلاً ایک شخص نے بچے کو قرآن پڑھانا شروع کیا اور مجلس میں لوگ بیٹھے ہوئے ہیں اور کسی نے بچے کے باپ کو لڈوؤں کا ایک ڈبہ پیش کیا تو ظاہر ہے کہ منشا بھی ہے کہ تقسیم ہوں تو اور لوگ بھی حق دار ہو گئے۔ لیکن ایک شخص حج کر کے آیا ہے اور ایک ٹوپی لایا ہے تو بے شک اسی کا حق ہوگا جس کو دی گئی۔ یہ تقسیم تو نہیں ہو سکتی۔ یعنی بہت ساری چیزیں ہوں گی اور قرینہ بھی ہوگا کہ دوسرے بھی شریک ہو سکتے ہیں یا نہیں ہو سکتے۔ باب میں یہ ہے کہ کوئی امتیاز نہیں کیا ہے اور ہر حالت میں حق دار وہی ہوگا جس کو دیا گیا۔ حضرت ابن عباسؓ کا قول بالکل اس کے مقابل میں ہے کہ دوسرے بھی شریک ہوں گے۔ ہو سکتا ہے کہ قرینہ اس بات کا ہو کہ دوسرے بھی شریک ہو سکتے ہوں لیکن ٹوپی والے معاملہ میں آپ کیا کریں گے۔

حدیثوں کو سمجھنے میں بڑی غلط فہمی اس وجہ سے بھی ہے کہ لوگ بے تکلف مطلق کو مقید اور مقید کو مطلق کر دیتے ہیں حالانکہ غور کرتے وقت یہ دیکھنا چاہیے کہ ہر مطلق کہیں مقید تو نہیں اور اسی طرح ہر مقید کہیں مطلق تو نہیں ہے۔ یہاں حضرت ابن عباسؓ سے جو قول منسوب ہے اس میں سقم ہے اور امام صاحب کی بات میں بھی سقم ہے۔ لیکن میں یہ بتا چکا ہوں کہ یہ فقہ کی کتاب ہے اور فقہ کے متعلق یہ بات یاد رکھیے کہ سب سے صحیح طریقہ امام مالک کا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ السنة عندنا

ھکذا مطلب یہ ہے کہ فقہی مذہب میں ہماری جو رائے قائم ہوگئی وہ ایک رائے ہے اور اس کے خلاف بھی کسی کی رائے ہو سکتی ہے۔ اس معاملہ کو دین کا ایک مستقل مسئلہ یا ایک منصوص چیز بنانا ٹھیک نہیں۔ اگر آپ ایک منصوص چیز بنائیں گے تو بڑے جھگڑے پیدا ہوں گے جیسا کہ آج کل پیدا ہو رہے ہیں۔ یہ نصوص کے نہیں بلکہ تمام تر فقہی اختلافات کے جھگڑے ہیں۔ البتہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص فقہی رائے قائم کرتا ہے تو وہ اپنی رائے رکھے گا۔ حکومت کی جو رائے ہوگی اس کی مخالفت نہیں کرے گا اور قانون کے معاملہ میں اسی کی پیروی کرے گا۔ رویت ہلال کمیٹی نے اگر اعلان کر دیا ہے کہ چاند دیکھا گیا ہے تو یہ اپنی رائے پر اصرار نہیں کرے گا۔ اس لیے کہ اس کی رائے بہرحال ایک آدمی کی رائے ہے۔ کمیٹی نے رائے قائم کی ہوگی تو لوگوں کی رائے معلوم کر کے کی ہوگی اور اس کی ایک بنیاد ہے۔ فقاہت کے اس پہلو کو ہمیشہ ملحوظ رکھنا چاہیے۔

حضرت ابن عباسؓ کے الفاظ کی تعلیق دونوں معنوں میں بہرحال مجروح ہے۔ امام صاحب یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ وہ روایت صحیح نہیں ہے اس لیے کہ ان سے زیادہ کسی کا باخبر ہونا مشکل ہے۔

۳۷۔ حَدَّثَنَا ابْنُ مُقَاتِلٍ اَخْبَرَنَا عَبْدُاللّٰهِ اَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ كُهَيْلٍ عَنْ اَبِی سَلَمَةَ عَنْ اَبِی هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ اَنَّهُ اَخَذَ سِنًّا، فَجَاءَ صَاحِبُهُ يَتَقَاضَاهُ، فَقَالَ اِنَّ لِصَاحِبِ الْحَقِّ مَقَالًا، ثُمَّ قَضَاهُ اَفْضَلَ مِنْ سِنِّهِ، وَقَالَ اَفْضَلُكُمْ اَحْسَنُكُمْ قَضَاءً.

﴿حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ایک خاص سن کا اونٹ کسی سے قرض لیا جب اونٹ کا مالک آیا اور تقاضا کرنے لگا (جس میں سختی کی) تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس کا کچھ حق نکلتا ہے اس کو کچھ کہنے کا بھی حق ہے اور پھر آپؐ نے اس سے بہتر سن کا اونٹ ادا کیا اور فرمایا تم سب سے بہتر آدمی وہ ہے جو اپنے ذمہ قرض کی ادائیگی میں بہتر ہے۔﴾

وضاحت:

یہ روایت کئی اسناد پر اوپر گزر چکی ہے۔ یہاں یہ نہایت مختصر ہے۔ جب تک مفصل روایت سامنے نہ ہو اس کو سمجھنے میں مشکل پیدا ہوگی۔ ہمارے ہاں جانوروں کی قدر و قیمت کا اندازہ دانت پر ہوتا ہے۔ دو دانت ہیں، چار ہیں یا چھ ہیں۔ عرب میں ہو سکتا ہے کہ دانت ہی سے جانور کی عمر کا اندازہ کیا جاتا ہو لیکن تعبیر اس کی سن سے ہے۔ آنحضرت ﷺ نے ایک شخص سے خاص سن کا اونٹ لیا۔ اس نے تقاضا کرنے میں کچھ سختی سے کام لیا تب ہی بات کا موقع پیدا ہوتا ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ جس کا کچھ حق نکلتا ہو اس کو کچھ کہنے کا بھی حق ہے۔ ان لصاحب الحق مقالا یہ ایک کلیہ آپؐ نے فرمادیا۔ یہ ضروری نہیں کہ ہر کوئی شرافت اور نرمی ہی سے تقاضا کرے، اگر وہ سختی کرتا ہے تو اس کو حق ہے۔ پھر آپؐ نے اس کو بہتر سن کا اونٹ واپس کیا اور فرمایا کہ افضلکم احسنکم قضاء سب سے اچھا آدمی وہ ہے جو ادائیگی کرنے میں سب سے اچھا

ہو۔ اب یہ دوسرا کلیہ آپؐ نے فرمایا۔ یہ دونوں قول احسن اخلاق کی بنیادی تعلیم میں سے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ یہاں اس روایت کو نقل کرنے کا کیا فائدہ ہے اور باب سے اس کا کیا تعلق ہے۔ امام صاحب کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے سن میں جو اضافہ کیا، بہتر طریقہ سے ادائیگی کرنے میں کچھ دیا تو حق اسی کا ہے جس کو دیا گیا۔ هدیہ گویا آپ نے دیا۔ اول تو امام صاحب کی یہ زیادتی ہے کہ هدیہ، تحفہ، عطیہ، صدقہ وغیرہ، سب کو ایک اصطلاح کے تحت لا رہے ہیں۔ دوسرا یہ کہ اس کا حق سمجھے تو اس کا مال تھا۔ اس نے مطالبہ کیا تو آپؐ نے ادائیگی میں کچھ اضافہ فرما دیا۔ وہ کس کا حق ہوگا۔ ظاہر ہے کہ اسی کا ہوگا، وہاں موجود دوسرے لوگوں کا نہیں ہوگا۔ اس روایت سے امام صاحب کا استدلال میری سمجھ میں نہیں آتا۔ باب میں جو خاص بات نظر آئی اس کی میں نے نشاندہی کر دی اور روایت سے جو استدلال ہے وہ میرے نزدیک صحیح نہیں ہے۔

۳۸۔ حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ عَمْرٍو عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّهُ كَانَ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي سَفَرٍ، فَكَانَ عَلَى بَكْرٍ لِعُمَرَ صَعْبٍ فَكَانَ يَتَقَدَّمُ النَّبِيَّ ﷺ فَيَقُولُ اَبُوهُ يَا عَبْدَاللّٰهِ لَا يَتَقَدَّمُ النَّبِيَّ ﷺ اَحَدٌ" فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ ﷺ بِعْنِيهِ فَقَالَ عُمَرُ هُوَ لَكَ فَاشْتَرَاهُ ثُمَّ قَالَ هُوَ لَكَ يَا عَبْدَاللّٰهِ فَاصْنَعْ بِهِ مَا شِئْتَ.

﴿حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک سفر میں وہ نبی ﷺ کے ساتھ ایک منہ زور اونٹ پر سوار تھے جو حضرت عمرؓ کا تھا۔ وہ اونٹ بار بار نبی ﷺ سے آگے نکل جاتا تھا تو ان کے باپ کہتے کہ اے عبداللہ دیکھو کوئی نبی ﷺ سے آگے نہ بڑھنے پائے۔ نبی ﷺ نے ان سے پوچھا کہ مجھے بیچتے ہو؟ تو حضرت عمرؓ نے کہا کہ آپ کی خدمت میں پیش ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اس طرح قبول نہیں کیا اور خرید لیا۔ پھر آپ نے فرمایا اے عبداللہ، یہ تمہارا ہے، اب اسے تم جو چاہو کرو۔﴾

وضاحت:

یہ روایت امام صاحب ان ابواب میں بھی لائے ہیں جہاں اس کی صحیح تعلیم واضح ہوتی ہے لیکن یہاں اس کا کوئی موقع نہیں ہے۔ اس سے یہ ثابت نہیں کیا جا سکتا کہ جماعت کی موجودگی میں اگر کوئی چیز کسی کو دی جائے تو لازماً اسی کا حق ہے۔ ابن عمرؓ کا حق اس لیے بنا کہ حضور ﷺ نے وضاحت کے ساتھ فرمایا کہ اے عبداللہ، یہ میں نے تم کو دیا۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ جتنے عقلمند آدمی ہوں گے سمجھ جائیں گے کہ اس میں ہمارا کوئی حصہ نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ موقع کیا تھا، اگر کوئی بانٹنے کی چیز ہوتی تو بات اور تھی۔

آنحضرت ﷺ نے اونٹ جو خریدا ہے تو یہ حضرت عمرؓ کے ساتھ ایک پر لطف بات کی ہے اور ایسے امور اخلاق کے مظاہر میں سے ہوتے ہیں۔ بہر حال روایت یہاں لانے کا کوئی تک نہیں ہے۔

۲۵۔ باب: إِذَا وَهَبَ بَعِيرًا لِرَجُلٍ وَهُوَ رَاكِبُهُ فَهُوَ جَائِزٌ" وَقَالَ الْحُمَيْدِيُّ

حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا عَمْرٌو عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي سَفَرٍ وَكُنْتُ عَلَى بَكْرٍ صَعْبٍ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ لِعُمَرَ بِعْنِيهِ فَابْتَاعَهُ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ هُوَ لَكَ يَا عَبْدَاللّٰهِ.

باب: اس بارے میں کہ اگر کسی نے اونٹ دیا اس حال میں کہ جس کو دیا وہی اس پر سوار ہے تو یہ جائز ہے۔

اور ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ وہ نبی ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں ایک منہ زور اونٹ پر سوار تھے تو آنحضرت ﷺ نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ مجھے بیچ دو۔ پھر آپ نے اس کو خریدا اور فرمایا اے عبداللہ! یہ تمہارا ہے۔

وضاحت:

باب میں روایت بعینہ وہی ہے جو اوپر گزر چکی ہے۔ باب یہ باندھا ہے کہ اگر کسی نے اونٹ دیا اس حالت میں کہ جس کو دیا وہی اس پر سوار ہے تو یہ جائز ہے۔ تو کیا کسی کے ذہن میں اس کے جائز ہونے کے بارے میں کوئی سوال پیدا ہوتا ہے؟ میرے نزدیک تو کوئی سوال نہیں پیدا ہوتا۔ اگر یہ سوال ہو کہ احناف جو یہ کہتے ہیں کہ مقبوضہ ہونا ضروری ہے تو یہ غلط ہے، غیر مقبوضہ بھی ہو سکتا ہے جیسے یہاں قبضہ تو نہیں کیا اور دے دیا تو میرے نزدیک اس وجہ سے دیا کہ جس مقصد کے لیے احناف کہتے ہیں کہ مقبوضہ ہونا چاہیے وہ مقصد تو حاصل ہے۔ جس کو دینا ہے وہی اس پر سوار ہے اور اسی مقصد کے لیے قبضہ کرتا ہے کہ اس کو دیں۔ مقصد تو پورا ہو گیا۔ یہ باب احناف کی تردید میں ہوگا اور تو کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔ امام صاحب کا کہنا یہ ہے کہ مقبوضہ ہو یا غیر مقبوضہ ہر حالت میں ہبہ جائز ہے تو بات ان کی ٹھیک ہے، میں بھی یہی رائے رکھتا ہوں، لیکن یہاں اس روایت سے استدلال ٹھیک نہیں ہے۔

اس روایت کے بارے میں میں بہت سرگرداں رہا کہ امام صاحب یہاں کیوں لائے ہیں۔ غور کرنے پر معلوم ہوا کہ احناف کا دعویٰ ہے کہ شئے جب تک آپ کے قبضہ میں نہیں، ایسی شئے کی بیع یا ہبہ نہیں ہو سکتا۔ اس کی تردید میں روایت لائے ہیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ امام صاحب بہت ذہین آدمی ہیں اور ان کی ذہانت قابل تعریف ہے۔ لیکن قبضہ سے احناف کا یہ مطلب نہیں کہ شئے آپ کی مٹھی میں ہو بلکہ ان کا مطلب یہ ہے کہ آپ کو قانونی حق حاصل ہو۔ اسی طرح تقسیم وغیرہ کے مسئلہ

میں ان کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ تقسیم ہونے کے قابل ہو۔ یہ ماننا پڑتا ہے کہ احناف کی بات عقلیت پرمبنی ہے۔

۲۶. بابُ: هَدِيَّةِ ما يُكْرَهُ لُبْسُهَا

باب: ھدیہ ایسی چیز کا کہ جس کا پہننا مکروہ ہو

وضاحت:

بعض چیزیں فی نفسہ مکروہ ہوتی ہیں۔ مثلاً سڑا گوشت ہے اگر آپ کسی کو تحفہ بھیجیں تو حماقت ہوگی اس لیے کہ ہدیہ کا مقصد تو تعلقات بڑھانا ہے نہ کہ منقطع کرنا۔ چیزوں میں برائی اضافی بھی ہوتی ہے اور فی نفسہ بھی۔ مطلب یہ ہے کہ ایک چیز مرد کے لیے تو موزوں نہیں لیکن بیوی کے لیے بہت موزوں ہے۔ باب کے عنوان سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ما یکرہ کا تحفہ بھی بھیجا جا سکتا ہے۔ حالانکہ یہ اصول کے خلاف ہے۔ اصول یہ ہے کہ کوئی چیز اپنے بھائی کے لیے پسند نہ کرو جو خود اپنے لیے پسند نہیں کرتے۔ میرا خیال ہے کہ اس باب میں ضروری تھا کہ اتنا اضافہ کر دیتے کہ ایسی چیز جس کی کراہت اضافی اور نسبتی ہے وہ دے سکتے ہیں۔

۳۹۔ حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ رَاٰى عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ حُلَّةً سِيَرَاءَ عِنْدَ بَابِ الْمَسْجِدِ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَوِاشْتَرَيْتَهَا فَلَبِسْتَهَا يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَ لِلْوَفْدِ قَالَ اِنَّمَا يَلْبَسُهَا مَنْ لَا خَلَاقَ لَهُ فِي الْآخِرَةِ ثُمَّ جَاءَ تْ حُلَلٌ فَاَعْطٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عُمَرَ مِنْهَا حُلَّةً وَقَالَ اَكَسَوْتَنِيْهَا وَقُلْتَ فِي حُلَّةِ عُطَارِدٍ مَا قُلْتَ فَقَالَ اِنِّي لَمْ اَكْسُكَهَا لِتَلْبَسَهَا فَكَسَا عُمَرُ اَخًا لَهُ بِمَكَّةَ مُشْرِكًا.

﴿حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے ایک ریشمی حلہ (یعنی سوٹ یا جوڑا) مسجد کے دروازہ پر بکتے دیکھا۔ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے کہا آپ اس کو خرید لیں اور جمعہ کے دن یا جب کوئی وفد آئے پہنا کریں تو اچھا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اس کو تو وہ پہنے گا جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ پھر ایسا ہوا کہ اس قسم کے چند ریشمی جوڑے آپؐ کے پاس آئے تو اس میں سے ایک جوڑا آپؐ نے حضرت عمرؓ کو دیا۔ انہوں نے کہا کیا آپ یہ مجھے پہناتے ہیں حالانکہ پہلے ایک جوڑے کے بارے میں آپ یہ کچھ فرما چکے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے کہا یہ میں نے تم کو اس لیے نہیں دیا کہ خود پہنو۔ آخر حضرت عمرؓ نے وہ جوڑا اپنے ایک مشرک بھائی کو جو مکہ میں تھا دے دیا۔﴾

وضاحت:

حلہ یعنی کپڑوں کا جوڑا، سوٹ یہ قمیض، تہبند اور چادر پر مشتمل ہوگا۔ عرب میں اس طرح کی چیزیں زیادہ تر مصر، یمن، عراق اور شام کی بنی ہوئی زیادہ قدر و قیمت رکھتی تھیں۔ تمدنی چیزوں کے لیے عربی میں ان علاقوں کے الفاظ کو معرب کر لیا گیا ہے۔ ایک یمنی حلہ مسجد کے دروازہ پر بک رہا تھا۔ مال آتا تھا تو ایسی جگہ پر بکتا تھا جہاں خریداروں کی نظر میں آئے تو آمدورفت کے لیے مسلمانوں کا محبوب مرکز مسجد ہے اور مسجد کا دروازہ ان چیزوں کی نمائش کے لیے بھی تھا اور یہاں بھی ہے لیکن اتنا نہیں، یہاں کی فضا اور ہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا یا رسول اللہ کاش ایسا ہوتا کہ آپ اس کو خریدتے اور جمعہ کے دن اور وفود کے آنے کے دن اس کو پہنتے۔ حضرت عمرؓ نے جو کہا وہ فطرت کا ایک تقاضا ہے۔ البتہ اسلام نے اس کو کنٹرول کیا ہے لیکن اس کی نفی تو نہیں کی۔ وفود کے لیے اور دوسرے ایسے مواقع کے لیے کچھ نہ کچھ رکھ رکھاؤ تو آخر ہوتا ہے۔ جمعہ کو ہمارے امام صاحبان بھی شاندار عبا پہن کر آتے ہیں تو یہ مشورہ ٹھیک تھا۔ لیکن آنحضرت ﷺ نے اس کو کنٹرول کیا۔ آپؐ نے فرمایا اس کو وہ لوگ پہنتے ہیں جن کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حلہ اس کپڑے کا ہوگا جو مرد کے لیے جائز نہیں مثلاً ریشم وغیرہ۔ یعنی اس کی کراہت اضافی اور نسبتی تھی۔ ورنہ لباس وغیرہ میں فی الجملہ حضور کی ایک نمایاں وضع ہوتی تھی۔ پھر یہ ہوا کہ کچھ سوٹ آئے تو آپؐ نے ایک سوٹ حضرت عمرؓ کو بھیجا۔ یہ دلچسپ بات ہے تاکہ اس سے اور بھی زیادہ تعلیم کا موقع ملے۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ اس یمنی سوٹ کے بارے میں پہلے آپ نے یہ فرمایا تھا تو آپؐ نے جواب دیا کہ یہ میں نے اس لیے نہیں دیا کہ تم خود پہنو۔ آخر حضرت عمر نے وہ حلہ اپنے ایک مشرک بھائی کو دے دیا جو مکہ میں تھا۔ حلہ میں فی نفسہ کوئی خرابی نہیں تھی بلکہ اضافی اور نسبتی تھی اور ایسی چیز تحفہ میں دی جا سکتی ہے۔ باب کی عبارت سے یہ فرق واضح نہیں ہوتا۔

۳۰۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ اَبُو جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا ابْنُ فُضَيْلٍ عَنْ اَبِيهِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ اَتَى النَّبِيُّ ﷺ بَيْتَ فَاطِمَةَ فَلَمْ يَدْخُلْ عَلَيْهَا، وَجَاءَ عَلِيٌّ فَذَكَرَتْ لَهُ ذٰلِكَ، فَذَكَرَهُ لِلنَّبِيِّ ﷺ قَالَ اِنِّي رَاَيْتُ عَلٰى بَابِهَا سِتْرًا مَوْشِيًّا، فَقَالَ مَالِي وَ لِلدُّنْيَا فَاَتَاهَا عَلِيٌّ فَذَكَرَ ذٰلِكَ لَهَا فَقَالَتْ لِيَاْمُرْنِي فِيهِ بِمَا شَاءَ قَالَ تُرْسِلُ بِهِ اِلٰى فُلَانٍ اَهْلِ بَيْتٍ بِهِمْ حَاجَةٌ.

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ حضرت فاطمہؓ کے گھر آئے لیکن اندر نہیں گئے اور لوٹ گئے۔ حضرت علیؓ آئے تو ان سے حضرت فاطمہؓ نے یہ واقعہ بیان کیا۔ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا تو آپؐ نے فرمایا میں نے فاطمہؓ کے دروازے پر دھاری دار پردہ پڑا دیکھا تو بھلا ہم لوگوں کو دنیا

سے کیا غرض۔ یہ بات حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہؓ سے بیان کی تو انہوں نے کہا آپؐ سے پوچھو میں اس پردے کا کیا کروں۔ آپؐ نے فرمایا فلاں لوگوں کو بھیج دو وہ محتاج ہیں۔ ﴾

وضاحت:

پردہ دھاری دار تھا اور اس پر کچھ کام کیا ہوا تھا اور یہ سادگی کے، تقویٰ کے اور غرباء کی دلداری کے نصب العین کے خلاف تھا اس لیے آپؐ نے پسند نہیں فرمایا۔ فی نفسہ اس میں خرابی نہ تھی۔ اس لیے آپ ﷺ نے اس کو ان لوگوں کو دینے کے لیے کہا جو محتاج تھے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ پہننے کے کام میں لائیں گے۔

۳۱۔ حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ مِنْهَالٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ اَخْبَرَنِی عَبْدُالْمَلِکِ بْنُ مَیْسَرَةَ قَالَ سَمِعْتُ زَیْدَ ابْنَ وَهْبٍ عَنْ عَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ اَهْدٰی اِلَی النَّبِیُّ ﷺ حُلَّةً سِیَرَاءَ فَلَبِسْتُهَا فَرَاَیْتُ الْغَضَبَ فِی وَجْهِهٖ فَشَقَقْتُهَا بَیْنَ نِسَائِی.

﴿حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ایک ریشمی جوڑا مجھے بخشا تو میں نے اس کو پہن لیا۔ میں نے دیکھا کہ آنحضرت ﷺ کے تیور بدلے ہوئے ہیں تو میں نے پھاڑ کر خاندان کی عورتوں میں تقسیم کر دیا﴾

وضاحت:

شققتها بین نسائی کا یہ مطلب نہیں کہ اپنی بیویوں کے اندر بانٹ دیا کیوں کہ حضرت فاطمہؓ تک تو حضرت علیؓ کی اور کوئی بیوی نہیں تھی، مطلب یہ ہے کہ اپنی خاندان کی عورتوں میں تقسیم کر دیا۔ یہ نہیں کہ اس زمانے کے سوٹ، جوڑے وغیرہ بہت شاندار ہوتے تھے لیکن آنحضرت ﷺ سادگی، صفائی اور کفایت شعاری کی تعلیم دینا چاہتے تھے اس لیے آپ نے ناگواری کا اظہار کیا اور حضرت علیؓ نے یہ محسوس کر کے جوڑا پھاڑ کر اپنے خاندان کی عورتوں میں بانٹ دیا۔

۲۷. باب: قَبُولِ الْهَدِیَّةِ مِنَ الْمُشْرِکِینَ وَقَالَ اَبُوهُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ هَاجَرَ اِبْرَاهِیمُ عَلَیْهِ السَّلَامُ بِسَارَةَ، فَدَخَلَ قَرْیَةً فِیهَا مَلِکٌ " اَوْ جَبَّارٌ " فَقَالَ اَعْطُوهَا آجَرَ، وَ اُهْدِیَتْ لِلنَّبِیِّ ﷺ شَاةٌ " فِیهَا سُمٌّ " وَقَالَ اَبُو حُمَیْدٍ اَهْدٰی مَلِکُ اَیْلَةَ لِلنَّبِیِّ ﷺ بَغْلَةً بَیْضَاءَ وَکَسَاهُ بُرْدًا وَکَتَبَ لَهٗ بِبَحْرِهِمْ.

باب: مشرکین کا تحفہ قبول کرنے کے بارے میں ۔ ابو ہریرہؓ نے آنحضرت ﷺ سے روایت کی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت سارہ کو لے کر ہجرت کر گئے اور ایک بستی میں پہنچے جہاں کا بادشاہ ظالم تھا۔

(اس نے سارہ سے دست درازی کرنا چاہی تو اس کا ہاتھ مفلوج ہو گیا) وہ کہنے لگا کہ اس کو ہاجرہ لونڈی دے کر بھیج دو اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بکری پیش کی گئی جس میں زہر تھا اور ابو حمید نے کہا کہ ایلہ کے حاکم نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ایک خچر بھیجا اور ایک ریشمی چادر پیش کی یہ اپنے سمندر پر اختیار باقی رکھنے کے لیے کیا۔

وضاحت:

باب مشرکین سے ہدیہ قبول کرنے کے بارے میں ہے۔ سب سے پہلے ایک مسئلہ بنیادی طور پر سمجھ لیجئے جو مسلمانوں میں شروع سے جھگڑے کا سبب بنا ہے۔ وہ یہ ہے کہ مشرکین کا لفظ قرآن مجید میں اور حدیث میں بھی بطور صفت نہیں استعمال ہوا ہے بلکہ بطور علم استعمال ہوا ہے۔ امام صاحب نے باب جو باندھا ہے اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک مشرکین کا لفظ بطور صفت استعمال ہوا ہے۔ مشرکین عرب کے لیے جو پالیسی رہی ہے وہ بھی اچھی طرح سمجھ لیجئے۔ مشرکین عرب کے لیے ایک تو دعوت کا دور ہے اور اس کے بعد برأت کا دور ہے اور دونوں ادوار میں پالیسی بالکل الگ الگ ہے۔ دعوت کے دور میں خطاب 'یا قوم' کے الفاظ سے بڑے چاؤ بڑے پیار سے ہوتا ہے۔ تمام معاملات کی بنیاد محبت، شفقت اور ہدایت پر ہوتی ہے۔ لیکن ایک طویل عرصہ دعوت کے بعد برأت کا اعلان ہوتا ہے جس کا آغاز مشرکین مکہ کے لیے سورۃ براءۃ سے ہوا۔ اس کے مطابق پالیسی یہ تھی کہ قاتلوا المشرکین حتی یقولوا لا الہ الا اللہ مشرکین سے جنگ کرو یہاں تک کہ وہ گواہی دیں کہ اللہ ایک ہے۔ اعلان برأت کے ساتھ ساتھ ان کے ساتھ ہر قسم کے معاملات کا مقاطعہ کیا گیا۔ اب یہ ظاہر ہے کہ مشرکین کے لفظ کو صفت مان کر ان احکام کو لیں تو یہود، نصاریٰ اور ہنود سب مشرکین کی صف میں آتے ہیں اور ان سب کے ساتھ پالیسی ایک رہے گی کہ جب تک لا الہ الا اللہ کا اقرار نہ کریں جنگ جاری رہے گی۔ اس فرق کو نہ سمجھنے کی وجہ سے مستشرقین کے سارے اعتراضات ہیں حالانکہ اس قول کا تعلق مشرکین عرب سے تھا۔ مشرکین عرب سے متعلق یہ پالیسی اختیار کی گئی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے آخری رسول ان میں مبعوث ہوئے اور ان کے ذریعہ ان پر حجت قائم کر دی گئی۔ اتمام حجت کا دنیا میں اور کوئی اس سے اعلیٰ ذریعہ نہیں ہے۔ ایک طویل مدت تک اتمام حجت کے بعد وقت آ گیا تو برأت کا اعلان کر دیا گیا کہ مسلمان تمام معاہدوں سے بری ہیں اور مشرکین سے کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہتے۔ پھر فتح مکہ کے بعد قصہ ہی ختم ہو گیا اور ان کی بساط لپیٹ دی گئی۔ مشرکین عرب کے ساتھ معاملہ یہ تھا کہ ایمان لائیں ورنہ تلوار فیصلہ کرے گی۔ باقی دنیا کے جتنے غیر مسلم ہیں ان پر مشرکین کا یہ نظریہ لاگو نہیں ہوتا۔ ان سے آپ معاہدے بھی کر سکتے ہیں، جزیہ بھی لے سکتے ہیں اور اگر ضرورت داعی ہو تو جنگ بھی کر سکتے ہیں۔ اگر وہ مالی معاملات میں غیر مسلم رہتے ہوئے جو کچھ مسلمانوں کے لیے قانون ہے اس کو اختیار کرنا چاہیں تو یہ رعایت بھی دی جا سکتی ہے۔ شادی بیاہ کے معاملہ میں اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح بھی کر سکتے ہیں۔ اس نکاح کے معاملہ میں لوگوں نے فراخ دلی

دکھائی ہے لیکن میرے نزدیک یہ ہے کہ یہ نکاح دارالاسلام میں ہو سکتا ہے، دارالکفر میں نہیں۔ مگر اس معاملہ میں میں لڑائی نہیں کروں گا۔ دوسرے مشرکین (غیر عرب) کے لیے پالیسی کیا ہوگی یہ صحابہؓ کے دور ہی میں طے ہو گیا تھا جب مجوس کا معاملہ سامنے آیا۔ قرآن مجید میں تو صرف یہود اور نصاریٰ کا مسئلہ بیان ہوا ہے تو غیر عرب مشرکین سے بھی وہی پالیسی اختیار کی گئی جو اہل کتاب کے بارے میں تھی۔ مشرکین عرب کے معاملات کو دوسرے غیر مسلموں پر منطبق نہیں کیا جا سکتا۔ دوسرے غیر مسلموں کو پیغمبر ﷺ نے براہ راست دعوت نہیں دی۔ پیغمبر کا اتمام حجت اور ہوتا ہے۔ پیغمبر ﷺ کی بعثت براہ راست عرب کی طرف ہوئی ہے اور ہماری طرف بالواسطہ ہے۔ اسلام یا تلوار کے معاملہ کو جب تمام کفار کے لیے عام سمجھ لیا گیا تو مستشرقین نے اعتراضات کے انبار لگا دیے۔ لوگوں سے جواب بن نہیں اور محاذ پر آ گئے۔ سرسید، دین سے متعلق ان کا علم کیا تھا۔ انہوں نے تمام چیزوں کی بساط ہی لپیٹ دی کہ یہ سب غلط ہیں۔ بہر حال غیر عرب مشرکین کے لیے پالیسی کیا ہے اس کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے۔

اب رہ گیا قبول الھدیہ من المشرکین تو اس بارے میں امام بخاری کی رائے یہ ہے کہ ہدیہ لینا اور دینا ٹھیک ہے اور ان لوگوں کی رائے ٹھیک نہیں جو اس کے مخالف ہیں۔ بجائے خود تو یہ بات درست ہے کہ ہدیہ لیا بھی جا سکتا ہے اور ہدیہ دیا بھی جا سکتا ہے لیکن جس طریقہ سے امام صاحب نے استدلال کیا ہے وہ درست نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ امام صاحب نے اپنی حمایت میں مشرکین مکہ کا حوالہ دیا ہے لیکن یہ چیز ان کے خلاف بھی جاتی ہے اس لیے کہ برأت کے اعلان کے بعد مشرکین سے لین دین ممنوع ہو گیا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ مشرکین سے ہدیہ لینے اور دینے کا تعلق سیاسی اور معاشرتی تعلقات پر منحصر ہے۔ اگر یہ تعلقات اچھے ہیں تو ہدیہ کا لین دین بھی ہوگا اور اگر یہ خراب ہو گئے تو بند ہو جائے گا جیسا کہ مشرکین عرب سے ہو گیا یا کسی دوسرے کے ساتھ ہو سکتا ہے۔ اس سے متعلق کوئی ایک متعین فتویٰ دے دینا کہ جائز ہے یا جائز نہیں ہے، یہ صحیح نہیں ہے۔

اب تعلیقات پر غور کیجیے۔ پہلی تعلیق حضرت ابراہیمؑ اور حضرت ہاجرہؑ سے متعلق ہے۔ اس کو اس بحث میں لانا بالکل غلط ہے۔ اس لیے کہ یہ ایک اسرائیلی قصہ ہے۔ پوری روایت پیچھے کتاب البیوع باب شراء المملوک من الحربی میں گزر چکی ہے۔ اس روایت سے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر جھوٹ کا الزام آتا ہے، حضرت ہاجرہ لونڈی قرار پاتی ہیں اور حضرت اسماعیل لونڈی زادہ۔ یہ سب یہودیوں کی شرارت ہے۔ جس روایت میں اتنی قباحتیں ہوں کس طرح قابل قبول ہو سکتی ہے۔ اور اس سے استدلال کیسے صحیح ہو سکتا ہے۔

دوسری تعلیق یہ ہے کہ اھدیت نبی ﷺ شاۃ فیھا سم کہ نبی ﷺ کی خدمت میں ایک بکری پیش کی گئی جس میں زہر تھا۔ یہ ایک مشہور روایت ہے کہ ایک یہودیہ نے آنحضرت ﷺ کو ایک بکری پیش کی اور اس میں زہر تھا۔ یہ روایت اپنی شہرت کے لحاظ سے ٹھیک ہے اور اس پر کوئی اعتراض نہیں۔ البتہ یہ بات قابل غور ہے کہ بکری کا گوشت پیش کیا یا بکری پیش کی جس کو ذبح کیا گیا اور آنحضرت ﷺ نے اس میں سے کھایا۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ بکری کو زہر کھلا کر اس کی پرورش کس طرح کی جا سکتی ہے کہ جو اس کا گوشت کھائے اس کے لیے ہلاکت کا باعث بنے۔ یہ بات بہت مستبعد معلوم ہوتی ہے۔ البتہ یہ

ہے کہ بکری کے گوشت میں زہر دیا جا سکتا ہے اور یہ بات عربیت کے لحاظ سے بھی صحیح ہے کہ جس طرح آپ کہیں کہ میں نے مرغی کھلائی تو ظاہر ہے کہ مطلب یہ ہوتا ہے کہ مرغی کا گوشت کھلایا۔ لہٰذا اگر بکری کا گوشت کہیں تو بات سمجھ میں آتی ہے۔ امام صاحب نے مشرکین کا ہدیہ قبول کرنے کا باب باندھا ہے اور روایت ایک یہودیہ سے متعلق ہے جبکہ اہل کتاب کا کھانا پینا قرآن مجید کی رو سے جائز ہے اور یہ کوئی اختلافی مسئلہ نہیں ہے۔ اس لیے یہ روایت امام صاحب کے استدلال کے لیے مفید نہیں ہے۔

تیسری تعلیق یہ ہے کہ ایلہ کے بادشاہ نے حضور ﷺ کی خدمت میں ایک خچر اور ایک ریشمی چادر پیش کی۔ اس کی ریاست بحر قلزم کے کنارے پر تھی۔ اس نے اطاعت قبول کی تو یہ اجازت بھی طلب کی کہ اسے پہلے کی طرح ریاست کے ساتھ لگنے والے سمندر میں شکار کی سہولت رہے گی۔ نبی ﷺ نے اس کو ایک تحریر لکھ دی۔ یہاں استدلال کے لیے یہ روایت بھی مفید نہیں ہو سکتی اس لیے کہ ایلہ کے حاکم کے بارے میں معلوم ہے کہ نصرانی تھا۔ امام صاحب کی ساری بحث کمزور دلائل پر مبنی ہے اور ان تینوں تعلیقات میں سے ایک بھی ان کے حق میں نہیں جاتی۔

۳۲۔ حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا يُونُسُ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا شَيْبَانُ عَنْ قَتَادَةَ حَدَّثَنَا أَنَسٌ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ أُهْدِيَ لِلنَّبِيِّ ﷺ جُبَّةُ سُنْدُسٍ، وَكَانَ يَنْهٰى عَنِ الْحَرِيرِ فَعَجِبَ النَّاسُ مِنْهَا، فَقَالَ وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَمَنَادِيلُ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ فِي الْجَنَّةِ أَحْسَنُ مِنْ هٰذَا وَقَالَ سَعِيدٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ إِنَّ أُكَيْدِرَ دُومَةَ أَهْدٰى إِلَى النَّبِيِّ ﷺ.

﴿حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کی خدمت میں سندس کا ایک جبہ پیش کیا گیا درآنحالیکہ آپ ریشم سے منع کرتے تھے تو لوگوں کو اس پر تعجب ہوا۔ آپؐ نے فرمایا کہ جنت میں سعد بن معاذ کے رومال اس سے بہتر ہوں گے اور سعید نے قتادہ سے اور انہوں نے انسؓ سے روایت کی ہے کہ دومۃ کے اکیدر نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں تحفہ بھیجا۔﴾

وضاحت:

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عبارت میں کچھ کمی رہ گئی ہے۔ یعنی لوگوں کو تعجب اس بات پر نہیں تھا کہ ریشم سے منع کرتے تھے اور پیش کیا گیا۔ پیش کیا گیا تھا تو سرکاری طور پر پیش کیا گیا تھا اور کئی کاموں میں استعمال ہو سکتا تھا۔ جبہ بہت شاندار تھا اور لوگوں کو اس پر تعجب تھا۔ کلام سے یہی بات نکلتی ہے اس لیے کہ جب آنحضرت ﷺ نے لوگوں کا تعجب سنا تو فرمایا کہ سعد بن معاذ کے رومال جنت میں اس سے بہتر ہوں گے۔ مطلب یہ کہ اس کے شاندار ہونے پر لوگ تعجب نہ کریں۔

اس روایت میں دوسری تعلیق یہ ہے کہ دومۃ کے اکیدر نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں تحفہ بھیجا۔ یہاں اتنا

محذوف ہے کہ آپ نے اسے قبول کر لیا۔ اکیدر بھی نصرانی تھا۔ امام صاحب نے جتنی دلیلیں دی ہیں وہ سب اہل کتاب کی ہیں لیکن اس سے انکار نہیں کہ مشرکین کا ہدیہ قبول کیا جا سکتا ہے۔ غیر مسلموں سے ہدیہ لینا دینا سیاسی اور معاشرتی تعلقات پر ہے اور یہی فطرت کا تقاضا ہے۔ مشرکین مکہ کا معاملہ اور تھا اور فتح مکہ کے بعد ان کا وجود ہی ختم ہو گیا۔ ان سے متعلق احکامات کو بنیاد بنا کر دوسرے غیر مسلموں سے معاملات طے کرنا درست نہیں۔ دوسرے غیر مسلموں سے تعلقات کی بنیاد اور ہے۔

۴۳۔ حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عَبْدِالْوَهَّابِ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ الْحَارِثِ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ هِشَامِ بْنِ زَيْدٍ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ يَهُودِيَّةً اَتَتِ النَّبِيَّ ﷺ بِشَاةٍ مَسْمُومَةٍ فَاَكَلَ مِنْهَا فَجِيْءَ بِهَا فَقِيلَ اَلَا نَقْتُلُهَا، قَالَ لَا: فَمَازِلْتُ اَعْرِفُهَا فِي لَهَوَاتِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ.

﴿انس بن مالک سے روایت ہے کہ ایک یہودیہ نبی ﷺ کی خدمت میں ایک زہر آلود بکری لائی تو آپ نے اس کے گوشت میں سے کھایا۔ پھر اس یہودیہ کو پکڑ کر لایا گیا تو لوگوں نے کہا کہ حضور کیا ہم اس کو قتل نہ کر دیں تو آپ نے فرمایا نہیں، قتل نہ کرو۔ پھر راوی کہتے ہیں کہ میں آپ کے حلق کے اندر اس کے اثرات پہچانتا رہا ہوں۔﴾

وضاحت:

اس روایت میں مسموم بکری جو یہودیوں نے پیش کی، سے بکری کا گوشت مراد لیں تو لے سکتے ہیں یعنی بکری کا زہریلا گوشت پیش کیا گیا۔ میرے نزدیک انسان جن جانوروں کا گوشت کھاتا ہے ان کے مزاج میں اور انسان کے مزاج میں بڑی موافقت ہوتی ہے۔ قدرت کا قاعدہ یہی ہے۔ اگر ہم زہر پر نہیں پل سکتے تو یہ بھی محال ہے کہ کوئی جانور زہر پر پلے یہاں تک کہ زہر اس کے گوشت میں تحلیل ہو جائے اور وہ زندہ رہے۔ ہاں اگر مسموم بکری سے مراد بکری کا زہریلا گوشت لیجئے اور عربی زبان میں اس کی گنجائش ہے۔

رہ گیا راوی کا یہ کہنا کہ میں آپ کے لھوات میں یعنی اندرون حلق میں اس زہر کے اثر کو پہچانتا رہا ہوں تو یہ بات سمجھ میں نہیں آتی۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ حلق کے اندر نمایاں اثر ایسا تھا کہ آپ منہ کھولتے تو نظر آتا تھا۔ میرے علم کے مطابق زہر کے اثرات اس طرح کے نہیں ہوتے بلکہ اس کا سارا تعلق خون سے ہوتا ہے، یہ نہیں کہ کوئی نقش چھوڑ جائیں۔ یہ چیز قابل غور ہے۔ روایت بہت مشہور ہے۔

۴۴۔ حَدَّثَنَا اَبُوالنُّعْمَانِ حَدَّثَنَا الْمُعْتَمِرُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ اَبِيهِ عَنْ اَبِي عُثْمَانَ عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ ثَلَاثِينَ وَمِائَةً فَقَالَ النَّبِيُّ

ﷺ هَلْ مَعَ اَحَدٍ مِنكُمْ طَعَام" فَاِذَا مَعَ رَجُلٍ صَاعٌ" مِنْ طَعَامٍ اَوْ نَحْوُهُ فَعُجِنَ ثُمَّ جَاءَ رَجُلٌ" مُشْرِكٌ" مُشْعَانٌ" طَوِيلٌ" بِغَنَمٍ يَسُوقُهَا فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ بَيْعًا اَمْ عَطِيَّةً اَوْ قَالَ اَمْ هِبَةً قَالَ لَا بَلْ بَيْعٌ" فَاشْتَرَى مِنْهُ شَاةً فَصُنِعَتْ وَ اَمَرَ النَّبِيُّ ﷺ بِسَوَادِ الْبَطْنِ اَنْ يُشْوَى، وَايْمُ اللّٰهِ مَا فِي الثَّلَاثِيْنَ وَالْمِائَةِ اِلَّا قَدْ حَزَّ النَّبِيُّ ﷺ لَهُ حُزَّةً مِنْ سَوَادِ بَطْنِهَا اِنْ كَانَ شَاهِدًا اَعْطَاهَا اِيَّاهُ وَ اِنْ كَانَ غَائِبًا خَبَاَلَهُ، فَجَعَلَ مِنْهَا قَصْعَتَيْنِ فَاَكَلُوا اَجْمَعُوْنَ وَ شَبِعْنَا، فَفَضَلَتِ الْقَصْعَتَانِ فَحَمَلْنَاهُ عَلَى الْبَعِيرِ اَوْ كَمَا قَالَ.

﴿حضرت عبدالرحمن بن ابی بکرؓ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ ایک غزوہ میں نبی ﷺ کے ساتھ کل ایک سوتیس آدمی تھے تو ہمیں کھانے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ نبی ﷺ نے پوچھا تم میں سے کسی کے پاس کھانے کی کوئی چیز ہے تو پتہ چلا کہ ایک شخص کے پاس ایک صاع کے بقدر آٹا ہے، وہ گوندھا گیا۔ اتنے میں ایک لمبا تڑنگا مشرک بکریوں کا ریوڑ ہانکتا ہوا آن پہنچا۔ آپ نے پوچھا عطیہ یا ہدیہ کے لیے لائے ہو یا بیچنے کا ارادہ ہے۔ وہ بولا بیچتا ہوں۔ تو ایک بکری آپؐ نے اس سے خرید لی۔ وہ ذبح کی گئی، اس کا گوشت بنایا گیا اور آپؐ نے حکم دیا کہ اس کی کلیجی وغیرہ اکٹھی کر کے اس کو بھونا جائے۔ راوی اللہ کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ ایک سوتیس آدمیوں میں سے کوئی باقی نہ رہا جس کو آپ نے کلیجی کا ایک ٹکڑا کاٹ کر نہ دیا ہو، اگر وہ سامنے آیا تو اس کو خود دے دیا ورنہ اس کا حصہ رکھ چھوڑا۔ اور گوشت کے دو تھال تیار کیے گئے اور سب لوگوں نے سیر ہو کر کھایا اور دونوں تھال میں کچھ گوشت بچ رہا وہ ہم نے اونٹ پر رکھ لیا، یا راوی نے کچھ ایسا ہی لفظ کہا۔﴾

وضاحت:

طعام کا لفظ بہت وسیع ہے، گندم بھی، جو بھی اور ستو بھی ہو سکتا ہے اور غذا بھی۔ تو ایک شخص کے پاس ایک صاع کے بقدر گندم یا جو کا آٹا تھا وہ گوندھا گیا۔ بکری خریدی گئی تھی ذبح کی گئی اور اس کا گوشت تیار کیا گیا۔ نبی ﷺ نے اس کی کلیجی وغیرہ بھی بھوننے کا حکم دیا۔ وغیرہ اس لیے کہا کہ سواد البطن کا لفظ استعمال ہوا ہے تو پیٹ میں دل، کلیجی، پھیپھڑا اور تلی بھی ہوتی ہے اور سب ساتھ بھونی جاتی ہے۔ عام قاعدہ یہی ہے۔ راوی عبدالرحمن بن ابی بکرؓ قسم کھا کر کہتے ہیں کہ ایک سوتیس آدمیوں میں سے کوئی ایسا نہیں تھا جس کو کلیجی میں سے ایک ٹکڑا نہ ملا ہو، کہتے ہیں جو لوگ غائب تھے ان کے لیے رکھ لیا گیا۔ اس کے بعد گوشت کے دو تھال بنائے گئے اور سب نے سیر ہو کر کھایا اور دونوں تھالوں میں سے کچھ بچ بھی رہا اور اس کو اونٹ

پر رکھ لیا گیا۔

اس قسم کے واقعات سیدنا مسیح کے ہاں بھی ہیں اور ہمارے حضور ﷺ کے بھی ہیں۔ جہاں تک برکت کا تعلق ہے اس کا انکار نہیں ہو سکتا۔ ہما شما سے بھی اگر دل میں تنگی نہ ہو اور فیاضی ہو اور اگر آپ کے پاس دو آدمیوں کا کھانا ہو اور چار آ جائیں تو انشاء اللہ سب آسودہ ہو کر کھائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہما شما کے معاملہ میں برکت ڈال دیتا ہے تو نبیوں کی بات ہی اور ہے۔ ایک بکری تھی اور ایک سو تیس آدمیوں نے سیر ہو کر کھائی۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے برکت ہے اور میں اس کا قائل ہوں۔ حضرت مسیح علیہ السلام اور حضور ﷺ کے اس طرح کے واقعات ہیں۔ جن لوگوں نے مذاق اڑایا ہے، میں ان کو کیا کہوں۔ البتہ ایک بات قابل توجہ ہے کہ راوی لوگ بیان کرنے میں اپنے تاثرات بھی ملا دیتے ہیں جس سے بات حدود سے متجاوز ہو جاتی ہے۔ لیکن بجائے خود ان واقعات کا میں قائل ہوں۔

رہ گیا آنحضرت ﷺ کا پوچھنا کہ تم ہبہ کے لیے لائے ہو یا بیچنے کے لیے تو ایسا ہوتا رہا ہے کہ کسی اللہ کے بندے کو توفیق ہو گئی کہ یہ پیغمبر کا قافلہ ہے، اس موقعہ پر کچھ ہدیہ پیش کرنا چاہیے، اس خیال کی بنا پر آپؐ نے پوچھا ہوگا۔ یہ ایک اچھا جذبہ تھا آپؐ اس کی حوصلہ افزائی کرنا چاہتے تھے۔ یہ نہیں کہ آپؐ کے دل میں کوئی طمع تھی۔

عربی کے لحاظ سے عبارت اِلَّا قَدْ حَزَّ النَّبِيُّ ﷺ لَهٗ حُزَّةً مِنْ سَوَادِ بَطْنِهَا اِنْ كَانَ شَاهِدًا اَعْطَاهَا اِيَّاهُ وَ اِنْ كَانَ غَائِبًا خَبَالَهٗ راوی نے کچھ الجھا دی ہے لیکن مطلب واضح ہے۔ یہ بات بھی یاد رکھیے کہ راوی کے تاثرات بھی اس روایت میں شامل ہیں، خود الفاظ اس کے شاہد ہیں۔ راوی اپنا حق رکھتا ہے، بات تو زبان ہی سے کرے گا اور تاثرات اس میں شامل ہوتے ہیں۔ اس کا الاؤنس اسے دے دیجیے۔ یہ دینا پڑے گا لیکن اس کی بنیاد پر کسی چیز کو مشکوک نہیں کیا جا سکتا اور اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔

۲۸. بابُ: اَلْهَدِيَّةِ لِلْمُشْرِكِينَ

وَقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَ تُقْسِطُوْا اِلَيْهِمْ.

باب: مشرکین کو ہدیہ پیش کیا جا سکتا ہے یا نہیں

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ اللہ تمہیں ان لوگوں سے حسن سلوک اور انصاف سے نہیں روکتا جنہوں نے دین کے معاملہ میں نہ تم سے جنگ کی اور نہ تم کو تمہارے گھروں سے نکالا ہے۔

وضاحت:

میرے نزدیک یہ آیت جس کا حوالہ دیا گیا ہے اس دور کی ہے جب آنحضرت ﷺ کو اس بات سے روک دیا گیا کہ اب مشرکین کے ساتھ تعلقات نہ رکھے جائیں۔ ایک عبوری دور میں یہ سوال پیدا ہوا ہوگا کہ ان مشرکین میں ایسے لوگ بھی ہیں جو ہمارے ساتھ ہمدردی رکھتے ہیں اور ہمارے اور ان کے درمیان اچھے خاندانی تعلقات ہیں تو کیا ان سب مشرکین کے ساتھ یکساں سلوک کیا جائے۔ تو اس عبوری دور میں یہ واضح کر دیا گیا کہ دین کے معاملہ میں جن لوگوں نے تم سے جنگ نہیں کی ان سے حسن سلوک سے روکا نہیں جا رہا ہے۔ اس کے بعد وہ مرحلہ آیا جب مکمل جنگ شروع ہوگئی تو حکم ہوا کہ ان سے اس طریقہ سے جنگ کرو جس طریقہ سے بحیثیت مجموعی وہ تم سے جنگ کر رہے ہیں۔ اس اعلان کے بعد حسن سلوک کی کوئی اہمیت نہیں رہی۔ اب یہ حکم بھی تھا کہ جن مسلمانوں نے ہجرت نہیں کی ان سب کے ساتھ بھی جنگ کی جائے۔ یہ مراحل سمجھ لیجئے۔ جہاں تک قریش کا تعلق ہے اس میں تعلیقات کی ایک تدریج ہے اور اس کا لحاظ کیا گیا۔ مشرکین مکہ کے لیے لفظ مشرکین بطور لقب استعمال ہوا ہے۔ اب جو مشرکین شرک کی غلیظ سے غلیظ قسمیں چھپائے ہوئے ہیں ان کو اہل کتاب یا مجوس کے درجہ میں رکھ سکتے ہیں۔ اب تمام غیر مسلموں کے ساتھ تعلقات اس اصول پر ہوں گے کہ ان کے مفادات کیا ہیں اور ہمارے مفادات کیا ہیں۔ اس آیت کا امام صاحب نے حوالہ دیا ہے لیکن انہوں نے مشرکین کے معاملہ کو بالکل نہیں سمجھا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ مشرکین مکہ یا مشرکین عرب کو دوسری مشرک اقوام سے کوئی خاص الگ چیز نہیں سمجھتے تھے۔

۴۵۔ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ مَخْلَدٍ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ قَالَ حَدَّثَنِي عَبْدُاللّٰهِ بْنُ دِينَارٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ رَأَى عُمَرُ حُلَّةً عَلَى رَجُلٍ تُبَاعُ، فَقَالَ لِلنَّبِيِّ ﷺ ابْتَعْ هٰذِهِ الْحُلَّةَ تَلْبَسْهَا يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَ إِذَا جَاءَكَ الْوَفْدُ فَقَالَ إِنَّمَا يَلْبَسُ هٰذَا مَنْ لَا خَلَاقَ لَهُ فِي الْآخِرَةِ، فَأُتِيَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ مِنْهَا بِحُلَلٍ، فَأَرْسَلَ إِلَى عُمَرَ مِنْهَا بِحُلَّةٍ، فَقَالَ عُمَرُ كَيْفَ أَلْبَسُهَا وَقَدْ قُلْتَ فِيهَا مَا قُلْتَ، قَالَ إِنِّي لَمْ أَكْسُكَهَا لِتَلْبَسَهَا تَبِيعُهَا أَوْ تَكْسُوهَا، فَأَرْسَلَ بِهَا عُمَرُ إِلَى أَخٍ لَهُ مِنْ أَهْلِ مَكَّةَ، قَبْلَ أَنْ يُسْلِمَ.

﴿حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے ایک شخص کو حلہ (سوٹ) بیچتے ہوئے دیکھا تو نبی ﷺ سے کہا کہ آپ یہ سوٹ خرید لیتے تو جمعہ کے دن اور جب باہر سے وفود آتے ہیں اس وقت پہنتے۔ آپ نے فرمایا یہ تو وہ لوگ پہنتے ہیں جن کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ پھر ایسا اتفاق ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس اسی قسم کے کچھ سوٹ آئے تو آپؐ نے اس میں سے ایک حضرت عمرؓ کو بھیج دیا۔ حضرت عمرؓ کہنے لگے کہ

میں اس کو کیسے پہن سکتا ہوں جب کہ اس کے بارے میں آپ ایسا ایسا فرما چکے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے کہا میں نے تمہارے پہننے کے لیے نہیں دیا۔ تم اس کو بیچ کر اس کی قیمت کام میں لاؤ یا کسی اور کو پہنا دو۔ تو حضرت عمرؓ نے وہ سوٹ مکہ میں مقیم اپنے ایک بھائی کو ان کے اسلام لانے سے پہلے بھیج دیا۔ ﴾

وضاحت:

حلہ قمیص، چادر اور تہبند پر مشتمل ہوتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو حضرت عمر کا کہنا یاد تھا اور جب اس طرح کے سوٹ آپؐ کے پاس آئے تو ایک سوٹ حضرت عمرؓ کو بھیج دیا۔ کسی شئے میں عارضی برائی ہوتی ہے وہ الگ چیز ہے۔ سوٹ مرد کے لیے موزوں نہ تھا لیکن بیوی کے یا کسی اور کے لیے موزوں ہو سکتا تھا۔ معلوم ہوا کہ اس طریقہ کی اگر کوئی چیز ہو تو فی نفسہ اس میں کوئی حرمت نہیں ہے، آپؐ اس کو دوسرے کام میں لا سکتے ہیں۔ حضرت عمرؓ کو اس بارے میں غلط فہمی تھی تو آنحضرت ﷺ نے اسی طریقہ سے تعلیم دے کر رفع کر دی۔ یہ روایت پیچھے گزر چکی ہے۔

۳۶۔ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ بْنُ إِسْمٰعِيلَ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَتْ قَدِمَتْ عَلَيَّ أُمِّي وَهِيَ مُشْرِكَةٌ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَاسْتَفْتَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قُلْتُ وَهِيَ رَاغِبَةٌ أَفَأَصِلُ أُمِّي، قَالَ نَعَمْ صِلِي أُمَّكِ.

﴿ اسماء بنت ابی بکرؓ کہتی ہیں کہ میری ماں جو مشرک تھیں رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں میرے پاس آئیں۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے فتویٰ پوچھا کہ میری ماں میرے پاس کچھ مدد کی امید سے آئی ہیں، کیا میں ان کے ساتھ سلوک کر سکتی ہوں تو آپ نے فرمایا ہاں اپنی ماں سے سلوک کرو۔ ﴾

وضاحت:

اسماء بنت ابی بکرؓ کہتی ہیں کہ میری ماں مجھ سے ملنے آئیں اور وہ مشرک تھیں۔ ماں سے مراد حقیقی ماں بھی ہو سکتی ہے، رضاعی بھی اور سوتیلی بھی لیکن اس کی تحقیق کا کوئی خاص فائدہ نہیں ہے۔ حضرت اسماءؓ نے آنحضرت ﷺ سے فتویٰ چاہا۔ وَهِيَ رَاغِبَةٌ" کے معنی بہت سارے ہیں اور لوگوں نے اس میں جو نکتہ طرازی کی ہے اس کی داد دینے میں تھک گیا لیکن سیدھی بات یہ ہے کہ وہ کچھ مدد چاہتی تھیں۔ اسی لیے اسماءؓ نے پوچھا کہ کیا میں اپنی ماں کے ساتھ صلہ رحمی کر سکتی ہوں۔ نبی ﷺ نے فرمایا صِلِي أُمَّكِ، اپنی ماں سے صلہ رحمی کرو۔ اس لیے کہ اسلام حسن سلوک اور صلہ رحمی جیسی چیزوں کے قیام کے لیے آیا ہے، رشتوں کے توڑنے کے لیے نہیں آیا۔ رشتے ہمیشہ رہتے ہیں۔ بیٹا بیٹی بھی قطع رحم نہیں کر سکتے۔ غزوہ بدر کے بعد حضرت ابوبکرؓ کے ایک بیٹے نے ان سے کہا ابا جی! آپ میری تلوار کے نیچے آ گئے تھے لیکن میں نے لحاظ کر کے چھوڑ دیا تو

انہوں نے چمک کر کہا کہ برخوردار، اگر تم میری تلوار کے نیچے آجاتے تو بچ نہ پاتے۔ یہ بات بھی ٹھیک ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ صلہ رحمی کی جو ذمہ داری بیٹے کے اوپر ہے باپ کے اوپر تو نہیں، باپ کے حقوق اور ہیں۔ حدیث میں آیا بھی ہے کہ انت و مالک لابیک ، تو بھی اور تیرا مال بھی تیرے باپ کا ہے۔ اس روایت میں ٹھیک بات بیان ہوئی ہے کہ ایمان اور اسلام کا فرق تعلقات صلہ رحمی پر اثر انداز نہیں ہوگا، وہ قائم رہیں گے۔ یہ بات بھی یاد رکھیے کہ مشرکین مکہ سے تعلقات مکمل جنگ شروع ہو جانے کے بعد ختم ہو گئے۔ معلوم ہوتا ہے والدہ اسماء اس سے پہلے بیٹی سے ملنے گئی ہوں گی۔

۲۹. باب: لَا يَحِلُّ لِأَحَدٍ أَنْ يَرْجِعَ فِي هِبَتِهِ وَ صَدَقَتِهِ.

باب: اس بارے میں کہ کسی کے لیے جائز نہیں کہ ایک چیز ہبہ کرے یا صدقہ دے پھر اس کو واپس لے۔

وضاحت:

اصولاً یہ بات بالکل ٹھیک ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر ہبہ کر کے یا صدقہ کے طور پر کچھ دے کر پھر بھی آپ کے پاس رجوع کرنے کا حق رہا تو جس کو دیا تھا اس کی ملکیت بھی قائم ہی نہیں ہوگی اور ظاہر ہے کہ وہ اس سے استفادہ سے بھی محروم رہے گا اور کوئی مستقل کام نہیں کر سکے گا۔

۴۷۔ حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا هِشَامٌ وَ شُعْبَةُ، قَالَا حَدَّثَنَا قَتَادَةُ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ الْعَائِدُ فِي هِبَتِهِ كَالْعَائِدِ فِي قَيْئِهِ.

﴿حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہبہ میں رجوع کرنے والا شخص ایسا ہے جیسے کوئی قے کرے پھر اس کو چاٹ لے۔﴾

وضاحت:

اس اسلوب میں آنحضرت ﷺ نے صرف حکم ہی نہیں بیان کیا بلکہ ایسا کرنے والے کے فعل کی قباحت کو بھی واضح فرمایا۔

۴۸۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ الْمُبَارَكِ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ لَيْسَ لَنَا مَثَلُ السَّوْءِ الَّذِي يَعُودُ فِي هِبَتِهِ كَالْكَلْبِ يَرْجِعُ فِي قَيْئِهِ.

﴿حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا اس بری تمثیل میں، ایک شخص جو اپنے ہبہ میں رجوع کرتا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے کہ ایک کتا قے کرتا اور پھر اس کو چاٹ لیتا ہے، ہمارا کوئی حصہ نہیں ہونا چاہیے۔﴾

وضاحت:

یہ وہی روایت ہے لیکن اس میں ایک دوسرا پہلو بھی واضح ہو گیا ہے یعنی اس میں بھی نبی ﷺ نے ہبہ واپس لینے سے نفرت ہی دلائی ہے کہ کوئی ایسا نہ کرے۔ معاشی اعتبار سے ہبہ کی واپسی میں یہ پہلو ہے کہ اس سے حقیقی نفع اٹھانا ممکن نہیں رہتا اور کوئی مضبوط قدم نہیں اٹھایا جا سکتا۔

۳۹۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ قَزَعَةَ حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ أَبِيهِ سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ يَقُولُ حَمَلْتُ عَلَى فَرَسٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَأَضَاعَهُ الَّذِي كَانَ عِنْدَهُ فَأَرَدْتُ أَنْ أَشْتَرِيَهُ مِنْهُ وَ ظَنَنْتُ أَنَّهُ بَائِعُهُ بِرُخْصٍ فَسَأَلْتُ عَنْ ذَلِكَ النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ لَا تَشْتَرِهِ وَ إِنْ أَعْطَاكَهُ بِدِرْهَمٍ وَاحِدٍ فَإِنَّ الْعَائِدَ فِي صَدَقَتِهِ كَالْكَلْبِ يَعُودُ فِي قَيْئِهِ.

﴿زید بن اسلم اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرؓ کو یہ بات فرماتے سنا کہ میں نے اللہ کی راہ میں ایک شخص کو ایک گھوڑا دیا کہ وہ اس پر جہاد کرے تو اس نے (اس کی کچھ حفاظت نہ کی اور) اس کو خراب کر ڈالا تو میں نے یہ چاہا کہ اس سے گھوڑا خرید لوں اور گمان یہ تھا کہ وہ مجھے سستے داموں دے دیگا۔ میں نے نبی ﷺ سے اس کے بارے میں پوچھا تو آپؐ نے فرمایا ہرگز نہ خریدو، اگرچہ وہ تم کو ایک درہم میں دے کیونکہ صدقہ کر کے واپس لینے والا اس کتے کی مانند ہے جو قے کر کے اس کو چاٹ جاتا ہے۔﴾

وضاحت:

اس روایت میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس صورت واقعہ پر تو صدقہ واپس لینے کی بات صادق نہیں آتی اس لیے کہ حضرت عمرؓ نے رجوع کرنا نہیں چاہا بلکہ یہ چاہا کہ خرید لیں گو کہ توقع یہ تھی کہ سستے داموں دے دیگا۔ گھوڑا اصیل تھا، قیمتی تھا اور اس شخص نے ضائع کر دیا تھا۔ حضرت عمرؓ نے خریدنا چاہا تو آنحضرت ﷺ نے اس سے بھی روک دیا۔ میرے نزدیک یہ روکنا سد ذریعہ کے لیے تھا۔ اصول یہ ہے کہ اس بات سے روکا جاتا ہے کہ جو کسی غلطی میں پڑنے کا باعث بن سکتی ہے۔ اگر یہ

اجازت دے دی جائے تو لوگ اس میں راستے نکال لیں گے۔ اس واقعہ میں پوری تطبیق نہ تلاش کیجئے تب بات ٹھیک ہوگی۔

۳۰. باب:

باب: یہ باب ہے

۵۰۔ حَدَّثَنَا اِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسٰى اَخْبَرَنَا هِشَامُ ابْنُ يُوسُفَ اَنَّ ابْنَ جُرَيْجٍ اَخْبَرَهُمْ قَالَ اَخْبَرَنِى عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عُبَيْدِاللّٰهِ بْنِ اَبِى مُلَيْكَةَ اَنَّ بَنِى صُهَيْبٍ مَوْلٰى ابْنِ جُدْعَانَ ادَّعَوْا بَيْتَيْنِ وَ حُجْرَةً اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ اَعْطٰى ذٰلِكَ صُهَيْبًا، فَقَالَ مَرْوَانُ مَنْ يَشْهَدُ لَكُمَا عَلٰى ذٰلِكَ قَالُوا ابْنُ عُمَرَ، فَدَعَاهُ فَشَهِدَ لَاَعْطٰى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ صُهَيْبًا بَيْتَيْنِ وَ حُجْرَةً فَقَضٰى مَرْوَانُ بِشَهَادَتِهٖ لَهُمْ.

﴿عبداللہ بن عبیداللہ کہتے ہیں کہ صہیب کے بیٹوں نے جو ابن جدعان کے آزاد کردہ غلام تھے، دو گھروں اور ایک کمرہ کا دعویٰ کیا کہ یہ رسول اللہ ﷺ نے صہیب کو دیے تھے۔ مروان نے پوچھا کہ تم دونوں کا گواہ کون ہے تو انہوں نے جواب دیا عبداللہ بن عمرؓ۔ حضرت ابن عمرؓ کو بلایا گیا تو انہوں نے شہادت دی کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے یہ دو گھر اور ایک کمرہ صہیب کو دیا تھا۔ مروان نے عبداللہ بن عمرؓ کی گواہی پر ان کے حق میں فیصلہ کر دیا۔﴾

وضاحت:

اس روایت کا کوئی حصہ نزاعی نہیں ہے اور یہ ٹھیک ہے۔ صہیب کے بیٹوں کو رسول اللہ ﷺ نے دو گھر اور ایک کمرہ عطا کیے تھے۔ ایک عرصہ گزرنے کے بعد ان کی ملکیت کے بارے میں کچھ اختلاف پیدا ہو گیا۔ معاملہ فیصلہ کے لیے مروان کے آگے پیش ہوا۔ اس نے گواہ طلب کیے تو حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے صہیب کے بیٹوں کے موقف کے حق میں گواہی دی۔ عبداللہ ابن عمرؓ کی گواہی سے بڑھ کر کس کی گواہی ہو سکتی تھی۔ مروان نے اس کے مطابق فیصلہ کر دیا۔ گویا یہ روایت بتاتی ہے کہ ہبہ میں جھگڑا پیدا ہونے کی صورت میں جانبین کو معاملہ عدالت میں لے جانا ہوگا۔

کتاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱. باب: ما قِيلَ فِي العُمْرَى وَالرُّقْبَى

أَعْمَرْتُهُ الدَّارَ فَهِيَ عُمْرَى، جَعَلْتُهَالَهُ اسْتَعْمَرَكُم فِيهَا جَعَلَكُمْ عُمَّارًا.

باب: عمریٰ اور رقبیٰ کے بارے میں۔ میں نے اس کو گھر عمر بھر کے لیے دے دیا یعنی اس کی ملکیت میں دے دیا۔ تو یہ عمریٰ ہے۔ قرآن مجید میں جو استعمر کم فیھا آیا ہے اس کے معنی ہیں تم کو زمین میں بسایا۔

وضاحت:

امام صاحب نے جو باب باندھا ہے اس میں عمریٰ اور رقبیٰ دونوں کو شامل کر دیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اصلاً اور معناً دونوں میں اگر کچھ تھوڑا سا لفظی قسم کا فرق ہے تو وہ آگے کی روایات سے واضح ہو جائے گا۔ حج میں بھی ایک عمرہ ہوتا ہے لیکن یہاں وہ مراد نہیں ہے بلکہ یہ عمریٰ ہے۔ یہ نیت کی ایک اصطلاح ہے۔ اگر کسی نے کہہ دیا کہ اعمر تک ھذا تو جاہلیت کے اصول کے مطابق یہ اس کے لیے عمریٰ بن جاتا تھا اور وہ اس چیز کا مالک ہو جاتا تھا۔ گویا یوں سمجھ لیجئے کہ ہبہ کی ایک شکل یہ بھی ہے۔ گویا لفظی فرق ہے اور معنوی فرق زیادہ نہیں ہے۔ البتہ یہ ہے کہ عمریٰ کے بارے میں اختلاف ہے کہ اس طریقہ سے کوئی شخص مالک ہو جاتا ہے یا نہیں تو جہاں تک جاہلیت کے اصول کا تعلق ہے اس میں کوئی شک کی گنجائش نہیں ہے۔ یہ ان کے ہاں کسی کو مالک بنانے کا ایک مسلم قاعدہ تھا۔ احناف کا اور شوافع کا مذہب بھی یہی ہے اور میرے نزدیک یہ ہے کہ حدیث میں بھی یہی بات ہے۔ امام صاحب کے باب باندھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مذہب بھی یہی ہے۔ امام صاحب نے لغت کا جو حوالہ دیا ہے اس سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے۔ فقہا تو اور بہت ہیں لیکن ان میں قابل ذکر مالکیہ ہیں جو کہتے ہیں کہ اگر کوئی شرط لگائی گئی ہے تو اس شرط کا لحاظ ہوگا۔ شرط کی قید میں بھی مانتا ہوں۔ اگر لگائی گئی ہے تو اس کا لحاظ ہوگا لیکن ساتھ ہی یہ بات میں کہتا ہوں کہ وہ عمریٰ نہیں ہے، وہ ایک مشروط عطیہ ہے۔

امام صاحب نے مثال دی ہے کہ اعمرته الدار فهي عمرى یعنی اگر کسی نے کسی کو گھر دے دیا تو اس کا مفہوم یہ

ہوگا جعلتھا لہ، اس کے لیے کر دیا۔ استعمر کم فیھا، میں نے تم کو اس میں عمار بنایا یعنی بسنے والا۔ کاروبار کرنے والا بنایا۔
آگے روایت آ رہی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اس امت میں یہ جائز ہے۔ یہ اس بنیاد پر ہے کہ اشیاء میں اصل چیز اباحت ہے، حرمت نہیں ہے۔ فقہا کا یہ اصول ہے کہ ہر چیز مباح ہے الا آنکہ اس میں حرمت کا کوئی پہلو ہو۔ تو جاہلیت کے اس طریقہ کو نبی ﷺ نے جائز قرار دے دیا۔ لیکن یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے ایک زمانے میں انصار کو اس سے کلی طور پر روکا تو نہیں بلکہ مشورہ دیا کہ تم لوگ اپنی زمینیں برباد نہ کرو، اس فراخی سے دے رہے ہو کہ جس کو چاہا کہہ دیا کہ تمہارے لیے عمریٰ ہے تو یہ طریقہ ٹھیک نہیں ہے۔ مطلب یہ کہ بہت فیاضی سے ہر چیز نہ دینے لگو، وہ ایک مشورہ تھا ممانعت نہیں تھی۔

ہمارے ہاں پسندیدہ طریقہ ہبہ کا ہی ہے اور اس طریقہ پر آپ کسی کو کوئی چیز شرعاً منتقل کر سکتے ہیں۔ عمریٰ کے طریقہ پر اگر آپ کریں گے تو بڑی بحثیں پیدا ہوں گی۔ ہماری عدلیہ کہے گی کہ یہ کیا چیز ہے اس لیے کہ ہمارے نظام معیشت میں اس کا رواج نہیں لیکن جائز ہے۔

۱۔ **حَدَّثَنَا اَبُوْنُعَيْمٍ حَدَّثَنَا شَيْبَانُ عَنْ يَحْيٰى عَنْ اَبِىْ سَلَمَةَ عَنْ جَابِرٍ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَضَى النَّبِىُّ ﷺ بِالْعُمْرٰى، اَنَّهَا لِمَنْ وُهِبَتْ لَهٗ.**

﴿حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے عمریٰ کے مقدمہ کا یہ فیصلہ کیا کہ وہ اس کے لیے ہے جس کو ہبہ کیا گیا ہے۔﴾

وضاحت:

اس روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عمریٰ کا معاملہ پہلے سے یعنی دور جاہلیت سے رائج تھا اور جب اس بارے میں نبی ﷺ کے پاس کوئی مقدمہ آیا تو آپ نے اسی روایت کے مطابق فیصلہ دیا جو پہلے سے چلی آ رہی تھی۔ کسی چیز کے لیے اگر حرمت کا کوئی سبب عقلی اور نقلی نہیں ہے تو وہ مباح ہے۔ اگر اس کو حرام قرار دیا جاتا تو سوال پیدا ہوتا کہ حرمت کی علت کیا ہے۔ شریعت کا یہ اصول ہے کہ جب تک حرمت کی کوئی علت نہ ہو تب تک کوئی چیز حرام نہیں ہو سکتی، مباح ہونے کے لیے کسی شرط کی ضرورت نہیں ہے۔ آسمان سے جو چیز برسی ہے سب مباح ہے۔ یہ ایک عظیم اصول ہے۔ چنانچہ عمریٰ کے بارے میں فیصلہ یہ ہوا کہ جس کو وہ شے دی گئی ہے وہ اس کا مالک ہے اور میرا خیال یہ ہے کہ اگر شرط کا مسئلہ ہوتا تو حضور ﷺ یہ فرماتے کہ شرط کا لحاظ ہوگا لیکن میں اس بارے میں کوئی قطعی بات نہیں کہتا۔ احناف اور شوافع کا رجحان یہ ہے کہ کوئی شرط وغیرہ نہیں ہے۔ عمریٰ اگر ہے تو شرط کی کوئی بحث نہیں ہے اور اگر ہے تو وہ عمریٰ نہیں بلکہ مشروط عطیہ ہے۔

۲۔ **حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ حَدَّثَنَا هَمَّام" حَدَّثَنَا قَتَادَةُ قَالَ حَدَّثَنِى النَّضْرُبْنُ اَنَسٍ عَنْ بَشِيْرِ بْنِ نَهِيْكٍ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِىِّ ﷺ قَالَ الْعُمْرٰى جَائِزَةٌ" وَقَالَ**

عَطَاء" حَدَّثَنِي جَابِر" عَنِ النَّبِيِّ ﷺ نَحْوَهُ.

﴿حضرت ابو ہریرہؓ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ عمریٰ جائز ہے۔ عطاء کہتے ہیں کہ مجھ سے جابرؓ نے بھی ایسی ہی بات کہی۔﴾

وضاحت:

'جائز ہے' سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ رسم جاہلیت کے دور سے چلی آ رہی تھی تو سوال پیدا ہوا کہ کیا اب بھی جائز ہوگی تو نبی ﷺ نے فرمایا کہ جائز ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں حرمت کی کوئی علت نہیں ہے۔

٢. باب: مَنِ اسْتَعَارَ مِنَ النَّاسِ الْفَرَسَ

باب: ان کے بارے میں جو لوگوں سے گھوڑا عاریۃً لیں

وضاحت:

عاریت ظاہر ہے کہ وہ لین دین ہے جس میں ملکیت منتقل نہیں ہوتی بلکہ منفعت عارضی طور پر منتقل ہوتی ہے۔ معاشرہ میں اس کا چلن ہے۔

٣۔ حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ قَالَ سَمِعْتُ أَنَسًا يَقُولُ كَانَ فَزَع" بِالْمَدِينَةِ فَاسْتَعَارَ النَّبِيُّ ﷺ فَرَسًا مِنْ أَبِي طَلْحَةَ يُقَالُ لَهُ الْمَنْدُوبُ فَرَكِبَ، فَلَمَّا رَجَعَ قَالَ مَا رَأَيْنَا مِنْ شَيْءٍ وَ إِنْ وَجَدْنَاهُ لَبَحْرًا.

﴿قتادہ کہتے ہیں کہ میں نے انسؓ کو یہ کہتے سنا کہ ایک مرتبہ مدینہ میں کوئی ہلچل ہوئی تو نبی ﷺ نے ایک گھوڑا حضرت ابوطلحہؓ سے عاریتاً لیا جس کا نام مندوب تھا۔ جب آپؐ واپس آئے تو فرمایا کہ کوئی گڑبڑ نہیں ہے، رہا یہ گھوڑا یہ تو سمندر کی موج ہے۔﴾

وضاحت:

کان فزع یعنی کوئی ہلچل مچی، خبر اڑی کہ دشمن آ گئے تو آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوطلحہ سے ان کا گھوڑا مندوب عاریۃً لیا اور شہر کا جائزہ لے کر کچھ دیر بعد واپس آئے تو آپ نے اصل واقعہ کے متعلق کہا کہ کوئی ہنگامہ نہیں ہے اور رہا یہ گھوڑا تو یہ اس طرح اڑتا ہے کہ گویا سمندر کی موج ہے۔

۳. باب: الاِسْتِعَارَةِ لِلْعَرُوسِ عِنْدَ الْبِنَاءِ.

باب: دلہنوں کی رخصتی کے وقت کوئی چیز عاریتاً لینا

۴۔ حَدَّثَنَا اَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا عَبْدُالْوَاحِدِ بْنُ اَيْمَنَ قَالَ حَدَّثَنِي اَبِي قَالَ دَخَلْتُ عَلَى عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا وَ عَلَيْهَا دِرْعُ قِطْرٍ، ثَمَنُ خَمْسَةِ دَرَاهِمَ، فَقَالَتِ ارْفَعْ بَصَرَكَ اِلَى جَارِيَتِي انْظُرْ اِلَيْهَا فَاِنَّهَا تُزْهِي اَنْ تَلْبَسَهُ فِي الْبَيْتِ، وَقَدْ كَانَ لِي مِنْهُنَّ دِرْعٌ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَمَا كَانَتِ امْرَاَةٌ تُقَيَّنُ بِالْمَدِينَةِ اِلَّا اَرْسَلَتْ اِلَيَّ تَسْتَعِيرُهُ.

﴿عبدالواحد بن ایمن کہتے ہیں کہ مجھ سے میرے باپ نے بیان کیا کہ میں حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور وہ ایک موٹے سوتی کپڑے کا کرتا پہنے ہوئے تھیں جس کی پانچ درہم قیمت رہی ہوگی۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ ذرا ہماری اس لونڈی کو دیکھئے کہ وہ یہ کرتا گھر میں پہننا بھی کسر شان سمجھتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں میرے پاس ایسا ہی کرتا تھا اور جس عورت کو مدینہ میں شادی کے موقعہ پر سنورنے کی ضرورت ہوتی تو وہ یہ کرتا مجھ سے مستعار لیتی۔﴾

وضاحت:

ابتدائی مدنی دور میں مسلمانوں کی زندگی بے حد غربت اور بے سروسامانی کی تھی۔ اس میں چولہا جلانا بھی مشکل تھا چہ جائیکہ خواتین عمدہ لباس پہن سکتیں۔ پہننے کو موٹا جھوٹا کپڑا مل جاتا تو وہی غنیمت تھا۔ حضرت عائشہؓ اس دور میں موٹا سوتی کپڑا پہنتی رہیں۔ بعد میں معلوم ہوتا ہے حالات بدل گئے تو بہتر لباس میسر آنے لگا۔ تاہم رسول اللہ ﷺ کے بعد انہوں نے اپنے اختیار سے وہی سادا لباس پہننا شروع کر دیا۔ اس کا باعث ان کا زہد تھا۔ فرماتی ہیں کہ یہ لباس میری لونڈی گھر کے اندر بھی نہیں پہنتی اور ناک بھوں چڑھاتی ہے۔

۴. باب: فَضْلُ الْمَنِيحَةِ

باب: دودھیل جانور دینے کی فضیلت

۵۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنْ اَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْاَعْرَجِ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ نِعْمَ الْمَنِيحَةُ اللِّقْحَةُ الصَّفِيُّ مِنْحَةً وَالشَّاةُ الصَّفِيُّ

تَغْدُو بِاِنَاءٍ وَتَرُوحُ بِاِنَاءٍ.

﴿حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ عطیہ ہونے کے لحاظ سے بہترین عطیہ دودھیل اونٹنی ہے اور دودھیل بکری جو دودھ کی گرمی لیے ہوئے صبح کرتی ہے اور دودھ کی گرمی لیے ہوئے شام کرتی ہے۔﴾

وضاحت:

اگر کسی شخص کو عطیہ دینا ہو تو بہترین عطیہ دودھیل اونٹنی یا بکری ہے جس کے تھن دودھ سے بھرے ہوں اور صبح و شام خوب برتن بھر دودھ دیتی ہو۔ ابتدائے دور ہجرت میں آنحضرت ﷺ نے مہاجرین کے مسئلے کا جو حل نکالا تھا اس میں ایک یہ بھی تھا کہ لوگوں کو مختلف طریقوں سے ابھارا گیا کہ وہ آنے والوں کا استقبال کریں۔ عرب سادہ لوگ تھے، اٹھنے پڑھنے کی ضرورت نہ تھی۔ بچوں کو دودھ پلا دیا اور گزارہ کرلیا۔ تو اس دور میں اقتصادی مسئلہ کا ایک حل یہ بھی تھا کہ دودھیل جانور عاریۃً ایک دوسرے کو دے دیے۔

عربی کے لحاظ سے یہ سوال ہوسکتا ہے کہ منحۃ کیا ترکیب ہے تو یہ تمیز ہے یعنی عطیہ ہونے کے اعتبار سے بہترین عطیہ یہ ہوگا۔

٦۔ حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ ابْنُ يُوْسُفَ وَ اِسْمٰعِيْلُ عَنْ مَالِكٍ قَالَ نِعْمَ الصَّدَقَةُ.

﴿امام مالک کی روایت میں الفاظ یوں ہیں کہ کیا اچھا صدقہ ہے۔﴾

وضاحت:

یعنی ان کی روایت میں نعم المنیحۃ کی جگہ نعم الصدقۃ ہے۔ میرے نزدیک دونوں صحیح ہیں۔ کھاتے پیتے لوگوں کو دیں تو نعم المنیحہ اور غریب کو دیں تو نعم الصدقۃ ہوگا۔

٧۔ حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ اَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ حَدَّثَنَا يُوْنُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ لَمَّا قَدِمَ الْمُهَاجِرُوْنَ الْمَدِيْنَةَ مِنْ مَكَّةَ وَلَيْسَ بِاَيْدِيْهِمْ يَعْنِيْ شَيْئًا وَ كَانَتِ الْاَنْصَارُ اَهْلَ الْاَرْضِ وَالْعَقَارِ فَقَاسَمَهُمُ الْاَنْصَارُ عَلٰى اَنْ يُعْطُوْهُمْ ثِمَارَ اَمْوَالِهِمْ كُلَّ عَامٍ وَ يَكْفُوْهُمُ الْعَمَلَ وَالْمُؤْنَةَ، وَكَانَتْ اُمُّهٗ اُمُّ اَنَسٍ اُمُّ سُلَيْمٍ، كَانَتْ اُمَّ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ اَبِيْ طَلْحَةَ، فَكَانَتْ اَعْطَتْ اُمُّ اَنَسٍ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عِذَاقًا فَاَعْطَاهُنَّ النَّبِيُّ ﷺ اُمَّ اَيْمَنَ مَوْلَاتَهٗ اُمَّ اُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ، قَالَ ابْنُ شِهَابٍ فَاَخْبَرَنِيْ اَنَسُ بْنُ مَالِكٍ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَمَّا فَرَغَ مِنْ قَتْلِ اَهْلِ خَيْبَرَ

فَانْصَرَفَ إِلَى الْمَدِينَةِ رَدَّ الْمُهَاجِرُونَ إِلَى الْأَنْصَارِ مَنَائِحَهُمُ الَّتِي كَانُوا مَنَحُوهُمْ مِنْ ثِمَارِهِمْ فَرَدَّ النَّبِيُّ ﷺ إِلَى أُمِّهِ عِذَاقَهَا وَأَعْطَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أُمَّ أَيْمَنَ مَكَانَهُنَّ مِنْ حَائِطِهِ وَقَالَ أَحْمَدُ بْنُ شَبِيبٍ أَخْبَرَنَا أَبِي عَنْ يُونُسَ بِهَذَا وَقَالَ مَكَانَهُنَّ مِنْ خَالِصِهِ.

﴿انس بن مالک کہتے ہیں کہ جب مہاجرین مکہ سے مدینہ آنے لگے تو ان کے ہاتھوں میں کچھ نہ تھا اور انصار زمینوں اور جائیدادوں کے مالک تھے تو انصار نے دعویٰ کیا کہ وہ مہاجرین کو ہر سال اپنی زمینوں کا پھل دیتے رہیں گے اور وہ ان کے لیے محنت اور لیبر مہیا کریں گے۔ اور انس کی ماں ام سلیم نے جو عبداللہ بن ابی طلحہ کی بھی ماں تھیں رسول اللہ ﷺ کو ایک لدا پھندا باغ دیا تھا جو نبی ﷺ نے اپنی آزاد کردہ لونڈی ام ایمن، جو اسامہ بن زید کی والدہ تھیں، کو دے دیا۔ ابن شہاب کہتے ہیں کہ مجھے انس بن مالکؓ نے بتایا کہ جب نبی ﷺ خیبر کی لڑائی سے فارغ ہو کر واپس لوٹے تو مہاجرین نے انصار کے دیے ہوئے تمام عطیے جو باغوں کے تھے واپس کر دیے۔ نبی ﷺ نے بھی باغ انس کی والدہ کو لوٹا دیا اور آپ نے ام ایمن کو اس باغ کی جگہ اپنے حصہ میں سے دیا۔ اور احمد بن شبیب کی روایت میں حائط کی بجائے خالصہ کا لفظ ہے۔﴾

وضاحت:

ایک چیز اس روایت میں متنبہ ہونے کی ہے، وہ یہ کہ زہری اس کی سند میں موجود ہیں۔ زہری روایت میں اپنی طرف سے کچھ نہ کچھ ڈال دیتے اور اضافہ کر دیتے ہیں جو حدیث کا جز نہیں ہوتا۔ یہ مشکلات بعض جگہ تو حل کر لی جاتی ہیں لیکن بعض جگہ بحثیں پیدا ہوتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس روایت کو زہری نے اس طرح بیان کیا ہے کہ جس سے مسئلہ الجھ گیا ہے۔ یہی روایت دوسری جگہ اس الجھاؤ کے بغیر ہے۔

جب مسلمان ہجرت کر کے مدینہ آئے تو انصار نے بڑی فیاضی سے کہا یا رسول اللہ ہماری زمینیں اور ہمارے باغ ہمارے اور ان مہاجرین بھائیوں کے درمیان تقسیم کر دیجئے۔ نبی ﷺ نے اس کی اجازت نہیں دی۔ پھر طے یہ ہوا کہ مہاجرین باغوں میں محنت کریں گے اور پھل تقسیم کر لیا جائے گا۔ وہی بات یہاں بھی ہے لیکن الفاظ میں پورا مفہوم ادا نہیں ہوا ہے۔ تقاسمهم الانصار کا کیا مطلب؟ یعنی انہوں نے تقسیم کر لیا۔ اس تقسیم کے طریق کار کی وضاحت موجود نہیں۔ انصار نے جو مقاسمت کی تھی وہ یہ تھی کہ مہاجرین محنت کریں گے، کاشت کریں گے، پانی وغیرہ دیں گے اور جو پھل ہو گا وہ بانٹ لیں گے۔ پھل کا لفظ اس لیے ہے کہ زیادہ تر کھجوروں کے باغ تھے۔ اگر آپ روایت کو مجروح نہ کرنا چاہیں تو کہہ سکتے ہیں کہ اس مفہوم کو راوی نے اجمال کے ساتھ یہاں بیان کر دیا ہے، اور یہی بہتر ہے۔ دوسری روایت کی روشنی میں معلوم ہوتا

ہے کہ نصف تقسیم ہونا طے پایا تھا۔ خیبر کی لڑائی کے بعد مہاجرین نے سب کچھ واپس کر دیا تھا اس لیے کہ ان کے پاس کافی مال غنیمت جمع ہو گیا تھا۔ ام انس نے جو زمین دی تھی وہ بھی نبی ﷺ نے واپس کر دی اور اس کی جگہ ام ایمن کو اپنے حصہ میں سے دیا۔ باقی رہ گیا ام انس فلاں کی بھی والدہ تھیں اور فلاں کی بھی اور ام ایمن فلاں کی بیوی تھیں، یہ سب زہری کے اضافے ہیں جن کا روایت کے مضمون سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

اس روایت میں ہے کہ من حائطه اپنے باغ سے دیا۔ اور احمد بن شعیب کی روایت میں ہے کہ من خالصه اپنے خاص حصہ میں سے دیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ راوی کو یہ اشتباہ اس وجہ سے ہوا کہ روایت بالالفاظ نہیں ہے بلکہ بالکتاب ہے۔ محدثین کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ وہ شاگرد کو کتاب دے کر روایت کا اجازت نامہ لکھ دیتے ہیں۔ اس کو یہ مناولہ کا طریقہ کہتے ہیں، تو اس کتاب میں اگر کچھ غلط نقل ہوا ہے تو واضح نہیں ہو رہا کہ لفظ کیا ہے تو وہ اسی طرح روایت میں بھی آ جائے گا۔ معلوم ہوتا ہے نسخہ میں حائط کی جگہ خالصه لکھا ہوگا جو احمد بن شعیب نے روایت کر دیا۔ میرے استاد حدیث مولانا عبدالرحمٰن محدث مبارک پوری شارح ترمذی نے مجھے بھی جامع ترمذی کا نسخہ اپنے دستخط ثبت کر کے مجھے دے دیا وہ میں نے قبول کر لیا لیکن مجھے ڈر ہوا کہ کتاب دے کر وہ مجھے فارغ نہ کر دیں لیکن انہوں نے میرے ساتھ کرم کیا اور باقاعدہ پڑھایا۔ مناولہ کے اس طریقہ میں یہ خطرہ ہے کہ الفاظ کی روایت ہو تو احتیاط کریں گے لیکن اگر کتاب کی روایت کو لیجئے تو اس میں جو کچھ بھی کاتب کی غلطی ہوگی وہ بھی روایت میں آ جائے گی۔ اور یہ بات ایک حقیقت ہے کہ کاتبوں نے غلطیاں کی ہیں۔

۸۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ حَدَّثَنَا الْأَوْزَاعِيُّ عَنْ حَسَّانَ بْنِ عَطِيَّةَ عَنْ أَبِي كَبْشَةَ السَّلُولِيِّ سَمِعْتُ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ عَمْرٍو رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَرْبَعُونَ خَصْلَةً أَعْلَاهُنَّ مَنِيحَةُ الْعَنْزِ، مَامِنْ عَامِلٍ يَعْمَلُ بِخَصْلَةٍ مِنْهَا رَجَاءَ ثَوَابِهَا، وَتَصْدِيقَ مَوْعُودِهَا، إِلَّا أَدْخَلَهُ اللّٰهُ بِهَا الْجَنَّةَ، قَالَ حَسَّانُ فَعَدَدْنَا مَا دُونَ مَنِيحَةِ الْعَنْزِ، مِنْ رَدِّ السَّلَامِ، وَتَشْمِيتِ الْعَاطِسِ، وَإِمَاطَةِ الْأَذَى عَنِ الطَّرِيقِ وَنَحْوِهِ، فَمَا اسْتَطَعْنَا أَنْ نَبْلُغَ خَمْسَ عَشْرَةَ خَصْلَةً.

﴿ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا چالیس عمدہ خصلتیں ہیں اور ان میں سب سے بڑی دودھیل بکری کا عطیہ ہے۔ ان میں سے کسی ایک خصلت پر جو کوئی اس پر ثواب کی امید رکھ کر اور وعدہ کو سچا جان کر عمل کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل فرمائے گا۔ حسان کہتے ہیں کہ ہم نے بکری کے ثواب کے نیچے کی نیکیاں گننا شروع کیں جیسے سلام کا جواب دینا، چھینک کا جواب دینا، راستہ سے کوئی

تکلیف دہ چیز ہٹا دینا وغیرہ۔ غرض اس طریقہ سے کوشش کر کے ہم صرف پندرہ تک پہنچے۔ ﴾

وضاحت:

چالیس میں سے ایک افضل نیکی دودھ والی بکری کا عطیہ ہے اور ان نیکیوں کے کرنے میں دو شرطیں لگائی ہیں۔ ایک یہ کہ ثواب کی امید رکھتے ہوئے اور دوسرے موعود کو سچا جان کر عمل کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل فرمائے گا۔ نیکی اس خیال کے ساتھ کریں کہ اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ ہے۔ نیز یہ کہ اس پر جو اجر ہے وہ واقعتاً اللہ تعالیٰ عطا فرمائے گا۔ نیکی کرنے میں حالات کو بھی دخل ہے۔ اس زمانے میں اس طرح کے عطیوں کی بڑی ضرورت تھی اور اس لحاظ سے نیکی کا درجہ بھی بہت بڑھ جاتا ہے۔ قحط کے زمانے میں اگر کسی کی مدد کریں تو عام حالات کے مقابلہ میں اس کا درجہ زیادہ ہوگا۔

حسان کہتے ہیں کہ ہم نے گننا شروع کیا کہ بکری کے عطیہ کے ثواب کے نیچے کی چیزیں اور کیا ہو سکتی ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم پندرہ سے زیادہ نہیں گن پائے اور اس میں سلام کا جواب دینا، چھینک کا جواب دینا وغیرہ شامل ہیں۔ لیکن میرا خیال یہ ہے کہ اس جھگڑے میں نہیں پڑنا چاہیے اور یہ بات جتنی مجمل ہے ویسی ہی چھوڑ دینا چاہیے۔ اگر آپ متعین کریں گے تو ہوسکتا ہے کہ بڑی نیکی کو چھوٹی بنا دیں اور چھوٹی کو بڑی بنا دیں۔ لوگوں نے گننے کی کوششیں کی ہیں، میں نے کوشش نہیں کی اور اس بات پر مطمئن ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجمل فرما دیا تو وہ ٹھیک بات ہے۔ جو بات یاد رکھنے کی اور کرنے کی ہے وہ دو شرائط ہیں جو حدیث میں بیان ہوگئی ہیں۔

۹۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا الْاَوْزَاعِیُّ قَالَ حَدَّثَنِی عَطَاءٌ" عَنْ جَابِرٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَتْ لِرِجَالٍ مِنَّا فُضُولُ اَرَضِيْنَ فَقَالُوا نُؤَاجِرُهَا بِالثُّلُثِ وَالرُّبُعِ وَالنِّصْفِ، فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ مَنْ كَانَتْ لَهُ اَرْضٌ " فَلْيَزْرَعْهَا اَوْ لِيَمْنَحْهَا اَخَاهُ فَاِنْ اَبٰى فَلْيُمْسِكْ اَرْضَهُ.

﴿ عطاء حضرت جابرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ کچھ لوگوں کے پاس فالتو زمینیں تھیں تو وہ آپس میں یوں گفتگو کرتے تھے کہ ہم اس کو تہائی یا چوتھائی یا نصف پیداوار پر اجرت پر دیں گے تو نبی ﷺ نے یہ فرمایا کہ جس کے پاس زمین ہے وہ خود کاشت کرے یا اس کو عطیہ کے طور پر اپنے بھائی کو دے دے اور اگر یہ منظور نہیں تو اپنی زمین اپنے ساتھ باندھ رکھے۔ ﴾

وضاحت:

یہ حدیثیں ہیں کہ جس کی بنیاد پر آج کل یہ فتویٰ دیا جا رہا ہے کہ زمینداری حرام ہے اور اس کے ساتھ یہ بھی فتویٰ ہے کہ غیر حاضر مالک زمین (Absentee Landlord) کا اسلام میں کوئی وجود نہیں ہے۔ گویا جس کے پاس زمین ہے تو

وہ جس طریقہ سے اپنی گائے بھینسوں کو باندھتا ہے اسی طریقہ سے ایک کھونٹا زمین میں گاڑ کر اپنے کو باندھ لے۔ اگر وہ لاہور یا مری میں کوئی بنگلہ بنا کر رہتا ہے تو اس کی زمین ختم۔ اس لیے ان حدیثوں کا صحیح موقع اور مقام سمجھنا ضروری ہے۔

بات اصل میں یہ ہے کہ جب مہاجرین کی مدینہ آمد شروع ہوئی تو زمینوں کی قدر و قیمت بڑھ گئی۔ لوگوں کے پاس فالتو زمینیں تھیں، الفاظ میں فضول ارضین، جس کو ہمارے اعظم گڑھ کی زبان میں پڑتی زمین کہتے ہیں، ایسی زمینیں جن کو زمیندار آباد نہیں کر پاتا۔ بسا اوقات پانی کی مشکل ہوتی ہے یا کوئی اور زحمت ہوتی ہے۔ یہ زمینیں قابل زراعت ہوتی ہیں لیکن زمیندار ان کو آباد نہیں کر پاتا۔ جو زمینیں آباد تھیں ان پر تو مہاجرین کے بسانے کا آنحضرت ﷺ نے بٹائی کا طریقہ اختیار کیا۔ بٹائی میں ثلث، چوتھائی یا نصف کی قید نہیں بلکہ فریقین جو بھی تناسب طے کر لیں۔ مگر آپ یہ چاہیں کہ متعین اتنے من غلہ لوں گا یا اتنے روپے لوں گا تو یہ جائز نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام میں معاملہ کی وہ شکل جائز نہیں جس میں ایک فریق کو ضرر یا غرر ہو۔ نصف یا چوتھائی حصہ مقرر کرنے میں یہ بات نہیں اس لیے کہ دونوں کو متناسب حصہ ملے گا۔ متعین حصہ میں یہ ہوگا کہ آپ تو اتنے من غلہ لے لیں گے اور پیداوار نہیں ہوئی تو دوسرا فریق مارا گیا۔

روایت کا طرز بیان بتا رہا ہے کہ فالتو زمینوں کے بارے میں لوگوں میں چرچا ہوا اور وجہ مہاجرین کی آمد تھی تو آنحضرت ﷺ نے ان زمینوں کے بارے میں یہ مشورہ دیا کہ وہ زمینیں یا تو مالک خود کاشت کریں یا آنے والوں کو بطور منیحہ یعنی عطیہ کے دے دیں۔ منیحہ ایک عطیہ ہے اس کو ہبہ یا عاریت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اوپر روایت گزر چکی ہے کہ اس طریقہ کے منیحہ لوگوں نے خیبر کی جنگ کے بعد واپس کر دیے اور خود آنحضرت ﷺ نے ام انس کو ان کی زمین واپس کر دی۔ یہ انصاف کا تقاضا تھا اور اس میں یہ بات مضمر تھی کہ جب موقع آئے گا تو یہ عطیے واپس کر دیں گے۔ ان زمینوں سے زمینداری سے متعلق یہ کلیہ پیدا کر لینا کہ حرام ہے، یہ صرف وہ لوگ کر سکتے ہیں جن کے اندر اشتراکیت گھس آئی ہو۔ اس روایت کو زمینداری سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ آنحضرت ﷺ نے لوگوں کو شوق دلایا کہ فالتو زمینیں آباد کرنے کے لیے یہ طریقہ اختیار کریں ورنہ زمینیں اپنی کمر کے ساتھ باندھ رکھیں۔

دوسرے یہ کہ غیر حاضر مالک زمین ہو ہی نہیں سکتا تو یہ وہ شخص کہہ سکتا ہے جس نے اسلام کی تاریخ کا ایک حرف بھی نہ پڑھا ہو۔ حضرت ابوبکرؓ غیر حاضر مالک زمین تھے کہ نہیں۔ حضرت عائشہؓ نے حضرت حفصہؓ کو جو زمینیں دی تھیں ان کا حصہ ملتا رہا کہ نہیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے سیدہ عائشہؓ کو جو زمین دی تھی اس کے متعلق بعد میں ترمیم کی۔ آپؓ نے کہا کہ بیٹی تم نے قبضہ کر لیا ہوتا تو اور بات تھی لیکن نہیں کیا ہے تو ایک مسئلہ پیدا ہو گیا ہے۔ وہ یہ کہ میری بیوی کا جو بچہ ان کے بطن میں ہے، مجھے گمان ہے کہ وہ لڑکی ہے اور اس کے پیدا ہونے کے بعد تمہارا جو شرعی حصہ بنتا ہے وہ لے لو۔ حضرت عمرؓ کی زمینیں مدینہ کے قریب تھیں اور عبداللہ بن عمرؓ ہفتے ہفتے جا کر وہاں رہتے۔ یہ سب بڑے لوگ غیر حاضر مالک زمین تھے۔ میرا خیال ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ جیسے زاہد خشک کا پیدا ہونا مشکل ہے اور یہ ممکن نہیں کہ کوئی چیز اگر جائز نہیں ہے تو وہ اس کو جائز کہہ دیں۔ یہ یاد

دیکھیے کہ روایت غیر آباد زمینوں کے بارے میں ہے۔ زمینوں کے بارے میں جھگڑے ہمارے ہاں بھی ہیں۔ ایک مسلم لیگی لیڈر مخدوم زادہ صاحب کا فون آیا کہ زمینداروں کی جو زمینیں فالتو ہیں ان کے بارے میں آپ کا کیا فتویٰ ہے۔ میں نے کہا کہ پہلی بات تو یہ ہے کہ ایسی چیزیں فون پر بتانے کی نہیں ہوتیں لیکن اگر آپ پوچھنا ہی چاہتے ہیں تو میری رائے یہ ہے کہ زمیندار اگر فالتو زمینیں آباد نہ کر سکے تو سب سے پہلے ان کو پانی فراہم کیجئے۔ پانی ملے تب ان کو نوٹس دے دیں کہ تین سال کے اندر اگر آباد نہیں کیا تو زمینیں ضبط کر لی جائیں گی۔ اس کے بغیر آپ ان کی زمینیں بغیر قیمت دیے نہیں لے سکتے۔ بات ان کے منشاء کے مطابق نہیں رہی ہوگی تو انہوں نے فون بند کر دیا۔ میرا فتویٰ یہی ہے۔

۱۰۔ وَقَالَ مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا الأَوْزَاعِيُّ حَدَّثَنِي الزُّهْرِيُّ حَدَّثَنِي عَطَاءُ بْنُ يَزِيدَ حَدَّثَنِي أَبُو سَعِيدٍ قَالَ جَاءَ أَعْرَابِيٌّ" إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَسَأَلَهُ عَنِ الْهِجْرَةِ، فَقَالَ وَيْحَكَ إِنَّ الْهِجْرَةَ شَأْنُهَا شَدِيدٌ"، فَهَلْ لَكَ مِنْ إِبِلٍ، قَالَ نَعَمْ قَالَ فَتُعْطِي صَدَقَتَهَا، قَالَ نَعَمْ،قَالَ فَهَلْ تَمْنَحُ مِنْهَا شَيْئًا، قَالَ نَعَمْ،قَالَ فَتَحْلُبُهَا يَوْمَ وِرْدِهَا، قَالَ نَعَمْ، قَالَ فَاعْمَلْ مِنْ وَرَاءِ الْبِحَارِ فَإِنَّ اللَّهَ لَنْ يَتِرَكَ مِنْ عَمَلِكَ شَيْئًا.

﴿ابوسعید کہتے ہیں کہ ایک بدو نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ہجرت کے متعلق سوال کیا۔ آپؐ نے فرمایا تجھ پر افسوس، ہجرت کا معاملہ بہت کٹھن ہے۔ یہ بتاؤ تمہارے پاس اونٹ ہیں تو اس نے کہا ہاں ہیں۔ آپؐ نے پوچھا صدقہ دیتے ہو؟ اس نے کہا ہاں دیتا ہوں۔ آپؐ نے پوچھا اس میں سے کچھ عطیہ بھی دیتے ہو؟ اس نے کہا ہاں۔ آپؐ نے پوچھا کیا پانی پلانے کے دن اس کو دوہتے ہو؟ اس نے کہا ہاں۔ تو آپؐ نے فرمایا سمندری سفر کا حوصلہ چھوڑ کر یہیں گھر بیٹھے نیکی کماؤ، اللہ تعالیٰ تمہاری نیکی میں کوئی کمی نہیں فرمائے گا۔﴾

وضاحت:

یہ روایت اوپر والی روایت کے تحت بطور تعلیق کے آئی ہے۔ میں نے بہت غور کیا لیکن یہ روایت میری سمجھ میں نہیں آئی۔ ایک مشکل یہ ہے کہ فتح الباری اور عینی کو دیکھئے تو ان کا طریقہ یہ ہے کہ کہتے ہیں یہ روایت فلاں باب میں گزر چکی ہے، وہاں بحث کی ہے وہاں دیکھئے۔ اول تو یہی مشکل ہوتا ہے کہ وہ جلد تلاش کی جائے، باب ڈھونڈا جائے، لیکن ایسا موقع ہوا تو میں نے تجربہ کیا اور تلاش کر کے جب دیکھا تو وہاں انہوں نے کہہ دیا کہ فلاں باب میں ہم بحث کر آئے ہیں۔

بہرحال اس روایت کے متعلق سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ بدو کہاں کا تھا۔ مکہ کا حوالی تھا؟ یہ ہو نہیں سکتا اس لیے کہ مکہ سے پہلے ہی روز سے ہجرت ہو رہی تھی، پہلے حبشہ پھر مدینہ اور پھر بعد میں ہجرت نیکی نہیں بلکہ واجب ہوگئی۔ اور وہ مرحلہ

آ گیا کہ ہجرت نہ کرنے والے منافق قرار پائے۔ اگر وہ مدینہ کے اطراف کا بدو تھا تو مدینہ دارالہجرت تھا وہاں سے ہجرت کے کیا معنی وہاں تو سب کو آنا تھا۔ اگر وہ اعراب میں سے تھا تو کہہ دیا جاتا کہ شہر آ جاؤ ہم تمہاری مدد کریں گے۔ تو سوال یہ ہے کہ وہ کہاں کا تھا اور کہاں ہجرت کرنا چاہتا تھا۔ یہ میرے شبہات سمجھ لیجیے اور یہ کافی قوی ہیں۔ البتہ اگر معنی بنانا چاہیں تو ایک راستہ ہے، گو کہ مجھے اس پر پورا اطمینان نہیں ہے لیکن بیان کیے دیتا ہوں۔ میرا خیال یہ ہے کہ اگر ہجرت کو لغوی معنی میں لیں تب ایک بات بن سکتی ہے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ ایک شخص اپنی جگہ سے کسی وجہ سے تنگ ہو اور کہیں اور جا کر کچھ کمانا کھانا چاہتا ہو۔ جو لوگ جاتے تھے وہی راستے اختیار کرتے یا تو مصر و حبشہ کا راستہ یا پھر خلیج وایران کا۔ تو ظاہر ہے کہ دارالہجرت کو چھوڑ کر کہیں جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ آنحضرت ﷺ نے کہا ہوگا کہ یہ کام کٹھن ہے، گھر نہ چھوڑو اپنی جگہ پر جمے رہو۔ کھانے پینے کے لیے اونٹ بکریاں ہیں تو ان ہی پر گزارا کرو اور اس میں سے کچھ صدقہ خیرات کرکے جتنی نیکی کرنی ہے کرو اللہ تعالیٰ اجر دے گا۔ دریا کا سفر بہت مشکل ہے یہیں بیٹھ کر کھاؤ۔ ہجرت کے لغوی معنی لینے میں ایک شکل یہ بنتی ہے ورنہ روایت کا حل مشکل ہے۔

۱۱۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُالْوَهَّابِ حَدَّثَنَا اَيُّوبُ عَنْ عَمْرٍو عَنْ طَاوسٍ قَالَ حَدَّثَنِي اَعْلَمُهُمْ بِذَاكَ يَعْنِي ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ خَرَجَ اِلٰى اَرْضٍ تَهْتَزُّ زَرْعًا، فَقَالَ لِمَنْ هٰذِهِ، فَقَالُوا اكْتَرَاهَا فُلَانٌ، فَقَالَ اَمَا اِنَّهُ لَوْ مَنَحَهَا اِيَّاهُ كَانَ خَيْرًا لَهُ مِنْ اَنْ يَاْخُذَ عَلَيْهَا اَجْرًا مَعْلُومًا.

﴿حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ ایک جانب کو نکلے کہ جہاں ایک زمین کی کھیتی لہلہا رہی تھی، آپ نے پوچھا یہ کس کے کھیت ہیں تو لوگوں نے جواب دیا کہ فلاں نے کرایہ پر لے رکھا ہے۔ آپ نے فرمایا اگر زمین کا مالک اس کو بخش دیتا، منیحہ کے طور پر تو وہ اس کے لیے بہتر ہوتا اس سے کہ وہ اس پر ایک متعین اجر لے۔﴾

وضاحت:

یہ روایت بھی انہی روایتوں میں ہے کہ جس سے لوگ استدلال کرتے ہیں کیونکہ جس بات پر زور ہے وہ یہ ہے کہ متعین اجر نہیں لے سکتے۔ متعین اجر کا مطلب یہ ہے کہ آپ کہیں کہ اتنے روپیہ لوں گا یا اتنے من غلہ لوں گا اور اس میں ممانعت کا پہلو ضرر یا غرر ہے۔ فصل بالکل نہ ہو یا خراب ہو اور زمین دینے والا متعین من غلہ لے لے تو کاشت کرنے والا کیا کرے گا اس وجہ سے جائز نہیں ہے۔ باقی رہ گیا کہ بخش دینے کا ذکر آپ نے فرمایا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ انصار کو اس وقت بتانے اور

شوق دلانے کی ضرورت تھی۔ آباد زمین پر انصار اور مہاجرین کے درمیان معاہدہ بٹائی پر ہوا۔ فالتو زمینوں کے متعلق فرمایا کہ اس کو یوں ہی فضیلت کے طور پر دے دیں تو بہتر ہے۔ اس سے زمینداری کی نفی ہوتی ہے نہ بٹائی پر دینے کی نفی ہوتی ہے۔ بٹائی ہی متعین اجر نہیں بلکہ نصف یا چوتھائی یا جو بھی مناسب شرح آپس کی رضامندی سے طے ہو جائے وہ ہو گا۔

۵. باب: إِذَا قَالَ أَخْدَمْتُكَ هٰذِهِ الْجَارِيَةَ عَلَى مَا يَتَعَارَفُ النَّاسُ فَهُوَ جَائِزٌ"، وَقَالَ بَعْضُ النَّاسِ هٰذِهِ عَارِيَةٌ"، وَ إِنْ قَالَ كَسَوْتُكَ هٰذَا الثَّوْبَ فَهُوَ هِبَةٌ".

باب: اس بارے میں کہ اگر کسی نے کہا کہ میں نے یہ لونڈی تمہاری خدمت میں دی تو اس کا مطلب عام معروف مفہوم میں لینا جائز ہوگا۔ اور کہتے ہیں کہ بعض لوگوں نے کہا اس کا مطلب صرف عاریت ہوسکتا ہے۔ اور یہ کہا کہ یہ کپڑا میں نے تم کو پہنایا تو اس کو ہبہ سمجھا جائے گا۔

وضاحت:

اگر کسی نے یہ کہا کہ اخدمتک هذه الجارية میں نے اس لونڈی کو تمہاری خدمت میں دیا تو کہتے ہیں کہ اس کا وہی مطلب لیا جائے گا جو معاشرہ میں معروف ہوگا۔ یعنی اگر معاشرہ میں اس کا مطلب تملیک یا ہبہ سمجھا جاتا ہے تو وہی مراد ہوگا اور اگر عام معروف یہ ہے کہ اس سے عاریت مراد ہے تو وہی مطلب لیا جائے گا۔ یہ بات ٹھیک ہے اس لیے کہ عام بول چال میں جو مطلب لیا جاتا ہے وہ معروف ہی لیا جاتا ہے۔ لونڈیوں اور غلاموں سے متعلق جو بحث ہے، اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ہم اس سے بری ہو گئے۔ اسلام نے سب سے پہلے اس باطل سسٹم کو ختم کرنا چاہا تھا لیکن دنیا نے اگر کر دیا ہے، آپ اولیت حاصل نہیں کر سکے تو پیچھے چلنے میں کمی نہ کیجئے۔ غلام اور لونڈی کا زمانہ تو نہیں آ سکتا لیکن اس زمانے میں اگر آپ سمجھنا چاہتے ہیں تو مطلب یہ ہے کہ ایک بات متعارف معنی میں لی جائے گی۔

پھر کہتے ہیں کہ وقال بعض الناس هذه عارية، اور بعض لوگوں نے کہا کہ یہ عاریت ہو گی۔ اب یہ بعض الناس کون لوگ ہیں۔ بہرحال انہوں نے کہا کہ اس کا مطلب صرف عاریت ہوسکتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ عاریت کیسے ہو سکتا ہے اگر کسی نے کہا اخدمتک هذه الجارية تو اس کے معنی آپ عاریت کے آخر کیوں لیں گے۔ اگر کسی معاشرہ میں اس کا مطلب کچھ اور سمجھا جاتا ہے تو عاریت کے معنی آپ کیسے گھسیڑ سکتے ہیں۔ ٹھیک بات یہ ہے کہ جو مطلب اس زبان

کے بولنے والوں میں معروف ہے وہی لیا جائے گا۔

اور کہتے ہیں کہ 'ان قال کسوتک هذا الثوب' اگر اس نے کہا کہ میں نے یہ کپڑا تم کو پہنایا، تو اس کو ہبہ سمجھا جائے گا۔ ٹھیک ہے اگر چھوٹی سوئی چیز یہ کہہ کر حوالے کرے کہ میں نے تم کو دی تو یہی مطلب ہوگا کہ چیز آپ کی ہوئی۔ ہاں اگر یہ کہے کہ یہ اونٹنی میں نے آپ کو دودھ پینے کے لیے دی ہے تو آپ اونٹنی پر قبضہ نہیں کر سکتے، عاریت ہی مراد ہوگی۔

اب سوال یہ ہے کہ ان اقوال کو حدیث سے کیا تعلق ہے۔ فقہ میں مجہول فقہا کے ایک قول کے طور پر ان کو لیا جائے تو یہ ٹھیک ہے۔ بات یہ ہے کہ بخاری شریف اصلاً امام بخاری کی فقہ کی کتاب ہے، حدیث اس میں ضمناً ہے۔ یہ بات بھی ہے کہ اس میں فقہ کے سلسلے میں ایسے لوگوں کے اقوال نقل ہیں جن کو ہم جانتے نہیں کہ وہ کون تھے اور کہاں کے رہنے والے تھے۔ معروف چیز یہ ہے کہ قول احناف کی طرف منسوب ہو، شوافع کی طرف یا مالکیہ کی طرف ہو تو ہم سمجھ سکتے ہیں۔ ان ائمہ کی شہرت ہے اور ان کے تواتر کی وجہ سے ان کے اقوال کی اہمیت ہوگئی ہے لیکن ایرے غیرے کا قول آپ ذکر کر دیتے ہیں وہ بھی بخاری جیسی کتاب میں تو آخر کتنا بوجھ کوئی اٹھائے۔ بہر حال جو قول نقل ہوئے ہیں ان کو ایک رائے ہی کا درجہ حاصل ہے۔ حدیث سے ان کو کوئی تعلق نہیں۔

۱۲۔ حَدَّثَنَا اَبُوالْيَمَانِ اَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ" حَدَّثَنَا اَبُوالزِّنَادِ عَنِ الْاَعْرَجِ عَنْ اَبِی هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ هَاجَرَ اِبْرَاهِيمُ بِسَارَةَ فَاَعْطَوْهَا آجَرَ فَرَجَعَتْ فَقَالَتْ اَشَعَرْتَ اَنَّ اللّٰهَ كَبَتَ الْكَافِرَ، وَ اَخْدَمَ وَلِيدَةً، وَقَالَ ابْنُ سِيرِينَ عَنْ اَبِی هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ فَاَخْدَمَهَا هَاجَرَ.

﴿حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، حضرت ابراہیم نے حضرت سارہ کے ساتھ ہجرت کی تب سارہ کو انہوں نے ہاجرہ عطا کیں۔ وہ (حضرت سارہ) لوٹ کر آئیں تو کہنے لگیں دیکھا تم نے، اللہ تعالیٰ نے کافر کو کیسا ذلیل کیا اور اس نے میری خدمت کے لیے ایک لونڈی دے دی۔ اور ابن سیرین حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں، نبی ﷺ نے فرمایا ان کی خدمت کے لیے ہاجرہ کو دیا۔﴾

وضاحت:

یہ روایت اسرائیلیات میں سے ہے اور اس کو امام صاحب کئی بار نقل کر چکے ہیں۔ اسرائیلیات جتنی منقول ہیں تقریباً سب کی سب حضرت ابوہریرہؓ سے منسوب ہیں۔ اس روایت میں یہودیوں نے تین باتیں ثابت کرنا چاہی ہیں۔ ایک تو یہ کہ حضرت ابراہیم نے العیاذ باللہ جھوٹ بولا، دوسرے یہ کہ حضرت ہاجرہ لونڈی تھیں، اور تیسرے یہ کہ حضرت اسمٰعیل لونڈی کی اولاد تھے۔ اس روایت میں عبارت کو بالکل مسخ کر دیا گیا ہے اور اس کے بیچ میں بہت بڑا حذف ہے۔ یہ واقعہ جس

طرح دوسری جگہ بیان ہوا اس کو نقل کرنے کی ذمہ داری مجبوراً لے رہا ہوں۔ وہ یوں بیان ہوا ہے کہ حضرت ابراہیم حضرت سارہ کے ساتھ ہجرت کر کے مصر کی طرف گئے اور وہاں کے بادشاہ نے جب سنا کہ ایک شخص آیا ہے اور ایک خوبصورت عورت اس کے ساتھ ہے تو اس نے پوچھا کہ یہ کون ہے۔ حضرت ابراہیم نے، معلوم نہیں کیوں، کہا کہ یہ میری بہن ہے۔ بادشاہ نے حضرت سارہ کو بلوایا۔ حضرت ابراہیم متردد ہوئے، پھر حضرت سارہ نے کہا آپ مجھے بھیج دیجئے۔ وہ گئیں تو اس ظالم نے ان کی طرف ہاتھ بڑھایا تو اس کا ہاتھ مفلوج ہو گیا اور وہ گر پڑا۔ حضرت سارہ نے یہ سوچ کر کہ بادشاہ اگر ہلاک ہو گیا تو الزام میرے سر آئے گا، دعا کی اور وہ ٹھیک ہو گیا۔ اس نے پھر ہاتھ بڑھایا اور اس کا ہاتھ مفلوج ہو گیا اور وہ پھر گر گیا۔ غرض تین بار اسی طرح ہوا۔ اس نے سوچا کہ اس عورت کی کوئی کرامت ہے لہٰذا اس کو (حضرت سارہ کو) رخصت کر دیا اور خدمت کے لیے ایک لونڈی بھی ساتھ کر دی جو حضرت ہاجرہ تھیں۔ جب حضرت سارہ واپس آئیں تو حضرت ابراہیم سے کہا دیکھا تم نے کافر کا حشر! اور خدمت کے لیے ایک لونڈی بھی ساتھ دی۔

روایات میں حضرت ابراہیم کے جو تین جھوٹ بڑے شرف کے ساتھ گنائے جاتے ہیں اس میں سے ایک جھوٹ یہ ہے کہ انہوں نے بیوی کو بہن کہا۔ اللہ تعالیٰ نے تو حضرت ابراہیمؑ کو صدیقاً نبیاً بتایا ہے یعنی نہایت سچا اور پختہ نبی اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ ایک نہیں، دو نہیں، پورے تین جھوٹ بولے۔ معلوم نہیں امام صاحب کو کیا دلچسپی ہے کہ وہ بار بار اس روایت کو نقل کرتے ہیں اور پھر لطیفہ یہ ہے کہ روایت کی عبارت بھی سمجھ میں نہیں آتی کہ کتنا حذف ہے اور جب تک کہ خلا بھرا نہ جائے ترجمہ بھی نہیں بنتا۔ اس روایت کو کوئی تعلق اسلام سے نہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ حدیث پر بالکل غور نہیں کیا گیا اور اس طرح کی فضولیات کو بھی بھر دیا گیا۔ اس کی شدت سے تردید ہونی چاہیے۔ میرا خیال یہ ہے کہ اس روایت کے لینے میں عربوں کو بھی غیرت نہیں آئی جس میں ان کی اتنی بڑی توہین ہے۔ کیونکہ یہودیوں نے شرف میں اپنے سے کمتر ثابت کرنے کے لیے ان کو لونڈی کی اولاد ظاہر کیا ہے۔

میرے استاذ مولانا حمید الدین فراہیؒ کی تحقیق کے مطابق وہ ملک مصر جس میں حضرت ابراہیمؑ تشریف لے گئے جزیرہ نمائے عرب ہی میں تھا۔ جہاں وہ مقیم ہوئے اس کے جنوب میں عربوں کی ریاست تھی جس کا حکمران بنو جرہم کا ایک ملک تھا۔ اس نے حضرت ابراہیمؑ سے ملاقات کی تو ان کی خوبیوں اور نیکی کا معترف ہو گیا۔ وہ نہ صرف معترف ہوا بلکہ ان کا معتقد ہو گیا اور مال مویشی دینے کے علاوہ اس نے اپنی بیٹی ان کے عقد میں دے دی۔ چنانچہ ہاجرہ کا تعلق عرب قبیلہ بنو جرہم سے تھا اور وہ ایک بادشاہ کی بیٹی تھیں۔ اسی تعلق کی بنا پر بنو جرہم مکہ جا کر آباد ہوئے اور حضرت اسماعیلؑ کی شادی بھی بنو جرہم میں ہوئی۔ حضرت ہاجرہ کا یہ شرف یہود کو بھلا کہاں گوارا ہو سکتا تھا۔ انہوں نے ایک غیر عقلی اور غیر حقیقی واقعہ گھڑا اور حضرت ابراہیمؑ سے منسوب کر دیا۔ اسی کی روایت اسرائیلیات میں شامل ہو کر ہماری حدیث کی کتابوں میں داخل ہو گئی اور ہر مسلمان بے سوچے سمجھے اس پر ایمان لے آتا ہے۔

۲. باب: اِذَا حَمَلَ رَجُل" عَلٰی فَرَسٍ، فَهُوَ کَالعُمْرٰی وَالصَّدَقَةِ وَقَالَ بَعْضُ النَّاسِ لَهُ اَنْ یَرْجِعَ فِیهَا.

باب: جب کوئی شخص کسی کو گھوڑے پر سوار کرا دے تو یہ عمریٰ یا صدقہ ہو جائے گا۔ اور بعض لوگوں نے یہ کہا کہ اس میں وہ رجوع کر سکتا ہے۔

وضاحت:

عمریٰ کے معنی کیا ہیں؟ پیچھے آپ پڑھ چکے ہیں کہ اگر آپ کہیں اعمرتک ھذا الدار تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ گھر آپ کا نہیں رہا بلکہ جس کو دیا اس کا ہوا۔ تمام معاملات میں شئے کے دینے کا جو طریقہ ہے اسی پر انحصار ہوگا اور قرینہ کے ساتھ ہوگا۔ اب اس باب میں ہے کہ اذا حمل رجلا علی فرس۔ اتنے ہی الفاظ ہیں کہ جب کسی نے کسی کو گھوڑے پر سوار کرایا تو کہتے ہیں کہ یہ عمریٰ ہو گیا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ اگر اتنا بھی اس میں اضافہ کر دیتے کہ فی سبیل اللہ، جہاد کے لیے دیا تب بھی کچھ گنجائش تھی۔ لیکن پھر بھی اس کو زیادہ سے زیادہ عاریۃً کہہ سکتے ہیں۔ البتہ وسیع معنوں میں ہر نیکی کا کام صدقہ ہے۔ وہ تو آپ ایک سوار کو چابک پکڑا دیں تو وہ بھی صدقہ ہوگا۔ لیکن امام صاحب صدقہ کا لفظ واقعی صدقہ کے مفہوم میں لے رہے ہیں جس کی یہاں گنجائش نہیں۔

پھر کہتے ہیں کہ بعض لوگوں نے کہا عمریٰ نہیں ہوگا اس میں وہ رجوع کر سکتا ہے۔ اب اس کی کیا اہمیت ہے اور یہ بعض لوگ کون ہیں۔ مجہول لوگوں کے کہنے سے صرف ایک قول سامنے آیا ہے، اس کو حدیث سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

۱۳۔ حَدَّثَنَا الْحُمَیْدِیُّ اَخْبَرَنَا سُفْیَانُ قَالَ سَمِعْتُ مَالِکًا یَسْاَلُ زَیْدَ بْنَ اَسْلَمَ قَالَ سَمِعْتُ اَبِی یَقُوْلُ قَالَ عُمَرُ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْهُ حَمَلْتُ عَلٰی فَرَسٍ فِی سَبِیْلِ اللّٰہِ فَرَاَیْتُهُ یُبَاعُ فَسَاَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ فَقَالَ لَا تَشْتَرِ وَلَا تَعُدْ فِی صَدَقَتِکَ.

﴿زید بن اسلم کہتے ہیں کہ میں نے اپنے باپ سے سنا کہ حضرت عمرؓ نے کسی کو فی سبیل اللہ جہاد کے لیے گھوڑا دیا اور پھر انہوں نے دیکھا کہ وہ گھوڑا بیچا جا رہا ہے۔ حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا تو آپ نے فرمایا اس کو مت خریدنا اور اپنا صدقہ واپس نہ لینا۔﴾

وضاحت:

ظاہر ہے کہ یہ روایت امام صاحب نے اپنے باب کی تائید میں نقل کی ہے لیکن یہ روایت بالکل صاف ہے۔ واضح

طریقہ پر نہایت تصریح کے ساتھ بیان ہے کہ گھوڑا فی سبیل اللہ، جہاد کے لیے دیا۔ دوسری روایت میں تصریح ہے کہ حضرت عمرؓ نے جس آدمی کو گھوڑا دیا اس نے گھوڑے کی جان نکال لی، کھلایا پلایا کچھ نہیں اور اب اس کو بیچ رہا تھا۔ حضرت عمرؓ اپنے گھوڑے سے واقف تھے انہوں نے چاہا کہ اس کو خرید لیں لیکن اللہ کی راہ میں صدقہ کر چکے تھے اس لیے ان کو شبہ تھا کہ ایسا کرنا درست ہوگا یا نہیں۔ اس لیے آنحضرت ﷺ سے اس کے متعلق پوچھا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ نہیں خرید سکتے اور اپنا صدقہ، لفظ صدقہ ہی کہا ہے، واپس نہیں لے سکتے۔ یہ بات ٹھیک ہے، اپنا دیا ہوا صدقہ خریدنے میں اشتباہ ہے کہ کم قیمت کی وجہ سے کچھ نفع کمانے کے لیے خرید لے اور یہ آلائش صدقہ میں نہیں ہونی چاہیے اس لیے آپ نے سدالذریعہ کے لیے منع فرمایا۔ اس روایت میں تصریح ہے کہ صدقہ کیا لہذا اس کو باب سے کوئی تعلق نہیں۔

جیسا کہ میں بار بار عرض کر چکا ہوں میری رائے یہی ہے کہ صحیح بخاری ابھی زیر ترتیب تھی کہ اس کی روایت شروع ہوگئی اور اس پر نظر ثانی نہیں ہوسکی۔ امام صاحب کی باتوں پر تنقید تو کی جاسکتی ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ ان کے صاحب فن ہونے سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ صحیح بخاری جیسی کتاب سے ہم مستغنی نہیں ہوسکتے اس میں جواہر ریزے بھی تو ہیں۔ اس لیے کتاب کی نوعیت کو سمجھنا ضروری ہے۔ میرے نزدیک یہ ہے کہ اصلاً یہ کتاب حدیث کی نہیں بلکہ فقہ کی ہے۔ اس وجہ سے اس کے ابواب وتراجم کا روایات سے ہر جگہ تعلق ثابت نہیں ہوتا۔ یاد ہوگا کہ اس کے پہلے ہی باب کیف کان بدء الوحی کے تحت جتنی روایات ہیں اکثر کا تعلق باب سے نہیں ہے۔

کتاب الشهادات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

كتاب الشهادات

کتاب گواہوں کے بارے میں

۱. باب : ما جاءَ فِي البَيِّنَةِ عَلَى المُدَّعِي

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَنتُم بِدَيْنٍ إِلَى أَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوهُ وَلْيَكْتُب بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ وَلَا يَأْبَ كَاتِبٌ أَن يَكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللَّهُ فَلْيَكْتُبْ وَلْيُمْلِلِ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْئًا فَإِن كَانَ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيهًا أَوْ ضَعِيفًا أَوْ لَا يَسْتَطِيعُ أَن يُمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهُ بِالْعَدْلِ وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِن رِّجَالِكُمْ فَإِن لَّمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ مِمَّن تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ أَن تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَىٰ وَلَا يَأْبَ الشُّهَدَاءُ إِذَا مَا دُعُوا وَلَا تَسْأَمُوا أَن تَكْتُبُوهُ صَغِيرًا أَوْ كَبِيرًا إِلَىٰ أَجَلِهِ ذَٰلِكُمْ أَقْسَطُ عِندَ اللَّهِ وَأَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَأَدْنَىٰ أَلَّا تَرْتَابُوا إِلَّا أَن تَكُونَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيرُونَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَلَّا تَكْتُبُوهَا وَأَشْهِدُوا إِذَا تَبَايَعْتُمْ وَلَا يُضَارَّ كَاتِبٌ وَلَا شَهِيدٌ وَإِن تَفْعَلُوا فَإِنَّهُ فُسُوقٌ بِكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَيُعَلِّمُكُمُ اللَّهُ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ.

قَوْلُهُ تَعَالَى: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ إِن يَكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَقِيرًا فَاللَّهُ أَوْلَىٰ بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوَىٰ أَن تَعْدِلُوا وَإِن تَلْوُوا أَوْ تُعْرِضُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا.

باب: اس بارے میں کہ دلیل پیش کرنے کی ذمہ داری مدعی کی ہے

اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اے ایمان والو جب تم کسی معین مدت کے لیے ادھار کا لین دین کرو تو اس کو لکھ لیا کرو۔

اور اس کو لکھنے تمہارے مابین کوئی لکھنے والا انصاف کے ساتھ۔ اور جسے لکھنا آتا ہو وہ لکھنے سے انکار نہ کرے بلکہ جس طرح اللہ نے اس کو سکھایا ہے اس طرح وہ دوسروں کے لیے لکھنے کے کام آئے۔ اور یہ دستاویز لکھوائے وہ جس پر حق عائد ہوتا ہے اور وہ اللہ سے، جو اس کا رب ہے، ڈرے اور اس میں کوئی کمی نہ کرے۔ اور اگر وہ، جس پر حق عائد ہوتا ہے نادان یا ضعیف ہو یا لکھوا نہ سکتا ہو تو جو اس کا ولی ہے وہ انصاف کے ساتھ لکھوادے اور اس پر اپنے لوگوں میں سے دو مرد گواہ ٹھہرالو۔ اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں سہی۔ یہ گواہ تمہارے پسندیدہ لوگوں میں سے ہوں۔ (دو عورتیں اس لیے) کہ ان میں سے ایک بھول جائے گی تو دوسری یاد دلائے گی۔ اور گواہ جب بلائے جائیں تو آنے سے انکار نہ کریں۔ اور قرض چھوٹا ہو یا بڑا، اس کی مدت تک کے لیے اس کو لکھانے سے تساہل نہ برتو۔ یہ ہدایات اللہ کے نزدیک زیادہ قرین عدل، گواہی کو زیادہ ٹھیک رکھنے والی اور اس امر کے زیادہ قرین قیاس ہیں کہ تم شبہات میں نہ پڑو۔ ہاں! اگر معاملہ دست بدست لین دین اور دست گرداں نوعیت کا ہو تب اس کے نہ لکھنے میں کوئی حرج نہیں۔ اور تم کوئی معاملہ خرید و فروخت کا کرو تو اس صورت میں بھی گواہ بنالیا کرو۔ اور کاتب یا گواہ کو کسی طرح کا نقصان نہ پہنچایا جائے اور اگر ایسا کرو گے تو یہ تمہاری بڑی پائیدار نافرمانی ہوگی۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ اور اللہ تمہیں تعلیم دے رہا ہے۔ اور اللہ ہر چیز کو جانتا ہے۔ (سورہ بقرہ: آیت 282)

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اے ایمان والو حق پر جمے رہو، اللہ کے لیے اس کی شہادت دیتے ہوئے۔ اگرچہ شہادت خود تمہاری اپنی ذات، تمہارے والدین اور تمہارے قرابت مندوں کے خلاف ہی پڑے۔ کوئی امیر ہو یا غریب، اللہ ہی دونوں کا سب سے زیادہ حق دار ہے تو تم خواہش کی پیروی نہ کرو کہ حق سے ہٹ جاؤ۔ اگر کج کرو گے یا اعراض کرو گے تو یاد رکھو کہ اللہ جو کچھ تم کر رہے ہو، اس سے اچھی طرح باخبر ہے۔ (سورہ نساء: آیت 135)

وضاحت:

یہ ایک فطری اصول ہے کہ کسی دعویٰ میں دلیل پیش کرنے کی ذمہ داری مدعی کی ہے۔ اس کو بتانا چاہیے کہ اس کا دعویٰ کس بنیاد پر ہے۔ امام صاحب نے باب میں قرآن مجید کی دو آیات نقل کی ہیں جن سے کوئی نتیجہ اخذ کیے بغیر باب ختم کر دیا ہے۔ وہ اپنی بات کی تائید میں کوئی روایت بھی نہیں لائے ہیں۔ روایت نقل نہ کرنے کی جو توجیہات شارحین نے کی ہے وہ

میرے نزدیک بے سروپا باتیں ہیں۔ اور ان کا یہاں نقل کرنا فضول ہے۔ مزید یہ کہ جو دو آیات نقل کی ہیں، وہ ہیں تو بہت ہی اہم، ان سے قومی اور بین الاقوامی اصول وضع ہوتے ہیں لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ ان سے البینة علی المدعی کا مسئلہ کیسے حل ہوتا ہے۔ آیات سے یہ بات کسی طرح نہیں نکلتی بلکہ مدعی اور مدعا علیہ دونوں پر بات ہے۔ مجھے تو یہ بات پسند ہے اور میرے مسلک کے مطابق ہے کہ ہر بات پر قرآن کی آیت پیش کر دی جائے لیکن باب باندھا ہے تو اصولاً روایت لانا چاہیے تھی۔ میری رائے یہ ہے کہ یہ کتاب کے نوٹس ہیں اور خلاء بھرنے کا مصنف کو موقع نہیں ملا۔

۲. باب: اِذَا عَدَّلَ رَجل" اَحَدًا فَقَالَ لَا نَعْلَمُ اِلَّا خَيْرًا اَوْ قَالَ ما عَلِمْتُ اِلَّا خَيْرًا.

باب: اس بارے میں کہ اگر کوئی شخص کسی شخص کو تعدیل کرتے ہوئے یہ کہے کہ میں نے تو اس میں خیر ہی دیکھا ہے یا یہ کہے کہ میں نے ان کے بارے میں بھلائی کے سوا اور کچھ نہیں جانا تو اس کا کیا حکم ہے۔

وضاحت:

ایک شخص کے تعدیل کرنے کے معنی اصطلاحاً یہ ہیں کہ وہ جس کی تعدیل کر رہا ہے اس کے بارے میں اس بات کا اظہار کرتا ہے کہ وہ عادل آدمی ہے، اس کی گواہی قبول کی جانی چاہیے، کسی مسئلہ میں متہم نہیں ہے، پہلے کبھی کسی جرم میں پکڑا نہیں گیا وغیرہ، اس طرح کی باتیں ہوں گی۔ تو اس تعدیل کا کیا حکم ہے۔ اذا کا جواب نہیں دیا ہے۔ جواب نہ دینے کی وجہ یہ ہوگی کہ مسئلہ اختلافی رہا ہوگا تو اس کو چھوڑ دیا ہے۔

۱۔ حَدَّثَنَا حَجَّاج" حَدَّثَنَا عَبْدُاللهِ بْنُ عُمَرَالنُّمَيْرِيُّ حَدَّثَنَا ثَوبَانُ، وَقَالَ اللَّيْثُ حَدَّثَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ اَخْبَرَنِي عُرْوَةُ وَابْنُ الْمُسَيَّبِ وَ عَلْقَمَةُ بْنُ وَقَّاصٍ وَ عُبَيْدُاللهِ عَنْ حَدِيثِ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا وَ بَعْضُ حَدِيثِهِمْ يُصَدِّقُ بَعْضًا حِينَ قَالَ لَهَا اَهْلُ الاِفْكِ فَدَعَا رَسُولُ اللهِ ﷺ عَلِيًّا وَ اُسَامَةَ حِينَ اسْتَلْبَثَ الْوَحْيُ يَسْتَامِرُهُمَا فِي فِرَاقِ اَهْلِهِ، فَاَمَّا اُسَامَةُ فَقَالَ: اَهْلُكَ وَلَا نَعْلَمُ اِلَّا خَيْرًا، وَقَالَتْ بَرِيرَةُ اِنْ رَاَيْتُ عَلَيْهَا اَمْرًا اَغْمِصُهُ اَكْثَرَ مِنْ اَنَّهَا جَارِيَة" حَدِيثَةُ السِّنِّ تَنَامُ عَنْ عَجِينِ اَهْلِهَا، فَتَاْتِي الدَّاجِنُ فَتَاْكُلُهُ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ مَنْ

يَعْذِرُنَا مِنْ رَجُلٍ بَلَغَنِي اَذَاهُ فِي اَهْلِ بَيْتِي فَوَاللّٰهِ مَا عَلِمْتُ مِنْ اَهْلِي اِلَّا خَيْرًا، وَلَقَدْ ذَكَرُوا رَجُلًا مَا عَلِمْتُ عَلَيْهِ اِلَّا خَيْرًا.

﴿ابن شہاب نے خبر دی عروۃ، ابن مسیب، علقمہ بن وقاص اور عبید اللہ سے کہ ان سب حضرات نے حضرت عائشہؓ کا وہ قصہ بیان کیا جب اہل افک نے عائشہؓ کے بارے میں باتیں کیں۔ ان کی روایتوں کی بعض باتیں کچھ باتوں کی تصدیق کرتی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ پر جب وحی کے آنے میں دیر ہوئی تو آپ نے حضرت علیؓ اور اسامہؓ کو اپنی بیوی کے چھوڑنے کے بارے میں مشورہ کے لیے بلایا۔ اسامہؓ نے تو یہ کہا کہ آپ کی بیوی کے بارے میں سوائے خیر کے ہم کچھ نہیں جانتے اور بریرہ نے کہا کہ میں نے تو کوئی بات جس پر اعتراض ہو اس سے زیادہ نہیں دیکھی کہ ابھی تو خیر لڑکی ہیں۔ آٹا گوندھ کر سو جاتی ہیں اور بکری آ کر کھا جاتی ہے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کون شخص ہے جو مجھ کو ایک ایسے شخص سے بری کر سکتا ہے۔ جس کی تکلیف دہ باتیں مجھے اپنے اہل بیت کے بارے میں پہنچی ہیں۔ اللہ کی قسم میں نے اپنی بیوی میں سوائے خیر کے اور کوئی بات نہیں دیکھی اور جس مرد کا ذکر کیا گیا ہے اس میں بھی سوائے خیر کے اور کچھ نہیں دیکھا۔﴾

وضاحت:

ایک تو یہ بات نوٹ کرنے کی ہے کہ یہ روایت ابن شہاب سے ہے۔ دوسری یہ کہ ابن شہاب سیدھی روایت نہیں بیان کرتا کہ فلاں نے یہ بات کہی ہے اور فلاں نے یوں بیان کیا ہے بلکہ اس کی معروف عادت یہ ہے کہ ایک قصہ بنا کر بیان کرتا ہے۔ یہاں سیدھی بات یہ تھی تا کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ اور اسامہؓ کو بلایا اور پوچھا تو انہوں نے یہ جواب دیا۔ اس نے اس میں ساری داستان داخل کر دی ہے اور یہ اس کی شرارت ہے۔ تیسری بات یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ حضرت عائشہؓ کو العیاذ باللہ طلاق دینے کے بارے میں مشورہ کرتے تو اس کے لیے موزوں لوگ اسامہ اور بریرہ تو نہیں ہو سکتے تھے۔ بریرہ ایک آزاد کردہ لونڈی تھی اور اسامہ آنحضرت ﷺ کے خادم تھے۔ یہ معاملہ ایسا نہیں تھا کہ یہ لوگ صاحب مشورہ ہوں۔ صاحب مشورہ دوسرے بڑے لوگ تھے۔

روایت میں بعض ضعف بھی ہیں مثلاً یہ کہ ابن شہاب کی عروہ سے ملاقات ثابت نہیں ہے۔ ابن مسیب مدینہ کے علماء میں سے ہیں اور ان پر شیعیت کا الزام ہے۔ اس کے علاوہ علقمہ بن وقاص اور عبید اللہ ہیں اور ان سب کی روایات کو جوڑ کر ابن شہاب نے روایت بنائی ہے اور کہتے ہیں کہ ان کی روایات کے بعض حصے بعض کی تصدیق کرتے ہیں۔ گویا بعض جو

ہیں کچھ بات کہتے ہیں اور دوسرے اس کی تصدیق کرتے ہیں۔ اس میں کچھ بات ایسی بھی ہے جس کی تصدیق نہیں ہوتی۔ اب یہ متعین نہیں ہو پاتا کہ وہ کون سا حصہ ہے جس کی تصدیق نہیں ہوتی۔ ابن شہاب کو وہ حصہ متعین طور پر بتانا چاہیے تھا یا کہتے کہ میں نے اس کو قبول نہیں کیا۔ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بلایا تھا حضرت علیؓ اور اسامہؓ کو۔ حضرت علیؓ کا جہاں تک تعلق ہے خاندان میں ان کی ایک پوزیشن ہے، وہ صائب الرائے ہیں لیکن روایت میں ان کی شہادت کا تذکرہ تک نہیں ہے۔ جن لوگوں کی شہادت درکار تھی اور ان کو حضور نے بلوایا ان میں بریرہ کا نام تو تھا ہی نہیں لیکن اس کی شہادت نقل کی گئی ہے۔

روایت کے مطابق جن لوگوں کو بلوایا گیا ان سے مشورہ کرنا تھا حضرت عائشہؓ کے چھوڑنے کے بارے میں لیکن ان کے بیانات کا اس سے تعلق نہیں ہے۔ لہٰذا **یستامرهما فی فراق اهله** کے بارے میں میری رائے یہ ہے کہ یہ ابن شہاب کا اپنا اضافہ اور ان کی رائے ہے۔ اسامہ اور بریرہ کے بیانات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یہ پوچھا ہوگا کہ ان کے کردار، اخلاق اور چال چلن کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے۔ اسامہ نے کہا ہم تو ان کے بارے میں خیر ہی جانتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ہم نے کوئی بات ایسی نہیں دیکھی جو قابل اعتراض ہو۔ ظاہر ہے کہ یہ اس سوال کا جواب ہو سکتا ہے کہ تم ان کے کردار کے بارے میں کیا جانتے ہو، کوئی بات تم کو کھٹکی ہے۔ بریرہؓ نے کہا کہ میں نے کوئی بات جس پر اعتراض آتا ہو اس سے زیادہ نہیں دیکھی کہ ابھی نوخیز لڑکی ہیں، آٹا گوندھ کر سو جاتی ہیں اور بکری آ کر کھا جاتی ہے۔ یہ بڑی عمدہ شہادت ہے اور اس بات کے لیے ۹ سال کی عمر کی ضرورت نہیں۔ لڑکیوں کی عمر کا ایک زمانہ ہوتا ہے، اسے 18 سے 20 سال تک اور بالخصوص کھاتے پیتے گھرانے کی لڑکیوں کا کہ ان سے اس طرح کی باتیں صادر ہوتی ہیں۔ میرا خیال ہے کہ بھولے پن کی بہترین تعبیر ہے جو بریرہؓ نے بیان کی ہے۔ سوال یہ ہے کہ یہ جواب کس کو دیا جائے گا، ظاہر ہے اس کو جو پوچھ رہا ہو کہ آداب، اخلاق و کردار کے بارے میں تمہارا تاثر کیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے پوچھا ہوگا تو یہ پوچھا ہوگا کہ تم نے کوئی بات شک وشبہ کی دیکھی ہے۔ یہ صرف ابن شہاب کی شرارت ہے کہ طلاق کے بارے میں مشورہ کی بات اس نے داخل کر دی ہے اور واقعہ کا رخ بالکل بدل دیا ہے۔

میں اس بحث کو چھوڑ دیتا ہوں کہ اس واقعہ کی کوئی بنیاد بھی ہے۔ میرے نزدیک یہ بات ناممکن نہیں ہے۔ آخر قریش یہود وغیرہ یہ سب لوگ مخالف تھے اور کوئی نہ کوئی کمزور پہلو تلاش کرتے رہتے تھے تو انہوں نے بات کہی ہوگی۔ جو لوگ اس کی تردید کرتے ہیں کہ سرے سے کوئی واقعہ ہوا ہی نہیں تو میں کہتا ہوں کہ بہرحال کچھ کہا تو گیا ہے۔ اب جو کچھ کہا گیا ہے تو تحقیق ہونی چاہیے۔ لیکن اس روایت کے ہر پہلو کو جن لوگوں نے بگاڑا ہے، ابن شہاب ان میں پہلے نمبر پر آتا ہے۔

۳۔باب: شَهَادَةِ الْمُخْتَبِي

وَ اَجَازَهُ عَمْرُو بْنُ حُرَيْثٍ قَالَ وَ كَذٰلِكَ يُفْعَلُ بِالكَاذِبِ الْفَاجِرِ وَقَالَ الشَّعْبِيُّ وَابْنُ سِيرِينَ وَ عَطَاءٌ" وَ قَتَادَةُ السَّمْعُ شَهَادَةٌ"، وَقَالَ الْحَسَنُ: يَقُولُ لَمْ يُشْهِدُونِي عَلَى شَيْءٍ وَ اِنِّي سَمِعْتُ كَذَا وَ كَذَا.

باب: چھپ کر بات سننے والے کی گواہی

اور عمرو بن حریث نے اس کو جائز قرار دیا اور کہا کہ جھوٹے اور فاجر قسم کے آدمی کے معاملہ میں گواہی حاصل کرنے کے لیے ایسا ہی کیا جاسکتا ہے۔ شعبی، ابن سیرین، عطاء اور قتادہ کہتے ہیں کہ سننا بھی شہادت ہے اور حسن نے کہا کہ اس نے مجھے کسی بات کا گواہ تو نہیں بنایا؟ لیکن میں نے ایسا ایسا سنا ہے۔

وضاحت:

مختفی سے مراد وہ شخص ہے جو اپنے حریف کی کسی بات کو چھپ کر معلوم کرتا یا سنتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس کی شہادت قبول ہوگی یا نہیں۔ اگر مختفی کی شہادت قبول نہیں ہوگی تو ایک پیچیدہ مسئلہ پیدا ہو جاتا ہے کہ ہماری انٹیلی جنس (Intelligence) کا کیا بنے گا۔ پھر یہ ہے کہ دنیا اتنی ترقی کر گئی ہے کہ چھپا کر ایک چھوٹا سا آلہ لگا دیا جاتا ہے اور آپ کی ساری گفتگو ریکارڈ ہو جاتی ہے۔ یہ بھی مختفی کی شہادت ہوگی۔

باب میں تعلیقات ہیں۔ عمرو بن حریث کہتے ہیں کہ کذالک یفعل بالکاذب الفاجر، ان کا فتویٰ یہ ہے کہ کوئی جھوٹا فاجر آدمی ہے اس کے معاملہ میں تحقیق کے لیے گواہی حاصل کرنے کے لیے ایسا کیا جاسکتا ہے۔ لیکن جن صاحب کا فتویٰ امام صاحب نے نقل کیا ہے وہ بالکل غیر معروف آدمی ہیں اور ان کے فتویٰ کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔

باب میں دوسری تعلیق یہ ہے کہ شعبی، ابن سیرین، عطاء اور قتادہ کہتے ہیں کہ سننا بھی شہادت ہے، یہ کہنا کہ میں نے سنا، شہادت میں شامل ہوگا یا نہیں ہوگا۔ اس بارے میں باب میں روایات لائیں گے۔

آخر میں حسن کا قول نقل کیا ہے کہ مجھے گواہ تو نہیں بنایا گیا لیکن میں نے ایسا ایسا سنا ہے تو سوال یہ ہے کہ یہ شہادت قرار پائے گی یا نہیں۔

میری رائے یہ ہے کہ مختفی کی شہادت شہادت قرار پائے گی ورنہ موجودہ زمانے میں کام نہیں چلے گا۔ نہ Civil Intilligence میں اور نہ Military Intelligence میں۔ یہ کہنا کہ میں نے ایسا سنا ہے تو اس کو شہادت کی حیثیت حاصل ہوگی لیکن اس پر جرح ہوگی، جرح کا حق محفوظ ہے۔ شہادت تو سب قبول کر لی جائے گی الا آنکہ کوئی غلط ہو یا فاسق و فاجر

کی شہادت ہو۔ باقی سب کی شہادت زیر بحث آئے گی۔ اوپر جتنی گواہیاں گنائی گئی ہیں سب لی جائیں گی، البتہ جرح کا حق محفوظ ہوگا۔ قرائن کی بنیاد پر تائید ہوگی اور قرائن کی بنیاد پر ہی تردید ہوگی۔ عدالت جرح کر کے بیچ ادھیڑ دیتی ہے اور جرح کر کے مان بھی لیتی ہے۔ اب یہ سوال ہے کہ کون شخص گواہی کے قابل سمجھا جائے گا اور کون نہیں سمجھا جائے گا تو یاد رکھیے کہ امام مسلم نے اپنے مقدمہ میں یہاں تک لکھ دیا ہے کہ مسجد نبوی کے ان ستونوں کی پیچھے نہ جانے کتنے اصحاب ایسے ہیں کہ جن کے حوالے بیت المال کی چابیاں تو میں کر سکتا ہوں لیکن ان سے ایک روایت بھی قبول نہیں کر سکتا۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ جو کام ہوگا اس کا لحاظ کرنا پڑے گا، روایت لینے کے لیے یہ لحاظ کرنا پڑے گا کہ کن لوگوں سے لی جائے گی۔ ان لوگوں سے روایت لی جائے گی جو سمجھدار ہیں اور معاملہ فہم ہیں۔ اس میں یہ بات بھی اہم ہے کہ کس کے بارے میں روایت ہے، علمی معاملہ میں ہے یا واقعاتی معاملہ میں ہے، دونوں میں فرق کیا جائے گا۔

یہ پورا باب نظر ثانی کا محتاج ہے۔ روایت لینے کے لیے پہلے مرحلہ میں دیکھا جائے گا کہ آدمی معقول ہے۔ اس کے بعد روایت کے اعتبار سے اس پر بحث ہوگی۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ روایت ایک ذریعہ ہے لیکن تحقیق درایت کے ذریعہ سے ہوگی۔ میری رائے یہ ہے کہ روایت چیزوں کے آنے کا معلومات کے آنے کا راستہ ہے لیکن تحقیق کا ذریعہ درایت ہے۔

مخبری کے معاملہ میں امام ابوحنیفہ کی رائے پہلے تو مجھے پسند آئی، وہ کہتے ہیں کہ مخبر غیر ثقہ ہے۔ آدمی جو چھپ کر سننے کی کوشش کرتا ہے وہ غیر ثقہ ہے۔ ثقہ تو نہیں ہے لیکن اگر مخبر کی روایت نہ ہو تو موجودہ زمانے میں نظام حکومت نہیں چل سکتا۔ روایت تو معلومات کے آنے کا راستہ ہے۔ وہ کشادہ ہونا چاہیے۔ اس کو تنگ نہیں کرنا چاہیے اور جرح کا حق محفوظ رہے، جرح میں ساری بات واضح ہو جائے گی۔

۲۔ حَدَّثَنَا اَبُو الْيَمَانِ اَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ" عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ سَالِمٌ" سَمِعْتُ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا يَقُولُ انْطَلَقَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ وَ اُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ الْاَنْصَارِيُّ يَؤُمَّانِ النَّخْلَ الَّتِي فِيهَا ابْنُ صَيَّادٍ حَتّٰى اِذَا دَخَلَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ طَفِقَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَتَّقِي بِجُذُوعِ النَّخْلِ وَهُوَ يَخْتِلُ اَنْ يَسْمَعَ مِنِ ابْنِ صَيَّادٍ شَيْئًا قَبْلَ اَنْ يَرَاهُ، وَابْنُ صَيَّادٍ مُضْطَجِعٌ" عَلٰى فِرَاشِهِ فِي قَطِيفَةٍ لَهُ فِيهَا رَمْرَمَةٌ"، اَوْ زَمْزَمَةٌ"، فَرَاَتْ اُمُّ ابْنِ صَيَّادٍ النَّبِيَّ ﷺ وَهُوَ يَتَّقِي بِجُذُوعِ النَّخْلِ، فَقَالَتْ لِابْنِ صَيَّادٍ اَيْ صَافِ هٰذَا مُحَمَّدٌ"، فَتَنَاهَى ابْنُ صَيَّادٍ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ لَوْ تَرَكَتْهُ بَيَّنَ.

سالم کہتے ہیں، میں نے عبداللہ بن عمرؓ سے سنا، وہ کہتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ اور ابی بن کعب انصاری ایک دن چلے اس نخلستان کا قصد کرتے ہوئے جس میں ابن صیاد ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ جب نبی ﷺ اس میں داخل

ہوئے تو کھجوروں کے تنے کے پیچھے اپنے آپ کو چھپاتے تھے تاکہ چھپ کر ابن صیاد کی کچھ باتیں اس کو دیکھنے سے پہلے سن لیں اور ابن صیاد اپنے بستر پر لیٹا ہوا تھا اور اوپر اس کے چادر تھی اور اس کے اندر سے کچھ گنگنانے کی آواز آرہی تھی، راوی کو شک ہے کہ رمرمہ کہا یا زمزمہ۔ تو ابن صیاد کی ماں نے نبی ﷺ کو دیکھ لیا کہ آپ درختوں کے پیچھے چھپ رہے ہیں تو اس نے ابن صیاد سے کہا کہ اے صاف یہ محمد (ﷺ) ہیں تو ابن صیاد جو گنگنا رہا تھا رک گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے کہا کہ اگر اس کی ماں اس کو چھوڑ دیتی تو وہ راز کھول دیتا۔

وضاحت:

یہ واقعہ یوں ہے کہ ایک شخص، ابن صیاد نے کاہنوں کے انداز پر کچھ حرکتیں شروع کر دیں اور گمان یہ ہوا کہ نبوت وغیرہ کا دعویٰ کر دے گا تو آنحضرت ﷺ نے معلوم کرنا چاہا کہ کس قسم کا آدمی ہے۔ اس لیے آپ ابی ابن کعب انصاری کے ساتھ اس کے نخلستان میں گئے اور درختوں کے پیچھے چھپ کر قبل اس کے کہ اس کو دیکھیں، یہ چاہا کہ کچھ سن لیں کہ آدمی کس قماش کا ہے۔ اس کی ماں نے ابن صیاد کو مطلع کر دیا کہ آنحضرت ﷺ تشریف لائے ہیں۔ پہلے وہ کچھ گنگنا رہا تھا۔ حضور کی آمد کا سن کر چپ ہو گیا۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ اگر اس کی ماں اس کو چھوڑ دیتی تو کھل جاتا کہ کیا قصہ ہے، یعنی بات معلوم ہو جاتی اور اندازہ ہو جاتا کہ کس قسم کا آدمی ہے۔

امام صاحب یہ روایت شہادۃ المختبی کے تحت لائے ہیں۔ یعنی کوئی شخص چھپ کر کسی بات کو معلوم کرنے کی کوشش کرتا ہے تو اس کو بطور گواہی کے پیش کرنے کا حق رکھتا ہے یا نہیں رکھتا۔ لیکن میرا خیال ہے کہ امام صاحب نے باب باندھنے میں کچھ بہت زیادہ ذہانت کا ثبوت نہیں دیا ہے اس لیے کہ جو لفظ شریعت میں، قرآن میں اس مضمون کے لیے ہے وہ لفظ تجسس ہے۔ تجسس کا قرآن میں بھی ذکر ہے اور حدیث میں بھی ہے۔ تجسس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کسی شخص کے متعلق ٹوہ لگا رہے ہیں کہ کیا کر رہا ہے، کیا کرتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ تختبی کے لفظ سے کچھ مفہوم واضح نہیں ہوتا۔ تجسس کا لفظ معلوم نہیں کیوں استعمال نہیں کیا گیا۔ نیز یہ ہے کہ تجسس کے بارے میں احکام بھی بیان ہوئے ہیں اور یہ لفظ استعمال ہوتا تو سارے سوالات ختم ہو جاتے اس لیے کہ تجسس کے متعلق یہ ہے کہ تجسس نہ کرو۔ لیکن تجسس بالخیر جائز ہے۔ مثلاً فرض کیجئے کہ آپ کا پڑوسی نیک آدمی ہے، غریب ہے۔ اگر آپ رات کو آئے اور شبہ ہوا کہ اس نے بچوں کو کھانا کھلایا ہے یا یوں ہی سلا دیا ہے اور آپ ٹوہ لیں کہ اگر نہیں کھلایا تو آپ بندوبست کریں تو یہ تجسس بالخیر ہے۔ اور اس طرح کی کوششیں کریں کہ فلاں شخص دبئی سے آیا ہے، بہت مال لایا ہے معلوم نہیں کہاں رکھا، کچھ نکلوانا چاہیے تو یہ تجسس بالشر ہے اور ممنوع ہے۔ یہی نجویٰ میں بھی ہوتا ہے۔ نجویٰ خیر کے لیے ہوتا ہے اور شر کے لیے بھی ہوتا ہے۔ افراد کو ایک دوسرے کے بارے میں تجسس نہیں کرنا چاہیے بجز خیر کے لیکن حکومت کے لیے تجسس فرائض میں سے ہے۔ حکومت اس نقطہ نظر سے کہ لوگ کس حال میں ہیں، کیسے زندگی

گزار رہے ہیں، تجسس کر سکتی ہے تا کہ عوام الناس کی ریلیف کے کام کرے اور اسی طرح حکومت کی ذمہ داری ہے کہ تجسس کرے کہ ملک کے اندر کوئی سازش تو نہیں ہو رہی ہے تا کہ بروقت اس کا تدارک کر سکے۔ حکومت کے لیے دونوں جائز ہیں۔ سیدنا عمرؓ کے متعلق معلوم ہے کہ راتوں کو پھرا کرتے تھے اور دروازوں کے پاس کھڑے ہو کر سنا کرتے تھے کہ کیا بات ہو رہی ہے۔ ایک رات آپ پھر رہے تھے، ایک دروازے پر کھڑے ہوئے اور گھر کی عورت سے کہا، تو کیسی پھوہڑ عورت ہے۔ میں برابر دیکھ رہا ہوں کہ تیرا بچہ روتا رہتا ہے۔ عورت نے کہا کہ کیا کروں، عمرؓ نے حکم دے رکھا ہے کہ بچوں کا وظیفہ اس وقت تک مقرر نہ کیا جائے جب تک کہ وہ دودھ نہ چھوڑ دیں تو میں دودھ چھڑانے کی کوشش کر رہی ہوں۔ تو انہوں نے کہا عمر ہلاک ہوا اور اسی وقت سب بچوں کا وظیفہ جاری کروا دیا۔ اب اس سے زیادہ تجسس اور مخبری کیا ہو سکتی ہے۔ ہر اچھی حکومت کرتی ہے اور کرنا چاہیے۔ ملک کی اور عوام کی خیر خواہی کے لیے اور ان کو خطرات سے بچانے کے لیے یہ تجسس جائز ہے۔

امام صاحب نے تجسّس کے لفظ سے باب باندھ کر بات کو مبہم کر دیا ہے۔

اب اس روشنی میں آپ غور کریں کہ تجسس کی، ٹوہ لگانے والے کی، خفیہ طور پر جو معلومات ہوں گی وہ معلومات بطور شہادت کام آ سکتی ہیں یا نہیں آ سکتیں۔ یہ بات واضح رہے کہ وہ شہادت کے طور پر کام آ سکتی ہیں۔ لیکن شہادتوں کے بارے میں ایک سوال یہ ہے کہ کن لوگوں کو حق ہے کہ وہ قانونی طور پر شہادت دے سکتے ہیں۔ نیز یہ کہ شہادت جو دی گئی ہے اس کی نوعیت کیا ہے۔ شہادت کی نوعیت پر ہر قسم کی، ہر درجہ کی جرح ہو سکتی ہے۔

حق کے بارے میں ساقط الشہادت لوگوں کی شہادت قبول نہیں ہوگی اور یہ متعین ہے کہ کون لوگ ساقط الشہادت ہیں۔ دوسروں کی شہادت سب معتبر ہوگی اور اس پر جرح ہوگی۔ اور اس شکل میں مانی جائے گی جب کہ وہ ماننے کے قابل ہو۔ رہ گیا واقعات کی شہادت تو اس میں بالغ، نابالغ، عورت، مرد سب کی شہادت لی جائے گی اس لیے کہ اس کا تعلق دیکھنے سے ہے اور بعض حالات میں ہو سکتا ہے کہ ایک چھوٹے بچے ہی نے دیکھا ہو۔ اب ماننے کے لیے جو معیار ہے اسی معیار پر اس کی شہادت مانی جائے گی۔

میرے نزدیک باب باندھنا چاہیے تھا شہادت المتجسس کا، یعنی ٹوہ لینے والے کی شہادت۔ یہ ضروری نہیں کہ آپ امام صاحب پر اعتراض کریں لیکن تجسس کے تحت لاتے تو بہتر ہوتا۔ اب دیکھیے غلط فہمی کیا ہے۔ احناف کہتے ہیں کہ مختفی کی شہادت نہیں لیں گے کیوں کہ یہ وقار کے خلاف ہے۔ یہ بات تو دل کو لگتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے متعلق یا کسی کے متعلق یہ بات وقار کے منافی معلوم ہوتی ہے کہ وہ درختوں کی آڑ میں چھپ کر سننے کی کوشش کریں۔ لیکن تجسس کے لفظ سے اس کی تعبیر کی جائے تو مسئلہ حل ہو جاتا ہے۔ وہ تجسس جو افراد کے لیے کریں وہ تو وقار کے، شرافت کے، تقوی کے خلاف ہے۔ لیکن اگر حکومت کرے تو وہ کر سکتی ہے۔ اس کے فرائض میں سے ہے کہ وہ حالات سے باخبر رہے۔ اس لیے آنحضرت ﷺ نے ایسا کیا ہے تو حکومت کے سربراہ کی حیثیت سے ایسا کیا ہے۔ اگر آپؐ نے یہ نہ کیا ہوتا تو

حضرت عمرؓ کیسے کرتے۔ آنحضرت ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو اسٹیٹ کے حکمران کی حیثیت بھی آپؐ کو حاصل تھی۔ مدینہ آتے وقت جو معاہدہ ہو گیا تھا اس میں یہ بات مضمر تھی۔ پھر یہ واقعہ جو پیش آیا تو بالکل صحیح ہے اور اس سے بحث نہیں کہ کس دور میں پیش آیا ہے۔ ابن صیاد کا جو تعاقب کیا گیا تو آنحضرت ﷺ نے یہ چاہا کہ پہلے ہی سے اندازہ کر لیں کہ کس قسم کا خطرہ ہے، واقعی کوئی شیطان اٹھا ہے جو کوئی دعویٰ کر کے مسئلہ پیدا کرنا چاہتا ہے۔ آنحضرت ﷺ کا یہ اقدام خلاف وقار نہیں۔ خلاف وقار ہوتا اگر کہیں جا کر جھانکیں لیکن تعاقب کیا تھا اور حکومت کے سربراہ کی حیثیت سے کیا تھا۔

روایت کے مطابق راوی کو شبہ ہے کہ لفظ رمرمہ کہا گیا یا زمزمہ، تو میرے نزدیک روایتوں میں جو اس طرح کا اختلاف ہے یہ سب کتابوں سے روایت کی وجہ سے ہے۔ سماعت کی روایت میں یہ بات نہیں ہو سکتی۔ دونوں میں فرق ہے۔ لکھا ہوا ہے تو رمرمہ اور زمزمہ ایک ہی طرح لکھا جاتا ہے۔

۳۔ حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا جَاءَتِ امْرَأَةُ رِفَاعَةَ الْقُرَظِيِّ النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَتْ كُنْتُ عِنْدَ رِفَاعَةَ فَطَلَّقَنِي فَأَبَتَّ طَلَاقِي فَتَزَوَّجْتُ عَبْدَالرَّحْمٰنِ بْنَ الزَّبِيْرِ إِنَّمَا مَعَهُ مِثْلُ هُدْبَةِ الثَّوْبِ، فَقَالَ أَتُرِيْدِيْنَ أَنْ تَرْجِعِي إِلَى رِفَاعَةَ لَا حَتّٰى تَذُوْقِي عُسَيْلَتَهُ وَيَذُوْقَ عُسَيْلَتَكِ وَأَبُوْبَكْرٍ جَالِسٌ " عِنْدَهُ وَ خَالِدُ بْنُ سَعِيْدِ بْنِ الْعَاصِ بِالْبَابِ يَنْتَظِرُ أَنْ يُؤْذَنَ لَهُ، فَقَالَ يَا أَبَابَكْرٍ أَلَا تَسْمَعُ إِلَى هٰذِهِ مَاتَجْهَرُ بِهِ عِنْدَالنَّبِيِّ ﷺ

﴿حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رفاعہ قرظی کی بیوی نبی ﷺ کی خدمت میں آئی اور کہا کہ میں رفاعہ کے نکاح میں تھی، اس نے مجھے طلاق دے دی اور طلاق بھی بائین دی تو میں نے عبدالرحمٰن بن زبیر سے نکاح کیا لیکن وہ بس یوں ہی سے مرد ہیں (اصل الفاظ مکروہ اور عریاں ہیں مفہوم ان کا یہی ہے) آپؐ نے فرمایا کیا تم پھر رفاعہ کے پاس جانا چاہتی ہو، اب یہ بات نہیں ہونے کی، جب تک تم اس کا مزہ نہ چکھو اور وہ تمہارا مزہ نہ چکھے۔ حضرت ابوبکرؓ اس وقت آپؐ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور خالد بن سعید بن عاص دروازے پر کھڑے اجازت کے منتظر تھے۔ انہوں نے کہا اے ابوبکرؓ! آپ نے اس عورت کی خرافات سنی جو اس نے نبی ﷺ کے پاس کی۔﴾

وضاحت:

امام صاحب نے یہاں اس روایت کو اس لیے لیا ہے کہ خالد بن سعیدؓ نے جو بات چپکے سے دروازے پر کھڑے کھڑے کہی تھی وہ آگے بڑھ کر آنحضرت ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ سے بیان کر دی اور کسی نے اس پر نکیر نہیں کی تو یہ ثابت کرتا

چاہتے ہیں کہ نفی کی شہادت معتبر ہوگی۔ میرے خیال میں یہ استدلال کچھ مضبوط نہیں۔

یہاں یہ روایت بہت مختصر ہے۔ دوسری جگہ تفصیل یہ معلوم ہوتی ہے کہ عورت کے شوہر عبدالرحمن بن زبیر نے آگے بڑھ کر دندان شکن جواب دیا اور کوئی لگی لپٹی نہیں چھوڑی۔ اس میں ایک چیز یہ ہے کہ مطلقہ، جس کو تین طلاقیں ہو گئیں، اپنے سابق شوہر کے پاس نہیں جاسکتی جب تک وہ دوسرے سے نکاح نہ کرے اور پھر وہ اس کو طلاق نہ دے۔ نکاح ہونا چاہیے نکاح کی طرح اور اکٹھے زندگی گزارنے کے لیے اگر ذرا بھی شائبہ ہو کہ کوئی حیلہ نکالا گیا ہے تو نکاح فاسد ہوگا اور حکومت اس پر سزا بھی دے سکتی ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ قاعدے کے مطابق نکاح ہوگا۔ اگر حلالہ کی کوئی شکل اختیار کی گئی ہے تو وہ شیطنت ہے جو کسی شکل میں جائز نہیں ہے۔

معلوم ہوتا ہے عورت دوسرے شوہر پر نامردی کا الزام لگا کر اس سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتی تھی اور پہلے شوہر کے پاس جانا چاہتی تھی۔ نبی ﷺ نے اس بات کو بھانپ لیا اور اسے کہا کہ تمھیں دوسرے شوہر کے ساتھ نباہ کرنا ہوگا۔

اس روایت میں زہری موجود ہے۔ اس سے جو روایتیں مروی ہیں ان میں بعض مفید بھی ہیں اور وہ روایتیں بھی ہیں جس میں اس نے اپنے سارے شیعی مقدمہ کو ترتیب دیا ہے۔ اب اس میں عقل کی ضرورت ہے کہ لوگ سمجھیں کہ کہاں کیا ہے۔ روایت میں عروہ بھی ہیں اور زہری کا عروہ سے ملنا ثابت نہیں ہے، میں اس پر مطمئن ہوں۔ اس روایت میں یہ بھی ایک مشکل ہے۔

۴. باب: إِذَا شَهِدَ شَاهِدٌ، أَوْ شُهُودٌ بِشَيْءٍ، فَقَالَ آخَرُونَ مَا عَلِمْنَا ذٰلِكَ يُحْكَمُ بِقَوْلِ مَنْ شَهِدَ،

قَالَ الْحُمَيْدِيُّ هٰذَا كَمَا أَخْبَرَ بِلَالٌ " أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ صَلَّى فِي الْكَعْبَةِ، وَقَالَ الْفَضْلُ لَمْ يُصَلِّ، فَأَخَذَ النَّاسُ بِشَهَادَةِ بِلَالٍ، كَذٰلِكَ إِنْ شَهِدَ شَاهِدَانِ أَنَّ لِفُلَانٍ عَلَى فُلَانٍ أَلْفَ دِرْهَمٍ وَشَهِدَ آخَرَانِ بِأَلْفٍ وَ خَمْسِمِائَةٍ يُقْضٰى بِالزِّيَادَةِ

باب: جب ایک گواہی دینے والا ہو یا متعدد لوگ ایک چیز کی گواہی دیں اور دوسرے لوگ یہ کہیں کہ ہمیں پتہ نہیں تو اس بات پر فیصلہ ہوگا ان لوگوں کے قول کے مطابق جنہوں نے گواہی دی۔

اور حمیدی نے کہا یہ ایسا ہے جیسے بلالؓ نے خبر دی کہ رسول اللہ ﷺ نے خانہ کعبہ کے اندر نماز پڑھی ہے اور

فضل نے کہا نہیں پڑھی، تو بلالؓ کی شہادت قبول کی جائے گی۔ اور اسی طریقہ سے یہ بات بھی ہے کہ دو شاہد کہیں کہ فلاں کے ذمے ایک ہزار روپے ہیں اور دوسرے یہ کہیں کہ نہیں ڈیڑھ ہزار باقی ہیں تو زیادہ پر فیصلہ کیا جائے گا۔

وضاحت:

اس باب میں جو مسئلہ بیان ہوا ہے اس کو درست کیسے قرار دیا جا سکتا ہے۔ اگر کچھ لوگ ایک بات کہتے ہیں اور کچھ لوگ اس کے منکر ہیں تو امام صاحب مجرد زیادہ رقم ہونے کی بنا پر دوسرے قول کو ترجیح دیتے ہیں۔ گویا وہ اثبات کو نفی پر مقدم سمجھتے ہیں۔ یہ کوئی اصول تو نہیں ہوا۔ اس موقف کے حق میں انہوں نے تعلیق یہ بیان کی ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کے کعبہ کے اندر نماز پڑھنے کے بارے میں لوگوں نے فضل کے مقابل میں بلالؓ کی بات مانی۔ حالانکہ بلالؓ کی بات مانی گئی تو اس لیے کہ وہ آنحضرت ﷺ کی نمازوں کے نگران بھی تھے۔ وہی کہتے تھے حضور نماز کا وقت ہو گیا اور اذان دیتے تھے۔ فضل کی عمر بہت کم تھی۔ یہ وہی نوجوان ہیں جو حج کے موقع پر عورتوں کو گھورنے لگے تو آنحضرت ﷺ نے ان کا چہرہ دوسری طرف پھیر دیا۔ تو ایک لڑکے کی بات مانی جائے گی یا ایک بزرگ کی جو نمازوں ہی پر مامور تھے۔ لہٰذا نہ امام صاحب کا وضع کردہ اصول صحیح ہے اور نہ تعلیق کوئی مطابقت رکھتی ہے۔

۳۔ حَدَّثَنَا حِبَّانُ اَخْبَرَنَا عَبْدُاللّٰهِ اَخْبَرَنَا عُمَرُ بْنُ سَعِيدِ بْنِ اَبِي حُسَيْنٍ قَالَ اَخْبَرَنِي عَبْدُاللّٰهِ بْنُ اَبِي مُلَيْكَةَ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ الْحَارِثِ اَنَّهُ تَزَوَّجَ ابْنَةً لِاَبِي اِهَابِ ابْنِ عَزِيزٍ فَاَتَتْهُ امْرَاَةٌ فَقَالَتْ قَدْ اَرْضَعْتُ عُقْبَةَ وَالَّتِي تَزَوَّجَ فَقَالَ لَهَا عُقْبَةُ مَا اَعْلَمُ اَنَّكِ اَرْضَعْتِنِي وَلَا اَخْبَرْتِنِي فَاَرْسَلَ اِلٰى آلِ اَبِي اِهَابٍ يَسْاَلُهُمْ فَقَالُوا مَا عَلِمْنَا اَرْضَعَتْ صَاحِبَتَنَا فَرَكِبَ اِلَى النَّبِيِّ ﷺ بِالْمَدِينَةِ فَسَاَلَهُ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ كَيْفَ وَقَدْ قِيلَ فَفَارَقَهَا وَ نَكَحَتْ زَوْجًا غَيْرَهُ.

﴿عقبہ بن حارث کہتے ہیں کہ انہوں نے ابو اہاب بن عزیز کی بیٹی سے نکاح کیا تو ایک عورت نے آ کر یہ کہا کہ میں نے عقبہ کو اور اس کو جس سے اس نے نکاح کیا ہے دودھ پلایا ہے۔ عقبہ نے کہا کہ مجھے تو خبر نہیں کہ تم نے مجھ کو دودھ پلایا ہے نہ تم نے کبھی اس کی خبر ہی دی۔ انہوں نے ابو اہاب کے لوگوں سے پچھوایا تو انہوں نے کہا کہ ہمیں معلوم نہیں۔ تو عقبہ مدینہ میں نبی ﷺ کی خدمت میں پوچھنے کے لیے حاضر ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اب کیسے تم اس کو رکھ سکتے ہو جب کہ یہ بات کہی گئی ہے۔ عقبہ نے اس کو چھوڑ دیا اور اس نے دوسرے سے نکاح کر لیا۔﴾

وضاحت:

اس روایت کو باب کی دلیل میں پیش کیا ہے کہ اثبات مقدم ہے نفی پر حالانکہ یہ واقعہ دوسرے اصول پر مبنی ہے۔ شریعت کا ایک اصول یہ ہے کہ اگر معاملہ ایسا ہے کہ اس کے اختیار کرنے میں عزت و آبرو کو خطرہ پیش آ سکتا ہے، یا حلت و حرمت کا مسئلہ پیش ہو تو ایسے موقع پر احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ وہ چیز اختیار کی جائے جو شک نہیں پیدا کرتی۔ جو چیز شک پیدا کرتی ہے اس کو چھوڑ دیا جائے۔ ظاہر ہے کہ یہاں یہ مسئلہ تھا حلت و حرمت کا۔ اگر اس عورت نے دونوں کو دودھ پلایا تھا تو وہ رضاعی بھائی، بہن تھے اس لیے احتیاط اسی میں تھی کہ عقبہ بیوی کو چھوڑ دیتے۔

٥. باب: الشُّهَدَاءِ الْعُدُولِ

وَقَوْلَ اللّٰهِ تَعَالٰى: وَاَشْهِدُوا ذَوَىْ عَدْلٍ مِنْكُمْ وَ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ.

باب: اس بارے میں کہ گواہ عادل ہونا چاہیے

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا دو معتبر آدمیوں کو اپنے میں سے گواہ کر لو اور فرمایا جن گواہوں کو تم پسند کرتے ہو۔

وضاحت:

عادل شخص یعنی معتبر آدمی اور وہ آسانی کے ساتھ پہچانا جاتا ہے۔ آج بھی اس زمانے میں بھلے آدمی کا ایک اعتماد ہے اور اس اصول پر کام کرنا پڑے گا۔ عادل گواہ کا مفہوم یہ ہوگا کہ معقول آدمی، سنجیدہ اور بھلا آدمی اور کم سے کم یہ کہ اس کی کوئی بری شہرت نہ ہو اور ایسے افعال کا مرتکب نہ ہو جو عدل کے منافی ہیں۔ پیشہ ور گواہی دینے والا نہ ہو۔

امام صاحب نے جن آیات کا حوالہ دیا ہے وہ سورہ البقرہ میں قرض کی تحریر کے سلسلہ میں نازل ہوئیں۔ قرض کی تحریر پر دو گواہوں کی گواہی ثبت کرنے کا حکم ہے۔ ان آیات کی رو سے گواہ مسلمان معاشرہ میں سے لیے جائیں اور وہ معاشرہ کے پسندیدہ لوگ ہوں۔ یعنی عدول کی شرائط میں مسلمان ہونا اور مسلمانوں کی نظروں میں اچھا مسلمان ہونا بھی شامل ہے۔

٣۔ حَدَّثَنَا الْحَكَمُ بْنُ نَافِعٍ اَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ" عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ حَدَّثَنِي حُمَيْدُ بْنُ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ اَنَّ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ عُتْبَةَ قَالَ سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَقُولُ اِنَّ اُنَاسًا كَانُوا يُؤْخَذُونَ بِالْوَحْيِ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ وَ اِنَّ الْوَحْيَ قَدِانْقَطَعَ وَ اِنَّمَا نَاْخُذُكُمُ الْاٰنَ بِمَا ظَهَرَ لَنَا مِنْ اَعْمَالِكُمْ، فَمَنْ اَظْهَرَ لَنَا خَيْرًا اَمِنَّاهُ وَ قَرَّبْنَاهُ، وَ لَيْسَ اِلَيْنَا مِنْ سَرِيرَتِهِ شَيْءٌ" اللّٰهُ يُحَاسِبُهُ فِي سَرِيرَتِهِ، وَمَنْ اَظْهَرَ لَنَا سُوْاً لَمْ نَاْمَنْهُ وَلَمْ نُصَدِّقْهُ، وَ اِنْ قَالَ اِنَّ

سَرِيْرَتُهُ حَسَنَةٌ".

﴿عبداللہ بن عتبہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرؓ کو فرماتے سنا کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں لوگوں سے وحی کی بنیاد پر مواخذہ کیا جاتا تھا۔ اب وحی تو منقطع ہو چکی اب ہم تمہارا مواخذہ تمہارے ظاہر اعمال پر کریں گے۔ جو کوئی ظاہر میں اچھا کام کرے گا اس پر ہم بھروسہ کریں گے اور اس کو مصاحب بنائیں گے اور اس کے دل کی بات سے ہم کو غرض نہیں۔ اس کے دل کی بات پر اللہ اس کا محاسبہ کرے گا۔ اور جو کوئی ظاہر میں برا کام کرے گا تو نہ ہم اس پر بھروسہ کریں گے اور نہ اس کو سچا سمجھیں گے اگرچہ وہ دعویٰ کرے کہ اس کا باطن اچھا ہے۔﴾

وضاحت:

آنحضرت ﷺ کو ایسی چیزوں کی خبر ہو سکتی تھی جو ظاہر نہ ہوں لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو بتا دی ہوں۔ آپ ان کی روشنی میں درست فیصلے فرماتے۔ بعد میں وحی کا سلسلہ منقطع ہونے پر درست فیصلہ تک پہنچنے کی یہ سہولت ختم ہو گئی۔ حضرت عمرؓ جو بات کہنا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ ہم فیصلے کرتے وقت باطن سے بحث نہیں کریں گے کہ آپ اندر سے کیسے ہیں۔ ہم صرف یہ دیکھیں گے کہ آپ کا عمل کیسا ہے اور اس پر ہماری بحث ہوگی۔ جو اصول حضرت عمرؓ کے زمانہ میں تھا وہی اصول اب بھی ہو گا۔ حضرت عمرؓ نے جو بات بتا دی ہے اب وہی چلے گی۔ گواہ کو اچھا آدمی سمجھتے ہیں تو اس کے بیان کو مانیں گے اور ظاہر میں برا ہے تو رد کر دیں گے۔ حضرت عمرؓ نے مشکل حل کر دی ہے ورنہ عدل کے لفظ پر کوئی معیار قائم کرنا مشکل ہو جاتا۔

٦. باب: تَعْدِيلِ كَمْ يَجُوزُ

باب: تعدیل کے لیے کتنے آدمی ہونے چاہئیں

٥۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ مُرَّ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ بِجَنَازَةٍ فَأَثْنَوْا عَلَيْهَا خَيْرًا فَقَالَ وَجَبَتْ، ثُمَّ مُرَّ بِأُخْرَى فَأَثْنَوْا عَلَيْهَا شَرًّا أَوْ قَالَ غَيْرَ ذٰلِكَ، فَقَالَ وَجَبَتْ، فَقِيلَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ قُلْتَ لِهٰذَا وَجَبَتْ وَلِهٰذَا وَجَبَتْ، قَالَ شَهَادَةُ الْقَوْمِ الْمُؤْمِنُونَ شُهَدَاءُ اللّٰهِ فِي الْأَرْضِ.

﴿حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کے سامنے سے ایک جنازہ گزرا۔ لوگوں نے اس کی تعریف کی۔ آپؐ نے فرمایا اس کے لیے واجب ہو گئی۔ پھر دوسرا جنازہ گزرا۔ لوگوں نے اس کی برائی کی یا راوی نے اس

طرح کا کوئی لفظ کہا، آپؐ نے فرمایا اس کے لیے واجب ہوگئی۔ لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ آپ نے اس کے لیے بھی فرمایا واجب ہوگئی اور اس کے لیے بھی فرمایا واجب ہوگئی، اس کا سبب کیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا، لوگوں کی گواہی، اہل ایمان زمین میں اللہ تعالیٰ کے گواہ ہیں۔

وضاحت:

رسول اللہ ﷺ کے سامنے دو جنازے گزرے۔ پہلے جنازے کی میت کے لیے لوگوں کی زبان پر کلمہ خیر تھا کہ اچھا آدمی تھا، کسی سے ظلم وزیادتی کا روادار نہیں تھا وغیرہ۔ دوسرے مرنے والے کے بارے میں لوگوں کے تبصرے اچھے نہ تھے۔ انہوں نے کہا ہوگا معاشرہ کا برا فرد تھا، خدا کا شکر ہے لوگوں کو اس کے شر سے نجات ملی، وغیرہ۔ دونوں قسم کے تبصرے سن کر حضورؐ نے فرمایا 'واجب ہوگئی'۔ کیا چیز واجب ہوگئی؟ اس کی تصریح نہیں کی۔ لیکن موقع ومحل سے واضح ہے کہ نیک آدمی کے لیے جنت واجب ہوگئی اور برے آدمی کے لیے جہنم۔ یعنی وہ جو کہا جاتا ہے کہ زبان خلق نقارۂ خدا ہوتی ہے، تو یہی اصول یہاں بھی کارفرما ہے۔ جب لوگوں نے اس کا سبب دریافت کیا تو حضورؐ نے فرمایا کہ امت مسلمہ زمین پر اللہ کی گواہی دینے والی ہے۔ اگر اس کا اجتماعی ضمیر کسی شخص کے نیک یا بد ہونے کا فیصلہ کردیتا ہے تو حقیقت میں وہی اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد میرے نزدیک انہی اہل ایمان پر صادق آتا ہے جو شہداء اللہ فی الارض ہونے کے منصب کے تقاضوں کو سمجھنے اور ان کو پورا کرنے والے ہوں۔ امتداد زمانہ کے باعث اب مسلمانوں کی اقدار اتنی بدل گئی ہیں کہ شہداء اللہ کہلانے کے مستحق اب خال خال ہی نظر آتے ہیں۔ آج اپنے اپنے علاقوں میں ظلم وجور کا بازار گرم کرنے والوں اور قوم کی دولت ہڑپ کرنے والوں کی جو عزت ہے اور ان کے مرنے پر ہزاروں لوگوں کے جو ہجوم نظر آتے ہیں ان کو دیکھ کے تو حیرت ہوتی ہے کہ ہماری قوم کی نگاہوں میں اب پسند اور ناپسند کے معیار کتنے بدل گئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایسے لوگوں کی رائے پر 'وجبت' تو نہیں کہا جاسکتا۔ جن لوگوں کے سامنے حضورؐ نے یہ فرمایا وہ فی الواقع شہداء اللہ فی الارض تھے۔ اور آپؐ نے یہ ارشاد بھی فرمایا کہ بہترین دور میرا ہے، پھر صحابہ کا، پھر تابعین کا۔ اس کے بعد تاریکی بڑھے گی۔ لوگ خیانت کریں گے۔ ان پر اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ وہ گواہی دینا چاہیں تو ان کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔

۲۔ حَدَّثَنَا مُوسٰی بْنُ اِسْمَاعِیلَ حَدَّثَنَا دَاوُدُ بْنُ اَبِی الْفُرَاتِ حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ بُرَیْدَةَ عَنْ اَبِی الْاَسْوَدِ قَالَ اَتَیْتُ الْمَدِینَةَ وَقَدْ وَقَعَ بِهَا مَرَضٌ " وَهُمْ یَمُوتُونَ مَوْتًا ذَرِیعًا فَجَلَسْتُ اِلٰی عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ فَمَرَّتْ جَنَازَةٌ" فَاُثْنِیَ خَیْرٌ"، فَقَالَ عُمَرُ وَجَبَتْ، ثُمَّ مُرَّ بِاُخْرٰی فَاُثْنِیَ خَیْرًا فَقَالَ وَجَبَتْ، ثُمَّ مُرَّ بِالثَّالِثَةِ فَاُثْنِیَ شَرًّا فَقَالَ وَجَبَتْ فَقُلْتُ مَا وَجَبَتْ یَا اَمِیرَالْمُؤْمِنِینَ، قَالَ

قُلْتُ كما قَالَ النَّبِيُّ ﷺ اَيُّمَا مُسْلِمٍ شَهِدَ لَهُ اَرْبَعَةٌ" بِخَيْرٍ اَدْخَلَهُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ، قُلْنَا وَ ثَلَاثَةٌ" قَالَ وَ ثَلَاثَةٌ"، قُلْتُ وَاثْنَانِ قَالَ وَاثْنَانِ ثُمَّ لَمْ نَسْأَلْهُ عَنِ الْوَاحِدِ.

﴿ابوالاسود نے بیان کیا کہ میں مدینہ میں آیا تو وہاں ایک بیماری پھیلی ہوئی تھی جس میں لوگ فوری مرجاتے تھے۔ میں حضرت عمرؓ کے پاس بیٹھا تھا کہ اتنے میں ایک جنازہ گزرا۔ لوگوں نے اس کی تعریف کی۔ حضرت عمرؓ نے کہا واجب ہوگئی۔ پھر دوسرا جنازہ گزرا تو لوگوں نے اس کی بھی تعریف کی۔ حضرت عمرؓ نے کہا واجب ہوگئی۔ پھر تیسرا جنازہ نکلا۔ اس کی لوگوں نے برائی کی۔ حضرت عمرؓ نے کہا واجب ہوگئی۔ میں نے کہا یا امیر المومنین کیا چیز واجب ہوگئی۔ انہوں نے کہا میں نے وہی کہا جو نبی ﷺ نے فرمایا تھا کہ جس مسلمان کے لیے چار آدمی یوں اس کی نیکی کی گواہی دیں اللہ اس کو بہشت میں داخل فرمائے گا۔ ہم نے کہا اگر تین گواہی دیں تو فرمایا تین بھی۔ ہم نے کہا اگر دو ہی گواہی دیں تو آپ نے فرمایا اگر دو بھی دیں تب بھی۔ پھر ہم نے یہ نہ پوچھا کہ اگر ایک گواہی دے تو کیا ہوگا۔﴾

وضاحت:

اس روایت کی وضاحت اوپر ہو چکی ہے۔ ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ اوپر والی روایت کا تعلق نبی ﷺ کے دور سے تھا جبکہ اس روایت میں حضرت عمرؓ ہی بات کرتے اور حدیث رسول کا مضمون دہراتے ہیں۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ یہاں اچھے یا برے ہونے کی گواہی دینے والوں کی تعداد کا بھی ذکر ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ اگر دو اہل ایمان بھی کسی کے بارے میں گواہی دے دیں تو وہ مانی جائے گی۔

عنوان باب میں جو سوال تھا کہ کتنے آدمی کی گواہی سے کسی کی تعدیل ہوگی تو اس حدیث کی روشنی میں تو محض دو آدمیوں کی گواہی دینا کافی ہوگا۔ البتہ خود یہ آدمی کن صفات کے مالک ہوں تو اس کے بارے میں اوپر بیان ہو چکا ہے۔

٧. باب: الشَّهَادَةِ عَلَى الْأَنْسَابِ، وَالرَّضَاعِ الْمُسْتَفِيضِ، وَالْمَوْتِ الْقَدِيمِ، وَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ اَرْضَعَتْنِيْ وَاَبَا سَلَمَةَ ثُوَيْبَةُ وَالتَّثَبُّتِ فِيهِ.

باب: نسب، مشہور رضاعت اور عرصہ دراز پہلے کی موت پر گواہی کا حکم۔

٧۔ حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ اَخْبَرَنَا الْحَكَمُ عَنْ عِرَاكِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتِ اسْتَاذَنَ عَلَيَّ اَفْلَحُ فَلَمْ آذَنْ لَهُ، فَقَالَ اَتَحْتَجِبِيْنَ مِنِّيْ وَ اَنَا

عَمُّکِ، فَقُلْتُ وَ کَیْفَ ذٰلِکَ ،قَالَ اَرْضَعَتْکِ امْرَأَةُ اَخِی بِلَبَنِ اَخِی، فَقَالَتْ سَأَلْتُ عَنْ ذٰلِکَ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ صَدَقَ اَفْلَحُ ائْذَنِی لَهُ.

﴿عروہ کا بیان ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ افلح نے مجھ سے اندر آنے کی اجازت مانگی تو میں نے ان کو اجازت نہیں دی۔ وہ کہنے لگے تم مجھ سے پردہ کرتی ہو، میں تو تمہارا چچا ہوں۔ میں نے کہا وہ کیسے۔ انہوں نے کہا میرے بھائی کی بیوی نے تم کو دودھ پلایا ہے۔ حضرت عائشہؓ نے کہا میں نے اس کا ذکر رسول اللہ ﷺ سے کیا تو آپ نے فرمایا افلح سچ کہتا ہے، اس کو اندر آنے دو۔﴾

وضاحت:

ہمارے معاشرہ میں اب دوسرے گھرانوں سے بچوں کو دودھ پلوانے کا رواج تقریباً ختم ہو گیا ہے۔ لیکن عرب معاشرہ میں رضاعت کے تعلق سے کئی گھرانے آپس میں جڑ جاتے اور ایک دوسرے کے دست و بازو بن جاتے تھے۔ لہٰذا رضاعت کو بڑی اہمیت دی جاتی۔ اسلامی شریعت نے بھی رضاعت کو اہمیت دی اور محرمات نکاح میں اس کا عمل دخل مانا گیا یعنی کوئی مرد رضاعی بہنوں سے نکاح نہیں کر سکتا۔ نبی ﷺ نے یہ ہدایت فرمائی کہ جو رشتے نکاح کے لیے نسب کے باعث حرام ہو جاتے ہیں وہ رضاعت کے تعلق سے بھی حرام ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح جو رشتے عورت کے لیے نسب کے تعلق سے محرم ہیں وہ رضاعت کے تعلق سے بھی محرم ہوتے ہیں۔ اسی بنا پر افلح کو جب حضرت عائشہؓ نے گھر میں داخل ہونے کی اجازت نہ دی تو انہوں نے کہا کہ میں تو تمہارا چچا ہوتا ہوں، مجھ سے حجاب کے کیا معنی! بات رسول اللہ ﷺ کے علم میں لائی گئی تو آپؐ نے فرمایا، افلح سچ کہتا ہے۔ اس کو گھر میں داخل ہونے دیا جائے۔

۸۔ حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ اِبْرَاهِیمَ حَدَّثَنَا هَمَّام" حَدَّثَنَا قَتَادَةُ عَنْ جَابِرِ بْنِ زَیْدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ النَّبِیُّ ﷺ فِی بِنْتِ حَمْزَةَ لَا تَحِلُّ لِی یَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعِ مَا یَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ هِیَ بِنْتُ اَخِی مِنَ الرَّضَاعَةِ.

﴿حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ فرمایا آنحضرت ﷺ نے حمزہ کی بیٹی کے باب میں کہ وہ مجھ کو درست نہیں، جو رشتے نسب سے حرام ہوتے ہیں وہ دودھ سے بھی حرام ہوتے ہیں، وہ تو میری رضاعی بھتیجی ہے۔﴾

وضاحت:

معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ کے سامنے یہ تجویز آئی کہ آپ اپنے چچا حمزہ بن عبدالمطلب کی بیٹی کو اپنے نکاح میں لے آئیں۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ اس کے ساتھ میرا نکاح جائز نہیں۔ اگرچہ وہ میرے چچا کی بیٹی ہے لیکن رضاعت کے

حوالے سے وہ میری بھتیجی بھی ہے۔ کیونکہ میں نے اور حمزہؓ دونوں نے بچپن میں ابولہب کی لونڈی ثوبیہ کا دودھ پیا تھا۔ لہٰذا اس رضاعت کے باعث یہ رشتہ میرے لیے حلال نہیں۔

۹۔ حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ اَخْبَرَنَا مَالِکٌ" عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ اَبِي بَكْرٍ عَنْ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ اَنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ اَخْبَرَتْهَا اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ عِنْدَهَا وَ اَنَّهَا سَمِعَتْ صَوْتَ رَجُلٍ يَسْتَاذِنُ فِي بَيْتِ حَفْصَةَ قَالَتْ عَائِشَةُ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ اُرَاهُ فُلَانًا لِعَمِّ حَفْصَةَ مِنَ الرَّضَاعَةِ فَقَالَتْ عَائِشَةُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ هٰذَا رَجُلٌ" يَسْتَاذِنُ فِي بَيْتِکَ قَالَتْ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ اُرَاهُ فُلَانًا لِعَمِّ حَفْصَةَ مِنَ الرَّضَاعَةِ، فَقَالَتْ عَائِشَةُ: لَوْ كَانَ فُلَانٌ" حَيًّا لِعَمِّهَا مِنَ الرَّضَاعَةِ دَخَلَ عَلَيَّ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ نَعَمْ اِنَّ الرَّضَاعَةَ تُحَرِّمُ مَا يَحْرُمُ مِنَ الْوِلَادَةِ.

﴿حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ ان کے پاس تشریف فرما تھے کہ انہوں نے ایک مرد کی آواز سنی جو حضرت حفصہؓ کے گھر میں جانے کی اجازت مانگ رہا تھا۔ حضرت عائشہؓ نے کہا یا رسول اللہ میں سمجھتی ہوں یہ فلاں شخص ہے، حضرت حفصہؓ کا دودھ کے ناتے کا چچا۔ یا رسول اللہ یہ شخص آپ کے گھر میں داخل ہونے کی اجازت مانگ رہا ہے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں سمجھتا ہوں یہ فلاں شخص ہے حفصہ کا رضاعی چچا۔ حضرت عائشہؓ نے کہا اگر فلاں شخص جو میرا رضاعی چچا ہوتا تھا آج زندہ ہوتا تو وہ میرے گھر میں بھی داخل ہو سکتا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ہاں۔ جو رشتے نسب سے محرم رشتے ہوتے ہیں وہ رضاعت سے بھی محرم ہو جاتے ہیں۔﴾

وضاحت:

حدیث اپنے مفہوم میں بالکل واضح ہے۔ اس میں بھی رضاعت کے حکم کے اطلاق کی مثال موجود ہے۔

۱۰۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ اَخْبَرَنَا سُفْيَانُ بْنُ اَشْعَثَ بْنِ اَبِي الشَّعْثَاءِ عَنْ اَبِيهِ عَنْ مَسْرُوقٍ اَنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ دَخَلَ عَلَيَّ النَّبِيُّ ﷺ وَ عِنْدِي رَجُلٌ" قَالَ يَا عَائِشَةُ مَنْ هٰذَا، قُلْتُ اَخِي مِنَ الرَّضَاعَةِ، قَالَ يَا عَائِشَةُ: اُنْظُرْنَ مَنْ اِخْوَانُكُنَّ فَاِنَّمَا الرَّضَاعَةُ مِنَ الْمَجَاعَةِ تَابَعَه ابْنُ مَهْدِيٍّ عَنْ سُفْيَانَ.

﴿مسروق کہتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ نے بیان کیا کہ ایک بار ایسا ہوا کہ نبی ﷺ تشریف لائے تو ایک شخص میرے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ آپؐ نے پوچھا عائشہ یہ کون ہے۔ میں نے بتایا، یہ میرا رضاعی بھائی ہے۔ آپؐ نے فرمایا عائشہ! دیکھو رضاعت وہی معتبر ہے جو کم سنی میں ہو۔ اس روایت کو عبدالرحمٰن بن مھدی نے سفیان سے روایت کیا۔﴾

وضاحت:

مجاعہ کے معنی بھوک کے ہیں۔ چھوٹے بچے کو بھوک محسوس ہوتی ہے تو وہ اپنی ماں کو متوجہ کرنے کے لیے روتا ہے۔ ماں جب اس کو دودھ پلاتی ہے تو اس سے اس کی بھوک مٹتی ہے۔ بچہ بڑا ہو جائے تو کوئی ٹھوس چیز کھائے بغیر اس کی بھوک ختم نہیں ہوتی۔ علیٰ ھذا القیاس چھوٹے بچے کی بھوک چھاتی سے ذرا سا منہ لگانے سے بھی نہیں مٹتی۔ وہ سیر ہو کر پی لے تو آسودہ ہوتا ہے۔ لہٰذا رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کا مفہوم یہ ہے کہ رضاعت کے معتبر ہونے کے لیے عمر کا ایک خاص دور ہونا اور اہتمام کے ساتھ دودھ کا پلایا جانا ضروری ہے۔ رضاعت کم سنی ہی میں ہوتی ہے جب بچہ دودھ ہی پر پلتا ہے اور اس کا سیر ہو کر دودھ پینا بھی ضروری ہے۔ یونہی کسی عورت نے روتے بچے کو چپ کرانے کے لیے اپنی چھاتی اس کے منہ میں دے دی تو اس سے رضاعت کی شرط پوری نہیں ہوگی۔

امام صاحب کے باب میں الموت القدیم کا ذکر بھی تھا۔ لیکن اس پر وہ کوئی روایت نہیں لائے۔

٨. باب: شَهَادَةِ الْقَاذِفِ وَالسَّارِقِ وَالزَّانِي

وَقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالَى: وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا وَأُولٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ إِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوا، وَجَلَدَ عُمَرُ أَبَابَكْرَةَ وَشِبْلَ بْنَ مَعْبَدٍ وَنَافِعًا بِقَذْفِ الْمُغِيرَةِ، ثُمَّ اسْتَتَابَهُمْ، وَقَالَ مَنْ تَابَ قَبِلْتُ شَهَادَتَهُ، وَأَجَازَهُ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عُتْبَةَ وَعُمَرُبْنُ عَبْدِالْعَزِيزِ وَسَعِيدُ بْنُ جُبَيْرٍ وَطَاوُسٌ" وَمُجَاهِدٌ" وَالشَّعْبِيُّ وَعِكْرِمَةُ وَالزُّهْرِيُّ وَ مُحَارِبُ بْنُ دِثَارٍ وَشُرَيْحٌ" وَمُعَاوِيَةُ بْنُ قُرَّةَ، وَقَالَ أَبُوالزِّنَادِ الْأَمْرُ عِنْدَنَا بِالْمَدِينَةِ إِذَا رَجَعَ الْقَاذِفُ عَنْ قَوْلِهِ، فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهُ قُبِلَتْ شَهَادَتُهُ، وَقَالَ الشَّعْبِيُّ وَقَتَادَةُ إِذَا أَكْذَبَ نَفْسَهُ جُلِدَ، وَقُبِلَتْ شَهَادَتُهُ، وَقَالَ الثَّوْرِيُّ إِذَا جُلِدَالْعَبْدُ، ثُمَّ أُعْتِقَ جَازَتْ شَهَادَتُهُ، وَإِنِ اسْتُقْضِيَ الْمَحْدُودُ فَقَضَايَاهُ جَائِزَةٌ". وَقَالَ بَعْضُ النَّاسِ لَا تَجُوزُ شَهَادَةُ الْقَاذِفِ وَ إِنْ تَابَ، ثُمَّ قَالَ لَا يَجُوزُ نِكَاحٌ" بِغَيْرِ شَاهِدَيْنِ، فَإِنْ تَزَوَّجَ بِشَهَادَةِ مَحْدُودَيْنِ جَازَ،

وَ اِنْ تَزَوَّجَ بِشَهَادَةِ عَبْدَيْنِ لَمْ يَجُزْ، وَاَجَازَ شَهَادَةَ الْمَحْدُوْدِ وَالْعَبْدِ وَالْاَمَةِ لِرُؤْيَةِ هِلَالِ رَمَضَانَ وَ كَيْفَ تُعْرَفُ تَوْبَتُهُ، وَقَدْ نَفَى النَّبِيُّ ﷺ الزَّانِيَ سَنَةً، وَنَهَى النَّبِيُّ ﷺ عَنْ كَلَامِ سَعْدِ بْنِ مَالِكٍ وَ صَاحِبَيْهِ حَتّٰى مَضٰى خَمْسُوْنَ لَيْلَةً.

باب: تہمت لگانے والے، چور اور زانی کی گواہی کے بیان میں

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ایسے تہمت لگانے والوں کی گواہی کبھی قبول نہ کرو۔ یہی لوگ تو بدکار ہیں بجز ان کے جو توبہ کرلیں۔ اور عمرؓ نے ابوبکرہ اور شبل بن معبد اور نافع بن حارث کو مغیرہ پر تہمت لگانے کی بنا پر حد لگائی، پھر ان سے توبہ کرائی اور کہا جو کوئی توبہ کرے گا تو میں اس کی گواہی قبول کرلوں گا۔ اور عبداللہ بن عتبہ، عمر بن عبدالعزیز، سعید بن جبیر، طاؤس، مجاہد، شعبی، عکرمہ، زہری، محارب بن دثار، شریح اور معاویہ بن قرہ نے بھی توبہ کے بعد اس کی گواہی جائز رکھی ہے۔ اور ابوالزناد نے کہا کہ ہمارے ہاں مدینہ طیبہ میں یہ فتویٰ ہے کہ جب قاذف اپنے قول سے پھر جائے اور استغفار کرے تو اس کی گواہی قبول ہوگی۔ اور شعبی اور قتادہ نے کہا جب وہ اپنے تئیں جھٹلائے اور اس کو کوڑے لگا دیے جائیں تو اس کے بعد اس کی گواہی قبول ہوگی اور سفیان ثوری نے کہا جب غلام کو کوڑے لگ جائیں اور اس کے بعد وہ آزاد ہو جائے تو اس کی گواہی قبول ہوگی۔ اور جس کو حد پڑی ہو اگر وہ قاضی بنایا جائے تو اس کے فیصلے جائز ہوں گے۔ اور بعض لوگ کہتے ہیں قاذف کی گواہی قبول نہ ہوگی گو وہ توبہ کرلے۔ پھر یہ بھی کہتے ہیں کہ بغیر دو گواہوں کے نکاح درست نہیں ہوتا اور حد قذف پڑے ہوئے گواہوں کی گواہی سے نکاح کیا تو نکاح درست ہوگا۔ اگر نکاح دو غلاموں کی گواہی سے کیا تو درست نہ ہوگا۔ انہوں نے ان لوگوں کی گواہی جن پر حد جاری ہو چکی ہو اور لونڈی غلام کی گواہی رمضان کے چاند کے لیے درست مانی ہے۔ اور اس باب میں یہ بیان ہوگا کہ قاذف کی توبہ کیسے معلوم ہوگی اور نبی ﷺ نے تو زانی کو ایک سال کے لیے جلاوطن کیا اور آپؐ نے سعد بن مالک اور ان کے دونوں ساتھیوں سے کلام کرنے سے پچاس دن کے لیے لوگوں کو روک دیا۔

وضاحت:

باب قاذف (زنا کی تہمت لگانے والے)، چور اور زانی کی گواہی کے بارے میں ہے۔ آگے امام صاحب نے قاذف کے بارے میں مختلف لوگوں کے فتاویٰ اور موقف بیان کیے ہیں۔ سب سے پہلے سورہ نور کی آیت کا حوالہ دیا ہے جس

کا مضمون یہ ہے کہ جو لوگ شریف اور آزاد (یعنی جو لونڈی نہ ہوں) مومنہ عورتوں پر زنا کی تہمت لگائیں اور اس کے ثبوت کے طور پر چار معتبر گواہ پیش نہ کرسکیں تو ان پر اسی کوڑے کی حد جاری کرو اور ہمیشہ کے لیے ان کو ساقط الشہادۃ قرار دے دو کیونکہ یہ لوگ فاسق ہیں۔ ہاں اگر یہ لوگ اس کے بعد توبہ کرلیں اور اصلاح کرلیں تو اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی معافی کی امید ہے کیونکہ وہ غفور رحیم ہے۔ میرے نزدیک جب کوئی شخص ہمیشہ کے لیے ساقط الشہادۃ قرار دے دیا جاتا ہے تو یہ سزا ایک مسلمان معاشرے کے اندر اس کی عرفی حیثیت کو بالکل ختم کردینے والی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس امت کا اصلی مرتبہ یہ ہے کہ یہ شہداء اللہ فی الارض ہے۔ آیت میں ساقط الشہادۃ ہونے کے ساتھ ابداً کا لفظ لگا ہوا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ عمر بھر کے لیے ساقط الشہادۃ رہیں گے اور ان کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔ باقی رہا توبہ و اصلاح کے بعد مغفرت کا تعلق تو توبہ انسان کی نیت سے ہوتی ہے، جس کا حال صرف اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے اور وہی ان کی مغفرت کا فیصلہ کرے گا۔

امام صاحب نے بہت سے اکابر امت کی یہ رائے نقل کی ہے کہ حد جاری ہونے کے بعد اگر قاذف توبہ کرلے گا تو اس کی گواہی قبول کرلی جائے گی۔ میرے نزدیک یہ بات آیت سے بالکل نہیں نکلتی۔ انہوں نے بعض لوگوں کی طرف منسوب کرکے ان کا یہ نقطہ نظر بیان کیا ہے کہ وہ قاذف کی گواہی کو بالکل قبول نہیں کرتے۔ یہ بعض لوگ کون ہیں امام صاحب نے ان کا نام نہیں بتایا۔ بدرالدین عینی اپنی شرح بخاری میں بتاتے ہیں کہ یہ بعض لوگ ابن عباس، امام ابوحنیفہ، حسن بصری، قاضی شریح، سعید بن المسیب وغیرہ ہیں۔ یہ سب قاذف کی گواہی تسلیم کرنے کے خلاف ہیں۔

اس کے بعد امام صاحب نے غلاموں کی گواہی، زانی کی جلاوطنی اور سعد بن مالک کی توبہ کا ذکر کیا ہے۔ ان کا تعلق بظاہر باب سے نہیں ہے۔ لیکن وہ ہر طرح کی روایات لاکر ان مقدمات کو بھی ثابت کرنا چاہتے ہیں۔

۱۱۔ حَدَّثَنَا اِسْمٰعِیْلُ قَالَ حَدَّثَنِی ابْنُ وَهْبٍ عَنْ یُوْنُسَ، وَقَالَ اللَّیْثُ حَدَّثَنِی یُوْنُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ اَخْبَرَنِی عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَیْرِ اَنَّ امْرَاَةً سَرَقَتْ فِی غَزْوَةِ الْفَتْحِ فَاُتِیَ بِهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ثُمَّ اَمَرَ فَقُطِعَتْ یَدُهَا، قَالَتْ عَائِشَةُ فَحَسُنَتْ تَوْبَتُهَا وَتَزَوَّجَتْ وَكَانَتْ تَاْتِی بَعْدَ ذٰلِكَ فَاَرْفَعُ حَاجَتَهَا اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ.

﴿عروہ بن زبیر کہتے ہیں کہ ایک عورت نے غزوہ فتح میں چوری کی تو اس کو رسول اللہ ﷺ کے سامنے پیش کیا گیا۔ آپ کے حکم پر اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اس عورت نے اچھی توبہ کی، پھر اس نے نکاح کیا، اس کے بعد وہ آیا کرتی تھی تو میں اس کی ضرورت رسول اللہ ﷺ سے بیان کر دیتی۔﴾

وضاحت:

غزوۃ الفتح سے مراد فتح مکہ کا موقع ہے۔ جس عورت کا ذکر ہے وہ ایک قریشی خاتون فاطمہ بنت اسود ہے۔ اس

نے چوری کی تو لوگوں کو افسوس ہوا کہ قریش کی ایک باا ثر خاتون کو سرقہ کے جرم میں سزا ہو جائے گی تو انہوں نے اسامہ بن زید کو سفارش کرنے کے لیے نبی ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔ آپ اسامہ کی اس جسارت پر سخت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ پہلی قومیں اسی لیے تباہ ہوئیں کہ ان کے ہاں قانون کا اطلاق غرباء پر ہوتا اور امراء کو اس سے بچالیا جاتا تھا۔ چنانچہ آپ کے حکم پر فاطمہ کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ بعد میں اس عورت نے توبہ کرلی، اس نے نکاح کرلیا اور کبھی کبھی وہ میرے پاس آیا کرتی تھی۔

اس میں فاطمہ کی کسی گواہی کا ذکر نہیں ہے۔ جو امام صاحب کے باب کا تقاضا ہے۔

۱۲۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى ابْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُبَيْدِاللهِ بْنِ عَبْدِاللهِ عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ اَنَّهُ اَمَرَ فِيمَنْ زَنَى وَلَمْ يُحْصِنْ بِجَلْدِ مِائَةٍ وَتَغْرِيبِ عَامٍ.

﴿زید بن خالد روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ حکم دیا کہ جو شخص محصن نہ ہو اور زنا کرے تو اس کو سو کوڑے مارو اور ایک سال کے لیے جلاوطن کرو۔﴾

وضاحت:

معاشرے کے انتشار و فساد کا بڑا عامل زنا ہے۔ معاشرے کے استحکام کا انحصار رحمی رشتہ کی پاکیزگی پر ہے جس پر زنا حملہ آور ہو کر صالح تمدن کی بنیاد اکھاڑ دیتا ہے۔ اسی وجہ سے تمام آسمانی مذاہب میں زنا کو مستوجب سزا جرم قرار دیا گیا ہے۔ قرآن نے سورہ نور کی آیت ۲ میں یہ حکم دیا کہ زانی عورت ہو یا زانی مرد، دونوں میں سے ہر ایک کو سو سو کوڑے مارو اور خدا کے قانون کو نافذ کرنے کے معاملہ میں ان کے ساتھ کوئی نرمی نہ برتو۔

روایت میں یہ لفظ غیر محصن سے وہ شخص مراد لیا جاتا ہے جس کی شادی نہ ہوئی ہو یا شادی تو ہوئی ہو لیکن ابھی اس نے مباشرت نہ کی ہو۔ ایسا شخص اگر زنا کا ارتکاب کرے تو اس کے لیے تو اس کو سو کوڑے مارنے یا بصورت دیگر جلاوطن کرنے کا حکم ہے۔ یہ جلاوطنی ایک سال کے لیے ہوگی۔ جلاوطنی کا متبادل اس زمانہ میں جیل کی قید ہے۔ گویا اصل مقصد اس شخص کو ایک سال کے لیے اس کے ماحول سے کاٹ دینا ہے۔

اس روایت پر غور کیجیے تو معلوم ہوگا کہ اس میں غیر محصن زانی کے لیے ایک ہی ساتھ کوڑے مارنے کی سزا کا حکم بھی ہے اور ایک سال کی جلاوطنی کا بھی۔ سوال یہ ہے کہ کیا یہ دونوں سزائیں ایک ساتھ دی جائیں گی۔ قاعدہ یہ ہے کہ دو سزائیں جمع نہیں کی جاسکتیں۔ حرف 'و' جمع کے لیے بھی آتا ہے اور تقسیم کے مفہوم کو ادا کرنے کے لیے بھی آتا ہے۔ اگر حدیث کے الفاظ جَلْدِ مِائَةٍ وَتَغْرِيبِ عَامٍ. میں 'و' کو تقسیم کے مفہوم میں لیجیے تو مطلب یہ ہوگا کہ کوئی زانی کنوارا یا محصن

ہو تو اس کی اصل سزا قرآن مجید کی روشنی میں جلد (تازیانہ) ہی ہوگی لیکن اگر ایسا زانی اس سزا سے قابو میں نہ آ رہا ہے تو حکومت اس کو ایک سال کی جلاوطنی (یا جیل کی قید) کی سزا بھی دے سکتی ہے۔ یہ دوسری سزا سورہ مائدہ کی آیات ۳۳۔۳۴ کی روشنی میں ہے۔ وہاں جو سزائیں بیان ہوئی ہیں وہ خاص ان اشخاص کے لیے ہیں جو ڈھٹائی اور بے باکی کے ساتھ جرائم کا ارتکاب کرتے ہیں اور عام سزاؤں سے راہ راست پر نہیں آتے۔

۹. باب: لَا يَشْهَدُ عَلَى شَهَادَةِ جَوْرٍ إِذَا أُشْهِدَ.

باب: کسی شخص کو ظلم کی گواہی دینے کو کہا جائے تو وہ گواہی نہ دے

کوئی ظالم شخص کسی پر ظلم کرتا یا اس کا حق مارتا ہے تو یہ بھی چاہتا ہے کہ وہ اپنے عمل پر کسی کی تائید بھی حاصل کرلے۔ اس کے دوست احباب اس مقصد کے لیے تیار بھی ہو جاتے ہیں جو ایک زیادتی کا کام ہے۔ اس باب میں ایسی روایات آئیں گی جن سے جرم میں شراکت کے فعل کی ممانعت ہوگی۔

۱۴۔ حدَّثَنَا عَبْدَانُ أَخْبَرَنَا عَبْدُاللّٰهِ أَخْبَرَنَا أَبُو حَيَّانَ التَّيْمِيُّ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ سَأَلَتْ أُمِّي أَبِي بَعْضَ الْمَوْهِبَةِ لِي مِنْ مَالِهِ ثُمَّ بَدَا لَهُ فَوَهَبَهَا لِي فَقَالَتْ لَا أَرْضَى حَتَّى تُشْهِدَ النَّبِيَّ ﷺ فَأَخَذَ بِيَدِي وَ أَنَا غُلَامٌ" فَأَتَى بِيَ النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ إِنَّ أُمَّهُ بِنْتَ رَوَاحَةَ سَأَلَتْنِي بَعْضَ الْمَوْهِبَةِ لِهَذَا، قَالَ أَلَكَ وَلَدٌ" سِوَاهُ قَالَ نَعَمْ، قَالَ فَأُرَاهُ قَالَ لَا تُشْهِدْنِي عَلَى جَوْرٍ، وَقَالَ أَبُو حَرِيزٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ لَا أَشْهَدُ عَلَى جَوْرٍ.

﴿نعمان بن بشیر سے روایت ہے کہ میری والدہ نے میرے باپ سے اس کے مال میں سے میرے لیے کچھ ہبہ کرنے کا مطالبہ کیا۔ والد نے کچھ سوچ کر میرے لیے اس کو کچھ مال دے دیا۔ پھر والدہ نے کہا کہ جب تک نبی ﷺ کو گواہ نہ کرلو تو میں اس پر راضی نہیں۔ والد نے میرا ہاتھ پکڑا۔ میں اس وقت ایک لڑکا تھا۔ وہ مجھے لیے ہوئے نبی ﷺ کے پاس لے گئے اور کہا کہ اس لڑکے کی ماں بنت رواحہ نے اس لڑکے کے لیے ہبہ کا مطالبہ کیا ہے۔ آپؐ نے پوچھا کہ کیا اس کے سوا بھی تمہاری اولاد ہے۔ والد نے کہا جی ہاں۔ میرا گمان ہے کہ اس پر آپؐ نے فرمایا 'ظلم میں مجھے گواہ نہ بناؤ'۔ شعبی کی روایت میں ہے کہ میں ظلم پر گواہ نہیں بنتا۔﴾

وضاحت:

یہ روایت پیچھے گزر چکی ہے۔ وہاں اس کی وضاحت دیکھ لی جائے۔ اس حوالہ سے حضرت ابوبکرؓ کا عمل بھی قابل

غور ہے جس پر بحث گزر چکی ہے۔ انہوں نے اپنی اس اولاد کے لیے بھی اپنی میراث میں حصہ محفوظ کرایا جو ابھی وجود میں نہیں آئی تھی۔ اس پر قیاس کرتے ہوئے میں نے یہ رائے دی تھی کہ اگر ایک شخص کی اولاد میں تمام بچے تندرست اور کھانے کمانے والے ہوں لیکن کوئی چھوٹا بچہ ابھی اس قابل نہ ہوا ہو کہ وہ اپنے بل بوتے پر زندگی گزار سکے یا ذہنی یا جسمانی طور پر معذور ہو تو اگر باپ اپنی جائداد میں سے اس کے لیے کچھ حصہ مخصوص کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔

۱۴۔ حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ حَدَّثَنَا أَبُوجَمْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ زَهْدَمَ بْنَ مُضَرِّبٍ قَالَ سَمِعْتُ عِمْرَانَ بْنَ حُصَيْنٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ خَيْرُكُمْ قَرْنِي ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ قَالَ عِمْرَانُ لَا أَدْرِي أَذَكَرَ النَّبِيُّ ﷺ بَعْدُ قَرْنَيْنِ أَوْ ثَلَاثَةً، قَالَ النَّبِيُّ ﷺ إِنَّ بَعْدَكُمْ قَوْمًا يَخُونُونَ وَلَا يُؤْتَمَنُونَ وَ يَشْهَدُونَ وَلَا يُسْتَشْهَدُونَ وَيَنْذِرُونَ وَلَا يَفُونَ وَ يَظْهَرُ فِيهِمُ السِّمَنُ.

﴿عمران بن حصین روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا بہترین دور میرا دور ہے پھر ان کا جو میرے ساتھیوں سے قریب تر ہوں گے، اس کے بعد ان کا جو ان سے قریب تر ہوں گے۔ عمران کہتے ہیں کہ مجھے یاد نہیں کہ نبی ﷺ نے اپنے بعد کے دو زمانوں کا ذکر کیا یا تین کا۔ پھر نبی ﷺ نے فرمایا کہ اس کے بعد ایسے لوگ آئیں گے جو خیانت کریں گے اور ان پر اعتبار نہیں کیا جائے گا، وہ گواہی دینے کی پیش کش کریں گے حالانکہ ان سے گواہی مانگی نہیں جائے گی اور وہ منتیں مانگیں گے لیکن پوری نہیں کریں گے اور پھر ان میں فربہی بھی آ جائے گی۔﴾

وضاحت:

آنحضرت ﷺ نے فرمایا بہترین دور میرا دور ہے۔ اس دور میں جو تقویٰ للّٰہیت پائی جاتی ہے اور جو سعادت اور نیکی لوگوں کے علم و ایمان میں ہے وہ بتدریج کم ہوتی چلی جائے گی۔ میرے ساتھیوں کے دور سے متصل دور میں بھی اچھے لوگ ہوں گے جو دین کے تقاضوں کو پورا کرنے والے ہوں گے لیکن وہ میرے صحابہ کے درجہ کو نہیں پا سکیں گے۔ ان لوگوں کے بعد جو دور آئے گا اس میں دین سے قدرے دوری اور اخلاص میں کمی آ جائے گی تاہم ان لوگوں کا دور اپنے بعد آنے والوں کے دور سے کہیں بہتر ہوگا۔ مطلب یہ ہوا کہ آنے والی ہر نسل درجہ بدرجہ دین سے دور ہوتی چلی جائے گی۔ چنانچہ آج جو دور ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کو دور اول سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس کے بعد ایسے لوگ آئیں گے جو امانتوں میں خیانت کریں گے اور ان پر اعتماد نہیں کیا جائے گا۔

امانت سے مراد ہر وہ ذمہ داری ہے جو آدمی پر اللہ تعالیٰ نے یا معاشرہ نے ڈالی ہو۔ اس میں خیانت سے مراد اس ذمہ داری کو ادا کرنے سے پہلوتہی کرنا، اس کی خلاف ورزی کرنا اور اس کا حق ادا نہ کرنا ہے۔ خدا کی دی ہوئی صلاحیتوں کو خدا کی مرضی کے خلاف استعمال کرنا بھی خیانت ہے اور معاشرہ نے آپ کو جس کام پر لگایا یا کرسی پر بٹھایا ہے اس کی ذمہ داری کو نبھانے میں کوتاہی کرنا بھی خیانت ہے۔ ظاہر ہے کہ اس طرح کے لوگوں پر کوئی معقول شخص اعتماد نہیں کر سکتا اور نہ اپنی کوئی ذمہ داری ان کے حوالہ کر سکتا ہے۔ پھر حضور نے فرمایا کہ وہ گواہیاں دیں گے درآنحالیکہ ان سے گواہی مانگی نہ جائے گی۔ مطلب یہ کہ کوئی معقول شخص ان کے کردار کے باعث ان کو گواہ بنانے پر تیار نہ ہوگا لیکن وہ چاہیں گے کہ معاشرہ میں اپنی حیثیت کو منوانے کے لیے لوگوں کے معاملات میں دخیل ہوں۔ ان کے اندر احساس فرض کا فقدان ہوگا اس لیے وہ نذر مانیں گے لیکن پوری نہیں کریں گے اور ان پر موٹاپا آ جائے گا۔ مطلب یہ کہ دولت کی ریل پیل ہوگی، کھائیں گے اور چربی کے نیچے ان کا ایمان دب جائے گا۔ بالکل لا خیرے قسم کے لوگ ہوں گے۔ میرا خیال ہے زیادہ سمجھانے کی ضرورت نہیں آپ کا دور یہی دور ہے۔

۱۵۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ اَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ اِبْرَاهِيمَ عَنْ عَبِيدَةَ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ خَيْرُ النَّاسِ قَرْنِي، ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ، ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ يَجِيءُ اَقْوَامٌ" تَسْبِقُ شَهَادَةُ اَحَدِهِمْ يَمِيْنَهُ وَ يَمِيْنُهُ شَهَادَتَهُ، قَالَ اِبْرَاهِيمُ وَ كَانُوا يَضْرِبُوْنَنَا عَلَى الشَّهَادَةِ وَالْعَهْدِ.

﴿عبداللہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا بہترین لوگ میرے زمانے کے لوگ ہیں، پھر وہ لوگ کہ جو ان کے بعد آئیں گے، پھر وہ لوگ جو ان کے بعد آئیں گے۔ پھر ایسے لوگ آئیں گے جن کی شہادت ان کی قسم سے سبقت کرنے کی کوشش کرے گی اور ان کی قسم ان کی شہادت سے سبقت کرنے کی کوشش کرے گی۔ ابراہیم کہتے ہیں کہ شہادت اور عہد کے معاملات میں ہم کو مار پڑتی تھی۔﴾

وضاحت:

اس میں شک نہیں کہ یہ وہی اوپر والی روایت ہے لیکن اس کے راوی ہوشیار ہیں، انہوں نے احتیاط کی ہے اور بات کو سمجھا ہے اس لیے اس سے زیادہ روشنی حاصل ہوتی ہے۔

قرن کے لفظ پر لوگوں نے لغوی بحثیں کی ہیں لیکن وہ ہمارے اور آپ کے لیے بالکل غیر ضروری ہیں۔ حدیث خود واضح کر رہی ہے کہ قرن سے مطلب آنحضرت ﷺ اور صحابہؓ کا دور ہے، یہی دور تو بہترین دور ہوا ہے۔ بعض

لوگوں نے کہا تیس برس کا دور ہے بعض نے کہا چالیس برس کا اور بعض نے کہا ایک صدی کا۔ تو ان سب اقوال کی ضرورت نہیں ہے۔ عقل عامہ (Common Sense) سے سمجھنا چاہیے۔ مراد صحابہ کا دور، تابعین کا دور اور پھر تبع تابعین کا دور ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ مسلمان آفتاب نبوت کی روشنی سے جتنے دور ہوتے گئے اتنا اندھیرا چھاتا گیا۔ اس میں شبہ نہیں کہ برے لوگ آنحضرت ﷺ کے زمانے میں بھی تھے، آخر منافقین بھی تو تھے، لیکن زمانے کے لحاظ سے بہترین زمانہ رسول اللہ ﷺ کا ہے۔ حق اس قدر حاوی تھا کہ باطل کے کچھ اجزا اگر تھے بھی تو ان کا کچھ وزن نہ تھا۔ بعد کے ادوار میں فساد پیدا ہوتا چلا گیا یہاں تک کہ جنگ جمل وغیرہ کے واقعات ہوئے لیکن پھر بھی اس زمانہ میں نسبتاً اچھے لوگ تھے۔

اس کے بعد حضورؐ نے فرمایا کہ جوں جوں زمانہ گزرے گا ایسے لوگ آئیں گے جن کی شہادت ان کی قسم سے سبقت کرنے کی کوشش کرے گی اور ان کی قسم ان کی شہادت سے سبقت کرنے کی کوشش کرے گی۔ یعنی کوئی ترتیب باقی نہیں رہے گی۔ ایک سچے آدمی کو اپنے آپ کو معتبر ثابت کرنے کے لیے کسی قسم کی ضرورت نہیں ہوتی لیکن یہ لوگ قسم ہی سے بات شروع کریں گے اور جب بات ختم کریں گے تو پھر قسم کھائیں گے کہ ہم نے سچ کہا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جو آدمی جھوٹا ہوتا ہے وہ اسی قسم کی حرکت کرتا ہے۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ قسم کا کچھ وزن نہیں رہ جائے گا۔

ابرہیم کہتے ہیں کہ شہادت اور عہد کے معاملات پر ہمیں مار پڑتی تھی۔ یہاں انہوں نے عدالت کے حوالہ سے بات نہیں کی بلکہ یہ بتا رہے ہیں کہ ماں باپ، محلّہ کے ذمہ دار لوگ بات بے بات پر قسمیں کھانے پر ہم کو سزا دیتے تھے۔ یعنی قسم کی اہمیت تھی۔ یہ تو ہمارے بچپن میں بھی تھا کہ والد صاحب قسم کھانے پر کان گرم کر دیتے تھے کہ کیوں قسم کھاتے ہو۔

اوپر کی دونوں روایتیں دو نہیں بلکہ اصلاً ایک ہی ہے اور یہ بات واضح ہوتی ہے کہ راوی اور راوی میں فرق ہوتا ہے۔ اس سے یہ اصول بھی نکلتا ہے کہ ایک روایت کو دوسری پر ترجیح دینے میں آدمی کے ذوق سلیم کو بھی حق حاصل ہے۔ بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ متعدد راویوں سے روایت ہوتی ہے اور لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ الگ الگ روایتیں ہیں اور اس کی توجیہ کر دیتے ہیں کہ شاید یہ دوسرے یا تیسرے مقام کا واقعہ ہو۔ حالانکہ ایک ہی مقام کا واقعہ ہوتا ہے۔ البتہ راوی حضرات بات کو محفوظ کرنے میں فرق کر دیتے ہیں۔

١٠. باب: ما قِيلَ فِي شَهَادَةِ الزُّورِ، لِقَوْلِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ: وَالَّذِينَ لَا يَشْهَدُونَ الزُّورَ وَكِتْمَانِ الشَّهَادَةِ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ وَمَنْ يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ آثِمٌ" قَلْبُهُ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ" تَلْوُوا أَلْسِنَتَكُمْ بِالشَّهَادَةِ.

باب: اس بات کا کہ جھوٹی شہادت کے بارے میں جو کچھ فرمایا گیا۔ اس لیے کہ اللہ عزوجل کا اس بارے میں قول یہ ہے کہ وہ اللہ کے بندے جو جھوٹی گواہی نہیں دیتے۔ گواہی چھپانے کے بارے میں،

اللہ تعالیٰ نے فرمایا گواہی مت چھپاؤ جو کوئی اس کو چھپائے اس کے دل میں کھوٹ ہے اور اللہ خوب جانتا ہے جو تم کرر ہے ہو اور زبان کو (بہت) توڑ مروڑ کر گواہی دینے میں۔

وضاحت:

یہ باب ہے ما قیل فی الشھادۃ الزور کا یعنی جھوٹی گواہی کے بارے میں جو کچھ فرمایا گیا۔ لقول اللہ عزوجل، یہ علت بیان ہوئی ہے کہ کیوں یہ باب باندھا ہے، اس لیے کہ اللہ عزوجل کا اس بارے میں قول ہے، اس روشنی میں اس کو آپ سمجھئے اس کے بعد امام صاحب نے جو تعلیق نقل کی ہے وہ سورہ فرقان کی ایک آیت ہے۔ سورہ فرقان میں جہاں عباد الرحمٰن کی صفات بیان ہوئی ہیں اس سلسلے میں کامل الایمان لوگوں کے بارے میں فرمایا کہ لا یشھدون الزور . زور کذب و باطل کو کہتے ہیں۔ لا یشھدون الزور کا مطلب ہے کہ ہمارے یہ بندے کسی باطل کام میں شریک نہیں ہوتے۔ اسی لیے آیت کے اگلے حصہ میں فرمایا کہ اگر اتفاق سے کسی لغو چیز کے پاس سے گزرنا ہی پڑ جائے تو نہایت شرافت اور وقار سے وہاں سے گزر جاتے ہیں جس طرح ایک گندی جگہ سے ایک صفائی پسند آدمی گزر جاتا ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ حوالہ بالکل بے موقع ہے۔ مجھے خیال ہوتا ہے کہ آیت کا موقع و محل امام صاحب نے صحیح نہیں سمجھا ہے۔

دوسری آیت جو نقل کی ہے وہ ہے وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ وَمَنْ يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ آثِمٌ" قَلْبُهُ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ۔ باب سے اس آیت کا تعلق ہو سکتا ہے۔ کہ آدمی گواہی کو چھپائے نہیں، اگر چھپائے گا تو اس کا دل گنہگار رہو گا، اس کا ایمان خطرے میں ہے اور اس کا دل مریض ہے۔ آخر میں امام صاحب کہتے ہیں تلووا السنتکم بالشھادۃ۔ یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ یہ کیا چیز ہے۔ اس کو قرآن کی آیت کے ساتھ لکھ دیا ہے۔ اس جملے کو الگ لکھنا چاہیے تھا۔ اور لا کو ظاہر کرتے تا کہ با معنی ہو جاتا کہ گواہی دینے میں زبان کو توڑ مروڑ نہ کرو۔ کیونکہ جس آدمی کے دل میں تردد ہو گا اس کا بات کرنے کا انداز ہی بتا دے گا کہ جھوٹا ہے۔ تاہم یہ جملہ کسی آیت کا حصہ نہیں اور امام صاحب کی اپنی عبارت ہے۔

بخاری شریف کا درس دینے کے لیے مطالعہ کرتے ہوئے میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ بخاری شریف اصلاً فقہ کی کتاب ہے۔ اس کو ھدایہ کے درجہ میں رکھ لیجئے۔ امام شافعی، امام مالک اور امام ابو حنیفہ کی طرح امام بخاری کا فقہ میں ایک مستقل مذہب ہے اور وہ اس کو اپنی اس کتاب میں ثابت کرتے ہیں۔ وہ جو باب باندھتے ہیں وہ اپنی فقہ کو سامنے رکھ کر باندھتے ہیں۔ اب یہ جو باب اوپر باندھا ہے اس میں انہوں نے کوئی حدیث نہیں لی، پس قرآن کی آیات کا حوالہ ہے۔ لیکن قرآن شریف الگ چیز ہے، حدیث شریف الگ چیز ہے۔ حدیث امت کا ایک مشترک سرمایہ ہے۔ تاہم ثم الذین یلونھم کی رو سے دونوں کے ادوار میں فرق ہے۔ فقہ حدیث شریف کے بعد مرتب ہوئی۔ اسی لیے اس کو تیسرے نمبر پر رکھا جاتا ہے۔ میرے نزدیک راوی حضرات کا فرض صحیح روایت کرنا ہوتا ہے اور محدث حضرات کا اصل فرض یہ ہے کہ وہ ہر

باب میں ایک جیسی روایات جمع کر دیں جو ان کے اصولوں پر پوری اترتی ہوں۔ جیسا کہ امام مسلم نے کیا ہے۔ ان کو روایت کے مضمون کے لحاظ سے عنوان باب قائم کرنا چاہیے۔

اولین حدیث کی کتابیں تین ہیں۔ موطا، صحیح بخاری اور صحیح مسلم۔ ان میں پہلی دو کتابیں ان کے مرتبین کی فقہ ہیں۔ صرف صحیح مسلم واقعی حدیث کی کتاب ہے۔ جس میں ہر عنوان کی احادیث کو یکجا کر دیا گیا ہے اور اسی کے مطابق باب کی عبارت قائم کی گئی ہے۔

١٦۔ حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ مُنِيرٍ سَمِعَ وَهْبَ بْنَ جَرِيرٍ وَعَبْدَالْمَلِكِ بْنَ اِبْرَاهِيمَ، قَالَا حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عُبَيْدِاللّٰهِ بْنِ اَبِي بَكْرِ بْنِ اَنَسٍ عَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سُئِلَ النَّبِيُّ ﷺ عَنِ الْكَبَائِرِ قَالَ الْاِشْرَاكُ بِاللّٰهِ، وَعُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ، وَقَتْلُ النَّفْسِ، وَشَهَادَةُ الزُّورِ تَابَعَهُ غُنْدَرٌ" وَاَبُو عَامِرٍ وَبَهْزٌ" وَ عَبْدُالصَّمَدِ عَنْ شُعْبَةَ.

﴿حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ سے کبائر سے متعلق سوال کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا: وہ ہیں اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانا، والدین سے لاتعلقی، کسی جان کو قتل کرنا اور جھوٹی گواہی۔﴾

١٧۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ" حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ حَدَّثَنَا الْجُرَيْرِيُّ عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِي بَكْرَةَ عَنْ اَبِيهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ اَلَا اُنَبِّئُكُمْ بِاَكْبَرِ الْكَبَائِرِ ثَلَاثًا، قَالُو بَلٰى يَا رَسُولَ اللّٰهِ: قَالَ الْاِشْرَاكُ بِاللّٰهِ، وَعُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ، وَجَلَسَ وَكَانَ مُتَّكِئًا، فَقَالَ: اَلَا وَقَوْلُ الزُّورِ، قَالَ فَمَا زَالَ يُكَرِّرُهَا حَتّٰى قُلْنَا لَيْتَهُ سَكَتَ وَقَالَ اِسْمٰعِيلُ بْنُ اِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا الْجُرَيْرِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُالرَّحْمٰنِ.

﴿ابو بکرہؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے تین مرتبہ فرمایا کیا میں تمہیں کبائر گناہوں میں سے سب سے بڑے گناہوں کی خبر نہ دوں؟ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ! فرمایئے۔ آپ نے فرمایا: اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانا اور والدین سے لاتعلقی۔ اس کے بعد آپ بیٹھ گئے حالانکہ آپ پہلے ٹیک لگائے ہوئے تھے۔ پھر فرمایا: غور سے سنو، اور جھوٹی بات۔ آپؐ ان الفاظ کو برابر دہراتے رہے یہاں تک کہ ہم نے دل میں کہا، کاش آپؐ خاموش ہو جائیں۔﴾

وضاحت:

کبائر سے مراد بہت بڑے گناہ ہیں جن سے شریعت نے روکا ہے اور ان کے ارتکاب پر بہت بڑی وعید سنائی ہے۔ یاد رکھیے گناہ چھوٹے بھی ہوتے ہیں اور بڑے بھی۔ یہی حال نیکیوں کا ہے۔ ہجرت و جہاد بھی نیکی ہے اور راستہ سے کسی تکلیف دہ چیز کو دور کر دینا بھی نیکی ہے لیکن ان دونوں میں بڑا فرق ہے اور اس کو ہر شخص سمجھتا ہے۔ اسی طرح کسی کا گھر لوٹ لینا بھی برائی ہے اور راستے میں کوئی گندگی چیز پھینک دینا بھی برائی ہے۔ لیکن ان دونوں برائیوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے اور اس فرق کو بھی ہر شخص سمجھتا ہے۔ نیکیوں اور بدیوں دونوں میں بڑائی اور چھٹائی ناپنے کا پیمانہ ان کے اثرات و نتائج ہیں۔ کبائر کی طرف قرآن نے بھی توجہ دلائی ہے اور رسول اللہ ﷺ نے بھی مختلف مواقع پر صحابہ کرام کو ان سے آگاہ فرمایا۔ پہلی روایت سے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے کسی شخص کے سوال کرنے پر سب سے بڑے کبائر کی نشان دہی کی۔ دوسری روایت کے مطابق آپؐ نے از خود صحابہ کی مجلس میں بار بار یہ پیشکش فرمائی کہ میں تم لوگوں کو سب سے بڑے گناہوں سے آگاہ نہ کروں۔ بار بار اس لیے تاکہ لوگ ہمہ تن گوش ہو کر بات کو سنیں۔ آپؐ نے جن گناہوں کا ذکر فرمایا ان میں سرفہرست اللہ کے ساتھ کسی اور کو شریک ٹھہرانا ہے۔ شریک ٹھہرانے میں اس کی ذات و صفات میں شریک سمجھنا ہوتا ہے مثلاً کسی کو اللہ کا بیٹا، بیٹی یا اولاد ماننا، نیز اللہ تعالیٰ کی صفات میں کسی غیر اللہ کو ہم پلہ قرار دینا ہوتا ہے۔ اسی طرح شرک کی ایک بڑی قسم ایسے کام کرنا ہے جن کا حقدار صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ مثلاً غیر اللہ سے مدد چاہنا، اس کے آگے سجدہ ریز ہونا اور اس کو کائنات میں متصرف ماننا ہے۔ شرک تمام گناہوں میں سب سے بڑا گناہ اور تمام حق تلفیوں میں سب سے بڑی حق تلفی ہے۔ جس کو قرآن نے 'ظلم عظیم' کہا ہے اور خبردار کیا ہے کہ مشرک کا یہ گناہ ہرگز بخشا نہیں جائے گا۔

اللہ کے حق کے بعد بندوں کے حقوق میں سب سے بڑا حق والدین کا ہے جو حسن سلوک، فرمانبرداری اور خدمت کا تقاضا کرتا ہے۔ اگر کوئی بدبخت اولاد والدین سے قطع تعلق کر لیتی ہے تو اس کو معمولی کوتاہی نہیں سمجھا گیا ہے بلکہ شرک کے بعد دوسرے نمبر کا کبیرہ گناہ قرار دیا گیا ہے۔

تیسرا گناہ 'قتل نفس' یعنی کسی انسان کی جان لینا ہے جبکہ جان لینے کا کوئی قانونی جواز نہ ہو۔ اس کی وضاحت قرآن نے 'الا بالحق' کے الفاظ سے کی ہے۔ یعنی اگر وہ شخص شریعت کے حکم کے تحت قتل کیا جا رہا ہے تو وہ ٹھیک ہے۔

چوتھا گناہ جس کے ذکر پر رسول اللہ ﷺ، جو پہلے نیم دراز تھے، اٹھ کر بیٹھ گئے وہ جھوٹی گواہی کا گناہ ہے۔ میرے نزدیک اس کا سبب یہ ہے کہ امت مسلمہ حق کی شہادت کے لیے اٹھائی گئی ہے۔ اگر اس کے بعض لوگ جھوٹ کو اوڑھنا بچھونا بنا لیں اور فیصلہ کے وقت اپنا وزن جھوٹ کے پلڑے میں ڈالیں تو وہ امت کے فرض منصبی کو نظرانداز کرتے ہیں۔ وہ اس قابل نہیں رہتے کہ ان کا شمار اس امت میں کیا جائے۔ لہٰذا ان کا گناہ معمولی نہیں سمجھنا چاہیے۔ عدالتوں کا دارومدار گواہوں کے بیانات پر ہوتا ہے۔ لہٰذا ایک جھوٹی گواہی عدالت کے فیصلہ پر اثرانداز ہو کر نا معلوم کتنے خاندانوں کی حق تلفی کا باعث ہو سکتی ہے۔ راوی

کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس گناہ کا ذکر اتنی بار کیا کہ ہم سننے والے بھی پریشان ہو کر سوچنے لگے کہ کاش! حضورؐ اب اس موضوع پر خاموش ہو جائیں۔

روایت کا تعلق باب کے ساتھ واضح ہے۔ اس میں جھوٹی گواہی کو غیر معمولی طور پر بڑے گناہوں یا بڑی حق تلفیوں میں شمار کیا گیا ہے جس سے ہر مسلمان کو اجتناب کرنا واجب ہے۔

١١۔باب: شَهَادَةِ الاَعْمٰى وَاَمْرِهٖ وَنِكَاحِهٖ وَاِنْكَاحِهٖ وَمُبَايَعَتِهٖ وَقَبُوْلِهٖ فِي التَّاْذِيْنِ وَغَيْرِهٖ، وَمَا يُعْرَفُ بِالاَصْوَاتِ، وَاَجَازَ شَهَادَتَهٗ قَاسِمٌ وَالْحَسَنُ وَابْنُ سِيْرِيْنَ وَالزُّهْرِيُّ وَعَطَاءٌ، وَقَالَ الشَّعْبِيُّ: تَجُوْزُ شَهَادَتُهٗ اِذَا كَانَ عَاقِلًا، وَقَالَ الْحَكَمُ: رُبَّ شَيْءٍ تَجُوْزُ فِيْهِ، وَقَالَ الزُّهْرِيُّ: اَرَاَيْتَ ابْنَ عَبَّاسٍ لَوْ شَهِدَ عَلٰى شَهَادَةٍ اَكُنْتَ تَرُدُّهٗ، وَكَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَبْعَثُ رَجُلًا اِذَا غَابَتِ الشَّمْسُ اَفْطَرَ، وَيَسْاَلُ عَنِ الْفَجْرِ، فَاِذَا قِيْلَ لَهٗ طَلَعَ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ، وَقَالَ سُلَيْمَانُ بْنُ يَسَارٍ: اسْتَاْذَنْتُ عَلٰى عَائِشَةَ فَعَرَفَتْ صَوْتِيْ، قَالَتْ سُلَيْمَانُ ادْخُلْ فَاِنَّكَ مَمْلُوْكٌ مَا بَقِيَ عَلَيْكَ شَيْءٌ، وَاَجَازَ سَمُرَةُ بْنُ جُنْدُبٍ شَهَادَةَ امْرَاَةٍ مُنْتَقِبَةٍ.

باب: نابینا کی گواہی، اس کا نکاح کرنے کا معاملہ، اس کا نکاح کروانے، اس کی خرید و فروخت، اذان دینے اور اس طرح کے دوسرے کاموں میں اس کو قبول کرنے، اور آواز سے جو پہچانا جا سکتا ہے اس کے بارے میں۔

نابینا کی شہادت کو قاسم، حسن، ابن سیرین زہری اور عطا نے جائز قرار دیا ہے۔ شعبی کا نقطہ نظر یہ ہے کہ اس کی شہادت اس وقت جائز ہو گی جب وہ عاقل ہو۔ الحکم کا کہنا ہے کہ متعدد چیزوں میں اس کو رعایت دینی پڑے گی۔ زہری کا قول ہے کہ بھلا دیکھو، اگر ابن عباس میرے خلاف گواہی دیں تو کیا تم اس کو رد کر دو گے۔ اور ابن عباس کا حال یہ تھا کہ وہ ایک آدمی مقرر کرتے۔ جب سورج غروب ہوتا تو افطار کرتے۔ فجر کے وقت کی تحقیق کرتے۔ اگر بتایا جاتا کہ فجر طلوع ہو چکی ہے تو دو رکعت نماز پڑھ لیتے۔ سلیمان بن یسار کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے گھر میں داخل ہونے کی اجازت چاہی تو انہوں نے میری آواز پہچان لی اور فرمایا: سلیمان! اندر آ جاؤ کیونکہ تم وہ غلام ہو جس کے ذمہ اب کچھ باقی نہیں ہے۔ سمرہ بن جندب نے نقاب پوش خاتون کی شہادت کو جائز قرار دیا۔

وضاحت:

باب کی عبارت میں امام صاحب نے اصل مسئلہ بیان کرنے کے بعد اس سے متعلق بہت سارے فقہا کی آرا کو نقل کیا ہے جن میں وہ بالعموم اتفاق رائے رکھتے ہیں۔ یعنی یہ کہ نابینا کی گواہی قابل قبول ہوگی۔ جب وہ زندگی کے دوسرے معاملات میں ایک عام انسان کی طرح حصہ لیتا ہے۔ نکاح کرتا اور گھر در کی ذمہ داریاں ادا کرتا ہے۔ مسجد میں اذان و اقامت کے علاوہ امامت کے فرائض بھی ادا کرتا ہے تو گواہی کے معاملہ میں کیوں وہ ساقط الاعتبار ٹھہرے گا۔ شعبی اس کا عاقل ہونا ضروری قرار دیتے ہیں تو یہ پابندی تو ایک بینا آدمی کے لیے بھی ہے۔ نبی ﷺ نے تو نابینا صحابہ کو اپنی غیر حاضری میں مدینہ میں اپنے نائب کے طور پر تعینات کیا۔

میرے نزدیک جس طرح عدالت دوسری تمام شہادتوں کے صحیح یا غلط ہونے کا جائزہ لیتی ہے اسی طرح ایک نابینا شخص کی شہادت کو بھی جانچے گی۔ ہوسکتا ہے ایک نابینا کسی واقعہ کی بعض ایسی تفصیلات بیان کر رہا ہو جو صرف ایک آنکھوں والا ہی بیان کرسکتا ہے۔ لہٰذا عدالت شہادت قبول کرتے وقت گواہ کے اس جسمانی نقص کو ملحوظ رکھے گی۔

اس کے بعد باب میں کچھ تعلیقات ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ آخری عمر میں نابینا ہو گئے تھے۔ زہری کہتے ہیں کہ کیا اتنے بڑے آدمی کی شہادت رد کردی جائے گی۔ پھر ان کے عمل کا حوالہ ہے کہ وہ کسی بینا آدمی کی شہادت پر غروب آفتاب اور طلوع فجر کا فیصلہ کرتے۔ یہ وہی بات ہے جو ہم نے اوپر بیان کی ہے کہ تمام معاملات میں آدمی کے جسمانی نقائص کو ملحوظ رکھنا ضروری ہوگا۔ ظاہر ہے کہ ابن عباسؓ اوقات کے تعین میں بے بس تھے اس لیے ان کو دوسروں پر اعتماد کرنا پڑتا تھا۔

ایک اور تعلیق میں یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ نے سلیمان بن یسار کی آواز پہچان کر ان کو گھر میں داخل ہونے کی اجازت دے دی۔ اسی طرح اگر ایک عورت نقاب اوڑھے ہوئے ہو تو اس کی شہادت رد نہیں کی جائے گی۔ سمرہ بن جندب کا فتویٰ یہی ہے۔

میرے نزدیک یہ آرا شہادت کو جانچنے کی راہ میں رکاوٹ نہیں ہیں۔ عدالت اپنے طریق کار کے مطابق گواہی کو رد یا قبول کرے گی۔

۱۸۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدِ بْنِ مَيْمُونٍ اَخْبَرَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ عَنْ هِشَامٍ عَنْ اَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ سَمِعَ النَّبِيُّ ﷺ رَجُلًا يَقْرَأُ فِي الْمَسْجِدِ، فَقَالَ رَحِمَهُ اللّٰهُ: لَقَدْ اَذْكَرَنِي كَذَا وَكَذَا آيَةً اَسْقَطْتُهُنَّ مِنْ سُورَةِ كَذَا وَكَذَا، وَزَادَ عَبَّادُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ عَنْ عَائِشَةَ تَهَجَّدَ النَّبِيُّ ﷺ فِي بَيْتِي فَسَمِعَ صَوْتَ عَبَّادٍ يُصَلِّي فِي الْمَسْجِدِ فَقَالَ يَا عَائِشَةُ اَصَوْتُ عَبَّادٍ هٰذَا، قُلْتُ نَعَمْ: قَالَ اللّٰهُمَّ ارْحَمْ عَبَّادًا.

﴿حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ایک شخص کو مسجد میں قرآن کی قرأت کرتے سنا تو فرمایا، اللہ اس پر رحم کرے، اس نے مجھے فلاں آیت یاد دلا دی جو مجھ سے فلاں سورہ میں نظر انداز ہو جاتی تھی۔ عباد بن عبداللہ نے حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہوئے یہ اضافہ کیا کہ نبی ﷺ میرے گھر میں تہجد کے لیے اٹھے تو آپ نے عباد کی آواز سنی جو مسجد میں نماز ادا کر رہے تھے۔ آپ نے فرمایا عائشہ! یہ عباد ہی کی آواز ہے نا؟ میں نے کہا جی ہاں، آپ نے دعا کی اے اللہ عباد پر رحم فرما۔﴾

وضاحت:

بظاہر یہ دو مختلف واقعات معلوم ہوتے ہیں۔ اصل روایت میں نہ قرآن پڑھنے والے شخص کا نام آیا ہے اور نہ تہجد کے وقت کی صراحت ہے۔ معلوم ہوتا ہے کوئی صاحب مسجد نبوی میں تلاوت کر رہے تھے تو نبی ﷺ نے ان کے لیے اللہ کی رحمت کی دعا کی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جو سورہ وہ پڑھ رہے تھے اس کی کوئی آیت حضورؐ کے ذہن سے اتر گئی تھی۔ اس آدمی کے پڑھنے سے آپ کے ذہن میں وہ تازہ ہو گئی۔

نبی ﷺ برابر تلاوت قرآن کرتے تھے تاکہ پورا قرآن آپ کو مستحضر رہے۔ آپ کے ذہن سے وقتی طور پر کسی آیت کا اتر جانا مستبعد نہیں ہے۔ خود آپ کا ارشاد ہے کہ قرآن کو برابر یاد کرتے رہو کیونکہ یہ اونٹوں سے بھی زیادہ بدکنے والا ہے۔

امام صاحب نے یہ روایت اس مقصد سے لی ہے کہ ایک شخص جو مسجد میں قرآن پڑھ رہا تھا، اس کی آواز نبی ﷺ نے اپنے گھر میں سنی اور اس پر اعتماد کرتے ہوئے اپنی یادداشت تازہ کر لی۔ یہ گویا بغیر دیکھے اس آدمی کی گواہی قبول کرنے کی دلیل ہے۔

یہی دلیل عباد بن عبداللہ کے اضافہ سے بھی نکلی کہ حضور نے گھر میں ان کی قرأت سنی اور پہچان کر کہ وہ عباد ہیں ان کے لیے خدا کی رحمت کی دعا کی۔

یہ دونوں واقعات معروف معنی میں شہادت کے ضمن میں نہیں آتے۔

۱۹۔ حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ إِسْمٰعِيلَ حَدَّثَنَا عَبْدُالْعَزِيزِ بْنُ أَبِي سَلَمَةَ أَخْبَرَنَا ابْنُ شِهَابٍ عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ إِنَّ بِلَالًا يُؤَذِّنُ بِلَيْلٍ فَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتّٰى يُؤَذِّنَ، أَوْ قَالَ حَتّٰى تَسْمَعُوا أَذَانَ ابْنِ أُمِّ مَكْتُومٍ، وَكَانَ ابْنُ أُمِّ مَكْتُومٍ رَجُلًا أَعْمٰى لَا يُؤَذِّنُ حَتّٰى يَقُولَ لَهُ النَّاسُ أَصْبَحْتَ.

﴿حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلال شب میں اذان دیں گے تو اس پر تم کھاتے پیتے رہنا یہاں تک کہ ابن ام مکتوم اذان دیں یا فرمایا کہ ابن ام مکتوم کی اذان سنو۔ یہ ابن ام مکتوم نابینا تھے۔ یہ اس وقت تک اذان نہ دیتے جب تک لوگ ان سے یہ نہ کہتے کہ صبح ہو گئی ہے۔﴾

وضاحت:

نبی ﷺ نے رمضان المبارک کے لیے یہ طریقہ رائج فرمایا کہ پہلی اذان بلال اس وقت دیں گے جب لوگوں کے لیے سحری کھانے پینے کا وقت ابھی کافی ہوگا۔ اس کے بعد دوسری اذان اس وقت ہوا کرے گی جو طلوع فجر کے عام وقت پر دی جاتی ہے۔ اس پر روزہ رکھ لیا جائے گا۔ یہ دوسری اذان نابینا صحابی ابن ام مکتوم دیا کریں گے۔

امام صاحب اس دوسری اذان سے یہ دلیل اخذ کر رہے ہیں کہ ایک نابینا کی شہادت پر آدمی اپنے دینی معاملات کو بھی منحصر کر سکتا ہے۔

۲۰۔ حَدَّثَنَا زِيَادُ بْنُ يَحْيٰى حَدَّثَنَا حَاتِمُ بْنُ وَرْدَانَ حَدَّثَنَا اَيُّوبُ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ اَبِی مُلَيْكَةَ عَنِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَدِمَتْ عَلَی النَّبِیِّ ﷺ اَقْبِيَةٌ فَقَالَ لِی اَبِی مَخْرَمَةُ انْطَلِقْ بِنَا اِلَيْهِ عَسٰی اَنْ يُعْطِيَنَا مِنْهَا شَيْئًا فَقَامَ اَبِی عَلَی الْبَابِ فَتَكَلَّمَ فَعَرَفَ النَّبِیُّ ﷺ صَوْتَهُ فَخَرَجَ النَّبِیُّ ﷺ وَمَعَهُ قَبَاءٌ وَهُوَ يُرِيهِ مَحَاسِنَهُ وَهُوَ يَقُولُ: خَبَاْتُ هٰذَا لَكَ، خَبَاْتُ هٰذَا لَكَ.

﴿مسور بن مخرمہؓ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ کے پاس کچھ قبائیں آئیں۔ میرے والد مخرمہ نے مجھ سے کہا، ہمیں بھی نبی ﷺ کی خدمت میں لے چلو، ممکن ہے اس مال میں سے مجھے بھی کچھ عطا فرما دیں۔ پھر میرے والد دروازے پھر کھڑے ہو کر باتیں کرنے لگے۔ نبی ﷺ نے ان کی آواز پہچان لی۔ آپ نکلے تو آپ کے پاس ایک قبا تھی۔ آپ اس کی خوبیاں دکھانے لگے اور فرماتے جاتے تھے کہ میں نے یہ تمہارے لی چھپالی تھی، میں نے یہ تمہارے لیے چھپالی تھی۔﴾

وضاحت:

یہ روایت پیچھے کتاب الہبہ میں گزر چکی ہے۔ وہاں اس کی وضاحت دیکھئے۔

مخرمہ نابینا تھے۔ ان کا یہ واقعہ امام صاحب اس باب میں لائے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب وہ نبی ﷺ کے

دروازے پر کھڑے باتیں کر رہے تھے تو ان کی آواز پہچان کر حضور باہر تشریف لائے اور قبا ان کے حوالہ کی۔ یہ بات اس باب کی عبارت کا تقاضا بھی ہے اور پردے کے پیچھے موجود آدمی کی آواز سے بولنے والے کی شخصیت کا اندازہ کرنے اور اس کو پہچاننے کی روایتیں اسی باب میں گزر چکی ہیں۔

١٢. باب: شَهَادَةِ النِّسَاءِ، وَقَوْلِهِ تَعَالَى: فَإِنْ لَمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ.

باب: عورتوں کی گواہی اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے بارے میں کہ اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ بنالو۔

وضاحت:

عورت کی گواہی کے بارے میں فقہا کی آرا مختلف ہیں۔ بعض لوگ عورت کی تنہا گواہی کو مانتے ہیں، بعض دو کی شہادت ضروری قرار دیتے ہیں۔ بعض کے نزدیک اس کی گواہی کا انحصار معاملہ کی نوعیت پر ہے۔ کئی معاملات میں عورت کی گواہی پر اعتماد کیا جائے گا جب کہ دوسرے معاملات میں اس کی گواہی مرد کی گواہی کے ساتھ معتبر ہوگی۔ اس اختلاف کا سبب باب میں مذکورہ آیت کی توجیہ میں فرق ہے۔ جو لوگ اس کو عام مفہوم میں لیتے ہیں وہ ہر معاملہ میں عورت کی نصف گواہی کے قائل ہیں۔ لیکن جو لوگ آیت کے موقع ومحل کی روشنی میں اس کو مالی معاملات کے ساتھ خاص سمجھتے ہیں وہ مالی معاملات کے علاوہ معاملات میں عورت کی گواہی کو مرد کی گواہی کے برابر ٹھہراتے ہیں۔ شارحین حدیث نے جمہور کا مذہب یہی بتایا ہے کہ وہ آیت کا تعلق مالی امور سے مانتے ہیں اور اسی میں حدود اور قصاص جیسے معاملات کو بھی شمار کرتے ہیں، باقی تمام معاملات میں وہ عورت کی گواہی کو مرد کی گواہی کی طرح قابل لحاظ سمجھتے ہیں۔

مذکورہ آیت قرض کے لین دین کے معاملات کے بارے میں آئی ہے۔ حکم دیا ہے کہ قرض پر دو مردوں کو گواہ بنا لو۔ اگر دو مرد میسر نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی ہونی چاہیے۔ یہ اس لیے کہ اگر ایک عورت معاملہ کو بھول جائے تو دوسری اس کو یاد دلا دے۔ عورتوں کا معاملہ یہ ہے کہ یہ خاندان کے چھوٹے بڑے واقعات کو خوب یاد رکھتی ہیں۔ کب کسی کی ولادت ہوئی اور کب کسی کی شادی تھی اور اس شادی پر لین دین کیا ہوا۔ اولاد کے بچپن کے واقعات اور ان کی عادات ہر چیز ان کے علم میں ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کا مزاج اس سے مطابقت رکھتا ہے اور خدا نے اس طرح کی صلاحیتوں کے لیے ان کو موزوں بنایا ہے۔ اس کے برعکس مالی معاملات اور ان کی طے شدہ شرائط توجہ کرنے پر سمجھ تو جاتی ہیں لیکن ان کو طویل عرصہ تک پوری تفصیلات کے ساتھ یاد رکھنا اور پھر عدالت کچہری کا سامنا کرنا ان کے بس کی بات نہیں ہوتی۔ لہذا

اسلامی شریعت میں دو عورتوں کی گواہی ضروری قرار دی تاکہ اگر ان میں ایک بھول رہی ہو تو دوسری اس کو یاد دلا دے۔ جہاں تک عورتوں کے مخصوص معاملات، حیض، ولادت، حضانت، رضاعت وغیرہ کا تعلق ہے، ظاہر ہے کہ ان میں اسی کی شہادت قابل قبول ہوگی۔ میرے نزدیک آیت کا سیاق وسباق سامنے رکھا جائے تو جمہور کا مذہب صحیح ہے۔

۲۱۔ حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِی مَرْیَمَ اَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ قَالَ اَخْبَرَنِی زَیْدٌ عَنْ عِیَاضِ بْنِ عَبْدِاللّٰہِ عَنْ اَبِی سَعِیدٍ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ اَلَیْسَ شَہَادَۃُ الْمَرْاَۃِ مِثْلَ نِصْفِ شَہَادَۃِ الرَّجُلِ، قُلْنَا بَلٰی: قَالَ فَذٰلِکَ مِنْ نُقْصَانِ عَقْلِہَا.

﴿ابو سعید روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے سوال کیا، کیا عورت کی گواہی مرد کی گواہی کے نصف کے مانند نہیں ہے۔ عورتوں نے جواب دیا: جی ہاں۔ آپ نے فرمایا: یہ اس کی عقل کے نقص کے سبب سے ہے۔﴾

وضاحت:

عورت کی گواہی کا مرد کی گواہی کے نصف ہونا، جیسا کہ اوپر بیان ہوا، بعض خاص امور میں ہے جو بالعموم عورت کی گرفت میں نہیں آتے اور اس کے مزاج سے موافقت نہیں رکھتے۔ ابو سعیدؓ کی روایت کا موقع ومحل بیان نہیں ہوا اس لیے نبی ﷺ کے سوال کا سبب متعین کرنا مشکل ہے۔ ممکن ہے آپ نے اس آیت کے حوالہ سے ان کو یاد دلایا ہو کہ ہر معاملہ میں ان کی صلاحیتیں مردوں کے برابر نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے الگ میدان تجویز فرمایا ہے اور اس کے لیے ان کو وافر صلاحیتیں دی ہیں۔ لیکن مالی وعدالتی معاملات میں ان کو نہیں گھسیٹا کہ ان کی عقل ایسے معاملات کے لیے موزوں نہیں بنائی گئی۔

آج کل عورت کی مرد کے ساتھ مکمل برابری کا چرچا کیا جا رہا ہے۔ عورتوں کو قائل کیا جا رہا ہے کہ وہ زندگی کے ہر پہلو میں مرد کے شانہ بشانہ کام کرنے کی اہل ہیں۔ لہٰذا ان کو پورے اعتماد کے ساتھ آگے بڑھنا اور زندگی میں بھرپور حصہ لینا چاہیے۔ یہ عورت کے استحصال کی نہایت بدنما قسم ہے کیونکہ اس پر عمل کی صورت میں یا تو عورت اپنی فطرت کو نظر انداز کر کے بچوں کی ولادت و پرورش جیسے کاموں سے کامل دستبرداری اختیار کرے گی یا مردوں کے شانہ بشانہ کام کرتے ہوئے اپنے اصلی وظائف حیات کو بھی پوری طرح ادا کرے گی اور گھر کے لیے کمانے کی دوہری ذمہ داری بھی اٹھائے گی۔ اسلام نے اس بات کو دوٹوک انداز میں بیان کر دیا ہے کہ جہاں تک بحیثیت انسان حقوق کا تعلق ہے، عورت کسی طرح مرد سے کمتر نہیں ہے۔ یہ قابل احترام ہے اور اللہ تعالیٰ نے کسی پہلو سے اس کو حقیر نہیں پیدا کیا۔ البتہ مرد اور عورت کا دائرہ کار مختلف ہے۔ اس لیے ان کی قوتوں اور صلاحیتوں میں بھی فرق نمایاں ہے۔ چونکہ مرد کی ذمہ داریاں گھر سے باہر زیادہ ہیں اس لیے گھر کا سربراہ اسی کو بنایا گیا ہے۔ عورت گھر کے اندر ایک معزز مقام رکھتی ہے۔ اسلام کی تعلیم ہر لحاظ سے مبنی برحقیقت اور فطری ہے۔

۱۳. باب: شَهَادَةِ الاِماءِ وَالْعَبِیدِ

وَقَالَ اَنَس "شَهَادَةُ الْعَبْدِ جَائِزَۃٌ" اِذَا کَانَ عَدْلًا، وَاَجَازَہُ شُرَیح" وَزُرَارَۃُ بْنُ اَوْفٰی، وَقَالَ ابْنُ سِیرِینَ شَهَادَتُهُ جَائِزَۃٌ" اِلَّا الْعَبْدَ لِسَیِّدِہٖ وَاَجَازَہُ الْحَسَنُ وَاِبْرَاهِیمُ فِی الشَّیْءِ التَّافِهِ، وَقَالَ شُرَیح" کُلُّکُمْ بَنُو عَبِیدٍ وَاِمَاءٍ.

باب: لونڈیوں اور غلاموں کی گواہی

اور انسؓ کا کہنا ہے کہ غلام کی گواہی جائز ہوگی بشرطیکہ وہ معتبر ہو۔ شریح اور زرارہ بن اوفی نے لونڈی غلاموں کی گواہی کو جائز قرار دیا۔ ابن سیرین نے غلام کی گواہی کو جائز بتایا لیکن یہ گواہی مالک کے حق میں قبول نہیں کی جائے گی۔ حسن اور ابراہیم نے معمولی معاملات میں اس کو جائز رکھا۔ شریح نے کہا کہ تم سب لوگ لونڈی غلاموں کی اولاد ہو۔

وضاحت:

اس باب کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ اس زمانہ میں لونڈی غلام بکثرت تھے اور ان کے حقوق نہ ہونے کے برابر تھے۔ اسلام نے جو اصلاحات کیں ان کی بدولت وہ آزاد بھی ہوئے اور باصلاحیت لونڈی غلاموں نے معاشرہ میں اپنا بلند مقام بنالیا۔ ان میں کتنے ہی قاضی، فقیہ اور محدث ہوئے۔ لیکن جب تک یہ صورت نہیں تھی تو معاشرہ میں ان کی حیثیت ادنیٰ تھی۔ اسی لیے ان کی گواہی قبول کرنے میں وہ سوال پیدا ہوا جو اس باب میں زیر بحث ہے۔

۲۲۔ حَدَّثَنَا اَبُو عَاصِمٍ عَنِ ابْنِ جُرَیْجٍ عَنِ ابْنِ اَبِی مُلَیْکَۃَ عَنْ عُقْبَۃَ بْنِ الْحَارِثِ وَحَدَّثَنَا عَلِیُّ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ حَدَّثَنَا یَحْیٰی بْنُ سَعِیدٍ عَنِ ابْنِ جُرَیْجٍ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ اَبِی مُلَیْکَۃَ قَالَ حَدَّثَنِی عُقْبَۃُ ابْنُ الْحَارِثِ اَوْ سَمِعْتُهُ مِنْهُ اَنَّهُ تَزَوَّجَ اُمَّ یَحْیٰی بِنْتَ اَبِی اِهَابٍ قَالَ فَجَاءَ تْ اَمَۃٌ" سَوْدَاءُ فَقَالَتْ قَدْ اَرْضَعْتُکُمَا فَذَکَرْتُ ذٰلِکَ لِلنَّبِیِّ ﷺ فَاَعْرَضَ عَنِّی قَالَ فَتَنَحَّیْتُ فَذَکَرْتُ ذٰلِکَ لَهُ، قَالَ وَ کَیْفَ وَقَدْ زَعَمَتْ اَنْ قَدْ اَرْضَعَتْکُمَا فَنَهَاہُ عَنْهَا.

﴿عقبہ بن الحارث سے روایت ہے کہ انہوں نے ام یحییٰ بنت ابی احاب سے شادی کی تو ایک سیاہ فام لونڈی آئی اور کہنے لگی کہ میں نے تم دونوں کو دودھ پلایا ہے۔ میں نے اس بات کا تذکرہ نبی ﷺ سے کیا تو آپ نے رخ دوسری طرف کرلیا۔ میں اس طرف سے ہٹ گیا پھر دوبارہ میں نے آپ سے اسی بات کا ذکر کیا۔

آپ نے فرمایا جب اس کا گمان یہ ہے کہ اس نے تم دونوں کو دودھ پلایا ہے تو اب کیا ہو سکتا ہے۔ پھر آپ نے عقبہ کو ام یحییٰ کے ساتھ رشتہ سے روک دیا۔﴾

وضاحت:

اس مضمون کی حدیث پیچھے بھی گزر چکی ہے۔ اس میں بھی دودھ پلانے والی کی شہادت پر نبی ﷺ نے نکاح روک دیا۔ یہاں بھی جب لونڈی نے یہ بیان دے دیا کہ اس نے ان میاں بیوی دونوں کو دودھ پلایا تھا تو حضور نے اس بیان کو تسلیم کرتے ہوئے دونوں میں علیحدگی کروادی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ معاملہ ایسا تھا جس میں اگر اس واحد گواہی کو جھٹلا دیا جاتا تو زوجین پر ایک وہم زندگی بھر کے لیے مسلط ہو جاتا۔ اسی لیے حضور کا جواب یہ تھا کہ جب ایک بات کہہ دی گئی تو اب کیا ہو سکتا ہے؟

۱۴. باب: شَهَادَةِ الْمُرْضِعَةِ.

باب: دودھ پلانے والی کی گواہی

۲۳۔ حَدَّثَنَا اَبُو عَاصِمٍ عَنْ عُمَرَ بْنِ سَعِيْدٍ عَنِ ابْنِ اَبِي مُلَيْكَةَ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ الْحَارِثِ قَالَ تَزَوَّجْتُ امْرَاَةً فَجَاءَتِ امْرَاَةٌ فَقَالَتْ اِنِّي قَدْ اَرْضَعْتُكُمَا فَاَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ وَكَيْفَ وَقَدْ قِيْلَ دَعْهَا عَنْكَ اَوْ نَحْوَهُ.

﴿عقبہ بن الحارث کہتے ہیں کہ میں نے ایک عورت سے شادی کی۔ ایک عورت آئی اور کہنے لگی میں نے تم دونوں کو دودھ پلایا ہے۔ میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا: جب یہ بات کہہ دی گئی تو اب کیا ہو سکتا ہے۔ اس کو اپنے ہاں سے رخصت کر دو یا اسی طرح کی بات کی۔﴾

وضاحت:

یہ اوپر والی روایت ہی ہے۔ لیکن راوی نے اس میں کئی خلا چھوڑ دیے ہیں۔ بہر حال اس دودھ پلانے والی کی گواہی پر عقبہ بن الحارث کو رشتہ ختم کرنا پڑا۔

۱۵. باب: تَعْدِيلِ النِّسَاءِ بَعْضِهِنَّ بَعْضًا.

باب: عورتوں کا ایک دوسری کو قابل اعتماد ٹھہرانا

۲۴۔ حَدَّثَنَا اَبُو الرَّبِيعِ سُلَيْمَانُ بْنُ دَاوُدَ وَاَفْهَمَنِي بَعْضَهُ اَحْمَدُ حَدَّثَنَا فُلَيْحُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنِ

ابن شهاب الزهري عن عروة ابن الزبير و سعيد بن المسيب و علقمة بن وقاص الليثي وعبيدالله بن عبدالله بن عتبة عن عائشة رضي الله عنها زوج النبي ﷺ حين قال لها اهل الافك ما قالوا فبرأها الله منه، قال الزهري وكلهم حدثني طائفة من حديثها و بعضهم اوعى من بعض، واثبت له اقتصاصا، وقد وعيت عن كل واحد منهم الحديث الذي حدثني عن عائشة، وبعض حديثهم يصدق بعضا، زعموا ان عائشة قالت كان رسول الله ﷺ اذا اراد ان يخرج سفرا اقرع بين ازواجه، فايتهن خرج سهمها خرج بها معه فاقرع بيننا في غزاة غزاها فخرج سهمي فخرجت معه بعد ما انزل الحجاب، فانا احمل في هودج و انزل فيه، فسرنا حتى اذا فرغ رسول الله ﷺ من غزوته تلك و قفل و دنونا من المدينة، آذن ليلة بالرحيل، فقمت حين آذنوا بالرحيل، فمشيت حتى جاوزت الجيش، فلما قضيت شاني، اقبلت الى الرحل، فلمست صدري، فاذا عقد" لي من جزع اظفار قدانقطع، فرجعت فالتمست عقدي فحبسني ابتغاؤه، فاقبل الذين يرحلون لي فاحتملوا هودجي فرحلوه على بعيري الذي كنت اركب، وهم يحسبون اني فيه، وكان النساء اذ ذاك خفافا لم يثقلن، ولم يغشهن اللحم، و انما ياكلن العلقة من الطعام، فلم يستنكر القوم، حين رفعوه ثقل الهودج فاحتملوه، وكنت جارية حديثة السن فبعثوا الجمل وساروا فوجدت عقدي بعد ما استمر الجيش فجئت منزلهم وليس فيه احد"، فاممت منزلي الذي كنت به، فظننت انهم سيفقدوني فيرجعون الي، فبينا انا جالسة" غلبتني عيناي فنمت، وكان صفوان بن المعطل السلمي، ثم الذكواني من وراء الجيش، فاصبح عند منزلي، فرأى سواد انسان نائم فاتاني، وكان يراني قبل الحجاب، فاستيقظت باسترجاعه حين اناخ راحلته فوطئ يدها فركبتها فانطلق يقود بي الراحلة حتى اتينا الجيش بعد ما نزلوا معرسين في نحر الظهيرة فهلك من هلك، وكان الذي تولى الافك عبدالله ابن ابي ابن سلول، فقدمنا المدينة فاشتكيت بها شهرا يفيضون من قول اصحاب الافك، و يريبني في وجعي اني لا ارى من النبي ﷺ اللطف الذي كنت ارى منه حين امرض، انما يدخل فيسلم، ثم يقول كيف تيكم لا اشعر

بِشَیْءٍ مِنْ ذٰلِکَ حَتّٰی نَقِهْتُ فَخَرَجْتُ اَنَا وَ اُمُّ مِسْطَحٍ قِبَلَ الْمَنَاصِعِ مُتَبَرَّزُنَا لَا نَخْرُجُ اِلَّا لَیْلًا
اِلٰی لَیْلٍ، وَ ذٰلِکَ قَبْلَ اَنْ نَتَّخِذَ الْکُنُفَ قَرِیْبًا مِنْ بُیُوْتِنَا، وَاَمْرُنَا اَمْرُالْعَرَبِ الْاُوَلِ فِی الْبَرِّیَّةِ اَوْ
فِی التَّنَزُّهِ فَاَقْبَلْتُ اَنَا وَ اُمُّ مِسْطَحٍ بِنْتُ اَبِیْ رُهْمٍ نَمْشِیْ فَعَثَرَتْ فِیْ مِرْطِهَا فَقَالَتْ تَعِسَ
مِسْطَحٌ"، فَقُلْتُ لَهَا بِئْسَ مَا قُلْتِ اَتَسُبِّیْنَ رَجُلًا شَهِدَ بَدْرًا، فَقَالَتْ یَا هَنْتَاهُ اَلَمْ تَسْمَعِیْ مَا
قَالُوْا، فَاَخْبَرَتْنِیْ بِقَوْلِ اَهْلِ الْاِفْکِ فَازْدَدْتُ مَرَضًا اِلٰی مَرَضِیْ، فَلَمَّا رَجَعْتُ اِلٰی بَیْتِیْ، دَخَلَ
عَلَیَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَسَلَّمَ فَقَالَ کَیْفَ تِیْکُمْ، فَقُلْتُ ائْذَنْ لِیْ اِلٰی اَبَوَیَّ قَالَتْ وَ اَنَا حِیْنَئِذٍ
اُرِیْدُ اَنْ اَسْتَیْقِنَ الْخَبَرَ مِنْ قِبَلِهِمَا فَاَذِنَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَاَتَیْتُ اَبَوَیَّ، فَقُلْتُ لِاُمِّیْ مَا
یَتَحَدَّثُ بِهِ النَّاسُ فَقَالَتْ یَا بُنَیَّةُ هَوِّنِیْ عَلٰی نَفْسِکِ الشَّاْنَ فَوَاللّٰهِ لَقَلَّمَا کَانَتِ امْرَاَةٌ" قَطُّ
وَضِیْئَةٌ عِنْدَ رَجُلٍ یُحِبُّهَا وَلَهَا ضَرَائِرُ اِلَّا اَکْثَرْنَ عَلَیْهَا، فَقُلْتُ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَلَقَدْ یَتَحَدَّثُ
النَّاسُ بِهٰذَا، قَالَتْ فَبِتُّ تِلْکَ اللَّیْلَةَ حَتّٰی اَصْبَحْتُ لَا یَرْقَاُ لِیْ دَمْعٌ" وَلَا اَکْتَحِلُ بِنَوْمٍ، ثُمَّ
اَصْبَحْتُ فَدَعَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَلِیَّ بْنَ اَبِیْ طَالِبٍ وَ اُسَامَةَ بْنَ زَیْدٍ حِیْنَ اسْتَلْبَثَ الْوَحْیُ
یَسْتَشِیْرُهُمَا فِیْ فِرَاقِ اَهْلِهٖ فَاَمَّا اُسَامَةُ فَاَشَارَ عَلَیْهِ بِالَّذِیْ یَعْلَمُ فِیْ نَفْسِهٖ مِنَ الْوُدِّ لَهُمْ، فَقَالَ
اُسَامَةُ اَهْلُکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، وَلَا نَعْلَمُ وَاللّٰهِ اِلَّا خَیْرًا، وَاَمَّا عَلِیُّ بْنُ اَبِیْ طَالِبٍ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ
اللّٰهِ لَمْ یُضَیِّقِ اللّٰهُ عَلَیْکَ وَالنِّسَاءُ سِوَاهَا کَثِیْرٌ" وَسَلِ الْجَارِیَةَ تَصْدُقْکَ، فَدَعَا رَسُوْلُ اللّٰهِ
ﷺ بَرِیْرَةَ فَقَالَ یَا بَرِیْرَةُ هَلْ رَاَیْتِ فِیْهَا شَیْئًا یَرِیْبُکِ، فَقَالَتْ بَرِیْرَةُ: لَا وَالَّذِیْ بَعَثَکَ
بِالْحَقِّ اِنْ رَاَیْتُ مِنْهَا اَمْرًا اَغْمِصُهُ عَلَیْهَا اَکْثَرَ مِنْ اَنَّهَا جَارِیَةٌ" حَدِیْثَةُ السِّنِّ تَنَامُ عَنِ الْعَجِیْنِ
فَتَاْتِی الدَّاجِنُ فَتَاْکُلُهٗ، فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مِنْ یَوْمِهٖ، فَاسْتَعْذَرَ مِنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ اُبَیٍّ ابْنِ
سَلُوْلَ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ یَعْذُرُنِیْ مِنْ رَجُلٍ بَلَغَنِیْ اَذَاهُ فِیْ اَهْلِیْ، فَوَاللّٰهِ مَا عَلِمْتُ
عَلٰی اَهْلِیْ اِلَّا خَیْرًا، وَقَدْ ذَکَرُوْا رَجُلًا مَا عَلِمْتُ عَلَیْهِ اِلَّا خَیْرًا، وَمَا کَانَ یَدْخُلُ عَلٰی اَهْلِیْ اِلَّا
مَعِیْ، فَقَامَ سَعْدُ" بْنُ مُعَاذٍ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَنَا وَاللّٰهِ اَعْذِرُکَ مِنْهُ اِنْ کَانَ مِنَ الْاَوْسِ ضَرَبْنَا
عُنُقَهٗ، وَ اِنْ کَانَ مِنْ اِخْوَانِنَا مِنَ الْخَزْرَجِ اَمَرْتَنَا فَفَعَلْنَا فِیْهِ اَمْرَکَ، فَقَامَ سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ وَهُوَ
سَیِّدُالْخَزْرَجِ، وَکَانَ قَبْلَ ذٰلِکَ رَجُلًا صَالِحًا، وَلٰکِنِ احْتَمَلَتْهُ الْحَمِیَّةُ، فَقَالَ کَذَبْتَ لَعَمْرُاللّٰهِ

لا تقتُلُهُ وَلا تقدِرُ عَلى ذٰلِكَ، فقامَ اُسَيدُ بنُ الحضَيرِ فقالَ كذبتَ لعَمرُاللهِ، وَاللهِ لنقتلنَّهُ فإنّكَ منافِقٌ" تُجادِلُ عَنِ المُنافِقِينَ، فثارَالحيّانِ الاوسُ وَالخزرجُ حتّى همّوا وَ رَسُولُ اللهِ ﷺ عَلى المِنبَرِ فنزَلَ فخفّضَهُم حتّى سَكتُوا وَسَكتَ وَ بكَيتُ يَومِي لا يَرقَالِي دَمعٌ" وَلا اكتَحِلُ بِنَومٍ فاصبحَ عِندِي ابوايَ قد بكَيتُ لَيلَتَينِ وَ يَومًا حتّى اظُنُّ انَ البُكاءَ فالِقٌ" كَبِدِي، قالتْ فبَيناهُما جالِسانِ عِندِي وَ انا ابكِي إذاستاذنَتِ امرَاَةٌ" مِنَ الانصارِ فاذِنتُ لَها فجَلسَتْ تَبكِي مَعِي، فبَينَا نحنُ كذٰلِكَ إذ دَخلَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فجَلسَ وَلَم يَجلِسْ عِندِي مِن يَومٍ قِيلَ لِيْ ما قِيلَ قبلَها وَقد مَكثَ شهرًا لا يُوحى إليهِ فِي شانِي شَيءٌ"، قالتْ فتشهّدَ ثمّ قالَ يا عائشةُ فإنّهُ بلَغنِي عنكِ كذا وكذا فإن كُنتِ بَرِيئةً فسَيُبَرِّئُكِ اللهُ وَ إن كُنتِ اَلمَمتِ فاستغفِرِي اللهَ وَتُوبِي إليهِ فإنّ العَبدَ إذا اعترَفَ بذنبِهِ ثمّ تابَ تابَ اللهُ عَلَيهِ، فلمّا قضى رَسُولُ اللهِ ﷺ مَقالَتَهُ قلَصَ دَمعِي حتّى ما اُحِسُّ مِنهُ قطرَةً، وَقُلتُ لِابِي اَجِبْ عَنِّي رَسُولَ اللهِ ﷺ قالَ وَاللهِ ما اَدرِي ما اَقُولُ لِرَسُولِ اللهِ ﷺ فقُلتُ لِاُمِّي اَجِيبِي عَنِّي رَسُولَ اللهِ ﷺ فِيما قالَ قالتْ وَاللهِ ما اَدرِي ما اَقُولُ لِرَسُولِ اللهِ ﷺ قالتْ وَ اناجارِيَةٌ" حَدِيثةُ السِّنِّ لا اَقرَاُ كثِيرًا مِنَ القُرآنِ، فقُلتُ إنِّي وَاللهِ لقد عَلِمتُ انّكُم سَمِعتُم ما يَتحدّثُ بِهِ النّاسُ وَوَقرَ فِي انفُسِكُم وَصدّقتُم بِهِ، وَ لئِن قُلتُ لكُم إنِّي بَرِيئةٌ" وَاللهُ يَعلَمُ إنِّي لبَرِيئةٌ" لا تُصدِّقُونِي بذٰلِكَ، وَلئِن اعترَفتُ لكُم بامرٍ وَاللهُ يَعلَمُ إنِّي لبَرِيئةٌ" لتُصدِّقُنِّي، وَاللهِ ما اَجِدُلِي وَلكُم مَثلاً إلّا ابا يُوسُفَ إذ قالَ: فصَبرٌ" جمِيلٌ" وَاللهُ المُستعانُ عَلى ما تصِفُونَ، ثمّ تحوّلتُ عَلى فِراشِي، وَ انا اَرجُو انَ يُبَرِّئَنِي اللهُ وَلكِنْ وَاللهِ ما ظنَنتُ انَ يُنزِلَ فِي شانِي وَحيًا وَلانا احقَرُ فِي نفسِي مِن انَ يُتكلّمَ بالقُرآنِ فِي اَمرِي وَلكِنِّي كُنتُ اَرجُو انَ يَرى رَسُولُ اللهِ ﷺ فِي النّومِ رُؤيا يُبَرِّئُنِي اللهُ فوَاللهِ ما رَامَ مَجلِسَهُ وَلا خرَجَ احدٌ" مِن اَهلِ البَيتِ حتّى اُنزِلَ عَلَيهِ فاخذَهُ ما كانَ يَاخُذُهُ مِنَ البُرَحاءِ حتّى إنّهُ ليَتحدّرُ مِنهُ مِثلُ الجُمانِ مِنَ العَرَقِ فِي يَومٍ شاتٍ، فلمّا سُرِيَ عَن رَسُولِ اللهِ ﷺ وَهُوَ يَضحَكُ فكانَ اوّلَ كلِمَةٍ تكلّمَ بِها انَ قالَ لِي يا عائشةُ احمَدِي اللهَ فقد بَرّاكِ اللهُ فقالتْ لِي اُمِّي قُومِي إلى رَسُولِ اللهِ ﷺ فقُلتُ لا وَاللهِ

لَا اَقُومُ اِلَيهِ، وَلَا اَحْمَدُ اِلَّا اللّٰهَ، فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى: اِنَّ الَّذِينَ جَاؤُا بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ" مِنْكُمْ الْآيَاتِ، فَلَمَّا اَنْزَلَ اللّٰهُ هٰذَا فِي بَرَاءَتِي قَالَ اَبُوبَكْرٍ الصِّدِّيقُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَكَانَ يُنْفِقُ عَلٰى مِسْطَحِ بْنِ اُثَاثَةَ لِقَرَابَتِهِ مِنْهُ وَاللّٰهِ لَا اُنْفِقُ عَلٰى مِسْطَحٍ شَيْئًا اَبَدًا بَعْدَ مَا قَالَ لِعَائِشَةَ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى: وَلَا يَاْتَلِ اُولُوالْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ اِلٰى قَوْلِهِ غَفُورٌ" رَحِيمٌ"، فَقَالَ اَبُوبَكْرٍ: بَلٰى وَاللّٰهِ اِنِّي لَاُحِبُّ اَنْ يَغْفِرَ اللّٰهُ لِي، فَرَجَعَ اِلٰى مِسْطَحٍ الَّذِي كَانَ يُجْرِي عَلَيْهِ، وَكَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَسْاَلُ زَيْنَبَ بِنْتَ جَحْشٍ عَنْ اَمْرِي، فَقَالَ يَا زَيْنَبُ مَا عَلِمْتِ مَا رَاَيْتِ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ اَحْمِي سَمْعِي وَبَصَرِي وَاللّٰهِ مَا عَلِمْتُ عَلَيْهَا اِلَّا خَيْرًا قَالَتْ وَهِيَ الَّتِي كَانَتْ تُسَامِينِي فَعَصَمَهَا اللّٰهُ بِالْوَرَعِ قَالَ وَحَدَّثَنَا فُلَيْحٌ" عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ وَ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ الزُّبَيْرِ مِثْلَهُ قَالَ وَ حَدَّثَنَا فُلَيْحٌ" عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ اَبِي عَبْدِالرَّحْمٰنِ وَ يَحْيٰى بْنِ سَعِيدٍ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدِ ابْنِ اَبِي بَكْرٍ مِثْلَهُ.

﴿ابن شہاب زہری عروہ بن الزبیر، سعید بن المسیب، علقمہ بن وقاص اللیثی اور عبید اللہ بن عبداللہ بن عتبہ سے اور یہ سب ام المومنین حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب اہل افک نے عائشہؓ کے بارے میں وہ باتیں کیں جو انہوں نے کیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ام المومنین کو ان سے پاک قرار دیا۔ زہری کہتے ہیں کہ ان سب نے ان کے معاملہ کا کوئی نہ کوئی حصہ مجھ سے بیان کیا۔ ان میں سے بعض کو دوسروں سے زیادہ یاد تھا اور واقعہ بیان کرنے میں بھی ان کو زیادہ جزم تھا۔ میں نے ہر ایک سے حدیث محفوظ کر لی جو اس نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی۔ ان راویوں کی حدیث کا کچھ حصہ دوسرے حصہ کی تصدیق کرتا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ حضرت عائشہؓ نے یوں بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ جب سفر کے ارادہ سے نکلتے تو اپنی بیویوں کے درمیان قرعہ ڈالتے۔ جس بیوی کے نام کا قرعہ نکل آتا وہ آپ کے ساتھ سفر پر جاتیں۔ ایک غزوہ جو آپ کو پیش آیا اس کے لیے آپ نے ہمارے درمیان قرعہ ڈالا تو میرا نام نکلا۔ میں آپ کے ہمراہ سفر پر گئی۔ یہ حکم حجاب نازل ہونے کے بعد کا زمانہ تھا۔ میں ہودج میں بٹھا کر سوار کی جاتی اور اتاری جاتی۔ ہمارا سفر جاری رہا یہاں تک کہ جب اس غزوہ سے رسول اللہ ﷺ فارغ ہو کر لوٹے اور ہم مدینہ کے قریب پہنچ گئے۔ ایک رات آپ نے کوچ کا حکم دے دیا۔ جب کوچ کا اعلان ہوا تو میں اٹھی اور چلتے چلتے

لشکر گاہ سے باہر پہنچ گئی۔ جب میں نے اپنی ضرورت پوری کر لی تو اپنی سواری کے پاس آ گئی۔ میں نے سینہ کو ہاتھ لگایا تو معلوم ہوا کہ یمنی موتیوں کا ہار ٹوٹ چکا ہے۔ میں واپس گئی اور اپنی ہار ڈھونڈتی رہی۔ اس کی تلاش میں مجھے وقت لگا۔ وہ لوگ کہ جو میری سواری کا اہتمام کرتے تھے انہوں نے میرا ہودج اٹھایا اور اس کو اس اونٹ پر کسا جس پر میں سوار ہوا کرتی تھی۔ وہ یہ سمجھتے رہے کہ میں ہودج میں ہوں۔ اس دور میں عورتیں ہلکے جسم کی تھیں، وہ بھاری نہیں تھیں اور گوشت ان پر نہیں چڑھا تھا، وہ کم کھانا کھاتی تھیں، لہٰذا لوگوں نے ہودج اٹھایا تو ان کا وزن ان کو عجیب نہیں لگا چنانچہ انہوں نے اس کو اونٹ پر کس دیا۔ پھر میں ایک کم عمر لڑکی ہی تو تھی۔ پس انہوں نے اونٹ کو اٹھایا اور چل پڑے۔

لشکر کے چلے جانے کے بعد میرا ہار مجھے مل گیا۔ میں منزل پر آئی تو وہاں کوئی نہیں تھا۔ میں نے اسی مقام کا رخ کیا جہاں میں نے قیام کیا تھا۔ میرا گمان تھا کہ تھوڑی دیر میں لوگ مجھے نہ پا کر واپس میرے پاس آ جائیں گے۔ میں بیٹھی رہی یہاں تک کہ میری آنکھیں بوجھل ہونے لگیں اور میں سو گئی۔ صفوان بن معطل سلمی ذکوانی لشکر کے پیچھے تھے۔ وہ صبح کے وقت میری منزل پر پہنچے تو انہوں نے ایک سوئے ہوئے انسان کا سیاہ نشان دیکھا تو وہ میرے پاس پہنچے۔ حکم حجاب نازل ہونے سے پہلے وہ مجھے دیکھتے رہے تھے۔ انہوں نے اپنی سواری کو بٹھاتے ہوئے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا تو میری آنکھ کھل گئی۔ انہوں نے اونٹ کی اگلی ٹانگ تہہ کی تو میں سوار ہو گئی۔ پھر وہ سواری کے آگے آگے چلے یہاں تک کہ ہم نے لشکر کو اس وقت جا لیا جب وہ دوپہر کے وقت آرام کے لیے اترے۔

پھر جس نے ہلاک ہونا تھا ہلاک ہوا اور جو شخص تہمت لگانے کا ذمہ دار ہوا وہ عبداللہ بن ابی بن سلول تھا۔ پھر ہم مدینہ آئے تو میں ایک ماہ بیمار رہی۔ لوگ تہمت سازوں کی باتوں میں دلچسپی لیتے رہے۔ جو چیز میری تکلیف میں کھٹک کا باعث رہی وہ یہ تھی کہ میں نبی ﷺ کی طرف سے اس شفقت کا اظہار نہیں دیکھتی تھی جو مجھے اس وقت محسوس ہوتا تھا جب میں پہلے بیمار ہوا کرتی تھی۔ آپ کا طریقہ بس یہ تھا کہ آپ گھر میں داخل ہوتے، سلام کرتے اور پوچھتے کہ تمہارا کیا حال ہے۔ میں اس رویہ سے کچھ نہ سمجھتی یہاں تک کہ میں بیماری سے اٹھ گئی۔ تب یہ ہوا کہ میں اور ام مسطح اس طرف نکلیں جہاں عورتیں رفع حاجت کے لیے جاتی تھیں۔ ہم لوگ بس رات ہی کے وقت نکلے۔ یہ گھروں کے قریب طہارت خانے بنانے سے پہلے کی بات

ہے۔ اس وقت ابھی ہمارا طریقہ میدان میں پہلے عربوں جیسا تھا۔ میں اور ام مسطح بنت ابی رہم جا رہی تھیں کہ ام مسطح اپنی چادر میں الجھ کر گرنے لگیں۔ ان کے منہ سے نکلا 'مسطح تباہ ہو'۔ میں نے اس سے کہا تم نے یہ کیسی بددعا دے دی۔ کیا ایک ایسے آدمی کو برا بھلا کہہ رہی ہیں جو غزوہ بدر میں حاضر تھا۔ اس پر انہوں نے جواب دیا۔ اے لڑکی! کیا تم نے ان لوگوں کی باتیں نہیں سنیں۔ پھر انہوں نے مجھے اہل افک کی باتوں کی خبر دی۔ جس سے میرے مرض میں اضافہ ہو گیا۔ جب میں گھر لوٹ کر آئی تو رسول اللہ ﷺ آئے، سلام کر کے پوچھا کیسی ہو؟ میں نے کہا آپ مجھے اپنے والدین کے پاس جانے کی اجازت دے دیں۔ کہتی ہیں کہ میں والدین کے ہاں جا کر اس خبر کا یقین حاصل کرنا چاہتی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھے اس کی اجازت دے دی۔ میں والدین کے پاس گئی تو والدہ سے لوگوں کی باتوں کا تذکرہ کیا۔ انہوں نے کہا بیٹی، ان باتوں کو دل پر نہ لگاؤ۔ اللہ کی قسم! ایسا کم ہی ہوتا ہے کہ ایک آدمی کے نکاح میں ایک خوش شکل عورت ہو، آدمی اس سے محبت بھی کرتا ہو اور اس عورت کی سوکنیں بھی ہوں تو وہ اس کی عیب جوئی کر کے باتیں نہ بنائیں۔ میں نے کہا سبحان اللہ! اور لوگ بھی اسی کے متعلق باتیں کر رہے ہیں۔ کہتی ہیں کہ میں نے وہ رات اس طرح کاٹی کہ صبح ہونے تک نہ میرے آنسو تھمنے میں آئے اور نہ میں نے کوئی نیند کی جھپکی لی۔

صبح ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیوی کو جدا کرنے کے بارے میں مشورہ کے لیے علی بن ابی طالب اور اسامہ بن زید کو بلایا۔ اس وقت وحی کے نزول میں تاخیر ہو چکی تھی۔ اسامہ نے تو اس چیز کی طرف اشارہ کیا جو وہ رسول اللہؐ کے اہل کے لیے آپ کے دل میں جو محبت تھی اس کے بارے میں جانتے تھے۔ اسامہ نے کہا یا رسول اللہ! یہ آپ کے اہل ہیں۔ اللہ کی قسم ہم تو ان کے بارے میں بجز خیر کے کچھ نہیں جانتے۔ جہاں تک علی بن ابی طالب کا تعلق ہے۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ! اللہ نے آپ کے لیے کوئی تنگی نہیں رکھی۔ ان کے سوا بھی عورتیں بہت ہیں۔ لونڈی سے دریافت کیجئے وہ سچ سچ بتا دے گی۔ اس پر نبی ﷺ نے بریرہ کو بلوایا اور پوچھا اے بریرہ، کیا تو نے عائشہ کے اندر کوئی ایسی چیز دیکھی جس نے تمہارے اندر کھٹک پیدا کی ہو۔ بریرہ نے کہا، اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا، نہیں۔ میں نے عائشہ کے بارے میں اس سے زیادہ کوئی بات نہیں دیکھی جس کا میں اسے عیب دوں کہ وہ ایک کم سن لڑکی ہیں۔ آٹا گوندھ کر سو جاتی ہیں۔ بکری آتی ہے تو آٹا کھا جاتی ہے۔

اس دن رسول اللہ ﷺ خطبہ کے لیے کھڑے ہوئے اور عبداللہ بن ابی بن سلول کے رویہ کے بارے میں انصاف طلب کیا۔ آپ نے پوچھا کون ہے جو ایک ایسے آدمی پر میری گرفت میں میرا ساتھ دے گا جس کی اذیت میرے گھر کے اندر تک پہنچ چکی ہے۔ اللہ کی قسم میں اپنی زوجہ کے بارے میں سوائے خیر کے کوئی علم نہیں رکھتا اور لوگوں نے جس مرد کا ذکر کیا ہے اس کے بارے میں بھی خیر کے سوا میں کچھ نہیں جانتا۔ وہ میرے گھر میں میری معیت کے بغیر کبھی داخل نہیں ہوا۔ اس پر سعد بن معاذؓ کھڑے ہوئے اور کہا یا رسول اللہ! اللہ کی قسم میں آپ کو اس شخص کے شر سے بچاؤں گا۔ اگر وہ اوس میں سے ہوا تو ہم اس کی گردن ماردیں گے۔ اگر وہ ہمارے بھائیوں خزرج سے ہوا تو آپ جو حکم دیں گے ہم اس کو عملی جامہ پہنائیں گے۔ اس پر خزرج کے سردار سعد بن عبادہ اٹھے۔ اس سے پہلے وہ ایک نیک آدمی تھے لیکن قبیلہ کی حمیت ان پر غالب آ گئی۔ وہ کہنے لگے، تم جھوٹ بولتے ہو، قائم اللہ کی ذات ہے، تم اس کو قتل نہیں کرو گے اور نہ قتل کر سکتے ہو۔ اس پر اسید بن حضیر اٹھے اور کہا، تم جھوٹ بول رہے ہو۔ قائم تو اللہ کی ذات ہی ہے لیکن اللہ کی قسم ہم اس کو قتل کر کے رہیں گے۔ تو ایک منافق ہے۔ منافقوں کے حق میں وکالت کرتا ہے۔ پھر دونوں قبائل اوس اور خزرج میں ہنگامہ برپا ہو گیا۔ وہ ایک دوسرے پر پل پڑنے کے قریب تھے۔ رسول اللہ ﷺ منبر پر تھے۔ آپ اترے اور ان کو ٹھنڈا کیا۔ یہاں تک کہ سب لوگ خاموش ہو گئے اور آپ بھی خاموش ہو گئے۔

میرا یہ دن بھی روتے ہوئے گزرا۔ نہ آنسو تھمتے تھے اور نہ نیند آتی تھی۔ صبح کو میرے والدین میرے پاس آئے۔ میں دو راتیں اور ایک دن مسلسل روتی رہی تھی۔ مجھے گمان ہوتا تھا کہ رونے سے میرا کلیجہ پھٹ جائے گا۔ والدین ابھی بیٹھے ہوئے تھے اور میں روئے جا رہی تھی کہ ایک انصاری خاتون نے اجازت طلب کی۔ میں نے اس کو اجازت دے دی۔ وہ میرے پاس بیٹھ کر رونے لگی۔ ہم اسی حال میں تھے کہ رسول اللہ ﷺ داخل ہوئے اور بیٹھ گئے حالانکہ جب سے میرے بارے میں یہ باتیں ہونے لگی تھیں آپ میرے پاس بھی تشریف فرما نہ ہوئے تھے۔ اب ایک ماہ گزر چکا تھا اور میرے معاملہ میں آپ کو وحی نہیں آئی تھی۔ کہتی ہیں آپ نے کلمہ شہادت پڑھا۔ پھر فرمایا اے عائشہ، تمہارے بارے میں مجھے فلاں فلاں باتیں پہنچی ہیں۔ اگر تو تم بے گناہ ہو تو اللہ تمہیں بے گناہ قرار دے گا لیکن اگر تم اس گناہ میں ملوث ہوئی ہو تو اللہ سے مغفرت چاہو اور اس کی طرف رجوع کرو کیونکہ بندہ جب گناہ کا اعتراف کر لیتا ہے پھر توبہ کرتا ہے تو

اللہ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے۔

جب رسول اللہ ﷺ نے اپنی بات ختم کی تو یک دم میرے آنسو رک گئے اور اب آنکھوں میں ایک قطرہ بھی محسوس نہ ہوتا تھا۔ میں نے اپنے والد سے کہا کہ میری طرف سے آپ رسول اللہ ﷺ کو جواب دیں۔ انہوں نے کہا اللہ کی قسم، میری سمجھ میں کوئی بات نہیں آتی جو میں رسول اللہؐ سے کہہ سکوں، پھر میں نے والدہ سے کہا کہ میری طرف سے آپ رسول اللہ ﷺ کو جواب دیں۔ انہوں نے بھی کہا کہ میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ میں رسول اللہ ﷺ کو کیا جواب دوں۔ کہتی ہیں کہ میں کم سن لڑکی تھی۔ قرآن بھی میں کچھ زیادہ نہیں پڑھتی تھی۔ میں نے کہا اللہ کی قسم! میں جانتی ہوں کہ لوگ جس طرح کی باتیں کر رہے ہیں وہ آپ لوگوں نے بھی سن رکھی ہیں۔ وہ آپ لوگوں کے دلوں میں بیٹھ گئی ہیں اور آپ ان کو سچا سمجھتے ہیں۔ اب اگر میں یہ کہوں کہ میں بے گناہ ہوں، اور اللہ جانتا ہے کہ میں بے گناہ ہوں، تو آپ لوگ مجھے سچا نہیں سمجھیں گے۔ اور اگر میں ایک ایسی بات کا اعتراف کرلوں جو اللہ جانتا ہے کہ میں اس سے بری ہوں، تو آپ لوگ مجھے سچا سمجھیں گے۔ اللہ کی قسم! میں اپنے اور آپ لوگوں کے لیے یوسفؑ کے والد کی مثال کے سوا کوئی دوسری مثال نہیں پاتی۔ انہوں نے کہا تھا "صبر جمیل ہی صحیح روش ہے۔ جو کچھ تم بیان کرتے ہو اس میں اللہ ہی مددگار ہے"۔ یہ کہہ کر میں اپنے بستر پر چلی گئی۔ میں تو قع رکھتی تھی کہ اللہ تعالیٰ میری بے گناہی ظاہر فرمائے گا۔ لیکن اللہ کی قسم مجھے یہ گمان نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ میرے معاملہ میں وحی نازل فرمادے گا۔ یہ بات بھی تھی کہ میں اپنے آپ کو اس سے بہت حقیر سمجھتی تھی کہ میرے بارے میں اللہ تعالیٰ قرآن میں کلام کرے گا۔ البتہ یہ توقع مجھے تھی کہ رسول اللہ ﷺ رویا دیکھیں گے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ میری بے گناہی آشکارا کردے گا۔ اللہ کی قسم! آپ ابھی تشریف فرما ہی تھے اور گھر سے کوئی شخص نکلا تک نہ تھا کہ آپ پر وحی نازل ہونے لگی۔ آپ کی وہ کیفیت ہوگئی جو ایسے موقعوں پر تپ چڑھنے کی طرح کی ہوجایا کرتی تھی یہاں تک کہ سرد دن میں بھی آپ کا پسینہ موتیوں کی طرح ٹپکتا تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ اس کیفیت سے نکلے تو آپ ہنس رہے تھے۔ پہلی بات جو آپ نے فرمائی وہ یہ تھی کہ آپ نے مجھ سے کہا اے عائشہ! اللہ کا شکر ادا کرو کہ اس نے تمہیں بے گناہ قرار دیا ہے۔ میری ماں مجھے کہنے لگیں، اٹھو اور رسول اللہ ﷺ کے پاس آؤ۔ میں نے کہا نہیں، اللہ کی قسم میں اٹھ

کر آپ کے پاس نہیں آؤں گی اور نہ اللہ کے سوا کسی کا شکر یہ ادا کروں گی۔ اللہ تعالیٰ نے اس وقت یہ وحی نازل کی: ان الذین جاء وا بالافک عصبۃ منکم (متعدد آیات)

اللہ تعالیٰ نے میری بے گناہی میں جب یہ آیات نازل کیں تو ابوبکر صدیقؓ نے، جو مسطح بن اثاثہ کو اس سے اپنی قرابت داری کے باعث خرچ دیا کرتے تھے، کہا کہ اللہ کی قسم میں اب مسطح پر ذرہ بھی خرچ نہیں کروں گا کیونکہ اس نے عائشہ کے بارے میں باتیں کی ہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرمایا و لا یاتل اولوا الفضل منکم والسعۃ ...... غفور رحیم۔ اس پر ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا ہاں اللہ کی قسم میں تو اس بات کو محبوب رکھتا ہوں کہ اللہ میری بخشش فرما دے۔ چنانچہ آپ نے وہ خرچ بحال کر دیا جو مسطح پاتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ میرے بارے میں زینب بنت جحش سے پوچھا کرتے زینب! تمہارے علم میں کیا ہے، تم نے کیا دیکھا ہے، وہ کہتیں میں اپنے کانوں اور آنکھوں کی حفاظت کرتی ہوں۔ اللہ کی قسم میں بھلائی کے سوا اس کے بارے میں کوئی علم نہیں رکھتی۔ عائشہ کہتی ہیں کہ یہی زینب ہی تھیں جو میری برابری کا دعویٰ کرتی تھیں۔ خدا خوفی نے ان کو غلط بیانی سے محفوظ رکھا۔

وضاحت:

یہ روایت ابن شہاب زہری کے انداز روایت کی شاہکار روایت ہے۔ اس کا راز وہ خود ہی اس کی تمہید میں کھول رہے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اس روایت کے چار راوی ہیں: عروہ بن الزبیر جن کے متعلق رجال والے بتاتے ہیں کہ ان سے زہری کا سماع ثابت نہیں، سعد بن المسیب جن کے متعلق یہ بحث ہے کہ یہ ابن جبیر ہیں یا ابن المسیب، علقمہ بن وقاص اور عبید اللہ بن عبد اللہ، ان کی قدرے مختلف روایتیں، جو تمام تر مبہم ہیں، کمزور راویوں سے روایت ہوئی ہیں۔ یہ چاروں خود حضرت عائشہ سے روایت کرتے ہیں۔ یہ نہ سمجھیے کہ چار راویوں کے باعث یہ اتنے راویوں سے مروی روایت ہے بلکہ آگے چونکہ صرف زہری اس کو پھیلانے والے ہیں اس لیے یہ ایک آدمی کی روایت ہی مانی جائے گی۔ زہری سے اس کے راوی تمام تر کوفی ہیں، ان میں کوئی مدنی نہیں۔ گویا اس میں بیان کردہ واقعہ کی تفصیلات سے مدینہ میں تو کوئی آگاہ نہیں ہوا البتہ کوفہ میں یہ ہاتھوں ہاتھ لی گئی جو اتفاق سے اہل تشیع کی زرخیزی رہا ہے۔ اہل تحقیق کے مطابق دوسری صدی کے اوائل تک مرتب کیے گئے حدیث کے ذخیروں میں اس روایت کا کوئی ذکر نہیں۔ دوسرے الفاظ میں اس وقت تک اس کا کوئی وجود نہ تھا۔ بعد میں یہ دریافت ہوئی اور صحیحین میں جگہ پا کر اس کا چرچا ہو گیا۔

یہ روایت چار رواتیوں کا ملغوبہ ہے۔ اس میں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ کس راوی نے کون سا حصہ بیان کیا۔ زہری یہ تبصرہ ضرور کرتے ہیں کہ ان میں سے کسی کو واقعہ زیادہ یاد تھا کسی کو کم۔ گویا روایت کو قبول کرتے وقت وہ غیر جانبدار نہیں تھے بلکہ ہر ایک کے حصہ پر ثالث بھی بنے ہوئے تھے۔ جیسے اصل سچا واقعہ خود ان کے پاس محفوظ ہو اور دوسروں کے بیان کو تول رہے ہوں۔

زہری اگر چاروں شیوخ سے الگ الگ روایت لے کر ان کے حوالہ سے بیان کرتے تو اس سے وہ قباحت پیدا نہ ہوتی جو اسوقت پیدا ہو گئی ہے کہ راوی معلوم ہیں اور ان کی روایت مجہول ہے۔ اس صورت میں دوسرے لوگوں کو بھی اصل واقعہ تک پہنچنے کا موقع ملتا اور کسی کو یہ کہنے کی نوبت نہ آتی کہ ابن شہاب نے خود ہی روایات کی کتر بیونت کر کے ایک قصہ وضع کر لیا اور کسی راوی کے بیان کو سامنے آنے ہی نہیں دیا۔ شارح بخاری عینی تسلیم کرتے ہیں کہ یہ انداز روایت کہ آپ کئی راویوں کے بیانات کو جمع کر کے، جن کی حدود تک واضح نہ ہوں، ایک قصہ بنالیں، صرف ابن شہاب کا ہے۔ لیکن چونکہ اس کو قبول کر لیا گیا ہے لہٰذا حدیث میں اس کو جائز سمجھا گیا ہے۔ یہ تو وہی بات ہوئی کہ غالب کی ہے تو واہ واہ! البتہ دوسرے لوگ یہ حرکت کریں تو اس کی تدلیس، تلفیق، وغیرہ کہا جائے گا۔

روایت کی تمہید کے بعد جب قصہ شروع ہوتا ہے تو ٹھیک قصوں کے انداز پر 'زعموا' سے آغاز ہوتا ہے۔ یہ لفظ خود بات کہنے والے کی شک کی کیفیت کو ظاہر کرتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ راویوں کا گمان یہ ہے۔ حالانکہ اگر حضرت عائشہ آپ بیتی بیان کر رہی ہیں تو انہیں پورے یقین کے ساتھ حقیقت حال بیان کرنی چاہیے۔ اس میں شک کا کیا سوال! اب روایت کا تجزیہ کیجئے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ یہ واقعہ ایک غزوہ میں پیش آیا اور اس وقت پیش آیا جب احکام حجاب نازل ہو چکے تھے۔ چاروں راوی اس غزوہ کا نام نہیں لیتے حالانکہ بتانے کی اصل بات یہی تھی۔ اب آپ قیاس سے کہہ سکتے ہیں کہ احکام حجاب ۵ ہجری میں نازل ہوئے اور اس زمانہ میں غزوہ بنی المصطلق پیش آیا لہٰذا وہ مراد ہو سکتا ہے۔

غزوہ سے واپسی پر مدینہ کے قریب کسی پڑاؤ کے دوران ام المومنین فراغت کے لیے لشکر گاہ سے کچھ فاصلہ پر گئیں۔ جب واپس پہنچیں تو احساس ہوا کہ گلے کا ہار نہیں ہے۔ اس کی تلاش میں پھر واپس گئیں اور اس کو ڈھونڈنے لگیں حالانکہ لشکر کے کوچ کا اعلان ہو چکا تھا اور یہ بات ان کے علم میں بھی تھی۔ واپسی میں اتنی تاخیر ہوئی کہ جب لشکر گاہ پہنچیں تو وہاں کوئی شخص موجود نہ تھا۔ چنانچہ اس توقع پر بیٹھ گئیں کہ جونہی لوگوں کو میری عدم موجودگی کا احساس ہوگا وہ لوٹیں گے۔ اس دوران میں انہیں نیند آ گئی جو اس وقت کھلی جب صفوان بن معطل سلمی لشکر کے پیچھے چلتے ہوئے وہاں پہنچے اور ام المومنین کو دیکھ کر انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا۔

روایت کے اس حصہ میں کئی باتیں غور طلب ہیں جو بالکل غیر فطری بھی ہیں اور رسول اللہ ﷺ کی عادت کے

خلاف بھی۔ حضرت عائشہؓ کوئی معمولی شخصیت نہ تھیں بلکہ سربراہ مملکت کی زوجہ کی حیثیت سے ان کے ہمراہ سفر کر رہی تھیں تو کیا ان کو لشکرگاہ میں سربراہ مملکت کے قریب نہیں اتارا گیا تھا اور کیا حضور اس قدر بے خبر تھے کہ حضرت عائشہؓ لشکرگاہ میں آ جا رہی تھیں لیکن یہ بات آپ کے علم میں نہیں آئی۔ آپ کے دوسرے سفروں کا حال جہاں بیان ہوا ہے، اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ معمولاً آپ کی زوجہ محترمہ کا اونٹ آپ کے اونٹ کے برابر رہتا اور سفر کے دوران آپ ان سے باتیں کرتے رہتے۔ جب منزل ہوتی تو آپ ساتھ ساتھ ہی فروکش ہوتے۔ آخر اسی سفر میں اس عادت پر عمل کیوں نہیں ہوا یہاں تک کہ حضورؐ کو اگلی دوپہر تک بھی معلوم نہ ہو سکا کہ ام المومنین کہیں پیچھے رہ گئی ہیں۔

پھر اونٹ پر سواری کی وضاحتیں دیکھئے۔ معمول تو یہ ہے کہ اونٹ کو بٹھا کر اس پر کجاوہ کس دیا جاتا ہے اور پھر سوار اس میں بیٹھتے ہیں۔ یہاں وہ فرماتی ہیں کہ میں پہلے ہودج میں بیٹھ جاتی تھی، پھر سواری کا اہتمام کرنے والے ہودج کو اٹھا کر اونٹ پر کستے۔ اس پر سوال پیدا ہوتا تھا کہ پھر خالی ہودج کو اٹھاتے ہوئے ان لوگوں کو احساس کیوں نہ ہوا کہ ام المومنین اس میں نہیں ہیں۔ اس کے جواب میں خود حضرت عائشہؓ کی زبان سے یہ کہلوایا گیا ہے کہ میں ابھی کم سن بچی ہی تو تھی، نیز اس زمانہ میں خواتین دبلی پتلی ہوا کرتی تھیں۔ وہ گوشت نہیں کھاتی تھیں جس سے ان کے جسم بھاری ہوتے۔ اول تو کم سن بچی ہونے کی روایت بھی شیعی ذہن کی پیداوار ہے۔ اس کے واحد راوی ہشام بن عروہ ہیں جن کی ساری عمر مدینہ میں گزری لیکن وہاں انہوں نے کسی سے یہ روایت بیان نہیں کی۔ دوسری صدی کے وسط میں ان کا بڑھاپے کا ایک سفر عراق کی جانب ہوا تو وہاں اس روایت نے جنم لیا اور گیارہ راوی ان کو مل گئے۔ پھر عجمیین کے طفیل یہ موضوع روایت شہرت پا گئی۔ دوسرے ام المومنین کا علم، ذہانت و فطانت، حضور کے افعال و معمولات کے بارے میں وضاحتیں اور بعض صحابہ کرام کی روایات پر ان کی گرفت اس بات سے ابا کرتی ہے کہ ان کو ایک کم سن لڑکی مانا جائے۔ تیسرے اپنے کم وزن کے حق میں یہ دلیل دینا کہ مدینہ کی تمام عورتیں اسی طرح دبلی پتلی تھیں بالکل غیر حقیقت پسندانہ بات ہے۔ ام المومنین کو جتنا بھی دبلا پتلا مان لیا جائے تب بھی بہرحال خالی ہودج اور کچھ وزن رکھنے والے ہودج میں فرق تو ہوتا ہی ہے۔ آخر یہ سوار کرنے والوں کے نوٹس میں کیوں نہیں آیا۔

یہ بات بالکل غیر فطری اور خصوصاً ام المومنین جیسی زیرک خاتون کے لیے ناقابل تصور ہے کہ لشکر کی روانگی کا اعلان ہو چکا ہو اور وہ بغیر کسی کو اطلاع کیے ایک دفعہ نہیں بلکہ دو دفعہ لشکرگاہ سے باہر چلی گئی ہوں اور وہاں اتنی تاخیر کر دیں کہ اس دوران میں لشکر ہی اپنی اگلی منزل کی طرف روانہ ہو جائے۔ اتنا بڑا خطرہ مول لینے کے بجائے وہ موتیوں کے ہار کو چھوڑ سکتی تھیں۔ وہ لشکرگاہ سے میلوں دور بھی نہیں گئی تھیں۔ جب لشکر روانہ ہونے لگا تو وہ بھاگ کر بھی اس کو پا سکتی تھیں۔ لیکن انہوں نے نہایت غیر فطری راستہ اختیار کیا جو کوئی عورت، جو اس طرح کے خطرہ سے دوچار ہو، اختیار نہیں کرتی کہ وہ قافلہ کو پکڑنے کی کوشش ہی نہ کرے اور وہیں بیٹھ کر سو جائے۔ ان تمام غیر عقلی، غیر فطری اور غیر حقیقت پسندانہ باتوں کے باعث یہ

کہنا پڑتا ہے کہ یہ سارا افسانہ زہری کے ذہن کی پیداوار ہے۔

آگے کا بیان پھر اسی طرح غیر حقیقت پسندانہ ہے۔ حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ وہ مدینہ جا کر بیمار ہو گئیں اور ان کی بیماری میں افاقہ کوئی ایک ماہ بعد ہوا۔ اس پورے عرصہ میں کوئی تفتیش نہیں کی گئی، نہ انصار و مہاجرین سے کوئی رائے طلب کی گئی اور نہ حضرت عائشہؓ ہی سے معاملہ کے بارے میں کوئی پوچھ گچھ کی گئی۔ حالانکہ اگر کوئی واقعہ پیش آیا تھا تو اسی وقت اس کا چرچا ہو جاتا جب ام المومنین دوپہر کے وقت اگلی منزل پر لشکر سے جا ملیں اور نبی ﷺ اسی وقت لوگوں سے گواہیاں طلب کرتے۔ پہلی گواہی خود ام المومنین کی ہوتی۔ پھر صفوان بن معطل سے پوچھا جاتا پھر ہودج کسنے والوں کو طلب کیا جاتا۔ آگے یہ سلسلہ مدینہ جا کر بھی جاری رہتا یہاں تک کہ معاملہ بالکل صاف ہو جاتا۔ لیکن یہ بات کتنی بعید از قیاس ہے کہ حضرت عائشہؓ سے حضور کی پوچھ گچھ کا کوئی ذکر ہوا کہ وہ دوسرے اونٹ پر اتنی تاخیر سے کیوں آئیں، نہ مدینہ جا کر افواہیں ان تک پہنچیں کہ وہ سمجھ سکتیں کہ میرے خلاف کیا پروپیگنڈا ہو رہا ہے، نہ حضور ﷺ نے کسی تفتیش کا اہتمام فرمایا اور نہ کسی کو سزا دی گئی۔ ان تمام باتوں کا مستور ہونا خود اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ یہ افسانہ زہری کے دماغ کی اختراع ہے۔ حقیقت سے اس کو کوئی تعلق نہیں۔

جیسا کہ پیچھے کچھ روایات میں زہری نے یہ تاثر دیا ہے کہ حضور کی ازواج کے درمیان دھڑابندی بھی تھی اور سوکناپے کی چشمک بھی، اس تاثر کو تقویت پہنچانے کے لیے اس نے اس روایت میں زوجہ ابی بکر صدیق کی زبان سے کہلوایا ہے کہ سوکنیں عیب جوئی کر کے باتیں تو بناتی ہی ہیں۔ لیکن اس پوری روایت میں ان میں سے کسی کا تذکرہ اس حوالہ سے نہیں آیا کہ انہوں نے واقعہ افک کو ہوا دینے کی کوشش کی ہو۔ اگر ذکر ہے تو بقول زہری دوسرے دھڑے کی زینب بنت جحش کا جنہوں نے حضرت عائشہ کی برأت میں نہایت سچی شہادت دی اور خود حضرت عائشہ صدیقہؓ نے اس کا برملا اعتراف کیا۔ سوکنوں کی باتیں دوسری کسی روایت میں بھی سامنے نہیں آئیں۔ تاہم زہری خود اس کو ہوا دینا چاہتے ہیں۔

روایت کا ایک اور ناقابل قیاس اور غیر حقیقت پسندانہ پہلو یہ ہے کہ نبی ﷺ حضرت عائشہؓ کے کردار کے بارے میں تحقیق کرتے اور ان کو رخصت کرنے کا مشورہ کرتے ہیں تو اسامہ بن زید سے، جو اس وقت تیرہ سال کے لڑکے ہوں گے، اور حضرت علیؓ سے جو آپ کے نوجوان داماد تھے۔ بیوی کو جدا کرنے کے معاملہ میں اگر رائے لینی تھی تو اسامہ کے والد زید سے لی جاتی جو حضور کے منہ بولے بیٹے اور گھر کے ایک فرد کی طرح تھے۔ اسی طرح خود حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان جیسے معمر لوگ حضرت علی کی نسبت گواہی یا مشورہ کے لیے زیادہ موزوں تھے۔ حضور سے یہ تسامح کیسے ہو گیا کہ آپ نے نوخیز لڑکوں پر اس سنجیدہ معاملہ میں اعتماد کیا۔

بریرہ کی شہادت کا تذکرہ بھی ایک غلط بیانی ہے کیونکہ اہل تحقیق کی رائے کے مطابق بریرہ فتح مکہ کے بعد حضرت عائشہؓ کے پاس آئیں جب کہ یہ واقعہ دو تین سال پہلے کا ہے۔

اسی طرح کی غلط بیانی اوس اور خزرج کے درمیان تو تکار کی ہے۔ اول تو جیسا کہ اوپر بحث ہو چکی ہے کہ روایت میں کسی تحقیق و تفتیش کا ذکر نہیں ہے اور ایک ماہ تک خود حضرت عائشہؓ کو بھی معاملہ کی خبر نہ ہو سکی۔ دوسرے بغیر کسی تمہید کے عبداللہ بن ابی کے مقابلہ میں حضور کو انصار سے مدد مانگتے دکھایا گیا ہے اور نوبت یہاں تک پہنچتی ہے کہ مسجد نبوی میں ہنگامہ برپا ہو جاتا ہے۔ لوگوں کی قبائلی عصبیت بھڑک اٹھتی ہے اور وہ مرنے مارنے پر تیار ہو جاتے ہیں۔ اس میں دلچسپ امر یہ ہے کہ سعد بن معاذ ہنگامے میں پیش پیش ہیں، حالانکہ غزوہ خندق کے دو ماہ بعد ان کا انتقال ہو چکا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ زہری سے یہاں افسانہ طرازی میں چوک ہو گئی ہے۔ اس واقعہ میں خزرج رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کے لیے ڈھال بن جاتے ہیں اور وہ بھی خود رسول اللہ ﷺ کے مقابلہ میں جبکہ رئیس المنافقین نے آپ کے ناموس پر حملہ کیا ہے۔ یہ وہ مسلمان ہیں جو حضور کو دعوت دے کر مکہ سے مدینہ لائے، آپ کو اور آپ کے مہاجر ساتھیوں کو سر آنکھوں پر بٹھایا، ہر سرد و گرم میں آپ کے ساتھ بھرپور تعاون کیا اور آپ کا ساتھ دے کر آپ کے تمام دشمنوں کو شکست دی۔ زہری کے سوا اتنا غیر حقیقی بیان دینے کی جرأت کوئی دوسرا نہیں کر سکتا۔ حیرت اس بات پر ہوتی ہے کہ روایت کے ان پہلوؤں کو جلیل القدر محدثین نے کیوں نظر انداز کیا اور نبی ﷺ اور صحابہ کرام پر طعن ان کو کیوں نظر نہ آیا۔ نبی ﷺ پر طعن کی اس سے بڑی دلیل کیا ہو سکتی ہے کہ آپ کی زوجہ بیمار ہیں۔ آپ ان کی طرف سے محض ایک افواہ کی بنا پر بے التفاتی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ ان کی بیماری میں مزاج پرسی کا انداز بھی نہایت روکھا پھیکا ہے۔ اصل معاملہ میں الزام کو ثابت کیے بغیر ان کو طلاق دینے کے لیے مشورہ شروع کر دیتے ہیں۔ اس سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ آپ بھی نعوذ باللہ منافقین کے پروپیگنڈے کا شکار ہو گئے اور بحیثیت رسول اپنی ذمہ داری کے ادا کرنے میں معتدل نہ رہے۔

اس واقعہ کے بعد نبی ﷺ حضرت عائشہؓ کو توبہ و استغفار کی تلقین کرتے ہیں اور ان پر الزام کا ذکر کرتے ہیں۔ وہ اپنے والدین کو جواب دینے کے لیے کہتی ہیں جو اس سے معذرت کر دیتے ہیں۔ یہاں پھر زہری بالکل غیر ضروری طور پر حضرت عائشہؓ کے کم سن لڑکی ہونے کا ذکر کرتے ہیں اور ساتھ یہ بھی اضافہ کر دیتے ہیں کہ وہ کم ہی قرآن پڑھی ہوئی تھیں۔ یہ باتیں شیعی پروپیگنڈا کا حصہ ہیں۔ ہم جس عائشہؓ کو جانتے ہیں ان کے سامنے تو بڑے بڑے ذی علم صحابہ قرآن مجید اور احادیث رسولؐ کی گتھیاں سلجھانے کے لیے حاضر ہوا کرتے تھے۔

حضرت عائشہؓ کی زبان سے بار بار کہلوایا گیا ہے کہ سلسلہ وحی ایک ماہ تک رکا رہا۔ گویا توقع یہی تھی کہ خود اللہ میاں فیصلہ فرمائیں گے۔ آخر نبی ﷺ اپنے علم کی روشنی میں دوسرے فیصلے بھی فرماتے تھے اور کبھی یہ انتظار نہیں ہوتا تھا کہ وحی نازل ہو کر فیصلہ کر دے۔ اس معاملہ میں بھی سورہ نساء کے احکام موثر تھے تو نبی ﷺ نے ان کی روشنی میں پہلے کوئی فیصلہ کیوں نہ کر لیا۔ اگر آپ خود نہیں کر سکے تو آپ نے جبریل امین کو اس میں مدد کرنے کے لیے کیوں نہ کہہ دیا جبکہ وہ ہر رمضان میں روزانہ قرآن کے مذاکرہ کے لیے آتے تھے۔ یاد رہے کہ غزوہ بنی المصطلق شوال کے وسط میں پیش آیا تھا اور حضرت

عائشہؓ کی مزعومہ بیماری کے دوران رمضان کا آغاز ہو چکا تھا۔

غزوہ بنی المصطلق کے فوراً بعد کا نمایاں واقعہ حضرت جویریہؓ سے آپ کا نکاح ہے۔ گویا ایک طرف حضور ایک ماہ سے حضرت عائشہؓ کے معاملہ میں الجھے ہوئے تھے اور دوسری طرف حضرت جویریہؓ سے نکاح کے انتظامات ہو رہے تھے۔

روایت میں حمنہ بنت جحش کو افواہ پھیلانے میں پیش پیش دکھایا گیا ہے۔ تاثر یہ دینا مقصود ہے کہ وہ اپنی بہن ام المومنین زینب بنت جحش کی طرفداری میں ایسا کر رہی تھیں۔ حضرت زینب سے آنحضرتؐ کا نکاح اس وقت نیا نیا ہی تھا جبکہ دھڑا بندیوں کے قائم کرنے میں بھی خاصا وقت درکار ہوتا ہے۔ پھر حمنہ پر گرفت کا کوئی ذکر نہیں حالانکہ اگر کوئی ایسا معاملہ ہوتا تو مہاجرین خاموش نہیں رہ سکتے تھے۔

یہ روایت اس طرح کے عجائبات پر مشتمل ہے جن میں سے کسی کی معقول توجیہ نہیں ہو سکتی۔ یہ ایسی خبر واحد ہے جس کے راوی صرف ابن شہاب ہیں۔ وہ حرم نبوی کو بالعموم اور حضرت عائشہؓ کو بالخصوص مطعون کرنا چاہتے ہیں۔ اسی طرح ابوبکر صدیق اور ان کا خاندان بھی ان کی زد میں رہتا ہے۔ افسوس اس بات کا ہے کہ بخاری اور مسلم نے اپنی کتابوں میں اس روایت کو جگہ دے کر اس کو امت میں پھیلا دیا ہے اور لوگ بغیر سوچے سمجھے اس کو ماننا ضروری سمجھتے ہیں۔

امام صاحب اس طویل روایت سے صرف یہ نکتہ پیدا کرنا چاہتے ہیں کہ عورتوں کی شہادت کسی عورت کو ثقہ قرار دینے کے لیے کافی ہے، جیسا کہ بریرہ اور زینب بنت جحش نے حضرت عائشہؓ کی بریت میں شہادت دی۔

۱۶. باب: إِذَا زَكّٰى رَجُلٌ" رَجُلًا كَفَاهُ وَقَالَ أَبُو جَمِيلَةَ وَجَدْتُ مَنْبُوذًا فَلَمَّا رَآنِي عُمَرُ قَالَ عَسَى الْغُوَيْرُ أَبْؤُسًا كَأَنَّهُ يَتَّهِمُنِي قَالَ عَرِيفِي إِنَّهُ رَجُلٌ" صَالِحٌ" قَالَ كَذَاكَ اذْهَبْ وَعَلَيْنَا نَفَقَتُهُ.

باب: جب ایک آدمی دوسرے کو پاک قرار دے تو وہی اس کے لیے کافی ہے۔ ابو جمیلہ نے یہ کہا کہ مجھے ایک پھینکا ہوا بچہ ملا۔ جب حضرت عمرؓ نے مجھے دیکھا تو فرمایا ممکن ہے بچانے کی کوشش مصیبت بن جائے۔ معلوم ہوتا تھا وہ مجھ پر الزام لگا رہے ہیں۔ میرے نگران نے ان کو بتایا کہ نہیں، یہ ایک صالح آدمی ہیں۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا، اگر معاملہ اس طرح ہے تو تم جا سکتے ہو، اس کا خرچ ہمارے ذمہ ہوگا۔

وضاحت:

امام صاحب نے جو باب باندھا ہے اس کا مقصود یہ ہے کہ ایک آدمی کو الزام سے بری قرار دینے لیے ایک مرد کی

شہادت بھی کافی ہوتی ہے۔ اس کے حق میں ایک تعلیق نقل کی گئی ہے کہ ایک صاحب ابو جمیلہ کو ایک بچہ ملا جس کو والدین نے پھینک دیا تھا۔ انہوں نے بچے پر ترس کھا کر اس کو اٹھا لیا اور اس کو پالنے کی ذمہ داری خود لے لی۔ ابو جمیلہ کا سامنا حضرت عمرؓ سے ہو گیا۔ حضرت عمرؓ کا خیال ہوا کہ شاید یہ بات بنا رہے ہیں۔ بچے کو مال حاصل کرنے کا ذریعہ بنانا چاہتے ہیں۔ اس لیے فرمایا کہ یہ کوشش کہیں مصیبت نہ بن جائے، یعنی حکومت کی گرفت میں آ جاؤ۔ حکومت کی طرف سے مقرر مانیٹر نے کہا کہ نہیں ابو جمیلہ ایک صالح آدمی ہیں۔ اس پر حضرت عمرؓ نے انہیں چھوڑ دیا اور کہا کہ بچے کی پرورش کرو۔ اس کی رضاعت کا خرچ بیت المال سے دیا جائے گا۔

شہادت معاملہ کی نوعیت کے مطابق ہوتی ہے۔ کسی معاملہ میں صرف ایک شہادت سے دوسرے کی غلط فہمی دور کی جا سکتی ہے لیکن جہاں معاملہ قدرے سنگین ہو یا عدالت میں زیر بحث ہو تو اس وقت ایک شہادت کسی کی بریت کے لیے کفایت نہیں کرتی۔

۲۵۔ حَدَّثَنَا ابْنُ سَلَامٍ اَخْبَرَنَا عَبْدُالْوَهَّابِ حَدَّثَنَا خَالِدٌ " الْحَذَّاءُ عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ ابْنِ اَبِی بَكْرَةَ عَنْ اَبِيهِ قَالَ اَثْنٰی رَجُلٌ " عَلٰی رَجُلٍ عِنْدَالنَّبِیِّ ﷺ فَقَالَ وَيْلَکَ قَطَعْتَ عُنُقَ صَاحِبِکَ قَطَعْتَ عُنُقَ صَاحِبِکَ مِرَارًا ثُمَّ قَالَ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَادِحًا اَخَاهُ لَا مَحَالَةَ فَلْيَقُلْ اَحْسِبُ فُلَانًا وَاللّٰهُ حَسِيبُهٗ وَلَا اُزَكِّي عَلَى اللّٰهِ اَحَدًا اَحْسِبُهٗ كَذَا اِنْ كَانَ يَعْلَمُ ذٰلِکَ مِنْهُ.

﴿ابو بکرہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے نبی ﷺ کے پاس دوسرے آدمی کی تعریف کی تو آپ نے فرمایا کہ تجھ پر افسوس ہے کہ تم نے اپنے ساتھی کی گردن کاٹ دی، تم نے اپنے ساتھی کی گردن کاٹ دی۔ یہ دو بار فرمایا۔ پھر آپ نے تلقین کی کہ تم میں سے کوئی اپنے بھائی کی تعریف میں لازماً بولنا ہی چاہتا ہو تو اسے یوں کہنا چاہیے کہ اللہ فلاں شخص کے بارے میں صحیح علم رکھتا ہے اور میں اس کے علم کے مقابلہ میں کسی کو پاک نہیں ٹھہراتا، لیکن میرا اس شخص کے متعلق یہ اچھا گمان ہے، بشرطیکہ وہ اس کی اس خوبی سے واقف ہو۔﴾

وضاحت:

آدمی نے جو تعریف کی وہ دوسرے آدمی کے منہ پر اور رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں کی۔ جب اس طرح منہ پر کسی کی تعریف کی جائے تو وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اس سے حظ اٹھاتا ہے۔ اس کے نتیجہ میں اس کے دل کے اندر بڑائی کا احساس پیدا ہوتا ہے جو ایک شیطانی جذبہ ہے۔ اس لیے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تو نے اپنے ساتھی کے منہ پر تعریف کر کے اس کے ساتھ ہمدردی نہیں کی بلکہ دشمنی کی ہے اور اس کی گردن کاٹ دی ہے۔ یعنی اس تعریف سے اس کے دل میں بڑائی اور غرور کا بیج ڈال دیا

ہے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اگر کسی موقع پر ایک بھائی کی تعریف کرنا ضروری ہو گیا ہو اور جس بات کی تم تعریف کرنا چاہتے ہو وہ فی الواقع اس کے اندر موجود اور تمہارے علم میں ہو تو اس کے بیان کرنے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ اصل علم تو اللہ تعالیٰ کو ہے جس کے مقابل میں میں کسی کو پاک نہیں ٹھہراتا۔ لیکن اس شخص کے بارے میں میں اچھا گمان رکھتا ہوں۔